رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مُرتّبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت : پانچ روپیہ سالانہ

دفتر مجلس المصنفین اعظم گڈھ

دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

۴۶ ویں جلد

از جولائی سنہ ۱۹۴۰ء تا دسمبر ۱۹۴۰ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ

السیرۃ

رسول اللہ صلعم کے حالات، غزوات، اخلاق و عادات اور تعلیم و ارشاد کا وہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبی عام طور سے مشہور ہے، مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھ کر صحت و اہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔

اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور ابتداء میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے، جس میں فن سیرت کی تنقید و تاریخ ہے دوسرے حصہ میں تکمیل دین، تاسیس حکومت الٰہی، وفات، اخلاق و عادات، اعمال و عبادات اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے، تیسرے حصہ میں آپ کے معجزات و خصائص نبوت پر بحث ہے، اس میں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کی گئی ہیں، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بروایات صحیحہ ثابت ہیں اسکے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کی گئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے جو آپ کے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ اس میں قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے عقائد لکھے جائیں، پانچویں حصہ میں عبادات کی حقیقت، عبادات کی تفصیل و تشریح اور ان کے مصالح و حکم کا بیان ہے اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ کیا گیا ہے، چھٹے حصہ میں حقوق، فضائل اور آداب کے عنوان اور انکی ذیلی سرخیوں کے تحت اخلاقی تعلیمات کی تفصیل ہے، حجم [illegible] صفحے

قیمت با اختلاف کاغذ حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible] حصہ سوم [illegible] حصہ چہارم [illegible] حصہ پنجم [illegible] حصہ ششم [illegible]

(منیجر دار المصنفین اعظم گڑھ)



فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۴۶

جولائی ۱۹۴۰ء تا دسمبر ۱۹۴۰ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	شمار	اسمائے گرامی	
۱	مولنا سید ابوظفر صاحب ندوی	۳۸۰		صدر مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو	۶۵
۲	جناب سید ابوعاصم صاحب بی اے علیگ ،	۲۵۸، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۶، ۳۸۲، ۳۹۰، ۳۴۳، ۳۶۷، ۳۷۱	۶	سید سلیمان ندوی	۲، ۶۴، ۸۲، ۱۹۲، ۲۴۲، ۲۴۵، ۳۱۲، ۳۲۲، ۳۲۵، ۴۰۲، ۴۰۵
۳	جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی ،	۳۵	۷	جناب سید شرف الدین احمد صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل گیا ،	۲۵۶
۴	جناب مولوی بشیر احمد صاحب صدیقی ایم اے پرنسپل شبلی کالج ،	۵۶، ۶۲	۸	مولنا عبدالسلام ندوی	۲۳، ۱۰۵، ۴۴، ۴۲۵
			۹	جناب غلام مصطفےٰ خانصاحب ایم اے امراوتی	۵۳
			۱۰	مولوی محمد اویس صاحب ندوی	۲۶۷، ۳۵۰
	مولینا حبیب الرحمن صاحب	۶۵		رفیق دار المصنفین ،	۴۵۴

"جلد ۴۶" ماہ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۰ء " عدد ۱ "

مضامین



ادبیات

باب التقریظ والانتقاد

حیدرآباد میں اودھ کے ایک مشہور و ممتاز مینائی خاندان کے فرد فرید نے بھی ہمارے دنیائے فانی کو الوداع کہا، منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے خلف الرشید نواب اختر یار جنگ بہادر جنھوں نے دکن میں امیر مرحوم کی وفات کے بعد سے دکن کو شاد دکن کی نوازشوں سے اپنا وطن بنا لیا تھا، اور معتمد امور مذہبی کی حیثیت سے سینکڑوں مفید خدمات انجام دیے اور ہر نیک کام کی امداد میں سبقت کی، اب چند سال سے پنشن پاکر سبکدوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے، ہمیشہ کے لئے بزم حیات سے رخصت ہوگئے اللہ تعالیٰ ان کے نیک خدمات کا نیک صلہ عنایت فرمائے،

خواجہ عبد الرؤف عشرت لکھنوی داروغہ حیدر بخش کی مسجد کے نیچے چھوٹی سی دوکان پر بیٹھا کرتے تھے، مگر خدا جانے کیا بات ہے یہ چھوٹی سی معمولی حیثیت کی دوکان نصف صدی تک لکھنؤ کے اہل علم و ادب کا مرکز بنی رہی، اور ہمیں نے بھی چالیس برس اس چھوٹی سی دکان کو اسی طرح علم و ادب کے قدرشناسوں کا مرکز دیکھا، اس وقت جب لکھنؤ کا چوک بجلی اور گیس کی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا یہی دکان تھی جس پر پرانا مٹی کا چراغ جلا کرتا تھا، اور دنیا کو وضعداری کی روشنی دکھاتا تھا، افسوس کہ زبان و ادب کا یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی بجھ گیا،

خواجہ صاحب گو خود غیر معمولی شاعر نہ تھے، مگر لکھنؤ کے بڑے بڑے شاعروں کی صحبت اٹھائے تھے، بحر مرحوم کے شاگرد تھے، نظم سے زیادہ نثر لکھتے تھے اور لکھنؤ کی واجد علی شاہ اور لکھنؤ کے جانِ عالم کی کہانی ان کا خاص موضوع تھا، لکھنؤ کی بول چال اور محاوروں اور روزمرہ کو بخوبی برتتے تھے۔ نیک مزاج، وضعدار اور قناعت پسند تھے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

پچھلے مہینہ ملک میں کئی افسوسناک موتیں ہوئیں یمین السلطنۃ مہاراجہ سرکرشن پرشاد جنھوں نے پورے ۴۰ برس تک دکن کے سیاسی و انتظامی معاملات کی سربراہی کی وفات پائی، ۱۹۰۲ء میں وہ دولت آصفیہ کے پیشکار و صدر اعظم مقرر ہوئے، اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ برابر اپنے عہدہ پر فائز رہے، وہ راجہ ٹوڈرمل کی یادگار تھے، اصلی وطن لاہور اور پھر دہلی ہوا، اور یہاں سے آصفجاہ اوّل کے ساتھ ان کا خاندان دکن کو منتقل ہوا، اور ہمیشہ شاہانِ آصفیہ کے سیاسی و مالی مہمات میں کار پرداز بنا رہا،

مہاراجہ سرکشن پرشاد عربی، فارسی اور انگریزی تین زبانوں سے واقف تھے اور تینوں میں باتیں کرتے تھے، علمی مذاق صاف ستھرا تھا، شعر و سخن کا چسکا رکھتے تھے، تصوف میں وحدۃ الوجود کے عقیدہ کے نہایت سخت معتقد اور حامی تھے، اور اسی کو ہندو مسلم اتحاد کا ذریعہ سمجھتے تھے، سرکار رسالت صلعم کی بارگاہ میں بھی کبھی کبھی عقیدت کا اظہار کرتے تھے، ان کی ایک نعت کو یہ شرف حاصل ہے کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ کے پیچھے کتبخانہ شیخ الاسلام کی ایک دیوار پر آویزاں ہے، مرنج و مرنجان، شریف، وضعدار، اور پرانی شریفانہ خصوصیات کی اپنی آپ مثال تھے،

مقالات

فہم قرآن کے اصول و شرائط

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

کلام اللہ کی اہمیت اور اسکی خصوصیات

قرآن پاک خدا کی آخری کتاب ہے، جو خاتم الانبیاء کے ذریعہ ... رہنمائی کے لئے بھیجی گئی، آسمانی صحیفوں میں یہ امتیاز و خصوصیت کو حاصل ہے کہ وہ تنہا اخلاق و روحانیت کا درس اور نجاتِ اُخروی کا نسخہ نہیں ہے بلکہ دین کے سا وہ مسلمانوں کی دنیاوی کامرانیوں کا دستور العمل بھی ہے،

رسول اللہ صلعم کی بعثت کا مقصد اسی پیام الٰہی کی تبلیغ اور اس کا قیام تھا، اس لئے آغازِ وحی میں "بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ" اور "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" کے احکام ملے،

اس قانون کی بقا و تحفظ پر ساری دنیا کی ہدایت اور ایک برگزیدۂ امم قوم کی جو دنیا کے لئے نمونہ بنا کر بھیجی گئی موت و حیات کا دار و مدار تھا، اس لئے خدا نے خود اسکی حفاظت کا ذمہ لیا،

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ

بیشک ہم نے یہ نصیحت اتاری ہے اور ہم اسکی حفاظت کرنے والے ہیں،

اور رسول نے اس کے ایک ایک حکم اور ایک ایک آیت کی تشریح کی، اس کے قوانین و تعلیمات کو

بھوپال سے مفتی محمد انوار الحق صاحب ایم اے سابق وزیر تعلیم وحال وزیر مالیات بھوپال کی وفات کی افسوسناک خبر آئی ہے، موصوف صاحب علم اور محب دین تھے، ان کے قلمی خدمات اور تحریری مجاہدات بھی خاص ذکر کے قابل ہیں، تاریخ ابوالبشر، اثبات واجب الوجود اور دوسری مذہبی کتابیں جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں، عمر بھر علمی و تعلیمی کاموں کی مشغولیت کے باوجود اخیر عمر میں سرکار بھوپال کے مالیات کے صیغہ کو جس خوبی سے سنبھالا دوست و دشمن ہر ایک نے اس کی تحسین کی، اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ رحمت سے اس علم وعمل کے مجسمہ کو سرفراز فرمائے،



فتنہ نگار کے پچھلے ہنگامہ کو ابھی چند ہی سال گذرے ہوں گے، جب مہدی مرحوم کی زبان میں ایک "کافر ادیب" نے اپنے دوبارہ ایمان اور توبہ و بازگشت کا اعلان کیا تھا، اور وعدہ کیا تھا کہ وہ آیندہ اس قسم کے مضامین سے پرہیز کرینگے اور اللہ تعالیٰ، رسولؐ اور ائمہ کے خلاف کچھ نہیں لکھینگے، یہ وعدہ کم ازکم ایک شریف انسان کا وعدہ تو ثابت ہوتا، لیکن افسوس کہ اس حیثیت سے بھی متوقع معیار پورا نہ ہو سکا، اس وعدہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد سے وہ پھر اسی قسم کی جاہلانہ تحریروں کی اشاعت میں مصروف ہیں، اور اب انتہا یہ ہے کہ جون نمبر میں علی الاعلان قرآن پاک کے من جانب اللہ اور کلام الٰہی اور وحی ربانی ہونے سے انکار کیا گیا ہے، قربان جائیے مسلمان نوجوانوں کی بے تعصبی کے کہ اس تحریر کا لکھنے والا اب تک مسلمان سمجھا جاتا ہے اور شاید وہ خود بھی اپنے کو مسلمان سمجھنے پر مصر ہو، دیکھنا ہے کہ اس زمانہ کے بت شکن مجاہدینِ قلم اس نئی بنائے کفر و الحاد کے توڑنے میں کس کس طرح قوت صرف فرماتے ہیں، اور مسلمان اپنی دینی غیرت و حمیت کا کیا ثبوت دیتے ہیں،؟



مِنْهُ اٰیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ	یعنی محکمات (آسان و واضح) ہیں یہی
وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ،	اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہات
(آل عمران - ۱)	ہیں (جس کے کئی پہلو ہیں)

اس کی تاویل صرف خدا جانتا ہے یا راسخون فی العلم

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَ	اور اس کی تاویل کو صرف خدا جانتا ہو
الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ	اور راسخون فی العلم کہتے ہیں کہ ہم ہر اس
اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ،	چیز پر ایمان لائے جو ہمارے پروردگار کی
(آل عمران - ۱)	طرف سے ہے ،

اگرچہ اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے زیادہ لوگ و۔۔ اِلَّا اللّٰه کو الگ ایک جملہ مانتے ہیں اور ما بعد سے اسے متعلق نہیں کرتے۔ یہ معنی ہوں گے کہ متشابہات کی تاویل سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا راسخون فی العلم اسکی بحث و تحقیق میں نہیں پڑتے اور کہتے ہیں کہ خدا کی جانب سے جو کچھ بھی ہے خواہ وہ محکمات ہوں یا متشابہات ہوں ہم سب پر بے چون و چرا ایمان لائے، لیکن ایک جماعت والراسخون فی العلم کا عطف سابق جملہ پر مانتی ہے اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ متشابہات کی تاویل خدا جانتا ہے، اور راسخون فی العلم جانتے ہیں،

بہرحال اگر یہ معنی نہ بھی لئے جائیں تو قرآن کو سمجھنے کے لئے علم عقل اور فہم و تدبر کی ضرورت ہے، قرآن پاک میں بکثرت ان چیزوں پر زور دیا گیا ہے،

اس کے امثال و حکم سے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کے لئے عقل و دانش کی ضرورت ہے

کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیَاتِ لِقَوْمٍ	اسی طرح ہم ان لوگوں کے لئے آیات کی

عملاً برت کر دکھایا اور اپنے بعد اپنی تعلیم دی ہوئی حامل قرآن جماعت چھوڑ گیا کہ قرآن کی تعلیم کا کوئی پہلو تشنہ باقی نہ رہنے پائے،

رسول اللہ صلعم کے بعد صحابہ کرام، تابعین، و تبع تابعین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین نورِ نبوت کی روشنی میں قرآن کو سمجھتے اور دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے، اور علمائے اسلام نے قرآن پاک کے ہر جزئی سے جزئی پہلو پر تحقیق کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ چھوڑ گئے، جس کی مثال مذاہبِ عالم کی تاریخ میں نہیں ملسکتی،

کلام اللہ آسان بھی ہے اور مشکل بھی

کلام اللہ جاہل بدوؤں اور حکما، و فلاسفہ دونوں کی رہنمائی کے لئے آیا تھا، اس لئے اس میں بقدر عمل صاف و سادہ تعلیمات بھی ہیں جنھیں ہر بدوی سمجھ سکتا ہے اور حکما، کے غور و فکر کیلئے اسرار و حکم اور امثال و مواعظ بھی ہیں، اس لئے قرآن آسان بھی ہے اور مشکل بھی،

قرآن آسان ہے،

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ۔ (دخان - ۳)	بیشک ہم نے اس کو (قرآن) تمھاری زبان میں آسان کر دیا تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں
فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا، (مریم - ۶)	بیشک ہم نے اسکو (قرآن، تمھاری زبان میں آسان کر دیا تاکہ تم اس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو بشارت دو اور جھگڑالو قوم کو ڈراؤ،

قرآن مشکل ہے،

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ	اسی خدا نے تم پر کتاب اتاری، اسکی بعض

ان افضلکم من تعلم القرآن و	تم میں فضل وہ ہے جس نے خود قرآن کی تعلیم
علمہ (بخاری و ترمذی و ابن ماجہ)	حاصل کی اور دوسروں کو تعلیم دی،

قرآن کی تعلیم و تعلم کی یہ تمثیل بیان فرمائی،

تعلموا القرآن واقرأوہ فان	قرآن کو سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ کیونکہ
مثل القرآن ومن تعلمہ فقام	جس نے قرآن سیکھا، دوسروں کو سکھایا
بہ کمثل جراب محشو مسکا یفوح	اور اس پر عمل کیا اس کی مثال اس تھیلی
کل مکان ومثل من تعلمہ فرقد	کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہے
وھو فی جوفہ کمثل جراب اوکئ	اور ہر طرف اسکی خوشبو اڑ
علی مسک	نے اس کو سیکھا اور غافل ہو گیا
(ابن ماجہ)	تھیلی کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہے
عن ابی ذر قال قال رسول اللہ	ابوذر روایت کرتے ہیں فرمایا رسول اللہ
صلعم یا اباذر لان تغدو فتعلم	صلعم نے اے ابوذر تم اس حالت میں
آیات من کتاب اللہ خیر لک	صبح کرو کہ قرآن کی ایک آیت سیکھو
من ان تصلی مائۃ رکعۃ (ابن ماجہ)	سو رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے،
الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام	قرآن کا ماہر (قیامت میں) بزرگ اور
البررۃ ۔ (ترمذی)	نیکو کاروں کے ساتھ ہوگا،
تعلموا الفرائض والقرآن وعلموا	فرائض اور قرآن کو سیکھو اور اسکو دوسروں
الناس فانی مقبوض، (〃)	کو سکھاؤ کہ میں وفات پانے والا ہوں

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن کا تعلق آپ کی ذات گرامی سے تھا،

يَعْقِلُوْنَ ۔ (روم ۔۴) | تفصیل بیان کرتے ہیں جو سوچتے سمجھتے ہیں
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ | اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں
یَّعْقِلُوْنَ : (روم ۔۳) | جو سوچتے سمجھتے ہیں،

علم کی ضرورت ہے،

تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ | یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں
وَمَا یَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ، | جنھیں صرف علم رکھنے والے سمجھتے ہیں،

فکر و تدبر کی ضرورت ہے،

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ | بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں
یَّتَفَکَّرُوْنَ ۔ (روم) | ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں،
کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ | ہم ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں
یَّتَفَکَّرُوْنَ ۔ (یونس ۔۳) | اسی طریقہ سے آیات کی تفصیل کرتے ہیں
تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ | یہ مثالیں ہم ان لوگوں کے لئے بیان کرتے
لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ، (حشر ۔۳) | ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں،
کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ | ہم نے تمھاری طرف مبارک کتاب اتاری
لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ | کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں
اُولُوا الْاَلْبَابِ ، (ص ۔ ۳) | اور عقل والے نصیحت حاصل کریں،

ان آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن کے تنہا لفظی معنی سمجھ لینا کافی نہیں ہے کہ اسے ہر بدوی ... تھا بلکہ ان پر غور و فکر اور تدبر کی ضرورت ہے،

...کی تعلیم کی ترغیب | اس لئے رسول اللہ صلعم تعلیم قرآن کی ترغیب دلائی،

علمت ناسًا من اهل الصفة	ہم نے چند اہل صفہ کو قرآن اور کتابت
القرآن والکتاب[1]، الخ	کی تعلیم دی تھی،

جن لوگوں کو کاروبار کی مشغولیت کی وجہ سے دن کو تعلیم کا موقع نہ ملتا تھا وہ رات کو ...ل کرتے تھے،

وکانوا اذا جنہم اللیل انطلقوا	جب رات ہو جاتی تھی تو یہ لوگ (اصحاب
الی معلم لہم بالمدینة فیدارسون	صفہ) مدینہ کے ایک معلم کے پاس جاتے
اللیل حتی اصبحوا۔ (مسند احمد	تھے اور صبح تک پڑھنے میں مشغول رہتے
بن حنبل ج ۵ ص ۳۲۴)	تھے،

...ید الاسلام اشخاص اور قبائل کی تعلیم کا انتظام | مکی اور مدنی مسلمانوں کو تو ہر وقت ہبط وحی تھی، ان کے لئے ہر طرح کی سہولتیں تھیں لیکن

...خاص اور قبائل کو جو مرکز قرآن سے دور رہتے تھے اور ان کو مدینہ آنے کا صرف ایک دو مرتبہ اتفاق ہوتا تھا، اس کا موقع بھی میسر نہ آتا تھا، اس لئے ان کی تعلیم کا خاص انتظام کیا گیا تھا جو لوگ مدینہ آتے تھے انھیں آنحضرت صلعم عموماً انصار کے سپرد کر دیتے تھے جو انکی ...یزبانی کے ساتھ انھیں قرآن کی تعلیم بھی دیتے تھے، وفد عبد القیس کا بیان ہے،

ان الانصار یعلمونا کتاب ربنا	انصار ہم کو ہمارے رب کی کتاب اور
وسنة نبینا،	ہمارے نبی کی سنت کی تعلیم دیتے تھے،

وفد بنی تمیم نے کچھ دنوں مدینہ میں قیام کرکے قرآن کی تعلیم حاصل کی[2]

...سی طریقہ سے جدید الاسلام قبائل کے جو وفود مدینہ آتے تھے، ان میں سے بیشتر کچھ

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۲۴ [2] اسد الغابہ ج ۴ ص ۸۰،

قرآن کی تعلیم و تعلم کی ترغیب کی یہ صرف چند حدیثیں نقل کی گئیں ورنہ کتب حدیث میں ان کی بڑی تعداد ہے،

تعلیم قرآن کا انتظام | اس ترغیب کے ساتھ آپ نے تعلیم قرآن کا خاص اہتمام فرمایا تھا یوں تو آپ کی ذات گرامی قرآن کی زندہ درسگاہ تھی آپ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت تعلیم دیتے تھے لیکن اس کے علاوہ تعلیم قرآن کے لئے صفہ کی درسگاہ تھی، اس میں صحابۂ کرام قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

"اس میں دو حلقے تھے ایک اصحاب ذکر و فکر کا دوسرا قراء کا آپ جب تشریف لاتے تو بحیثیت معلم قرآن کے قراء کے حلقہ میں بیٹھتے اور فرماتے میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"

(ابو داؤد فضل العلماء والحث علی طلب العلم)

اصحاب صفہ کو تعلیم دینے کے ساتھ ان کو ترغیب بھی دلاتے تھے،

"ابن عامر کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرت صلعم تشریف لائے، ہم لوگ صفہ میں تھے آپ نے فرمایا تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز بطحان اور عقیق جا کر بغیر کسی گناہ اور قطع رحم کے موٹے کوہان والی دو اونٹنیاں حاصل کرے، ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سب چاہتے ہیں، فرمایا تو تم میں سے کوئی صبح کو کیوں مسجد نہیں جاتا کہ وہاں (قرآن کی) تعلیم حاصل کرے، اور قرآن کی دو آیتیں پڑھے جو اس کے لئے دو اونٹنیوں سے اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے اسی طرح سے اس سے زیادہ آیتیں اس سے زیادہ اونٹنیوں سے بہتر ہیں" (مسلم)

اس درسگاہ میں آنحضرت صلعم کے علاوہ قراء صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے، حضرت عبادہ بن صامت جو حفاظ قرآن صحابہ میں نہایت ممتاز تھے، اس درسگاہ کے معلم تھے آپ کا بیان ہے

کو ساتھ ساتھ سیکھا[1]

یہی طریقہ عام تعلیم کا تھا، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے،

منا اذا تعلم عشر آیات لم	جب ہم میں سے کوئی شخص دس آیتیں سیکھ
یجاوزهن حتی یعرف معنیهن	لیتا تھا تو اس وقت تک ان سے آگے
والعمل بهن (ابن جریر ج ۱ ص ۲۶)	نہ بڑھتا تھا جب تک انکے معنی اور ان پر عمل نہ سیکھ لیتا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سورۂ بقرہ کی تعلیم پر کامل آٹھ سال صرف کئے[2]،

اس محنت کا نتیجہ یہ تھا کہ قرآن کے متعلقات میں سے کوئی شے مفسر قرآن صحابہ کی نظر سے پوشیدہ نہ رہی تھی، پھر بھی ان کے ذوق و جستجو کو تسکین نہ ہوتی تھی ترجمان ابن عباسؓ کا بیان ہے[3]،

والذی لا الٰہ غیرہ ما نزلت	اس ذات کی قسم جسکے سوا
آیة فی کتاب الله الا وانا	کوئی معبود نہیں، کتاب اللہ میں کوئی ایسی آیت نازل
اعلم فیم نزلت واین نزلت	نہیں ہوئی جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا
ولو اعلم مکان احد اعلم	ہوں کہ وہ کس کے بارہ میں نازل ہوئی
بکتاب الله منی تناله المطایا	اور کہاں نازل ہوئی (اسکے باوجود)
لاتیته،	اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ قرآن کا کوئی جاننے والا موجود ہے اور سواریاں وہاں تک میری پہنچ ہو سکے تو میں ضرور

[1] ابن جریر و تفسیر قرطبی ج ۱ اول ص ۔۔ [2] ایضاً بحوالہ موطا امام مالک، [3] ابن جریر ج اول ص ۔۔

دنوں یہاں ٹھہر کر بقدر ضرورت قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے، ان کے حالات حدیث اور سیرؒ کی کتابوں میں مذکور ہیں،

جو قبائل یا اشخاص کسی معذوری کی بنا پر مدینہ نہیں پہنچ سکتے تھے، یا تعلیم کی مدت کے بقدر یہاں قیام نہیں کرسکتے تھے، ان کی تعلیم کے لئے کبھی مستقل معلمین بھیجے جاتے تھے اور کبھی یہ خدمت ان عمال اور قضاۃ کے سپرد کیجاتی تھی جو ان فرائض کے ساتھ تعلیم کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، جن میں عموماً علماے صحابہ ہوتے تھے، چنانچہ انصار کی پہلی بیعت کے بعد جب مدینہ کے کچھ گھرانوں میں اسلام پھیلا تو ان کی تعلیم قرآن کے لئے حضرت مصعب بن عمیر اور ابن مکتومؓ بھیجے گئے[1] آنحضرت صلعم نے جب حضرت معاذ بنؓ جبل کو یمن کا قاضی مقرر کرکے بھیجا تو قرآن اور شرائعِ اسلام کی تعلیم بھی ان کے سپرد کی[2] اسی طریقہ سے مختلف مقامات اور قبائل میں حفاظ صحابہ بھیجے جاتے تھے،

تعلیم قرآن کی نوعیت | صحابہ کی تعلیم قرآن کی صرف یہ نوعیت نہ تھی کہ آنحضرت صلعم سے محض چند سورتیں سیکھ لیں، یا پورا قرآن ناظرہ کرلیا یا قرأت کی تصحیح کرلی، بلکہ بقدر ذوق و استعداد پوری محنت اور جانفشانی سے ابتدائی تعلیم سے لے کر انتہائی تعلیم تک حاصل کرتے تھے،

حضرت ابی بنؓ کعب نے پورا قرآن آنحضرت صلعم کی زبانِ مبارک سے سن کر یاد کیا تھا[3]، حضرت عبداللہ بنؓ مسعود نے آپ سے ستر سورتیں سیکھی تھیں، (بخاری ج ۲ ص ۷۴۸) اور اس مشقت اور جامعیت کیساتھ کہ ان دونوں کا خود بیان ہے کہ "رسول اللہ صلعم جب ہم کو قرآن کی دس آیتیں پڑھاتے تھے تو جب تک ہم ان پر عمل نہ سیکھ لیتے تھے اس وقت تک اگلی دس آیتوں کی طرف نہ بڑھتے تھے، اس طریقہ سے ہم نے قرآن اور اس پر عمل دونوں

---

[1] بخاری کتاب التفسیر [2] استیعاب تذکرہ معاذ بن جبل [3] مسند احمد بن حنبل، ج ۵ صفحہ ۱۱۳

قامت اختیار کی، پھر عبادہؓ وہیں چلے آئے، عمران بن حصینؓ کو قرآن اور فقہ کی تعلیم کے لئے بصرہ بھیجا، ایک قاری ابو سفیانؓ کو خاص بدوؤں کی تعلیم کے لئے مقرر کیا کہ وہ قبائل کا دورہ کرکے شخص کا امتحان لیں، اور جس کو قرآن یاد نہ ہو اس کو سزا دیں[۲]، جن سورتوں میں احکام و فرائض ہیں، مثلاً سورۂ بقرہ، مائدہ، حج، اور نور کا سیکھنا ہر مسلمان کیلئے ضروری قرار دیا[۳]، حفاظ قرآن کے وظائف مقرر کئے[۴]۔

خود آپ کی مجلسوں میں تفسیر قرآن پر بحث و گفتگو ہوتی تھی جس میں اکابر صحابہ اظہار خیال کرتے تھے، حضرت ابن عباسؓ اگرچہ کمسن تھے لیکن انکے ذوق اور علم کی وجہ سے انھیں آپ اس مجلس میں شریک کرتے تھے، بعض صحابہ کو اس پر اعتراض ہوا کہ ابن عباسؓ کے برابر ان کے لڑکے ہیں، اس مجلس میں کیوں شریک کیا جاتا ہے، اس اعتراض پر آپ نے حاضرین کو قرآن کا مشاہدہ کرانے کے لئے حاضرین سے اِذَا جَاءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ کا مطلب پوچھا، مختلف جوابات دیئے، آخر میں آپؓ نے ابن عباسؓ سے پوچھا انھوں نے کہا اس میں رسول اللہ صلعم کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے[۶]،

حضرت عمرؓ نے قرآن کی تعلیم کی اشاعت کا جس پیمانہ پر انتظام کیا اس کی تفصیلات بہت ہیں، حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ بھی اپنے اپنے زمانہ میں اس فرض کو انجام دیتے رہے، لیکن تعلیم قرآن کی تاریخ لکھنا ہمارا مقصود نہیں اس لئے انھیں قلم انداز کرتے ہیں،

بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ فہم قرآن اور اس کی تفسیر و تاویل کے لئے محض عربی زبان کا جاننا کافی نہیں ہے، کہ عربی تو ہر بدوی کی مادری زبان تھی، متعدد صحابہ نوشت و خواند

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ عبادہ بن صامت [۲] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۸ [۳] اصابہ تذکرہ اوس بن خالد [۴] کنز العمال ج اول ص ۲۲۴ [۵] ایضاً [۶] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ،

تمام اکابر حفاظ قرآن صحابہ نے اسی ذوق وجستجو، اسی محنت و جانفشانی اور اسی جامعیت کے ساتھ قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی، حضرت ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابو ایوب انصاری، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ قرار صحابہ کی تعلیم قرآن کے حدیث کی کتابوں میں سیکڑوں واقعات ہیں جنھیں نقل کرنے کے لئے مستقل کتاب چاہئے اس لئے انھیں ہم قلم انداز کرتے ہیں،

تابعین کے زمانہ میں بھی تعلیم قرآن کا یہی انداز تھا، ابو عبد الرحمٰن السلمی تابعی کا بیان ہے،

"جب ہم قرآن کی دس آیتیں سیکھ لیتے تھے تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے جب تک اس کے حلال و حرام اور امر و نہی سے واقف نہ ہو جاتے تھے (تفسیر قرطبی ج اول ص ۳۴ بحوالہ ابن ابی شیبہ)

مشہور تابعی مفسر مجاہد بن جبیر نے ترجمان القرآن حضرت ابن عباس سے کامل تیس مرتبہ قرآن کا دورہ کیا تھا[1]، اور اس تحقیق کے ساتھ کہ ہر سورہ کے شان نزول اور اس کے جملہ متعلقات کی تحقیق کرتے جاتے تھے[2]

خلفاء راشدین کا تعلیم قرآن میں اہتمام آنحضرت صلعم کے بعد چاروں خلفاء نے بھی قرآن کی تعلیم اور اسکی اشاعت کو اپنا مقدم فرض تصور کیا، حضرت عمرؓ نے خصوصیت کے ساتھ تعلیم قرآن کی بڑی اشاعت کی، تمام ممالک مفتوحہ میں قرآن کے مکاتب قائم کئے اور ان مین تعلیم کے لئے قرار صحابہ کو بھیجا۔

چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل اور ابو درداء رضی اللہ عنہم کو شام بھیجا حضرت عبادہؓ نے حمص میں قیام کیا، ابو درداءؓ نے دمشق کو مستقر بنایا اور معاذ بن جبل نے فلسطین مین

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۳ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳،

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ	اور ہم نے تمہاری طرف اس لئے نصیحت
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ	(قرآن) اتاری ہے کہ تم اس چیز کو جو ان
يَتَفَكَّرُوْنَ،	لوگوں کے لئے اتاری گئی ان سے کھول کر
(نحل - ۶)	بیان کرو کہ وہ اسے سوچیں،

اس آیت پاک میں رسولؐ کا فرض "قرآن" کی "تبیین" بتایا گیا ہے۔ تبیین کے معنی لغت میں ظاہر کرنے، واضح کرنے اور تشریح و توضیح کے ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ تین معنوں میں استعمال ہوا ہے،

(۱) کسی چیز کو واضح اور شرح کرنے کے معنی میں،

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ	اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات
لِلنَّاسِ، (بقرہ - ۲۳)	کو کھول کر بیان کرتا ہے،
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ اٰيٰتِهٖ	اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات
(بقرہ - ۳۱)	(احکام) کو کھول کر بیان کرتا ہے،

(۲) پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرنے کے معنی میں،

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ	اے اہل کتاب ہمارا رسول تمہارے پاس
رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا	آچکا ہے اور کتاب (توریت) میں سے
كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ (مائدہ ۳)	تم جو کچھ چھپاتے ہو اسکو وہ ظاہر کرتا ہے

اس آیت کا تعلق اہل کتاب سے ظاہر ہے، اس "تبیین" سے مراد توریت کے ان احکام کا اظہار ہے جنھیں یہود اپنی خود غرضی سے چھپاتے تھے، اور قرآن نے ان کو ظاہر کیا،

(۳) ان مختلف فیہ امور میں اظہار حق کے لئے جن میں کفار محض اپنی جہالت اور گمراہی سے

بلکہ دوسرے مذاہب کا بھی علم رکھتے تھے، اگر تنہا عربی زبان کا جاننا کافی ہوتا تو تعلیم قرآن کیلئے اتنے اہتمام و انتظام کی ضرورت نہ تھی، لیکن رسول اللہ صلعم جس طرح سلمان فارسی اور بلال حبشی کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے، اس طرح علی ہاشمی و مطلبی کو بھی، جس طرح دیہات کے جاہل بدو کو قرآن کی آیات سمجھاتے تھے، اسی طرح ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کو بھی گو اس کی نوعیت مختلف ہوتی تھی، اکابر صحابہ کی تعلیم قرآن کے حالات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں،

یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی زبان کے معمولی معنی سمجھ لینے اور اس کی بلند پایہ علمی اور فنی کتابوں کے سمجھنے کے لئے مختلف استعدادوں کی ضرورت ہے، اردو زبان کی معمولی کتابیں تو ہر معمولی پڑھا لکھا سمجھ سکتا ہے، لیکن علمی کتابوں کے دقیق مباحث سمجھنے کے لئے تنہا اردو سمجھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اور بہت سے علوم اور خاص استعداد و قابلیت کی ضرورت ہے، علمی مباحث کو جانے دیجئے، وہ اردو شاعری کے نکات و لطائف نہیں سمجھ سکتا، ایسی حالت میں قرآن کی تعلیمات، اس کے اوامر و نواہی اور اسکے اسرار و حکم تنہا عربی زبان کی مدد سے کس طرح سمجھے جا سکتے ہیں،

قرآن کا ترجمان رسول ہے دنیا کے تمام علوم و فنون کے خاص اصول و قواعد ہوتے ہیں اور انکی ایک روح ہوتی ہے جسے ہم موجودہ اصطلاح میں ان فنون کی سائنس کہہ سکتے ہیں جبتک اس روح اور اس سائنس سے واقفیت نہ ہوگی اس وقت تک ان علوم کو نہیں سمجھا جا سکتا، یہی حال کلام اللہ کا ہے، اسکی روح کا سب سے بڑا عارف رسول ہے، کہ وہی اس کلام کا مخاطب اول و مبلغ تھا اور اسی کے ذریعہ سے قرآن کو دنیا کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا تھا، اس لئے وہی اس کا سب سے بہتر ترجمان بھی ہو سکتا ہے، قرآن بھی اس کا شاہد ہے، رسول پر نزول قرآن کی مصلحت کے بارہ میں خدا فرماتا ہے،

قرآن کی عبارت کو محفوظ کرانے کے بعد اس کے سمجھانے کے معنی صرف اس کے احکام و تعلیمات کے سمجھانے ہی کے ہوسکتے ہیں، حضرت ابنؓ عباس وغیرہ مفسر صحابہ کا بھی یہی خیال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رسول کی تشریح و توضیح بھی منجانب اللہ تھی،

بعض حدیثون سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین،

ماکان النبی صلعم یفسر شیئًا من القرآن الا آیا تعدّ علمهن ایّاهٔ جبریل. (ابن جریر ج ۱ ص ۲۸)	رسول اللہ صلعم انھی گنی ہوئی آیات کی تفسیر فرماتے تھے جنھین آپ کو جبرئیل سکھاتے تھے،

رسولؐ کے بعد صحابہ ترجمان تھے | یہ ایک بالکل فطری اور علمی اصول ہے کہ رسول کے بعد قرآن کی ترجمان وہی جماعت ہوسکتی ہے جو نزولِ قرآن کے وقت موجود تھی، جس کے سامنے نزولِ قرآن کی پوری تاریخ تھی، جس کی زبان عربی تھی، جو عرب کے عقائد، رسوم اور معاشرت سے واقف تھی، جس کی نگاہون کے سامنے قرآن نے اس کی اصلاح کی، جس نے سالہا سال تک خود رسول سے قرآن کی ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ کو سمجھا، رسولؐ اللہ نے بڑے اہتمام سے اس کی تعلیم و تربیت کی، اور قرآنی تعلیمات کو عملاً برت کر اسے سمجھایا اور اسکو ان کا پابند بنایا، پھر اسی اہتمام سے صحابہ نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو یہ امانت پہنچائی،

صحابہ کی قرآن کی ترجمانی کسی مذہبی عقیدہ کی بناء پر نہین بلکہ خالص علمی اصول پر ماننا پڑیگی، فرض کیجئے آج سے چند سو برس پہلے ایک قانون بنتا ہے، کئی صدیون کے بعد اس کی کسی دفعہ کے مفہوم و منشا کے سمجھنے میں اختلاف ہوتا ہے تو خالص علمی اصول پر اس کی شارح کون جماعت مانی جائے گی، وہ جماعت مانی جائے گی جس کے سامنے یہ قانون بنا جو اس کے

اختلاف کرتے ہیں۔

وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ۔ (نحل-۱۳)

اور جن چیزوں میں تم لوگ اختلاف کرتے ہو قیامت کے دن خدا ضرور تم پر اس کی حقیقت ظاہر کر دے گا۔

وَلِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ۔ (نحل-۵)

جن چیزوں میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں ان کی حقیقت ضرور ظاہر کر دی جائیگی تاکہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے ہیں

اس اظہار اور "تبیین" کا تعلق قیامت سے ہے، یعنی کفار دنیا میں اپنی جہالت اور گمراہی سے جن چیزوں میں اختلاف کرتے ہیں خدا قیامت میں اس کی حقیقت ظاہر کر دے گا، ان تینوں معنی کے معلوم ہو جانے کے بعد "تبیین للناس" میں تبیین کے معنی خود بخود متعین ہو جاتے ہیں کہ اس کا تعلق نہ اہل کتاب کے "کتمان حق" کے اظہار سے ہے اور نہ مختلف فیہ امور میں اظہار حقیقت کے لئے، اس لئے صرف تیسرے معنی یعنی قرآن کی تشریح و وضاحت مراد ہے، اور یہی سنت ہے رسول کی یہ تشریح و توضیح بھی اگرچہ وحی کی شکل میں نہ تھی لیکن درحقیقت یہ بھی منجانب اللہ تھی، اس لئے خدا نے قرآن میں فرمایا ہے کہ قرآن کا سمجھانا ہمارے ذمہ ہے، نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلعم اس کو محفوظ کرنے کے لئے جلدی جلدی پڑھتے تھے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ، إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ، فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ۔ (قیامت)

قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو اس لئے حرکت نہ دو کہ اسکو جلدی سے یاد کر لو، تمہارے سینہ میں اس کا جمع کرانا اور اس کا پڑھوا دینا ہمارا ذمہ ہے، جب ہم پڑھ چکیں (بذریعہ وحی) تو

ملکوں کی تاریخ کے علم کا دارومدار ہے، اگر اسے نہ مانا جائے تو پھر ساری دنیا کی تاریخ افسانہ
جائے گی، ہمارے پاس اس کا ثبوت کیا رہ جائیگا کہ یونان، روما اور مصر وغیرہ کوئی تاریخ
رکھتے تھے، پرانی تاریخوں کو جانے دیجئے، اپنے زمانہ کو لیجئے اس میں بھی بہت سے امور
ہمارے علم یقین کا دارومدار صرف شہادت پر ہے، جو شخص یورپ نہیں گیا ہے، اس کے
جرمنی، فرانس اور روس کے وجود کے یقین کا شہادت کے علاوہ اور کیا ذریعہ ہے
ہی نہ کہ ہم بچپن سے ان کے حالات سنتے آئے ہیں، کتابوں میں پڑھتے ہیں، اخبارات میں
یکھتے ہیں، آنے جانے والوں سے سنتے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک ذر
ہے عینی مشاہدہ نہیں اس کے [illegible] ہم کو ان کے وجود کا اتنا ہی یقین
کا یہ کیا ہے صرف شہادت کا درجۂ استناد اور اس کا تواتر،

ایک اور مثال لیجئے، دنیا کا سارا نظامِ عدالت اسی شہادت پر ہے، [illegible]
کی کرسی پر بیٹھتا ہے، اس کے سامنے سیکڑوں قسم کے مقدمات پیش ہوتے ہیں جن کے
متعلق اس کو کوئی ذاتی علم اور عینی مشاہدہ نہیں ہے لیکن وہ صرف شہادت کے درجہ
استناد اور اس کے تواتر سے علم یقین حاصل کر کے فیصلہ کر دیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ
دنیا کا سارا نظام شہادت پر قائم ہے اس کے بغیر تو ہم ایک قدم بھی نہیں چل سکتے،

البتہ علم یقین کے لئے شہادت کا درجۂ استناد اور اس کا تواتر ضروری ہے، اسکو بھی اسی
علمی اصول سے جانچئے، اس لحاظ سے روایتِ حدیث کے مقابلہ میں دنیا کی کونسی شہادت پیش کیجا سکتی
ہے، اس موقع پر میں رجال اور اصولِ حدیث کی تفصیلات میں پڑنا نہیں چاہتا کہ یہ بحث
بہت لمبی ہے اور اس مضمون کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اس سے واقف ہیں، اس لئے
سوال ہے کہ حدیث کی صحت اور روایت کے اصولِ شہادت کے مقابلہ میں وہ دنیا کی

ماحول اور اس کے اسباب سے واقف تھی، خود اس قانون کے شارحِ اول کی زبان سے اسکی ایک ایک دفعہ کے مفہوم اور منشا کو سمجھا، اس نے خاص اہتمام سے سمجھایا، اور عملاً نافذ کرکے اور برت کر دکھایا اور اسی طریقہ سے علی التواتر صدیون تک اس پر عمل ہوتا رہا، یا صدیوں بعد کی وہ نو پیدا جماعت، جس کو نہ اس قانون کی تاریخ سے ذاتی واقفیت ہے نہ حالات سے، نہ اس کے ماحول سے، نہ مادری زبان کی حیثیت سے قانون کی زبان سے اسکو جو کچھ بھی علم ہے وہ اسی پہلی جماعت کے وسیلہ سے، ظاہر ہے کہ پہلی جماعت اس قانون کی بہتر ترجمان اور شارح سمجھی جائے گی اور اس کی تاویل و تشریح میں اسی کا قول سند مانا جائے گا، اس اصول کے لحاظ سے کلام پاک کے سب سے بہتر اور مستند ترجمان اور شارح صحابۂ کرام ہین، اور ان کے بعد ان کی وہ روایات جو انتہائی بشری احتیاط کے ساتھ آجتک محفوظ چلی آتی ہیں،

اصول شہادت کی روسے روایاتِ صحابہ کا پایہ

اس موقع پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحابۂ کرام کی تفسیرین صحیح، لیکن ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ موجودہ تفسیری روایات صحابہ کرام ہی کی ہیں اور ان مین کسی قسم کا تغیر و تبدل نہین ہوا،

اس کو بھی خالص علمی اصول اور اصولِ شہادت کی روسے جانچنا چاہئے، اس عالم محسوس، اور مادی دنیا میں کسی چیز کے علم یقین کے صرف دوہی ذرائع ہین، عینی مشاہدہ جس میں آنکھ سے دیکھنے کے ساتھ کان سے سننا بھی شامل ہے اور مستند شہادت، پہلی صورت اپنے زمانہ کے واقعات کے ساتھ مخصوص ہے، اپنے سے قبل کے واقعات کے علم یقین کی صرف ایک صورت ہے، مستند شہادت، اس شہادت کے بھی دو پہلو ہین، ایک ان کی صداقت و استناد کا درجہ، دوسرے ان کی کثرت و تواتر، ان ہی دونوں چیزون پر تمام گذشتہ قومون

مولانا کاتبی نیشاپوری

از

مولٰنا عبد السلام ندوی

مولنا شبلی مرحوم کی کتاب "شعر العجم" اگرچہ فارسی شاعری کی نہایت مفصل تاریخ ہے تاہم ابھی اس پر اضافہ کرنیکی بہت کچھ گنجایش ہے، مولنا مرحوم نے اس کتاب مین ایک خاص ... کو جو آٹھوین صدی سے شروع ہوا، اور نوین صدی تک قائم رہا، کسی مصلحت سے ... کر دیا ہے، حالانکہ اس دور مین بھی بہت سے باکمال شعرا پیدا ہوئے، اور انھو ... خاص طرز ایجاد کی، اس لئے ضرورت تھی کہ اس دور کی ادبی اور تاریخی خصوصیا کو بھی نمایان کیا جائے، سید وزارت علی صاحب (گڑگانوان پنجاب) کی خدمت لائق ستایش ہے، کہ انھون نے اس دور کے سب سے زیادہ ممتاز شاعر مولنا کاتبی کے کلام کا ایک عمدہ مجموعۂ انتخاب مرتب کیا، اور ہمارے رفیق مولنا عبد السلام ندوی نے اس پر ایک مقدمہ لکھکر مولنا کاتبی کے حالات کے ساتھ نہ صرف ان کی شاعری پر ایک مفصل تبصرہ لکھا، بلکہ اس دور کی شاعرانہ خصوصیات کو بھی نمایان کیا، ہم ناظرین معارف کی دلچسپی کے لئے اس مقدمہ کو معارف مین شائع کرتے ہین، اور ہم کو امید ہے کہ جب اس مقدمہ کے ساتھ یہ مجموعہ انتخاب شائع ہوگا، تو فارسی شاعری کے قدردانون مین اس مقدمہ سے اس مجموعہ انتخاب کی، اور اس مجموعہ انتخاب سے اس مقدمہ کی وقعت اور اہمیت بہت زیادہ بڑھ جائیگی،

کونسی شہادت اور کس تاریخی سرمایہ کو پیش کر سکتے ہیں، اگر اسکا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو جس اصول کو ساری دنیا کی تاریخ کے علم یقین کیلئے مانا جاتا ہے اسے روایت حدیث میں کس طرح غلط یا ناقابل یقین ٹھہرایا جاسکتا ہے، اگر ہم روایات صحابہ کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں، تو ہمارے پاس خود اسلام کی تاریخ کا کیا ثبوت اور کیا ذریعہ رہجاتا ہے کلام اللہ عہد رسالت کی تاریخ کی حیثیت سے بالکل ناکافی ہے اس میں خاص خاص اہم واقعات کے صرف اشارات ہیں یا زیادہ سے زیادہ مجمل بیانات ہیں، پھر یہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کہاں سے مرتب ہوئی ہے عرب جاہلی کے عقائد کیا تھے رسوم کیا تھے معاشرت کیا تھی، اسلام نے اس میں کیا اصلاح کی، رسول اللہ صلعم کو تبلیغ اسلام میں کیا کیا واقعات پیش آئے، دعوت اسلام اس زمانہ کے شدائد، مشرکین کی مخالفت، ہجرت، مدنی زندگی، غزوات، مشرکین، منافقین اور یہود و نصاری کا طرز عمل، انصار و مہاجرین، اور اکابر صحابہ کی قربانیاں، غرض نبوت کی پوری ۲۳ سالہ تاریخ کس چیز سے مرتب ہوئی ہے، حدیث سے اور صرف حدیث سے اور اس کا ایسا ہی یقین ہے جیسے اپنے زمانہ کے عینی مشاہدات پر، پھر اسلام کی تاریخ میں تو حدیث کو علم یقین کا درجہ دیا جائے اور قرآن کی تفسیر میں اس کو ناقابل اعتماد ٹھہرایا جائے، آخر کس اصول پر صرف من مانی تاویلات کے لئے حدیثیں طبری اور ابن اثیر سے بھی گئی گذری ہوئیں، کہ ان سے تو ثبوت لایا جائے، ان کے بیانات کو تو یقین کا درجہ دیا جائے، لیکن حدیث کو یہ درجہ بھی حاصل نہیں، اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ خالص علمی اور فطری اصول سے بھی ہم احادیث کو نظر انداز نہیں کر سکتے بلکہ ان کی صداقت کے اعتراف پر مجبور ہیں اور اسلام کی تاریخ میں بغیر اس کے چارہ کار ہی نہیں ہے، (باقی)

تفسیر ابو مسلم اصفہانی

اما از مشائخ و اکابر و علما و شعرا کہ بروزگار شاہرخ سلطان ظہور یافتہ اند سلطان العلماء و المحققین شمس الملة والدین محمد الحافظی البخاری المعروف خواجہ پارسا قدس روحہ و خواجہ صاین الدین ترکہ اصفہانی و مولانا فاضل حسین خوارزمی و قدوة العلماء و مفخر الفضلاء مولینا شرف الدین علی یزدی و از شعرائے بزرگ شیخ آذری و بابا سودائی و مولینا علی شہاب و امیر شاہی سبزواری و مولانا کاتبی ترشیزی، و مولانا نسیمی بودہ اند کہ ذکر تصانیف و دواوین این جماعت در ربع مسکون شہرت دارد، اما چہار ہنرمند در پائے تخت شاہرخی بودہ اند کہ در ربع مسکون بروزگار خود نظیر نداشتہ اند، خواجہ عبد القادر مراغی در علم ادوار و موسیقی و یوسف اندکانی در خوانندگی و مطربی و استاد قوام الدین در ہندسی و طراحی و معماری و مولینا خلیل مصور کہ در نقاشی ثانی مانی بودہ نور اللہ تعالیٰ مرقدہم،[1]

دولت شاہ نے سلطان شاہرخ کے دورِ حکومت کے جن اربابِ کمال فضائل و کمالات کے نمایاں کرتے ہیں اگر ہمارا موجودہ علمی اور تاریخی سرمایہ ہماری مدد کرے تو اسلام کی علمی اور ادبی تاریخ کے بہت سے ابواب و فصول کے، روشن منا ظر چشم بصیرت کے سامنے آسکتے ہیں، لیکن سردست ان میں ہم صرف ایک باکمال شاعر کے سوانح حیات لکھنا چاہتے ہیں، جس کا نام نامی محمد شمس الدین لقب[2] اور کاتبی تخلص ہے، باپ کا نام عبد اللہ تھا، طرق در آوش میں پیدا ہوا جو نیشاپور اور ترشیز کے درمیان ایک گاؤں کا نام ہے، لیکن نیشاپور اور ترشیز کی شہرت نے اوس کو اپنی طرف منسوب کرلیا، اور وہ کاتبی نیشاپوری اور کاتبی ترشیزی کے نام سے مشہور ہوگیا، اس انتساب کی ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ مولینا کاتبی کی تعلیم و تربیت کا آغاز سب سے پہلے نیشاپور سے ہوا، اور ابتدا میں انھوں نے نیشاپور میں آکر مولینا سیمی سے کتابت اور خوشخطی کی تعلیم حاصل کی، اور اس میں اس قدر کمال حاصل

---

[1] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ص ۳۴۴ [2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ذکر کاتبی،

فرمانروایانِ اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے دورِ حکومت نے بہ کثرت ایسے جلیل القدر افراد پیدا کئے ہیں، جن پر اسلام کی علمی تاریخ ہمیشہ ناز کر سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان فرمانرواؤں کے تذکرہ میں ان جلیل القدر افراد کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے، اور ان کے وجود کو ان کے دورِ حکومت کے حسنات و برکات میں شمار کیا جاتا ہے، چنانچہ نویں صدی کے فرمانروایانِ اسلام میں سلطان شاہ رُخ بہادر اسی قسم کا ایک نامور فرمانروا گذرا ہے، جو ۱۴ ربیع الاول ۷۷۹ھ میں پیدا ہوا، اور سلطان صاحب قرآن امیر تیمور گورگان کے بعد ۴۳ سال بلکہ ۵۰ سال تک ایران، توران اور ہندوستان پر حکومت کر کے ذی الحجہ ۸۵۰ھ میں وفات پائی، دولت شاہ سمرقندی نے عارف کامل نورالدین نعمت اللہ کوہستانی کے تذکرہ میں، اس نامور بادشاہ کا جو ضمنی تذکرہ کیا ہے، اسکی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے:

"اما خاقان سعید ظل اللہ فی الخافقین شاہ رخ بہادر گورگان انار اللہ برہانہ بادشاہے بود موفق بتوفیق یزدانی و موید بتائید صمدانی بختے مساعد و دولت موافق داشت و عدلے بر دوام و شفقتے تمام در بارۂ عوام و خواص داشتے رعایا آن آسودگی و فراغت کہ بروزگار دولت او یافتہ اند، از عہد آدم الی یومنا در ہیچ عہد و زمان و دور اوان نشان نداده اندسیرت پسندیدہ و متابعت شریعت گوے مراد از میدان سلاطین در ربود"[1]

ان سیاسی، اخلاقی اور مذہبی فضائل کے ساتھ اس کا دورِ حکومت علمی حیثیت سے بھی خاص امتیاز رکھتا تھا۔ اور اس کے زمانہ میں اسلام کے متعدد ایسے مایۂ ناز فرزند پیدا ہوئے، جن پر مسلمانوں کی علمی تاریخ آج تک ناز کرتی ہے، دولت شاہ نے اس کے ضمنی تذکرے میں ان نامورانِ اسلام کا نام بھی لیا ہے، اور اس انداز سے لیا ہے، گویا ان کا وجود اس کے دورِ حکومت کی ایک بہت بڑی برکت تھا، چنانچہ لکھتا ہے،

---

[1] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی از ص ۲۳۹ تا صفحہ ۳۴۰

چوکتبے لگائے جاتے تھے، اوس نے بھی مشہور خوشنویسون کی حیثیت کو بہت زیادہ نمایان کردیا تھا، چنانچہ دولت شاہ شہزادہ ابراہیم کے ضمنی تذکرہ مین لکھتا ہے :-

"مشہور است کہ دفاتر فارس بخط مبارک خود نوشتہ بود، و در زیبائی خط بغایتے بود کہ نقل خط قبلۃ الکتاب یاقوت المستعصمی نمودے و فروختے والیوم کتابہا کہ برعمارات و مساجد و مدارس فارس نوشتہ باقیست و در جہاں تعلیمہا کہ مزین کرخط شریف اوست بین الکتاب الیوم موجود است"[۱]

اس لئے اوس زمانہ مین خوشنویسی کی تعلیم نصاب تعلیم کا ایک ضروری جزو ہوگئی تھی، اور اس دور کے اکثر شرفار یہان تک کہ بادشاہون کے لڑکے تک اس فن کی تعلیم حاصل کر شہزادہ بایسنغر کے زمانہ مین جس کے دربار سے بعد کو مولانا کاتبی کا تعلق ہوا، فن کتابت ترقی ہوئی، اور خوشنویسون کا درجہ اور بھی زیادہ بلند ہوا، چنانچہ دولت شاہ شہزا مین لکھتا ہے :-

"خط و شعر در روزگار او رواج یافت، گویند کہ چہل کاتب خوشنویس در کتابخانہ او بکتابت مشغول بودندے و مولانا جعفر تبریزی سرآمد کتاب بودہ"[۲]۔

اس بنا پر زمانہ کے عام میلان کے مطابق مولانا کاتبی نے بھی اس فن لطیف کی طرف توجہ کی، اور مولنا سیمی سے اسکی تعلیم حاصل کی جو اس فن مین خاص مہارت رکھتے تھے، اور یہی پیشہ کرتے تھے، ابتدا مین ان کا قیام نیشاپور مین تھا، لیکن بعد کو مشہد مقدسہ رضویہ میں چلے آئے، اور یہان ان کے پیشہ کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا، اور ان کے مکتب مین زیادہ تر امرار، درؤسا کے بچے تعلیم حاصل کرنے لگے، اور تجربہ نے اون کے مکتب کو بڑا با برکت ثابت کیا، دولت شاہ نے ان کا تذکرہ کسی قدر

---

[۱] دولت شاہ سمرقندی ص ۳۰۰ [۲] ص ۳۵۰

کیا[1]، کہ مکتب شاعری مین بھی ان کی یہ فنی حیثیت نمایان رہی، اور اسی وجہ سے انھون نے اپنا تخلص کاتبی اختیار کیا، آج کتابت اور خوشنویسی کا فن نہایت معمولی درجہ کا فن خیال کیا جاتا ہے، اور زیادہ تر یہ پیشہ وہ لوگ اختیار کرتے ہین، جو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی استعداد اور قابلیت نہین رکھتے، اس لئے اس زمانہ مین ایک خوشنویس گو کتنا ہی صاحب کمال ہو، سوسائٹی مین کوئی خاص وقعت اور شہرت نہین رکھتا، لیکن قدیم زمانہ مین اس فن نے متعدد وجوہ سے بہت زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی، ایک تو قرآن مجید کے خوشخط اور مطلا و مذہب نسخون کی بہت زیادہ قدر کیجاتی تھی، اس لئے جو لوگ اس فن مین کمال حاصل کر لیتے تھے، وہ قدرتی طور پر غیر معمولی شہرت حاصل کر لیتے تھے، یاقوت مستعصمی کا نام آج اوس زمانہ کے دوسرے صاحب کمالون سے کچھ کم روشن نہین ہے، لیکن اس کا طغرائے کمال قرآن مجید کی کتابت کے سوا اور کچھ نہین ہے، اس کے علاوہ اوس زمانہ مین چھاپہ خانہ کا رواج نہ تھا، اس لئے مشہور شعراء کے دوادین اور مشہور مصنفون کی تصنیفات عموماً ہاتھ سے لکھوائی جاتی تھین، اور اوس نے مشہور خوشنویسون کا درجہ بہت زیادہ بلند کر دیا تھا، چنانچہ مولینا جلال طبیب شیرازی نے [illegible] مین ایک مثنوی گل و نوروز کے نام سے لکھی تھی، جو مبتدیون اور نوجوانون مین خاص طور پر مقبول تھی، مولینا نسیمی نیشاپوری (جو کاتبی کے استاد تھے،) نے ایک مہینہ میں اس مثنوی کے ۲۰ نسخے اپنے ہاتھ سے لکھے، اور یہ ایک نہایت تعجب انگیز واقعہ خیال کیا گیا[2]، یہی وجہ ہے کہ اوس زمانے کے تمام کتب خانون مین کاتبون کا ایک ممتاز گروہ ہمیشہ موجود رہتا تھا، مساجد، مقابر اور دوسری عمارتون

---

[1] وہ خود اس کمال پر اس طرح ناز کرتے ہین :-

روزے کہ نہ شادی و نہ شیون باشد — نے دست و قلم نہ جان و نے تن باشد
بر خاطر دوستان دھد یاد مرا — خطے کہ بیادگار از من باشد

[2] دولت شاہ صفحہ ۵۰۹، ۲، ذکر مولانا جلال طبیب شیرازی،

بہ مشہد رفت و بنام خودش بست　　　نمک خورد و نمکدان را بدزدید

لیکن مولانا کاتبی کی شرافت اور حسن ادب نے اس نزاع نے کوئی ناگوار صورت اختیار نہیں کی، بلکہ مولینا کاتبی نے اس کو دیکھکر نہایت شریفانہ طور پر مولینا یحیٰی سے علٰحدگی اختیار کرلی، اور دار السلطنت ہرات مین چلے آئے، اور یہان نہایت عامیانہ زندگی بسر کرنے لگے، اور شعر و شاعری کو اپنا مستقل مشغلہ بنا لیا، اس وقت ہرات کا فرمانروا سلطان بایسنغر تھا، جو ارباب کمال بالخصوص فنون لطیفہ کا بڑا قدردان تھا، چنانچہ دولت شاہ اوس کے ضمنی تذکرے مین لکھتا ہے :-

"و در ہنر پروری و ہنرمندی شہرۂ اقالیم شد، و خط و شعر در روزگار او رواج یافت و ہنرمندان و فضلا ربآوازۂ او از اطراف و اکناف روے بخدمتش آوردند ہنرمند عنایتہا کردے و شعرا را دوست داشتے، و در تجمل کوشیدے و ندیمان و جلیسا داشتے و از سلاطین روزگار بعد از خسرو پرویز چون بایسنغر سلطان کسے بعشرت نہ کردہ، و شعر ترکی و فارسی رانیکو گفتے، و فہمیدے و بشش قلم خط نوشتے، و این بیت مرزا بایسنغر راست "

گدائے کوے تو شد بایسنغر　　　گدائے کوے خوبان بادشاہ است[۱]

اسکی ہنر پروری کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کے دربار مین خواجہ یوسف اندکانی ایک مشہور مطرب تھے، سلطان ابراہیم بن شاہرخ نے متعدد بار سلطان بایسنغر سے ان کو طلب کیا، لیکن سلطان نے انکار کیا، ایک بار سلطان ابراہیم نے ایک لاکھ دینار نقد بھیجدیئے، کہ اس کے عوض میں خواجہ یوسف کو بھیجدو لیکن سلطان کی بلند ہمتی نے، اس کو گوارا نہیں کیا، اوس نے اپنے بھائی کے جواب مین یہ شعر لکھ کر بھیجدیا،

---

[۱] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ص ۳۵۰،

تفصیل کے ساتھ کیا ہو، اور فن خوشنویسی کے متعلق ان کے تمام کمالات نہایت واضح الفاظ میں کئے ہیں، چنانچہ اس کے خاص الفاظ یہ ہیں :۔

"مردے مستعد و ذوفنون بودہ اوّل در نیشاپور بودے و بعد ازان در مشہد مقدسہ رضویّہ علیہ السلام والتحیۃ ساکن شد، و بمکتب داری و ادیبی مشغول بودے و شش قلم خط نوشتے و در علم کتابت و ہنر شعر و علم معما در روزگار خود نظیر نداشت و رنگ آمیزی کاغذ و سیاہی ساختن و افشان و تذہیب حق او بودہ و درین علوم رسائل دارد و در انشا و تالیف و ترسل و غیر ذلک صاحب فن بودہ و اولاد اکابر در مکتب او متعلم بودہ اند، و بحسب تجربہ مکتب او را مبارک یافتہ اند، و مولانا عبد الحیٔ کہ در خط سیاق و دبیری مہر آمدہ است شاگرد مولانا سیمی بودہ"[1]

مولانا سیمی جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، فن خوشنویسی کے ساتھ شعر و شاعری بھی ذوق رکھتے تھے، غالباً مولانا کاتبی نے بھی ان کی صحبت[2] یا اس زمانہ کے عام شاعرانہ رجحان سے متاثر ہو کر اس کوچہ میں قدم رکھا، اور غزل گوئی کو خاص طور پر اپنے دل و دماغ کا جولانگاہ بنا لیکن بدقسمتی سے استاد اپنے ہونہار شاگرد کے فضل و کمال کو حاسدانہ نگاہ سے دیکھنے لگا، اور اوس کی عداوت پر آمادہ ہو گیا، اوستاد اور شاگرد دونوں شاعر اور خوشنویس تھے، اس لئے صاف طور پر یہ پتہ نہیں چلتا، کہ باہم کس فن میں رشک و حسد پیدا ہوا، البتہ کاتبی کے بعض اشعار سے اشارۃً معلوم ہوتا ہو کہ یہ رقابت فن شعر کی بدولت پیدا ہوئی، چنانچہ وہ اشعار یہ ہیں :۔

میان شہر نیشاپور سیمی چو اشعار ملیح کاتبی دید،

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی ص ۲۱۴ [2] تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ شاعری میں ان کے شاگرد نہ تھے بلکہ آتشکدہ میں ان کو مولانا سیمی کا شاگرد لکھا ہو،

سلطان بایسنغر نے بابا سودائی کو اس قصیدہ کے جواب لکھنے کا حکم دیا، اور انھون نے یک گھنٹے مین اسّی شعر کا ایک قصیدہ اوس کے جواب مین لکھدیا، چنانچہ خود کہتے ہین :۔

بیک ساعت بگفت این شعر را بابا و سودائی فرید اندر سپاہان گرچہ گفت آن را باتابی

دولت شاہ کو اگرچہ اس زود نویسی کا یقین نہین آتا، تاہم اس مین اس کو بھی شبہہ نہین، کہ انھون نے اس قصیدے کو تھوڑی سی مدت مین لکھا تھا[1] اسی عادت کے مطابق سلطان نے مولانا کاہی کو بھی خلاق المعانی کمال الدین اسمٰعیل اصفہانی کے ایک قصیدے کے جواب لکھنے کا حکم دیا، جس کا مطلع یہ تھا،

سزد کہ تاجور آید بہ بوستان نرگس کہ ہست در چمن و باغ مرز

مولانا کاہی نے اس قصیدہ کے جواب مین ایک نہایت سیر حاصل قصیدہ دولت شاہ کا بیان ہے کہ

"او جواب کمال را در حد کمال بیان کردہ"

لیکن مولانا کاہی کے ہمسرون نے رشک و حسد سے ان کے قصیدے کی بالکل قدر نہین کی[1] انھون نے کبیدہ خاطر ہو کر ظہیر کے ان اشعار سے اپنے دل کو تسلّی دی،

ہنر نہفتہ چو عنقا بماند زانکہ نماند کسیکہ باز شناسد ہمای را از خاد

ہزار بیت بگفتم کہ آب از ان بچکید کہ جز ز دیدہ دگر آبم از کسے نکشاد

ہزار دامن گوہر نثار شان کردم کہ ہیچ کس شبہے در کنار من ننہاد

اور ہرات سے نکل کر پہلے استرآباد اور گیلان آئے، پھر وہان سے دار السلطنت شروان کا رُخ کیا، اور وہان شاہزادہ اعظم امیر شیخ ابراہیم شروانی نے ان کی بڑی قدر دانی کی، اور ایک

---

[1] دولت شاہ سمرقندی ص ۱۷۱،

مایوسفِ خود نمی فروشیم　　　تو سیم سیاہ خود نگہ دار[۱]

فنونِ لطیفہ کی اس قدر دانی کی وجہ سے اس دور کے بہت سے مشہور شعرا اوس کے در سے وابستہ تھے، چنانچہ دولت شاہ لکھتا ہے :-

"و شعرائے کہ در روزگار شاہرخ سلطان بملازمت بایسنغر بہادر مے بودہ اند بابا سودائی است و مولینا یوسف امیری و امیر شاہی سبزواری و مولانا کاتبی ترشیزی، و امیریمین الدین نزدی بابا رحمہم اللہ"[۲]

لیکن یہ قدردانی محض تفریحی حیثیت نہیں رکھتی تھی، بلکہ اوس کے دربار میں شعرا کو شاعری میں ترقی کرنے کا موقع بھی ملتا تھا، کیونکہ سلطان بایسنغر کی عادت یہ تھی، کہ اپنے دربار کے شعرا سے شعرائے قدیم کے مشہور قصائد پر قصیدے لکھواتا تھا، اور اس طرح ان کے زورِ طبع کا امتحان کرتا تھا، چنانچہ دورِ حاضر کے ایک مشہور شاعر فرید احول نے رات اور ستاروں کے متعلق ایک قصیدہ لکھا تھا جس کا مطلع یہ تھا،

نماز شام کز امواج این دریائے دولابی　　　فرو شد زورق زرین بر آمد طشتِ سیمابی

یہ ایک نہایت پر زور قصیدہ تھا جس کی نسبت دولت شاہ نے لکھا ہے کہ

"صفتِ انجم و صفتِ طلوع نیرِ اعظم در آخر قصیدہ بیان می کند، در چرخیات در این قصیدہ کار بداد اورد۔"

اور فرید نے اوس کو ایک ہفتہ میں لکھا تھا، اور اس زود نویسی پر اوس کو ناز تھا، چنانچہ خود کہتا ہے :-

بیک ہفتہ در اصفاہان فرید این شعر انشا کرد　　　عجائب داشت طبع او ازین تیزی و انشائی

۱؎ تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ص ۳۵۱، ۲؎ ر ر ر

نیز متمدن صحرانشین شخص مولانا کاتبی کی شاعری کا کیونکر قدردان ہو سکتا تھا، اوس نے ان کی طرف مطلق توجہ نہین کی، اور قصیدے کا کچھ صلہ نہین دیا، مولنا کاتبی کو اس ناقدردانی سے نہایت رنج ہوا، اور وہ اسکی ہجو مین یہ قطعہ لکھکر

زن و فرزند ترکمان راگنا و | ہمچو مادر سکندر بدرائے،

آنچہ ناگاہ ماندہ بود از وے | داد گاوں بلشکر چغتائے،

صفہان چلے آئے، اور وہان خواجہ صاین الدین ترکہ علیہ الرحمہ کی خدمت مین حاضر ہوکر ان کے سامنے علم تصوف کے بہت سے رسالے پیش کئے، اور ان کے فیض صحبت سے دنیا و مافیہا سے بالکل قطع تعلق کر لیا۔ اس کے بعد اصفہان سے خواجہ صاین الدین علیہ الرحمہ کی اجازت لیکر عراق عجم سے طبرستان اور دارالمرز مین چلے آئے، اور استرآباد مین اقامت اختیار کی، اور بالکل گوشہ نشین ہوگئے، با اینمہ خمسہ نظامی کے خمسہ کا جواب بھی لکھتے رہے، لیکن استرآباد کا سفر مولانا کاتبی کا آخری سفر تھا ان کو سفر آخرت کے لئے کمربستہ ہونا پڑا، چنانچہ ۸۳۹ھ مین یہان سخت طاعون پھیلا، بیان خود مولنا کاتبی نے ایک قطعہ مین کیا ہی،

زآتش قہر دیا گردید ناگاہان خراب | استرآبادے کہ خاکش بود خوشبوتر ز مشک

واندر و از پیر و برنا ہیچ تن باقی نماند | آتش اندر بیشہ چون افتد نہ تر ماند نہ خشک

اسی آگ کے شعلون کی لپٹ نے مولینا کاتبی کے خرمن حیات کو بھی پھونک دیا، اور انھون نے ۸۳۹ھ مین وفات پائی، اور ہین امام زادہ معصوم کے مزار مبارک کے باہر جو جنگوران کے نام سے مشہور ہے، دفن ہوئے،

اخلاق و عادات | مولینا کاتبی کے اخلاق و عادات مین سب سے زیادہ نمایان چیز سادگی، بے تکلفی، خاکساری، خودداری، اور فیاضی ہی، وہ اوّل اوّل مولینا یحیی کی عداوت کی وجہ سے نیشاپور سے نکلے

قصیدہ کے صلہ مین جس کی ردیف گل ہے، دس ہزار دینار شروانی عطا فرمائے، یہ دولت شاہ کا بیان ہے لیکن مولینا غلام علی آزاد بلگرامی نے ید بیضا مین لکھا ہے، کہ جب مولنا کاتبی نے کمال کے قصیدہ کا جواب لکھکر میرزا بایسنغر کی خدمت مین گذرانا تو حاسدون کی دراندازی سے خود میرزا نے اسکی طرف بالکل توجہ نہین کی، بلکہ اوسکی ہنسی اوڑائی، اسلئے مولانا کاتبی نے ناراض ہوکر شروان کا رُخ کیا، اورامیر ابراہیم کی مدح مین گل کی ردیف کا قصیدہ لکھکر پیش کیا، جس کے صلہ مین اوس نے دس ہزار دینار دئیے، بہر حال شروان مین مولینا کاتبی نے نسبتہً ہرات سے زیادہ کامیاب زندگی بسر کی، اور جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین لکھا ہے، وہان بہت دنون تک قیام پذیر رہے، لیکن اس زمانہ کے مذاق کے مطابق یہان بھی ان کو شاعرانہ معرکہ آرائیون سے سابقہ پڑا، اور مولینا بدر شروانی سے جو شروان اور مضافات شروان مین بڑے پایہ کے شاعر خیال کئے جاتے تھے، مقابلہ کرنا پڑا جس کی اہمیت کا اندازہ کاتبی کے اس قطعہ سے ہوتا ہے، جو اونھون نے مولانا بدر شروانی کی شان مین لکھا ہے،

لقب کاتبی دارم اے بدر اما، محمد رسید اسم از آسمانم،
مرا نام باشد محمد تو بدری بانگشت سبابہ ات بدرانم،

مولنا کاتبی اور بدر کی اس معاصرانہ چشمک نے دو فریق پیدا کر دئیے، ایک فریق مولانا بدر شروانی کو مولنا کاتبی پر ترجیح دیتا تھا، لیکن اہل سمرقند مولینا کاتبی کو ترجیح دیتے تھے،[1]

شروان مین بہت دنون تک قیام پذیر رہنے کے بعد مولینا کاتبی آذربائیجان مین چلے آئے جہان کا فرمانروا اسکندر بن قرا یوسف تھا، جو جابل غازقرد کی ایک صحرانشین ترکمان قوم سے تھا اور کسی شاہی خاندان سے تعلق نہین رکھتا تھا،

مولینا کاتبی نے حسب دستور اوس کی مدح مین بھی ایک عمدہ قصیدہ لکھکر پیش کیا، لیکن ایک

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی ص ۳۰۸،۳۰۷، تذکرۂ مولنا بدر،

نی، باورچی نے اسکی اطلاع دی، تو اوس کے متعلق انھون نے یہ قطعہ لکھا:

مطبخی را وی طلب کردم کہ بغراقی بپزد — تا شود زآن آتش کار ما وہمان ساختہ
گفت ہم ہیمہ گر یابم کہ خواہد داد آرد؟ — گفتم آن کو آسیاے چرخ گردان ساختہ[1]

جس سے ان کے توکل واستغنا کا اندازہ ہوتا ہے،

بعض احباب نے ان کو ملامت کی، کہ "ابھی ابھی بادشاہ نے آپ کو دس ہزار دینار عطا فرمائے ہین، اور آپ کے پاس ایک من آٹے کی قیمت بھی نہین ہے، ایسا نہ ہو کہ بادشاہ آپ سے بدظن ہو جائے" مولانا کاتبی نے جواب دیا، کہ "اگر مین بادشاہ کا خزانچی ہون، اور یہ مال میری تحویل مین ہے، تو مین بادشاہ کو اس کا حساب دیدون گا، ورنہ اگر اوس نے مجھ پر احسان کیا ہے، تو مین صرف ایک تنہا شخص تھا، لیکن مین نے ہزارون آدمیون پر اوس مال کو تقسیم کر دیا، اگر احسان کو واپس لینا چاہے گا، تو مین اوس شخص کا حوالہ دیدونگا، جس نے مستحقین کو ... بعد احباب کو مخاطب کرکے یہ قطعہ پڑھا،

زر از براے خرچ کند سکہ دار ہین — بدبخت مردکے کہ زر اگر د میکند

اور کہا کہ "اے دوستو! تم شروان شاہ کے خزانے کا غم نہ کھاؤ، کہ وہ اتنی رقم کے خرچ کر دینے سے خالی نہ ہوگا، اور میری فکر بھی نہ کرو، اور میری مفلسی پر کبیدہ خاطر نہ ہو، کہ معانی کے خزانے میرے

---

[1] دیوان مین پورا قطعہ حسب ذیل ہے، :-

مطبخی را وی طلب کردم کہ بغراقی بپزد — تا شود زان آتش کار ما وہمان ساختہ
گفت در ہیشم نمی آید بمطبخ ہیچ چیز — غیر آب دیدہ کش جاری غم نان ساختہ
گفتم [illegible] بردہم و دقیق — زان کہ ہستت کار خوان سفرہ لیشان ساختہ
گفت ہم ہیمہ گر [illegible] خواہد داد آرد؟ — گفت آنکین آسیاے چرخ گردان ساختہ

تو گو اس درجہ کو پہونچ چکے تھے، کہ بڑے بڑے دربارون مین ان کی رسائی ہو سکتی تھی، لیکن اونھون نے اپنی سادگی، بے تکلفی اور خاکساری سے مناصب علیہ کی کچھ پروا نہ کی۔ اور نہایت وارستہ مزاجی کیساتھ اودھر اودھر مارے مارے پھرے، چنانچہ دولت شاہ لکھتا ہے:۔

"مولینا ہمی از آنجا کہ شیوۂ ابناے روزگار است بروزگار او حاسد شدہ، بروے دل گران گردید، وبعداوت او برخاست، مولانا کاتبی بفراست آن گرانی را دریافت و از نیشاپور قصد دار السلطنت ہرات نمود، وہموارہ بے تعین و تکلف گردیدے، وشہرۂ شاعری منقول بودے، اگرچہ استحقاق تصدر داشت اما درصف نعال ظرفا بسر می برد"

لیکن باین ہمہ خاکساری دار السلطنت ہرات مین پہونچکر جب اونھون نے سلطان بایسنغر مرزا کی فرمایش سے خلاق المعانی کمال اسماعیل اصفہانی کے قصیدہ پر قصیدہ لکھا، اور حاسدون کی دراندازی سے سلطان بایسنغر مرزا نے اس قصیدہ کی داد نہ دی، تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے نہایت برداشتہ خاطر ہوئے، اور ہرات کو چھوڑ کر دار السلطنت شروان مین پہونچے، اور شاہزادہ اعظم امیر شیخ ابراہیم شروانی کے دربار مین رسائی حاصل کی، اور اوس نے ان کی نہایت قدر دانی کی اور بہت سامال عطا فرمایا، لیکن مولینا کاتبی چونکہ نہایت فیاض واقع ہوئے تھے، اس لئے یہاں ان کو جو کچھ مال و دولت ملتا تھا، چند دنون مین سب صرف کر ڈالتے تھے[1]،

ایک بار سلطان نے ایک قصیدہ کے صلہ مین ان کو دس ہزار دینار عطا فرمائے لیکن انھون نے صرف ایک ہفتہ مین کاروان سراے شماخی مین اس رقم کو فقرا، صلحا، اور شعرا و ظرفا پر صرف کر دیا، اور بعض لوگون نے اس مین سے کچھ رقم چرا بھی لی، ایک بار انھون نے خادم کو حکم دیا، کہ اسی رقم سے ایک عظیم الشان دعوت کا سامان کرے لیکن ایک من آٹے کی قیمت تک موجود

---

[1] تذکرہ آتشکدہ مین ان کے متعلق لکھا ہے، کہ "در امر دنیا بسیار لاأبالی"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

" بالحول والقوۃ " مدام از حضرت مبلغ الہام بتکلم بر دوام تعالی شانہ جواہر زواہر صلوات

و یواقیت مواقیت تحیات نثار روزگار سخن گذارے باد کہ بیان مصحح انا افصح و کلام

منظم ادتیت جوامع الکلم اجناس سپاس ذات پاک را بر طبق ماعرفناک ونسق سبق بعضی

احما دبر ورق اگرچہ در مظاہر اسرار افکار فضلاے بلاغت دثار و شعراے فصاحت شعار از

جیب و گریبان روزگار ید بیضاے موسوی نمودہ و باقلام اختراع و ارقام اصطناع بر صحائف

لطائف معنوی صورہاے معنوی کشودہ اند"

جس سے معلوم ہوگا، کہ اس دور مین مسجع و مقفیٰ نثر نگاری کا جو عام رواج

وہ اپنے حریفون سے پیچھے نہ تھے،

نظم مین ان کا جو کلام ان کے قلمی کلیات مین ہمارے سامنے موجود ہے، ان میں

ہین جن کے نام یہ ہین،

خمسہ : اوپر گذر چکا ہے کہ استرآباد کے زمانۂ قیام مین مولنا کاہی نے خمسہ نظامی کا جواب لکھنا شروع

کیا تھا، اور دولت شاہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مخزن الاسرار کے اکثر حصہ کا جواب لکھ چکے تھے

جس کو اکابر نہایت پسند کرتے تھے، لیکن انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مین ہے، کہ وہ صرف گلشن ابرار

(جو مخزن الاسرار کا جواب ہے) اور لیلیٰ مجنون کی تکمیل کر سکے، اور لیلیٰ مجنون کا ایک نسخہ سینٹ

پیٹرسبرگ میں ہے، اس کی نسبت مسٹر براؤن لکھتے ہین، کہ

" اخیر زندگی میں انھون نے خمسہ لکھنا شروع کیا، جس مین انھون نے تصنع و آرایش کو راہ دیا،

اسی وجہ سے وہ اوس کو پورا نہ کر سکے"

ساتھ ہین، اور میری مروّت کا سرمایہ کبھی ختم نہ ہوگا"

اسی فیاضی کی وجہ سے مولانا کاہی نے ہمیشہ غربت و افلاس مین زندگی گذاری، انسائیکلوپیڈیا[1] آف اسلام مین لکھا ہے کہ

"انھوں نے تمام زندگی غربت مین گذاری جس کی وجہ یہ تھی، کہ وہ بڑے فیاض تھے، اور اون کو اپنے سرپرستون سے جو کچھ ملتا تھا، چند دنون مین خرچ کردیتے تھے"

غالبًا اسی غربت و افلاس کی وجہ سے بعض اوقات لب قناعت کی مہر سکوت ٹوٹ جاتی تھی، اور زبان پر حرف سوال آجاتا تھا،

خسروا از خور و پوش من نداری آگہی | چون نباشد از تو ہردم نالہ و افغان مرا
نیستم کعبہ کہ در سالے دہی یک جامہ ام | مانیم گردون کہ روزے بس بود یکنان مرا

تصنیفات: مولینا کاہی کی تصنیفات کا اکثر حصہ نظم مین ہے، لیکن نثر میں بھی ان کے چند رسالے ہین، جن کا اجمالی ذکر دولت شاہ نے ان الفاظ مین کیا ہے، :-

"واز تبریز عزیمت اصفہان نمودہ بصحبت شریف فخر الفضلا و المحققین خواجہ صاین الدین ترکہ علیہ الرحمۃ مشرف شد و در علم تصوف پیش خواجہ، سالہا گذرانید و تربیتہا یافت"

ان کے ایک اور رسالہ کا نام "سی نامہ" ہے، جو ان کے ۳۰ مکاتیب کا مجموعہ ہے، اور اس مین صوفیانہ محبت کا بیان ہے[1] لیکن افسوس ہے کہ یہ رسالے ہمارے پاس موجود نہین ہین، اس لئے ہم ان پر لفظی اور معنوی حیثیت سے کوئی تبصرہ نہین کر سکتے، البتہ انھون نے مثنوی مجمع البحرین کے شروع مین خود ایک دیباچہ لکھا ہے جس سے ان کی انشا پردازی اور عبارت آرائی کا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ ہم اس موقع پر اس کے بعض اقتباسات نقل کرتے ہین، :-

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ذکر کاہی،

اورنگزیب کی تاریخ کا ایک غیر معروف ماخذ

مثنوی آشوب ہندوستان

از جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی

"مندرجہ ذیل مقالہ میرے اس انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے جو آل انڈیا اورنٹل کانفرنس کے اجلاس نہم منعقدہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۳۷ء بمقام ٹریونڈرم (ٹراونکور) کے شعبۂ تاریخ میں پڑھا گیا تھا۔" (اختر)

تمام دنیا کے سلاطین اور فرماں رواؤں میں شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ سے متعلق جتنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں، شاید ہی کسی اور بادشاہ کی نسبت لکھی گئی ہوں گی، تاریخ اورنگزیب کے متعدد ماخذ نکلتے چلے آتے ہیں اور ان میں آئے دن ایک نہ ایک اضافہ ہوتا رہتا ہے، اسی سلسلہ میں ہم تاریخ اورنگزیب کے ایک ایسے ماخذ کو پیش کر رہے ہیں جس کے موجود و محفوظ ہونے کا اگرچہ ہمیں علم ہے لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے معاصر مورخین میں سے کسی نے اس کو تاریخی ماخذ کی حیثیت سے استعمال نہیں کیا، اور نہ تاریخِ عالمگیر کی موجودہ فہرست ماخذ میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے[1]، یہ ایک فارسی

---

[1] اورنگزیب کی تاریخ کے تقریباً تمام فارسی ماخذ کے نام سر جدوناتھ سرکار کی تاریخ اورنگزیب اور پروفیسر نجیب اشرف کے مقدمۂ رقعات عالمگیر میں دیئے گئے ہیں جن میں اس مثنوی کا نام نہیں پایا جاتا،

مثنوی مجمع البحرین :۔ دو مختلف وزن، اور دو مختلف قافیون مین ایک رزمیہ نظم ہے،
مثنوی ناظر و منظور :۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین ہے، کہ اس مین دو شخص ناظر و منظور کی
صوفیانہ محبت کا ذکر ہے،
بہرام گل اندام[۵] :۔ مسٹر براؤن اسکی نسبت لکھتے ہین کہ "اسکو انھون نے نئے نئے صنائع مین
لکھا ہے، مثلاً ذوالبحرین، ذو قافیتین، اور اسی قسم کے دوسرے صنائع"
مثنوی حسن و عشق :۔ مسٹر براؤن نے اس کا نام لیا ہے،
نظم دلربائی :۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین ہے، کہ اس میں مجازی طور پر شاہ مین
قیاد اور اوس کے وزیر کی تاریخ ہے، اور اوس مین تراکیب کی فراوانی ہے
دہ باب و تجنیسات :۔ اخلاقی اور عشقیہ شاعری مین ہے،
دیوان :۔ مسٹر براؤن کے پاس مولنا کاتبی کے دیوان کا ایک قدیم نسخہ تھا، جو کاتبی
کی وفات کے بعد ۹۲۳ھ میں لکھا گیا ہے، اس مین تین ہزار اشعار
ہین، جو غزلیات، قطعات، اور متفرقات پر مشتمل ہین، اور متفرقات
مین زیادہ تر ان کی زندگی کے حالات ہین،
ان مختلف نظمون کا مجموعہ کلیات کی صورت مین ہمارے سامنے ہے، باقی

---

[۵] تذکرہ مغزان الغرائب سے معلوم ہوتا ہے کہ بہرام اور گل اندام الگ الگ دو مثنویاں ہیں۔

مخطوطہ | یہ چھوٹی سی جلد ۵ × ۸ کی تقطیع پر ۸۰ اوراق یا ۱۶۰ صفحات کی کتاب ہے، ہر صفحہ میں ۱۵ اشعار ہیں، کل اشعار کی تعداد ۲۵۰۰ (دو ہزار پانچ سو) ہے، ہر صفحہ پر سیاہ و سرخ لکیروں کی جدولیں ہیں، عنوانات تمام تر سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں، کتاب خوش خط اور نستعلیق ہے، خط بہت پختہ اور صاف ہے، بعض اشعار میں الفاظ کو کاٹ کر حاشیہ پر ان کی تصحیح کی گئی ہے، غالباً مالک کتاب یا کسی پڑھنے والے نے کسی دوسرے نسخے سے اسکی تطبیق کر کے تصحیح کی ہوگی، ہر صفحہ کے آخر میں آیندہ صفحہ کا ایک لفظ لکھ دیا گیا ہے صفحات کا نشان نہیں دیا گیا، کتاب کا نام سرورق، اوّل یا آخر کتاب میں نہیں لکھا گیا، بلکہ مثنوی کے اس آخری شعر سے معلوم ہوتا ہے،

شد ایں نامہ از ہمت دوستاں مسمّٰی بآشوب ہندوستاں،

تاریخ کتابت اور کاتب کا نام عبارت مندرجۂ ذیل سے معلوم ہوتے ہیں جو آخر کتاب میں درج ہے:۔

"کاتب الحروف محمد حسین بیست و ہشتم شہر رجب المرجب ۱۰۹۰ھ تحریر یافت"

اس مثنوی کی تاریخ تصنیف کا پتہ نہیں چلتا، لیکن یہ ۱۰۶۲ھ اور ۱۰۷۹ھ کے مابین لکھی گئی ہے، جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ تصنیف کتاب کے صرف ۲۸ برس بعد لکھا گیا ہے،

آخر کتاب میں حاشیہ پر لکھا ہے "ایں کتاب دولہ رائے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ دولہ رائے کی ملکیت میں تھا جو جوناگڑھ کے ایک ذی علم برہمن، چھتری اور دیسائیوں کے خاندان سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے گذرے ہیں،

مصنف | اس مثنوی کے مصنف کا کوئی حال معلوم نہ ہو سکا، سوائے اس کے کہ اس کا تخلص "بہشتی" تھا جو اس کتاب میں مندرجۂ ذیل تین اشعار میں پایا جاتا ہے:۔

مثنوی مسمیٰ بہ آشوب ہندوستان ہے جس پر آیندہ سطور میں تبصرہ کرنا مقصود ہے،

مخطوطات | اس کتاب کے قلمی نسخے ہندوستان اور یورپ کے کتب[1] خانوں میں بہت کمیاب ہیں، عجائب خانۂ برطانوی کے کتب خانہ میں ع ۲۶۲۳۵ پر اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے، جس کا ذکر ڈاکٹر ریو (Rieu) نے اپنی فہرست مخطوطات فارسی[2] میں کیا ہے، یہ ۶۰ ورق یا ۱۲۰ صفحات اور ۵½ × ۱۰ کی تقطیع کا ہے، جس کے ہر صفحہ پر ۱۰ اشعر لکھے ہوئے ہیں، خط نستعلیق ہے، جس کی نسبت اٹھارہویں صدی کی تحریر ہونے کا قیاس کیا گیا ہے،

انڈیا آفس کے کتب خانہ میں اس کا ایک اور قلمی نسخہ موجود ہے، اس کا ایک نامکمل مخطوطہ آکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری میں محفوظ ہے، ان دو مکمل اور ایک ناقص نسخوں کے علاوہ ایک چوتھا مخطوطہ حال میں ہمارے ایک دوست[3] کو ہاتھ لگا ہے، جس پر ہمیں اپنے اس مضمون میں تبصرہ کرنا ہے،

مطبوعہ نسخے | یہ معلوم کرکے تعجب ہوتا ہے کہ اس قدر نایاب ہونے کے باوجود اس مثنوی کے دو[4] مطبوعہ نسخے موجود ہیں، جن میں سے ایک مطبوعہ ۱۳۰۱ھ کتب خانۂ آصفیہ (حیدرآباد) کے شعبۂ تاریخ فارسی میں نمبر ۹۰۵ پر، جس میں مصنف کا نام "بہشتی شیرازی" بتایا گیا ہے، اور دوسرا نسخہ مطبوعہ ۱۸۸۳ء لاہور کی پبلک لائبریری میں بتایا جاتا ہے[5]، یہ دونوں مطبوعہ نسخے ایک ہی اشاعت کے معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ ہجری اور عیسوی سنہ ایک دوسرے سے مطابق پائے جاتے ہیں،

---

[1] ہندوستان میں بانکی پور، ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ)، بوہار، رامپور، علی گڑھ، پشاور، پنجاب یونیورسٹی، بمبئی یونیورسٹی، ایشیاٹک سوسائٹی (بمبئی) اور یورپ کے انگلینڈ، فرانس اور جرمنی کے کتب خانوں میں اس مثنوی کا کوئی مخطوطہ موجود نہیں ہے،

[2] جلد دوم صفحات ۶۹۰-۶۸۹ [3] جناب عبدالرحمٰن خانصاحب پٹھان (علیگ) ناظر مساحات و اوقاف ریاست جوناگڑھ [4] فہرست کتب خانۂ آصفیہ جلد ۱ ص ۲۵۲،

[5] کتب خانۂ آصفیہ میں جاکر ہم نے اس مطبوعہ نسخہ کی تلاش کی، مگر وہ وہاں سے غائب تھا، اسی طرح لاہور کے کتب خانہ میں بھی وہ ہمیں نہ ملا،

جیساکہ مثنوی لکھنے والوں کا عام دستور ہے، مصنف نے کتاب کے شروع میں مراد کی مدح
کا خاص عنوان قائم کرکے، اپنے دیگر ہم پیشہ مدح سراؤں کی طرح اس کی جا و بیجا مدح و ستایش
کی ہے، چنانچہ مراد بخش کی مذہبیت کے متعلق مصنف ہمیں صرف پہلی مرتبہ روشناس کراتا ہے

ز عصیاں گریزاں ز طاعت قریں	بود بے سخن شاہ دنیا و دیں
دلش غنچۂ گلشن معرفت	ز شاہاں ندارد کسی ایں صفت
شب و روز بر سنت مصطفےٰ	بہر کار شرعش بود رہنما
بناں شرع دارد بجہد تمام رواج	ز دیوان باطل ستاند خراج

لیکن تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی، بلکہ اس کے برعکس ہمیں اس بات کا علم ہوتا
ہے کہ مراد ایک سپاہی منش اور سرکش طبیعت کا آدمی تھا، وہ عیش و عشرت کا
زیادہ تر اپنا وقت عیش پرستی اور لہو و لعب میں گزارتا تھا، اس لئے یہ کہنا کہ
سنت نبوی کا پیرو اور احکام شریعت کا پابند تھا، اس کو سوائے شاعرانہ
مبالغہ کیا کہا جا سکتا ہے،

خود مصنف کا بیان ہے کہ اس نے اپنے آقائے ولی نعمت کے عالی مقام
قرن (غالباً دس سال) کے اندر کئی چیزیں تصنیف کی تھیں، اور کتاب آشوب ہند
پہلی تصنیف نہیں ہے:-

ز احوال آں قبلۂ راستاں	ز یک قرن گفتم بسی داستاں
کنوں فکر تصنیف دیگر کنم	ز آشوب گیتی سخن سر کنم

تمام لڑائیاں اور دیگر واقعات جو شاہجہاں کے چاروں شہزادوں کے مابین تخت
دہلی کے حصول کے لئے رونما ہوئے، اُن کی نسبت مصنف کا دعویٰ ہے کہ وہ سب اس کے

(۱) خدایا بہشتی ثنا خوان تست ، گیاہی ضعیفی ز بستان تست

(۲) بہشتی کند گر صفاتش بیان چو تیغش ز پولاد باید زبان

(۳) بہشتی بمدح امام زمن چو صاحب سخن کرد ختم سخن

اس عہد کے فارسی شعراء کے تذکروں میں بھی اس کا کہیں پتہ نہ مل سکا، مطبوعہ نسخہ مثنوی سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ایرانی الاصل اور شیراز کا رہنے والا تھا، وہ مذہبًا شیعہ اور اثنا عشری معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس کے اشعار ذیل سے ظاہر ہوتا ہے:-

علی ولی او لیا را دلیل نبی را وصی و خدا را وکیل

بمدح امامان اثنا عشر مرا ساز نخل بیان بارور

اشعار ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ بہشتی شہزادہ مراد بخش کا درباری شاعر تھا، اور اس کی مدح میں اشعار لکھا کرتا تھا، چنانچہ اس مثنوی میں ایک جگہ کہتا ہی:-

بوصف حسینان مده فرصتم که از فکر بیهوده در زحمتم

مراد جہانست چون سرورم ز نو دگر لطفش ثنا گسترم

پہلے شعر میں "وصف حسیناں" سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غزلیات بھی لکھتا تھا، جو شعرائے عجم کا عام طور سے مشغلہ رہا ہے، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس نے اپنی ... میات بھی یادگار چھوڑی ہے جس کا ایک قلمی نسخہ آذر ... کے کتب خانہ میں محفوظ ہی،

شہزادہ مراد بخش کی سرپرستی میں رہ کر بہشتی اپنے آقائے ولی نعمت کی مدح و ثنا میں رطب اللسان نظر آتا ہے، کبھی تو اس کو "مراد جہاں" کے لقب سے یاد کرتا ہے، اور کبھی "مراد دو عالم" لکھکر پکارتا ہے، مثلاً:-

ز آں تمر شاہ گیتی ستاں نیامد شہی چون مراد جہاں

تو واقع ہوا، ثانیاً کتاب کے آخر میں دارا شکوہ کی گرفتاری اور اس کے قتل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جو ۱۲ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ کو پیش آیا، ان قرائن کی بنا پر ۱۰۶۹ھ یا ۱۰۷۰ھ کو اس کتاب کی تاریخ تصنیف سمجھنا چاہیئے، یعنی مراد کی وفات سے بہت پہلے اور دارا کے قتل کے فوراً بعد،

فہرست مضامین | موجودہ نسخہ میں سرخ روشنائی سے حسب ذیل عنوانات قائم کئے گئے ہیں، جن کو ہم علی الترتیب یہاں نقل کرتے ہیں:۔

(۱) دیباچہ، حمد و نعت و منقبت،

(۲) در مدح سلطان شاہجہاں (یعنی مراد)

(۳) در مدح شاہجہاں و بخشش کردن ولایت بچہار فرزندان خود،

(۴) گفتار اندر احداث مرض بہ بدن مبارک شاہجہاں،

(۵) در تدبیر ساختن دارا شکوہ برزم شجاع و فرستادن پور خود، بر بطرف بنگالہ،

(۶) حکایت در تمثیل،

(۷) آگاہی یافتن سلطان مراد بخش از مرض شاہجہاں بادشاہ و کشتن علی نقی وزیر خود را،

(۸) بیان تسخیر قلعۂ ارک بہ بندر مبارک (سورت) و بدست آمدن مال بسیار از تدبیر شاہ باز،

(۹) گفتار اندر جلوس فرمودن مراد بخش در صوبہ گجرات،

(۱۰) فرستادن دارا شکوہ پور خود را بدفع شاہ شجاع و منصور گردیدن سلیمان شکوہ و ہزیمت شاہ شجاع مرتبۂ اول،

چشمدید ہیں، چنانچہ شاہنامہ سے اپنی مثنوی کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ اپنے تئیں فردوسی پر ترجیح دیتا ہے، کہ جس نے اپنے مشاہیر کے کارناموں اور لڑائیوں کا بیان اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر قلم بند کیا ہے :-

بسی سال فردوسیٔ خوش کلام — کہ بادش ز یزداں درود و سلام
ہمہ رزم شہنامہ نا دیدہ گفت — بجائے گہر طبعش الماس سُفت
من ایں رزمہا را ہمہ دیدہ ام — نہ کس ہمچو افسانہ نشنیدہ ام
چو افسانہ کذبست شیریں تراست — ولی صدق را نشأۃ دیگراست

کتاب میں بعض اشارات ایسے پائے جاتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف گجرات میں رہ چکا ہے، اولاً یہ امر یقینی ہے کہ وہ مراد کا درباری شاعر تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت مراد احمد آباد میں تھا، جہاں اسنے "مروج الدین" کا لقب اختیار کرکے تخت نشینی کی رسم ادا کی تھی، ثانیاً وہ علامہ طوسی (خواجہ نصیرالدین) کی ایک پیشین گوئی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے، کہ گجرات سے کچھ لوگ حج کو گئے تھے، وہ اسی سال واپس آئے، چنانچہ ان کی زبانی یہ واقعہ سنا، وغیرہ، ان دونوں باتوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ اگرچہ احمد آباد میں اس کا مستقل قیام نہ رہا ہو، لیکن وہ کم از کم اتنے عرصہ تک وہاں مقیم رہا ہوگا، جب تک کہ شہزادہ مراد بخش گجرات میں تھا،

تاریخ تصنیف | اس مثنوی کی تاریخ تصنیف کا ذکر متن کتاب میں کہیں نہیں ملتا، البتہ بعض تاریخی واقعات جو اس میں بیان کئے گئے ہیں ان کی بناء پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۶۸ھ اور ۱۰۶۹ھ کے مابین لکھی گئی ہوگی، اولاً یہ کہ مراد کی وفات کا ذکر اس میں نہیں کیا گیا صرف اس کو قید کرکے گوالیار کے قلعہ میں بھیج دینے کا حال درج ہے، جو ۴ر شوال ۱۰۶۸ھ

... بیانات اس کی چشم دید ہیں قابلِ قبول نہیں ہو سکتا، یہ صحیح ہے کہ وہ مراد کے دربار سے وابستہ ... اور اس لحاظ سے مراد کیساتھ جو جو واقعات پیش آئے وہ اسکے چشم دید ہوں لیکن یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے ... ملک کے دوسرے حصوں میں جو جو واقعات پیش آئے انکو بھی اُس نے بچشمِ خود دیکھا تھا؟ قدرتی طور پر یہ سب معلومات اسکو پرچہ نویسوں یا افواہوں اور خبروں کے ذریعہ حاصل ہوئی ہونگی، بااین ہمہ اسکے بیانات دوسری معتبر تواریخ کی مطابقت میں اکثر صحت سے قریب تر ہیں،

اورنگزیب کی نسبت رائے | مصنف مراد کا نوکر اور اس کا طرفدار تھا، اس لئے طبعاً اس کو اورنگزیب کا مخالف ہونا چاہیئے، لیکن پوری کتاب میں اس نے اورنگزیب کے خلاف کچھ لکھنے سے بڑی احتیاط برتی ہے، شاہجہاں کے اپنے چاروں بیٹوں کو چاروں ولایات (صوبے) تقسیم کر دینے کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے چاروں شہزادوں کو خلفائے راشدین سے تشبیہ دی ہے:

خلف بود شش از دولتِ ذو المنن	چو اصحاب خیر البشر چار ...
بدارا شکوہ جہاں اقتدار	سر پرستش سزاوار صدیق وار
بآئینِ فاروق سلطان شجاع	ز خورشید رایش فروزان شعاع
ہمی بود شہزادہ اورنگ زیب	چو عثمان سراپا حیا و شکیب
ز سلطان مراد از نکو اختری	عیاں شوکت و صولتِ حیدری

مصنف کا اورنگزیب کو حضرت عثمانؓ سے تشبیہ دینا قابلِ لحاظ ہے، کہ اس سے ہمارے شیعی شاعر کا رجحان اورنگزیب کی طرف ظاہر ہوتا ہے، جس کو اس نے اس طنز نہاں کے پردہ میں چھپایا ہے، دوسری طرف وہ اپنے سرپرست مراد کو حضرت علیؓ سے مشابہت دیتے ہوئے نہ صرف اس کو دوسروں پر فضیلت بخشتا ہے، بلکہ اس طرح وہ امام ممدوح کو خراجِ فضیلت پیش کرتا ہے، بہرحال یہ مشابہت بالکل بیجا اور نامناسب ہے، اور مصنف نے اس پردہ میں اورنگ...

(۱۱) لشکر کشیدن سلطان مراد بخش از احمد آباد بصوب اجین و دیدن سلطان اورنگزیب

(۱۲) گفتار اندر بزم کردن اورنگزیب و مراد بخش،

(۱۳) مصاف انداختن اورنگزیب و سلطان مراد بخش بمقابلۂ مہاراجہ جسونت سنگھ و ہزیمت یافتن او،

(۱۴) لشکر کشیدن ہر دو شہزادہ بطرف اکبرآباد براہ سماگر دہمو گڑھ)

(۱۵) مظفر گشتن سلطان مراد بخش و اورنگزیب و شکست دارا،

(۱۶) مفتوح شدن قلعۂ ارک اکبرآباد و مقید شدن مراد بخش بدست اورنگزیب،

(۱۷) ہزیمت دارا شکوہ از لاہور بموجب نامہائے کہ بامرائے دارا شکوہ رسیدہ بودند و آخر بدگمان شدہ مرتبۂ دویم گریخت،

(۱۸) ہزیمت شاہ شجاع و فتح اورنگزیب و رخصت شدن لشکر،

(۱۹) لشکر کشیدن دارا شکوہ از احمد آباد بطرف اجمیر بہ تدبیر مہاراجہ و آخر الامر شکست یافتن و مرتبۂ سیوم گریختن و بدست جیون زمیندار لاہور مقید گردیدن و آخر کشتہ شدن۔

عنوانات بالا کے تحت میں مصنف نے واقعات اور ان کی تفصیلی جزئیات بیان کی ہیں، اور یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ اس نے ان واقعات کو بیان کرنے میں شاعرانہ مبالغہ اور خیال آرائی سے کام نہیں لیا،

تاریخی اہمیت | معاصر ہونے کے اعتبار سے مصنف کی معلومات کچھ ذاتی واقفیت اور سنی سنائی خبروں اور رپورٹوں پر مبنی ہیں، اور جہاں تک برادرانہ معرکہ آرائیوں کا تعلق ہے یہ کتاب ہمعصر تواریخ کے مقابلہ میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، اگرچہ واقعات مندرجۂ کتاب عام طور پر اس زمانہ کی نیز مابعد کی تواریخ میں ملتے ہیں، تاہم مصنف کا یہ عام دعوی کہ

بخیر است چوں نیت بادشاہ چو جوہر ز پولاد روید گیاہ

مراد سے اگرچہ مصنف کو اپنے ذاتی تعلقات کی بنا پر کافی ہمدردی ہے، اور وہ اس کی فیاضی شجاعت اور مردانہ اوصاف کا بہت مداح ہے لیکن حکومت وریاست کے لئے وہ اس کو قابل اور موزوں نہیں سمجھتا، اس معاملہ میں وہ اورنگ زیب کی نسبت بہت بلند رائے رکھتا ہے،

دارا کے طرف دار مہاراجہ جسونت سنگھ کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کے لئے اورنگزیب مراد کو پیغام بھیجتا ہے، اور دارا کی شکست ہو جانے پر اس وسیع سلطنت کا فرماں روا بنانے کا وعدہ کرتا ہے، پیغام ملتے ہی مراد احمد آباد سے روانہ ہو جاتا ہے، اور دل میں یہ منصوبے گانٹھ رہا ہے کہ دارا کے استیصال کے بعد وہ تخت دہلی پر متمکن ہوگا۔

گماں اینکہ دارا چو یابد شکست بر اورنگ دہلی بخواہد نشست

اس موقع پر مصنف ایک تجربہ کار سیاست داں کی طرح لکھتا ہے کہ

ندانست باآں ہمہ رائے و ہوش کہ بی نیش کس را ندادند نوش

چہ خوش گفت رندتنک مایۂ کہ ہر کار را ہست ہم پیرایۂ

اسی سلسلہ میں مصنف مراد کے لشکر کے رذیل افسروں کی نالائقی اور بدکرداری کی شکایت کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

بود از وزیراں دوات و قلم ز نشہ عدل و تدبیر و فوج و حشم

چو ارکانِ دولت ار اذل بود حق پادشہ جملہ باطل بود

بنوعی کہ بود از مراد جہاں شود شرح آں در مجالس بیاں

جگت سنگھ کے خلاف حملہ آور ہونے اور بلخ و بدخشاں پر لشکر کشی کرنے کے لئے مصنف نے مراد کی بڑی تعریف کی ہے، اس کے باوجود وہ اس کو "تخت زریں" پر بیٹھنے اور تاج شاہی پہننے

کے خلاف اپنے مذہبی بغض و عناد کو چھپایا ہے، بعض اور مقامات پر بھی اُس نے اورنگزیب کے خلاف زہر اُگلا ہے، لیکن ایسا کرنے میں اُس نے بڑی احتیاط سے کام لیکر دوسروں کی زبانی ان خیالات کو ادا کیا ہے، صرف ایک جگہ شجاع کے سپہ سالار اللہ وردی خاں کو لالچ دیکر اپنی طرف کر لینے پر وہ اورنگزیب کے خلاف علانیہ طور پر لکھتا ہے:۔

چو اکثر فتوحات اورنگ زیب　　　　بسحر و فسوں بود و مکر و فریب

بااین ہمہ وہ اورنگ زیب کی دوربینی اور حکمت عملی کا بڑا معترف اور مداح نظر آتا ہے، چنانچہ رقمطراز ہے:۔

ز تدبیر و فرہنگ اورنگ شاہ　　　　کہ از کودکی دادہ بودش الٰہ

اسی طرح مراد کے قید ہو جانے کا ذکر کرتے ہوئے اور مراد اور اورنگزیب کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے، کہ کسی بادشاہ کے چاروں طرف کئی دشمن ہوں تو اس کے لئے مکر و تدبیر سے کام لینا جائز ہے، چنانچہ لکھتا ہے:۔

شہے را کہ بسیار باشد عدو　　　　بہ نیرنگ و افسوں کند کار او
کند زادۂ شاہ شاہنشہی　　　　گر از کار خود باشدش آگہی،
نہ آنکس کہ مانند سلطاں مراد　　　　ز انجام کارش نیارد بیاد
بدانساں کہ رستم تہور نداشت　　　　سکندر ز تخشش علم بر فراشت

مراد کے قید ہو جانے کے بعد سے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ دریائے اٹک سے لیکر ملک دکن تک تمام ملک اُجاڑ اور ویران ہو گیا ہے، مصنف کے یہ اشعار اورنگزیب کی نسبت بہت معنی خیز ہیں:۔

مگر بعد ازیں نیت شہریار　　　　جہاں را کند سر بسر عیش زار

مرا یا زر و زینتِ بے شمار   بسلک کنیزانِ مطبخ در آر
مرا دخت پرویز شہ مادر است   پدر آلِ تیمور صاحب فراست
بہ مہمان بجانت کنیزم نمائی   ز پا بند زنجیر وا را کشائی
نمود آن پری ہر قدر نالہ بیش   نشد رنجہ آن دیو ز افغان خویش
ز بے مہری و سنگ جانی نمود   رخے ہمچو ماہی بسیلی کبود

(۲) دارا کے قتل کے سلسلہ میں اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ قاتلوں نے پہلے اس کو جام زہر پیش کیا، مگر اس نے پینے سے انکار کر دیا:-

رساند ابتدا قاتلش جام زہر   کہ در کشش بحکم شہنشاہ دہر
ابا کرد و گفتا مرا از نخست   بود با خدا اعتقاد درست
مسلمانم و پیر من مصطفےٰ   چو کفار جان را سپا
شدہ سرد از زندگانی دلم   بہر نوع دانی بکن ب

(۳) عالمگیر نے دہلی میں رسم تخت نشینی ادا کی، اسکے چوتھے روز منظر عام میں نکل کر بخشیوں سے کہا کہ فوج میں جتنے قدیم ملازم ہوں سب برخاست کر دیئے جائیں اور انکی جگہ نئے آدمی بھرتی کئے جائیں۔

چو روز چہارم گذشت از جلوس   رخ لشکر از درد شد آبنوس
بر آمد چو بر منظر خاص و عام   بفرمود با بخشیانِ عظام
کہ باید سپاہ جدیدی ہمہ   شوند از قدیمی جدا چون رمہ

ان قدیم نوکروں سے وہ لوگ مراد ہیں جو شاہجہاں، دارا اور مراد کے لشکر میں تھے۔

ز شاہجہان وز دارا شکوہ   ز سلطان مراد و تہور پژوہ
سپہ ہر قدر ہست در ہر طرف   نمایند از نوکری بر طرف۔

کے قابل نہیں سمجھا، مراد اپنے حریف اورنگزیب کے ہاتھوں کو مضبوط کرنے کا جو غیر سیاسی اقدام کیا اس پر مصنف اس کو اس طرح ملامت کرتا ہو:-

بآخر سپہر بریں شاد شد کہ فرماں دہِ احمدآباد شد
ولیکن شہنشاہ با عقل و رائے ہمہ لطف و احسان بخلق خدائے
ندانست ایں نکتۂ دلپذیر کہ کار شہاں نیست بیمار شیر
ز اولاد ہر کس کہ بخت آور است ہماں لائق تاج و تخت زر است
بود دور از شیوۂ خسروی کہ دعوی گر ملک گردد قوی

مصنف نے اس مثنوی میں بعض واقعات ایسے لکھے ہیں جو عام تاریخوں میں نہیں پائے جاتے، مثلاً:-

(۱) دارا شکوہ کو قید کیا اس وقت اسکی بڑی شہزادی نے ملک جیون زمیندار لاہور کے پاؤں پڑکر باپ کی رہائی کی استدعا کی مگر اس گستاخ شخص نے اسکے نازک چہرے پر تھپڑ مار دیا، اس واقعہ کو اس نے دردناک پیرایہ اور شاعرانہ رنگ میں بیان کیا ہے:-

ہمیں دختِ آں شاہ والا جناب کہ خورشید و ماہش ندیدہ بخواب
چو ہنگامۂ قید دارا شنید چو آہنگ از پردہ بیروں کشید
چو غنچہ پُر از شکوہ خونیں دہن چو گل چاک چاک کش بہ تن پیرہن
چو آں گل کہ بر خاک افتد ز باد بدانگو نہ در پائے جیون فتاد
بزاریش گفتا کہ اے سنگدل ز حق ناشناسی ست شیطاں خجل
خوش آنکس کہ از مرحمت بگذرد بدشمن کسی دوست را بسپرد
بدارا اگر کسے بعد ازیں نگرو و دا رہا کن بہ بسر جا کہ خوار مدہ رود

جہاں سوز" غوری کا صحیح نام

از

جناب غلام مصطفےٰ خاں صاحب، ایم، اے، ایل ایل بی (علیگ) اسسٹنٹ لکچرر، کنگ ایڈورڈ کالج، امراؤتی

علاء الدین" جہاں سوز" غوری (المتوفی ۵۵۲ھ ۱۱۵۷ء) ان چند بدنصیب حکمرانوں میں سے ہے، جن کے نام ہی کے متعلق مستند و معتبر تاریخوں تک میں اختلاف ہے، اور یہ حکمران تو ایسا ہے کہ جس کے باپ کے نام میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ اس کے باپ عزّالدین یا اعزّالدین کا نام بعض تاریخوں میں حسن ہی ہے، نظام التواریخ یا تاریخ بیضاوی (مرتبہ حکیم شمس اللہ صاحب قادری) میں یہی نام ہے اور پروفیسر براؤن نے اپنے مضمون (رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل، ۸ راکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۸۵۲) میں بھی حسن ہی لکھا ہے، اور اسی صفحے کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "(راحت الصدور، نسخۂ پاریس) میں علاء الدین حسن بن حسین تھا لیکن میں علاء الدین حسین" جہاں سوز" ابن عزالدین حسن ہی سمجھتا ہوں"۔

ان کے علاوہ عموماً تمام تاریخوں میں علاء الدین کے باپ کا نام حسین ہی پایا جاتا ہے، اور یہی صحیح ہے جس کا ثبوت آگے پیش کیا جائے گا،

اب علاء الدین" جہاں سوز" کے نام کو ملاحظہ فرمایئے، حسب ذیل تاریخوں میں اسکا نام حسن پایا جاتا ہے:۔
مراۃ العالم (از محمد بقا سہارنپوری، ورق ۱۰۹/ب بانکی پور) نگارستان (از قاضی احمد قزوینی، صفحہ ۲۲۳ بانکی پور) جامِ جہاں نما (از مہارت خاں، ورق ۱۳۴/ب بانکی پور) منتخب التواریخ (از بدایونی، طبع کلکتہ، جلد اول صفحہ ۴۲ و ۴۳) تاریخ ابوالخیر خانی (از مسعودی کوہستانی ورق ۱۱۳/ب بانکی پور)

اس اچانک برطرفی سے لوگوں میں کسقدر تہلکہ مچگیا اور ہزاروں آدمی بے روزگار ہوگئے اسکی نسبت مصنف لکھتا ہے:-

بسے را ہم از نوکری دور ساخت ۔ ہمہ صبح شاں شام دیجور ساخت

بعد رش پریشان و بی روزگار ۔ نشستند چندیں ہزاراں ہزار

ز اولاد صاحب قراں ہیچ شاہ ۔ بنود اینچنیں مہرباں با سپاہ

بعد میں مصنف یہ دعا کرتے ہوئے کہ خدا اسکو عدل خلق اور سخاوت عطا فرمائے، دولت سے محبت رکھنے پر عالمگیر کو ملامت کرتا ہے:-

خدایش دہد عدل و خلق و سخا ۔ کہ آسودہ باشند خلق خدا

شہی را کہ در دل بود مہر زر ۔ چو زر دولتش رود ہر یک دگر

ازاں ماجرا دم نباید زدن ۔ بہ بینم کہ آخر چہ خواہد شدن

یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب مراد قید ہوچکا تھا، شجاع بھاگ کھڑا ہوا تھا، اور دارا شکوہ قتل کردیا گیا تھا، اور ان سب کی فوجوں کے سپاہی اورنگزیب کی فوج میں جمع ہوگئے تھے، اس واقعہ کی صحت میں کلام ہے، اسلئے کہ کسی تاریخ سے اسکی تائید نہیں ہوتی، تاہم اگر اسکو صحیح مان لیا جائے، تو بھی یہ عالمگیر کا ایک دانشمندانہ فعل ثابت ہوتا ہے کہ اس نے اپنے حاسدوں اور جان لیوا دشمنوں کے طرفدار ملازموں کو نکال کر اپنے تئیں خطرہ سے محفوظ کرلیا، واقعی شہنشاہ کے اس دور اندیشانہ سیاسی تدبیر کی داد دینی چاہئے، جو اس کو قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا،

آخر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مثنوی عالمگیر کے بھائیوں کی جنگ سے متعلق بعض جزئیات و تفصیلات کے لحاظ سے، جو مصنف کی چشم دید اور ذاتی واقفیت پر مبنی ہیں، ایک مفید اور قابل استعمال ذریعہ ہے، اور تاریخ اورنگزیب کے قدیم ماخذ میں ایک معاصرانہ اضافہ ہے، جو اب تک غیر معروف رہا ہے اور روشنی میں نہیں لایا گیا،

یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے مربی و محسن کا نام ہی بھول جائیں اور غلط لکھ ڈالیں، انھوں نے علاء الدین کا نام، مقالۂ دوم، حکایت اول کے آخر میں ابوعلی الحسین بن الحسین ہی لکھا ہے اور یہی نام (الحسین بن الحسین) دوسرے مقام پر یعنی مقالۂ چہارم، حکایت دوازدہم میں بھی پایا جاتا ہے اس سے ثابت ہوگیا کہ اس کا نام حسین ہی تھا اور اس کے باپ کا نام بھی (پروفیسر براؤن کے قول کے برعکس) حسین تھا،

(۲) ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء میں جب علاء الدین غوری اپنے بھائیوں (قطب الدین محمد اور سیف الدین سوری) کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے بہرام شاہ غزنوی (المتوفی ۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء) کے خلاف روانہ ہوا تو بقول صاحب "صبح صادق" (ورق ۱۱۱۲ ب، جلد سوم بانکی پور) اس نے ایک رباعی کہی جسکا ایک شعر یہ ہے:-

گر غزنیں را زبیخ و بن بر نکنم   پس من نہ حسین بن حسین حسنم

محمد یوسف کنعانی نے اپنی تاریخ منتخب التواریخ (ورق ۲۱۹، بانکی پور) میں دوسرے مصرع کو اس طرح لکھا ہے:- ع من خود نہ حسین بن حسین حسنم

بہرحال اس سے ثابت ہوگیا کہ (ا) علاء الدین کا نام حسین تھا (ب) اس کے باپ کا نام بھی حسین تھا، اور (ج) اس کے دادا کا نام حسن تھا،

(۳) علاء الدین نے مذکورۂ بالا حملہ جب غزنیں پر کیا تو بہرام شاہ بھاگ کھڑا ہوا[۱]، بس پھر کیا تھا علاء الدین نے دل کھول کر سات دن تک غزنیں پر آگ برسائی، اور جتنے مظالم ممکن تھے سب روا کر دئے

---

[۱] پروفیسر براؤن سے اس جگہ ایک اور غلطی سرزد ہوئی، وہ یہ کہ انھوں نے اپنی تاریخ (جلد دوم ص ۳۴۶) میں لکھا ہے کہ جب اس موقع پر علاء الدین نے غزنیں پر حملہ کیا تو بہرام شاہ تین سال قبل ہی مر چکا تھا، تعجب ہے کہ انھوں نے بعض تاریخوں کو نظامی عروضی جیسے غوری دربار کے تربیت یافتہ شخص اور ہم عصر تذکرہ نویس کے قول پر ترجیح دی، حالانکہ چہار مقالہ (مقالہ دوم، حکایت اول) میں صاف لکھا ہوا ہے کہ "...... و خداوند عالم علاء الدنیا والدین ابوعلی الحسین بن الحسین ...... بکین خواستن آں دو ملک شہریار شہید و ملک حمید بغزنیں رفت و سلطان بہرام شاہ از پیش او برفت ......"

ان کے علاوہ مغربی مستشرقین نے بھی حسن ہی لکھا ہے، مثلاً :-

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جلد اول صفحہ ۵۸۶) اور بیلے کی اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری (صفحہ ۵۰)

لیکن ان تاریخوں کے علاوہ ذیل کی تاریخوں میں حسین پایا جاتا ہے :-

تاریخ گزیدہ (از حمد اللہ مستوفی، حبیب گنج) حدیقۃ الصفا (از یوسف علی، ورق ۲۲۹ب وغیرہ، بانکی پور) روضۃ الطاہرین (از طاہر محمد سبزواری، ورق ۱۶۳ا، بانکی پور) جامع التواریخ (طبع کلکتہ صفحہ ۲۷۶) روضۃ الصفا (از میر خواند، طبع لکھنؤ جلد چہارم صفحہ ۳۲) حبیب السیر (از خواند میر، طبع بمبئی صفحہ ۳۳) خلاصۃ الاخبار (از خواند میر، ورق ۲۵ب، بانکی پور) مجمل فصیحی (از فصیح الخوافی، ورق ۱۴۲ا وب وغیرہ بانکی پور) منتخب التواریخ (از محمد یوسف الکنعانی، ورق ۲۱۷ب وغیرہ، بانکی پور) تحفۃ الکرام (از میر علی شیر قانع تتوی، ورق ۱۹ا، بانکی پور) صبح صادق (از محمد صادق اصفہانی، جلد سوم، ورق ۱۱۱ب، بانکی پور) طبقات ناصری (از منہاج الدین، ورق ۱۰۳ب وغیرہ بانکی پور) تاریخ ابن اثیر (لیدن، جلد یازدہم) تاریخ ابن خلدون (مترجمہ احمد حسین صاحب، جلد یازدہم صفحہ ۱۹۹ وغیرہ) تاریخ فرشتہ (طبع لکھنؤ، جلد اول صفحہ ۵۶ وغیرہ وغیرہ)

بعض مؤرخوں نے حسین اور حسن کے اختلاف کی وجہ سے محض لقب "علاء الدین" ہی پر اکتفا کیا ہے، چنانچہ تاریخ صدر جہاں (از فیض اللہ بنبانی، ورق ۲۹ب، بانکی پور) برٹش میوزیم کیٹلاگ (از ڈاکٹر ریو، جلد دوم صفحہ ۵۴۰) اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (گیارہواں ایڈیشن، جلد یازدہم صفحہ ۹۱۸) میں صرف "علاء الدین" ہی ہے، بہرحال اب مذکورہ بالا مختلف تواریخ کے مختلف بیانات میں سے معلوم یہ کرنا ہے کہ علاء الدین کا صحیح نام کیا ہو سکتا ہے، اور کس قول کو معتبر سمجھنا چاہیئے؟ میرا خیال ہے اس کا صحیح نام حسین (بن حسین بن حسن بن محمد بن عباس الخ) تھا، اور اسکے لئے حسب ذیل ثبوت کافی ہیں :-

(۱) نظامی عروضی سمرقندی کی تربیت علاء الدین غوری کے دربار سے ہوئی تھی، اس لئے ان جیسے ہم عصر کا قول زیادہ معتبر سمجھا جائے گا، "چہار مقالہ" میں ان سے بعض تاریخی غلطیاں ضرور سرزد ہوئی ہیں،

تلخیص و تبصرہ

طریقۂ امتحان میں اصلاح کی ضرورت

موجودہ تعلیمی دنیا میں امتحان کے فائدہ و نقصان کے پہلوؤں پر کافی بحثیں ہو رہی ہیں تعلیم سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ مسئلہ قابلِ غور ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ آجکل کی تعلیم کتابوں کی رٹائی اور امتحانوں کی زیادتی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ طلبہ کی قابلیت اور ان کی ذہانت کی جانچ سوالات ان کے جوابات سے کی جاتی ہے، اس طریقہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ ایسی تعلیم طلبہ کیلئے ... اور ان کی تعلیمی ترقی میں سد راہ ہے، ان کی رائے ہے کہ تعلیم کو امتحانات سے بری ہونا ... صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امتحانات قطعاً موقوف کر دینے چاہئیں اگر ایسا نہیں کیا جا سکتا تو پھر اس کا حل سوچنا چاہئے،

ماہرینِ تعلیم کی اکثریت امتحانات کو بکلیہ موقوف کر دینے کے موافق نہیں ہے کہ اس کے بعد پھر طلبہ کی قابلیت کے جانچنے کا معیار کیا ہوگا، اس لئے موجودہ امتحان کے طریقوں پر غور کرکے ان کی اصلاح کرنی چاہئے، اس سلسلہ میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں،

(۱) امتحانات حفظ کرنے یا رٹنے کا معیار تو ہو سکتے ہیں لیکن قابلیت کی جانچ کا صحیح معیار نہیں بن سکتے انٹرنس تک کے امتحانات کا حال تو یہ ہے کہ وہ بازاری نوٹ اور لوگوں کی لکھی ہوئی شرحوں سے رٹ کر پاس کر لئے جاتے ہیں،

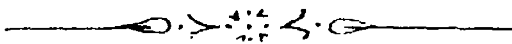
(۲) امتحانات سال میں تین بار ہوتے ہیں، ان کے لئے طلبہ سال بھر بدحواس رہتے ہیں

یہیں سے اس کو "جہاں سوز" کا خطاب حاصل ہوا جب دل کی بھڑاس نکل چکی تو عیش و طرب کی محفل رچائی، اور یہ سات شعر کہے:-

جہاں داند کہ من شاہ جہانم چراغ دودۂ عباسیانم
علاء الدین حسین بن حسینم کہ دائم باد ملک خاندانم
چو بر گلگون دولت بر نشینم یکے باشد زمین و آسمانم
ہمہ عالم بگردم چوں سکندر بہر شہرے شہے دیگر نشانم
برآں بودم کہ از اوباش غزنین چوں رود نیل جوے خوں برانم
ولیکن گندہ پیرانند و طفلاں شفاعت می کند بخت جوانم
بخشیدم بایشاں جان ایشاں کہ بادا جان شان پیوند جانم

یہ اشعار معمولی تغیر کے ساتھ منتخب التواریخ (از محمد یوسف، ورق ۳۱۵ الف) طبقات ناصری، (ورق ۱۸۹ ب) اور لب لالباب (از محمد عوفی، جلد اول صفحہ ۳۸، ۳۹) میں پائے جاتے ہیں،

ان اشعار میں دوسرے شعر سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علاء الدین کا نام حسین ہی تھا، اور اس کے باپ کا نام بھی حسین تھا، پہلے شعر کے دوسرے مصرع "چراغ دودۂ عباسیانم" کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ علاء الدین کے دادا کے دادا (یعنی حسین بن حسین بن حسن بن محمد بن عباس) کی وجہ سے یہ لوگ عباسی بھی کہلاتے ہونگے، ورنہ دراصل یہ لوگ آل شنسب کہلاتے ہیں کیونکہ شنسب ان کے اسلاف میں پہلا شخص تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا، ان لوگوں کا سلسلۂ نسب ظالم ضحاک تک پہنچتا ہے، جس کی تفصیل تاریخ فرشتہ، جلد اول صفحہ ۵۴ و ۵۵ سے بھی معلوم ہو سکتی ہے،



س لئے یہ طریقہ موجودہ طریقۂ امتحان کا بدل نہیں ہوسکتا، البتہ اس میں ایک مفید اضافہ ہوسکتا ہے، مریکہ میں یہی طریقہ رائج ہے،

دوسری ترمیم یہ ہوسکتی ہے کہ امتحان زیادہ نہ ہوں، سہ ماہی اور شش ماہی امتحانات بالکل موقوف کردیئے جائیں، اور سال کے اختتام پر ایک امتحان لے لیا جائے، بقول سی پی رائے کے کہ تعلیم ایک نفع بخش سفر ہے، جو نہایت دلچسپ علمی میدانوں سے ہوکر گذرتا ہے، اور امتحان اس سفر کا ایک ضمنی مفید واقعہ ہے، اس سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں۔

تیسری چیز یہ قابل لحاظ ہے کہ ممتحن وہی لوگ ہوں جو ان جماعتوں کے پڑھانے کا تجربہ رکھتے ہوں، سوالات اس قسم کے ہوں جن کے جوابات کے لئے رٹائی کی ضرورت کیلئے ایک ضابطہ تیار کیا جائے جس کے ماتحت وہ طلبہ کی صلاحیت کا اندازہ کریں ممتحن جانچیں جس طرح اٹلی میں ہوتا ہے، ان دونوں کے اختلاف کا فیصلہ صدر ممتحن کریں کے سال بھر کے کام کا نقشہ ہو، اس سے بھی نتیجہ ترتیب میں مدد لیجائے، زبانی امتحان بھی ضروری ہے سلسلہ شروع ہی سے ہونا چاہیئے، تاکہ لڑکے ابتدا سے عادی رہیں،

"ب ! "

ترک اور لاطینی حروف

ترکی میں عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی حروف کو جاری ہوئے اگرچہ زمانہ گذرچکا لیکن اب بھی وہاں بعض صاحب فکر و نظر اشخاص اپنی تاریخ و تہذیب اور ادب کی واقفیت کیلئے عربی رسم الخط کا جاننا ضروری سمجھتے ہیں، اب بھی کاروبار میں بغیر عربی رسم الخط کی واقفیت کے کام نہیں چلتا، اور حکومت کو بھی عربی رسم الخط کے واقف کاروں کو ترجیح دینے پر مجبور ہے۔

چند دن ہوئے ایک ترک نے مشہور ترکی اخبار جمہوریت کے اڈیٹر ییامی بک سے یہ سوال

ان کے دماغ پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور اس سے نفسیاتی حیثیت سے لڑکوں کی ذہنی نشو و نما برباد ہو جاتی ہے،

(۳) تعلیم امتحان کے لحاظ سے دیجاتی ہے، اس لئے قابلیت سطحی ہو جاتی ہے، امتحان کو قابلیت کی جانچ کا محض ایک وسیلہ اور ذریعہ ہونا چاہئے، اسے خود اصل مقصود نہ بن جانا چاہئے،

(۴) بعض اوقات پرچہ ایسے لوگ بناتے ہیں جنھیں ان طلبہ کو پڑھانے کا مطلق تجربہ نہیں ہوتا جنکے لئے پرچہ بنائے گئے ہیں، اس لئے بیشتر پرچے لڑکوں کی قابلیت جانچنے کے بجائے ممتحن کی قابلیت کا نمونہ اور طلبہ کا دل بیٹھا دینے والے ہوتے ہیں۔

(۵) اس سلسلہ میں ممتحنوں کے اختلاف مزاج کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، مختلف ممتحنوں کا معیار مختلف ہوتا ہے بعض نرمی برتتے ہیں بعض سختی، ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ جوابات کی جانچ عموماً ممتحنوں کے رجحانِ طبع کے تحت میں ہوتی ہے، مسٹر ایچ واٹھ نے ایک مرتبہ لاطینی قواعد کے پرچے مختلف انتالیس آدمیوں سے جنچوائے تو ان کے نتائج میں پینتالیس سے لیکر سو فیصدی تک فرق نکلا،

ان باتوں کے پیش نظر اب ان اصلاحوں پر نظر ڈالئے، جو ماہرین تعلیم نے پیش کی ہیں۔

ممالک متحدہ کی تعلیمی کمیٹی نے جو از سر نو تعلیم کی تنظیم کے لئے قائم کی گئی تھی تمام پہلوؤں پر غور کرکے نصابی امتحان کے بجائے طالب علم کی استعداد کے امتحان کی تجویز پیش کی ہے جس میں عموماً ہاں اور نہیں سے جواب دیا جا سکے، یا معلومات کا اندازہ ہو سکے، یا طلبہ کی قوتِ استدلال سے ان کی استعداد و قابلیت کا اندازہ کیا جا سکے، یا چند چیزیں دے کر ان کی انتخاب کی صلاحیت کو دیکھا جا سکے،

مگر یہ طریقہ بھی نقص سے خالی نہیں ہے، اس طریقہ امتحان سے طالب علم کی قابلیت کا اندازہ مطلق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تحریری امتحان کی طرح اپنے خیالات کو مجتمع کرکے مرتب طریقہ سے پیش نہیں کر سکتا اس کے علاوہ ایک خرابی یہ بھی ہے کہ ایک مقررہ لمحہ میں اختصار کے ساتھ ایسا جواب دینے میں جسکی ہاں اور نہیں پر کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار ہو، طالب علم کے دماغ میں اعصابی بےچینی پیدا ہو جاتی ہے،

کے مقابلہ میں قابلِ ذکر بھی نہیں ہیں، اس لئے جو نوجوان عربی رسم الخط سے ناواقف ہوگا وہ ترکی زبان کے سارے لٹریچر سے ناواقف رہیگا اور اس کی حیثیت روزانہ اور ہفتہ وار اخبارات و رسائل کے معمولی خواندہ سے زیادہ نہ ہوگی، بلکہ ان کے خیالات کو بھی وہ پورے طور سے نہ سمجھ سکیگا، اس لئے کہ ان کے اڈیٹروں کی نشو و نما پہلے دور میں ہوئی ہے، اس لئے ان کے خیالات اور تحریروں کو سمجھنے کے لئے اس دور کی ثقافت اور اس زمانہ کے ماحول کو جاننے کی ضرورت ہے،

شعبۂ نشر و اشاعت کی کانفرنس کی قرار داد کے مطابق، عربی رسم الخط کی کم از کم پچاس ہزار ترکی زبان کی کتابوں کو لاطینی حروف میں منتقل کرنے کی ضرورت ہے اور یہ تعداد وہ ہے جس کا عشر عشیر بلکہ سو پچاس کتابوں کا منتقل کرنا بھی ممکن نہیں ہے، ایسی حالت میں اگر ہماری نئی نسل رسم الخط سے ناواقف ہوگی تو وہ کیا پڑھے گی، اس لئے میری رائے میں ہر نوجوان کے لئے کے ساتھ عربی رسم الخط کا سیکھنا بھی ضروری ہے کہ تحصیلِ علم کا صرف یہی ایک وسیلہ ہے

جو لوگ میرے منشا کو صحیح طور پر نہ سمجھیں گے وہ ممکن ہے مجھ پر رجعت کا الزام لگائیں، اس الزام کو خوشی سے قبول کرنے کے لئے تیار ہوں، اس لئے کہ میرے نزدیک کسی انسان کے اپنی قوم کی تاریخ اور اس کے ادب سے جاہل رہنے کے مقابلہ میں رجعت کہیں بہتر ہے،

"م"

دولتِ عثمانیہ جلد اول

یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہی، پہلے حصہ میں عثمان اول سے مصطفیٰ رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل حالات ہیں، اردو میں ابتک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ مبسوط اور مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، از مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے رفیق دار المصنفین، ضخامت ۴۹۰ صفحے، قیمت ۳ے

کیا تھا کہ میرا لڑکا جس کی عمر گیارہ سال ہے، عربی رسم الخط سے بالکل ناواقف ہے، لیکن تجارتی کاروبار میں بلکہ حکومت بھی ملازمتوں میں ان لوگوں کو ترجیح دیتی ہے جو لاطینی حروف کے ساتھ عربی رسم الخط سے میں بھی مہارت ہیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے لڑکے کو عربی رسم الخط کی تعلیم بھی دوں، اس بارہ میں آپ کی رائے کیا ہے، پیامی بک نے اس سوال کے جواب میں اپنے اخبار میں جو مقالہ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے،

میرے نزدیک بھی حکومت کی ملازمت اور آزاد کاروبار دونوں میں عربی رسم الخط سے واقفیت ایک مدت تک ترجیح کا سبب رہے گی، حکومت نے عربی رسم الخط میں لکھنے کی ممانعت کی ہے اس کے پڑھنے کی ممانعت نہیں کی ہے، اس لئے جس باپ کو اپنے لڑکے کی صحیح اور پوری تعلیم مقصود ہو اسے ضرور عربی رسم الخط سکھانا چاہیئے،

یہ تو ایک معمولی ضروریات زندگی کے نقطۂ نظر سے ہوا، اس سے زیادہ ثقافتی پہلو سے عربی رسم الخط کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ ترکی زبان کا سارا علمی سرمایہ عربی رسم الخط میں ہے، جو نوجوان اس سے ناواقف ہوگا، اس کو ترکی کی تاریخ اور ادب کا معمولی علم بھی نہیں ہوسکتا، نہ وہ نعیم کی کتابیں پڑھ سکتا ہے نہ نجوی کی کتابیں مطالعہ کرسکتا ہے، نہ جودت پاشا کی تاریخ سمجھ سکتا ہے، ترکی زبان میں اس قسم کی پینتالیس ہزار مطبوعہ اور قلمی کتابیں ہیں، اور یہ سب کی سب عربی رسم الخط میں ہیں جو ترک اس سے ناواقف ہوگا وہ ان کتابوں کے مطالعہ سے بھی محروم رہے گا،

ٹرکی کے دور ترقی میں بھی جو بے شمار کتابیں لکھی گئیں وہ بھی سب عربی رسم الخط میں ہیں، ضیا پاشا کے زمانہ سے عبدالحق حامد کے زمانہ تک جسقدر نیا لٹریچر پیدا ہوا، ان کا کوئی حصہ لاطینی حروف میں نہیں ہے حتیٰ کہ موجودہ دور کے اکابر مصنفین، یعقوب قدری، فالح رفقی اور خالدہ ادیب کی کتابیں بھی عربی ہی رسم الخط میں ہیں، نئے رسم الخط میں جو چند نام کی کتابیں شائع ہوئی ہیں وہ پرانے سرمایہ کے

کے گرنے سے پیدا ہوئے تھے، اور شہاب ثاقب کی ماہیت سے بھی بحث کی گئی ہے، ان کی دو خاص قسمیں ہیں، ایک جو عموماً لوہے (نکل) کے ذرات سے بنے ہیں، اور دوسرے جو سلیکا (ایک خاص قسم کا معدنی پتھر) سے، پھر ان میں مختلف درجات ہیں۔ شہاب ثاقب عموماً ایسے عناصر سے مرکب ہوتے ہیں، جو زیادہ بھاری نہیں ہوتے، یعنی ان میں سونے اور پلاٹینیم کے اجزا نہیں ہوتے، بڑے قسم کے شہاب ثاقب سب کے سب لوہے کے ہیں، ان میں سب سے بڑا جو مغربی افریقہ میں پایا گیا تھا، ۶۰ ٹن کا ہے، پتھر کے شہاب ثاقب زیادہ سے زیادہ ۷۵۰ پونڈ وزن تک کے ہیں، ان میں سب سے زیادہ وزنی جزیرہ لانگ میں گرا تھا، بڑے شہاب ثاقب کے گرنے سے جو آتش فشاں مادے پیدا ہوتے ہیں اس کا اندازہ مشکل ہے،

اب تک ... سے مرکب شہاب گرتے ہوئے نظر نہیں آئے، بلکہ گرے ہوئے ... مرکب کثر گرتے ہوئے دیکھے گئے، ان کے گرنے سے اب تک ... انسانی جان کا ... نہیں آیا، اس قسم کے صرف دو واقعے سنے جاتے ہیں، ایک یہ کہ ۱۸۶۸ء ... پر شہاب ثاقب گرا تھا، جو جل کر کوئلہ ہو گئی تھی، دوسرا ۱۹۳۳ء میں، اس حادثہ میں ایک لڑکا مرا تھا، ان کے اجزا کے امتحان سے ظاہر ہوا کہ سب سے پہلا شہاب ثاقب جو گر کر سخت ہو گیا تخمیناً انتیس ۲۹ لاکھ سال پہلے گرا تھا، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر شہاب ثاقب نظام شمسی کے بکھرے ہوئے اجزا ہیں، تو ان کی عمر تین ۳ لاکھ سال سے زیادہ نہیں ہے، لیکن اگر دوسرے سیاروں کے اجزا ہیں تو وہ کروروں برس کے ہو سکتے ہیں، لیکن اندازہ اور تخمینہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ نظام شمسی ہی کے اجزا ہیں،

شہاب ثاقب کی باقاعدہ تحقیقات سب سے پہلے ہندوستان میں ہوئی، دنیا میں شہاب ثاقب مختلف شکلوں میں پائے جاتے ہیں، چنانچہ جو صورت ڈ انا کے نام سے موسوم ہے تحقیقات سے

اخبار علمیہ

شہاب ثاقب کی فہرست

جیاگرفیکل سروے آف انڈیا نے حال میں دنیا کے تمام شہاب ثاقب کی ایک مکمل فہرست شائع کی ہے، اتنی مکمل فہرست ابتک دنیا کے کسی ملک میں شائع نہیں ہوئی ہے، گو اس میں ساری دنیا کے شہاب ثاقب کے حالات ہیں، لیکن جو شہاب ثاقب ہندوستان میں گرے ہیں یا یہاں موجود ہیں یا جو کلکتہ کے عجائب خانہ میں ہیں ان کے حالات زیادہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، کلکتہ کے عجائب خانہ میں ۴۶۸ شہاب ثاقب فراہم کئے جا چکے ہیں، جو ساری دنیا کے شہاب ثاقب کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہیں، ابتک ساری دنیا میں شہاب ثاقب کی جو تعداد معلوم کی جا چکی ہے وہ ۱۵۰۲ ہے، اس تناسب سے گویا دنیا کے شہاب ثاقب کا ہر تیسرا نمونہ کلکتہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے، نمونے چار خوبصورت بکسوں میں رکھے ہوئے ہیں، اور انگریزی اردو اور بنگلہ میں ان کی تشریح لکھی ہوئی ہے، اور نئے نمونوں کے حصول کی کوششیں برابر جاری ہیں، ان کے ماہرین نمونہ ان کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں، اور سائنسداں دنیا کے استفادہ کے لئے ان کی تحقیقات کا نتیجہ برابر شائع ہوتا رہتا ہے، دنیا کے تمام شہاب ثاقب کی مجموعی تعداد میں سے ۱۹۳ امریکہ کی فہرست سے نقل کئے گئے ہیں، جو وہاں موجود ہیں، ہندوستان میں ان کی تعداد ۱۱۶، روس میں ۹۰، اسٹریلیا میں ۹۵، فرانس میں ۵۵، میکسیکو میں ۵۳، چین میں ۱۰۴، اور دوسرے ملکوں میں ان کی مجموعی تعداد ۳۶ ہے،

اس فہرست میں ان آتش فشاں مادوں اور ان ذرات کے چھینٹوں کا بھی ذکر ہے جو ان شہاب ثاقب

باب التقریظ والانتقاد

تخریج زیلعی

از مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو

فقہ حنفی کی بے شمار کتابوں میں جو مقبولیت ہدایہ کو نصیب ہوئی ہے وہ کسی اور کو شاید ہی ہو، اس کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں، ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اس میں مذاہب کے ساتھ ساتھ دوسرے ائمہ کے اختلافات اور ہدایہ کے نقلی و عقلی دلائل و شواہد بھی دیئے ہیں، دلائل نقلیہ کے سلسلہ میں جو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں، ان کی سندیں یا ان کے حوالے مذکور ہیں، نہ ضعف و قوت کا بیان ہے، نہ ان کے رواۃ پر جرح و تعدیل کی گئی ہے، جو حدیثوں کے لئے نہایت ضروری چیز ہے، لیکن ہدایہ کے موضوع سے یہ مباحث خارج تھے، اس لئے صاحب ہدایہ کو یہ مباحث نظر انداز کرنے پڑے، جن خوش نصیبوں کو روایات پر کامل عبور اور فن روایت میں مہارت حاصل تھی، ان کے لئے تو کوئی زحمت و دشواری نہ تھی، لیکن جو اس کمال سے عاری تھے، ان کو احادیث کے بے پایاں دفتر میں ان احادیث کی تلاش اور ان کے ضعف و قوت کی تحقیق میں بڑی دشواری پیش آتی تھی۔

حق تعالیٰ جزائے خیر دے امام جمال الدین زیلعی کو جنھوں نے ان دشواریوں کا احساس فرمایا اور نصب الرایہ لتخریج احادیث الھدایۃ کے نام سے ایک نہایت بیش قیمت کتاب تصنیف فرماکر طالبانِ تحقیق کو بہت سی صعوبتوں سے نجات دلادی۔

ہوا ہے کہ وہ شہاب ثاقب ہی کے ٹکڑوں سے بنی ہے، ۱۷۹۴ء میں کلادانی نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں اس نے لوہے کے ایک بڑے تودہ سے جسے پلس نے سائبیریا میں پایا تھا بحث کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ یہ تودہ آسمان سے گرا تھا، اس کے دو سال بعد طور سینا پر ایک عجیب چیز آسمان سے گری، اس سے کلادانی کے خیال کی تصدیق ہوگئی، اسے سر جوزف بنک کے پاس تحفۃً لندن بھیجدیا گیا تھا، ۱۹۰۲ء میں بنارس ... اسی قسم کی ایک چیز پارک شائر میں گرتے ہوئے دیکھی، یہ دونوں آپس میں بہت مشابہ ہیں، اس سے ایک سال پہلے اسی قسم کی ایک چیز بنارس میں گری تھی، ۱۹۰۹ء میں ہارورڈ نے ان تینوں کا مطالعہ کرکے ثابت کردیا کہ درحقیقت یہ سب شہاب ثاقب ہیں،

جنین کی صنف میں تبدیلی

فرانس کے ایک ڈاکٹر نے حال میں یہ تجربہ کیا ہے کہ ماں کے پیٹ ہی میں جنین کی صنف کو دریافت کیا جاسکتا ہے، یہ بھی اس کا دعویٰ ہے کہ جنین کی ابتدائی تشکیل کی حالت میں غذا کی تبدیلیوں سے اسکی صنف کو بدلا جاسکتا ہے، ابتدائی تجربوں میں اسکو کامیابی ہوئی ہے، آیندہ اور وسیع تجربات زیر عمل ہیں،

امریکہ کی بعض دلچسپ ایجادیں

حال میں امریکہ میں جو دلچسپ ایجادیں ہوئی ہیں، ان میں ایک ایسی عینک ہے جسمیں ایک خاص قسم کا شیشہ لگا دینے سے پشت کی چیزیں بھی صاف نظر آتی ہیں، ایک کلائی کی گھڑی ہے جو الارم والی گھڑی کی طرح بجنے کے بجائے سونیوالے کی کلائی کو دبا کر نیند سے بیدار کرتی ہے، ایک کھڑکی ہے جب اسے کھول کر کوئی چور داخل ہونا چاہتا ہے، تو وہ اسے دبا کر گرفتار کرا دیتی ہے

نصیب ہوا، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کل اصحاب تراجم و طبقات نے امام زیلعی کو حافظِ حدیث میں شمار کیا ہے، (دیکھو ذیول تذکرۃ الحفاظ) سیوطی ان کو "الامام الفاضل المحدث" کے اوصاف سے موصوف، اور ابن فہد "الفقیہ الامام الحافظ" کے القاب سے ملقب کرتے ہیں (ذیول ص۱۲۵ وص۳۶۲) خاتمۃ الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی فقہی مسلک میں اختلاف کے باوجود ان کو "امام" کے لقب سے یاد کرتے ہیں[۱]، اور اسکا بھی پوری صفائی اور کشادہ دلی سے اعتراف کرتے ہیں کہ "میں نے تلخیص حبیر کی تصنیف میں امام زیلعی کی تخریج سے استفادہ کیا ہے[۲]"، یہ بھی لکھتے ہیں کہ تخریج کے علاوہ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اور بھی بہت سے متفرق علمی فوائد سے مستفید ہوا ہوں[۳]، حافظ ابن حجر جیسے جلیل القدر حافظ حدیث کا یہ کہنا انکی جلالت قدر کی کافی شہادت ہے،

تنہا حافظ ابن حجر ہی پر موقوف نہیں، دوسرے اکابر علمائے شافعیہ نے بھی زیلعی کی تخریج سے بہت فائدہ اٹھایا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر کی تصریح کے موافق زرکشی کی تخریج احادیث رافعی بڑی حد تک تخریج زیلعی کی رہین منت ہے (مقدمہ نصب

اور حق تو یہ ہے کہ زیلعی کی جلالتِ شان، علوے رتبت اور امامتِ فن کے ثبوت میں شہادت کی مطلق ضرورت نہیں ہے، اس کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ معتبر شہادت خود ان کی کتاب تخریج ہدایہ ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ اسکو دیکھکر کوئی انصاف پسند ان کے وسعت معلومات اور دقت نظر کا معتقد و معترف نہو جائے،

تخریج زیلعی کی اہمیت | یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہو کہ زیلعی نے ہدایہ کی تخریج لکھکر مذہب احناف کی بڑی خدمت انجام دی، اور علمائے احناف پر بہت بڑا احسان کیا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تنہا احناف ہی ان کے زیربار احسان نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ ابھی اوپر گذرا زرکشی اور ابن حجر جیسے علمائے شافعیہ بھی ان کے زیر منت

تخریج زیلعی کی مزیت و ضرورت | یوں تو تخریج ہدایہ کے سلسلہ میں کئی کتابوں کے نام لئے جاتے ہیں لیکن

[۱] تلخیص ص۲ و درایہ ص۲ [۲] تلخیص ص۲ [۳] مقدمہ نصب الرایۃ بحوالہ طبقات تمیمی

مصنف کے حالات | مصنف کتاب جمال الدین زیلعی، آٹھویں صدی ہجری کے ایک بلند پایہ حافظ حدیث، فن روایت اور حدیث و فقہ کے یکتائے روزگار امام تھے، فقہ اور فنون حدیث میں جن اجلۂ ائمہ سے ان کو تلمذ کی نسبت تھی، سب اپنے اپنے فن میں یکتا ماہر و امام تھے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں،

(۱) حافظ ابو الحجاج مزی (جن کے باب میں ذہبی کا قول ہے و اما معرفۃ الرجال فھو حامل لوائھا والقائم باعبائھا لم تر العیون مثلہ یعنی معرفت رجال کے علمبردار ہیں، ان کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھی، ذہبی ہی کا یہ قول بھی ہے اوضح مشکلات ومعضلات ما سبق الیھا فی علم الحدیث ورجالہ، علم حدیث وفن رجال کی بہت سے ایسے عقدے انھوں نے حل کئے ہیں جن میں ان کو اولیت و تقدم کا شرف حاصل ہے،

(۲) حافظ شمس الدین ذہبی جن کی نسبت سبکی نے فرمایا خاتم الحفاظ امام العصر حفظا واتقاناً،

(۳) علاء الدین ماردینی جن کی وسعت نظر اور اتقان و مہارت کا زندہ شاہکار ان کی تصنیف الجواہر النقی ہے، حافظ ابو الفضل عراقی (حافظ ابن حجر کے استاد) نے انکو الامام العلامۃ الحافظ قاضی القضاۃ کے القاب سے یاد کیا ہے (لحظ الالحاظ ص۱۲۶) حافظ ابو الفضل کو فن حدیث میں جو کمال حاصل ہوا وہ علاء الدین ہی کا فیض تھا، ابن فہد نے تصریح کی بہ تخرج وانتفع (لحظ الالحاظ ص۲۲۲) سیوطی نے ان کے حق میں فرمایا ہے، کان اماما فی الفقه والاصول والحدیث فقہ، اصول اور حدیث میں ان کو امامت کا درجہ حاصل تھا،

(۴) فخر الدین زیلعی، جن کی بے مثل فقاہت اور علمی جلالت کا بین ثبوت کنز کی شرح تبیین الحقائق ہے،

امام جمال الدین زیلعی کو ان اجلۂ فقہاء و محدثین کے فیض صحبت سے حدیث اور فقہ میں جو پایۂ عالی

کی کہ پھر آپ ہی دوسرا نام رکھدیں، چنانچہ انھوں نے ان کی تخریج کا نام العنایہ فی معرفۃ تخریج الھدایہ تجویز فرمایا، (جواہر مضیہ ص ۳۶۷)

حافظ عبد القادر بھی آٹھویں ہی صدی کے عالم ہیں، مگر ان کا طبقہ زیلعی سے متاخر ہے، اس لئے گمان ہوتا ہے کہ ان کی تخریج بھی زیلعی کی تخریج سے متاخر ہوگی،

تخریج قرشی کا پتہ | علامہ قرشی کی تخریج کے کسی مکمل نسخہ کا پتہ ہم کو نہیں چل سکا، کتب خانہ خدیویہ (مصر) کی فہرست میں بے نام کی ایک تخریج ہدایہ کا ذکر موجود ہے، مرتب فہرست نے اس کے مصنف کا نام محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی الوفا لکھا ہے اور اس کا سن وفات ۷۷۵ھ بتایا ہے، میرا خیال ہے کہ یہ کتاب العنایہ فی معرفۃ احادیث الھدایہ ہے اور مرتب فہرست نے مصنف کے نام و نسب میں غلطی کی ہے، صحیح نام و نسب یوں ہے ابو محمد عبد القادر بن محمد بن ... اللہ بن ابی الوفا، یہ وہی علامہ عبد القادر قرشی صاحب جواہر مضیہ ہیں، فہرست ... ہوتا ہے کہ اس کتاب کا صرف پہلا حصہ جو کتاب النکاح پر ختم ہوتا ہے، کتب خانہ ... اوراق کی تعداد ۲۱۰ ہے،

بہرحال آٹھویں صدی کے نصف اول میں زیلعی کی تخریج کے ماسوا ان ہی دونوں تخریجوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جن میں سے پہلی کا سرے سے تصنیف ہی ہونا غیر محقق ہے، اور دوسری تصنیف ضرور ہوئی مگر متداول نہیں ہے، بلکہ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس کا کوئی مکمل نسخہ کہیں موجود بھی ہے یا نہیں، اس لئے طالبان تحقیق کی پیاس بجھانے کے لئے تنہا زیلعی کی تخریج رہ گئی، اس سے اس تخریج کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے،

باقی رہی حافظ ابن حجر کی درایہ تو اہل علم کو معلوم ہے کہ وہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تخریج زیلعی کا ملخص و مختصر ہے، پھر یہ تلخیص و اختصار بھی توقع کے خلاف ایسا ہے کہ طالب تحقیق کی

زیلعی کی تخریج ان سب میں اعلیٰ و ارفع ہے، اور اس باب میں اس کو تقدم و اولیت کا شرف بھی حاصل ہے، امام علاء الدین ابن الترکمانی کی تصنیفات میں تخریج ہدایہ کا نام لینا کسی مصنف کا وہم نہ ہو تو یہ تخریج بیشک زیلعی کی تخریج سے مقدم ہے لیکن میرے خیال میں واقعہ یوں نہیں ہے، امام علاء الدین نے ہدایہ کی مستقل تخریج نہیں لکھی ہے، بلکہ ہدایہ کی شرح لکھی ہے، اور شرح کے ضمن میں احادیث کا پتہ بھی یقیناً دیا ہوگا حافظ عبد القادر قرشی ان کے خاص تلامذہ اور حاضر باش شاگردوں میں سے ہیں، وہ جواہر مضیہ میں بسط کے ساتھ ان کے اختصار ہدایہ اور شرح ہدایہ کا ذکر کرتے ہیں لیکن تخریج کا نام نہیں لیتے، حالانکہ اسی مقام پر اپنی تخریج ہدایہ کی تصنیف اور اس کو استاذ کی خدمت میں پیش کرنے کا تذکرہ کرتے ہیں، اگر امام علاء الدین کی کوئی مستقل تخریج ہوتی تو حافظ عبد القادر کو تخریج لکھکر ان کی خدمت میں پیش کرنیکی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

اس مقام پر بعض حضرات سے ایک اور وہم بھی سرزد ہوا ہے، وہ یہ کہ انھوں نے امام علاء الدین کی تخریج ہدایہ کا ذکر کرکے یہ بھی لکھدیا کہ اس کا نام کفایہ ہے، حالانکہ الکفایہ ہدایہ کے اس مختصر کا نام ہے جو علاء الدین کی تصنیف ہے، قرشی لکھتے ہیں: واختصر کتاب الهدایة بکتاب سماه الکفایة فی مختصر الهدایة، آگے خود امام علاء الدین کا یہ قول نقل کیا ہے، فانی سمیت مختصری للهدایة بالکفایة (ص ۳۶)

بہرحال امام علاء الدین کیطرف کسی تخریج ہدایہ کی تصنیف کی نسبت میرے نزدیک بالکل غیر محقق ہے، ہاں ان کے شاگرد خاص حافظ عبد القادر قرشی نے بیشک ہدایہ کی تخریج لکھی ہے، اور لکھکر استاد کی خدمت میں پیش کی ہے، یہ واقعہ تو خود قرشی نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی تخریج کا نام کفایہ رکھا تھا، جب استاذ کی خدمت میں اس کتاب کو پیش کیا تو انھوں نے ازراہ ظرافت فرمایا کہ تم نے یہ نام مجھ سے "چرا لیا ہے"، اس لئے کہ میں نے اپنی مختصر ہدایہ کا نام یہی رکھا ہے، لہٰذا یہ نام بدل دو، انھوں نے عرض

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیثوں کا حوالہ دیکر صرف اسقدر بتا دیا کہ ان کی سندیں بہت کمزور ہیں، حدیث کے الفاظ تک نہیں بتاتے، اور امام زیلعی نے حدیث کے الفاظ نقل کئے، سند ذکر کی، پھر مجروح راوی کی تعیین کی اور سب سے آخر میں محدثین کے اقوال بھی اس کے باب میں نقل کئے، (دیکھو زیلعی ج۱ ص۱۸۶)

(۴) امام زیلعی اصولِ حدیث کے بعض بعض مسائل کے متعلق بڑی نادر تحقیقات ذکر کرجاتے ہیں، حافظ ابن حجر اس کو بالکل چھوڑ جاتے ہیں،

(۵) امام زیلعی کا ایک التزام یہ بھی ہے کہ جس حدیث کی تخریج کرتے ہیں اگر اس کے ہم معنی دوسری حدیثیں ہوتی ہیں تو ان سب کو سند و متن کے ساتھ بالتفصیل ذکر کرتے ہیں، لیکن حافظ ابن حجر بہتیرے مقامات میں صرف اتنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ اس باب میں فلاں صحابی کی بھی ہے، جس کو فلاں محدث نے فلاں کتاب میں بیان کیا ہے، مثلاً حدیث التراب طهور المسلم کی تخریج کے بعد لکھتے ہیں، کہ اس باب میں ابوہریرہ کی ایک روایت بھی ہے جو معجم اوسط طبرانی و مسند بزار میں مذکور ہے، لیکن امام زیلعی پہلے بزار کا حوالہ دیکر ان کی پوری سند اور لفظ بلفظ پورا متن بلکہ اس کے بعد بزار نے حدیث کی غرابت کا جو بیان اور اپنے شیخ کی جو توثیق کی ہے، اس کو بھی نقل کرتے ہیں، پھر اسی بسط و تفصیل کیساتھ طبرانی کی سند اور ان کے الفاظ میں حدیث کا پورا متن نقل کرتے ہیں (دیکھو زیلعی ص۱۴۹ ج۱)

یہاں تخریج زیلعی کی خصوصیات کا استقصا مدنظر نہیں ہے، یہ چند باتیں بطور نمونہ اس لئے ذکر کردی ہیں، کہ کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے میں مدد مل سکے،

اگر میرے معروضات آپنے غور سے پڑھے ہیں تو آپ کو اقرار کرنا پڑے گا کہ تخریج زیلعی شائقین حدیث کیلئے ایسی ضروری چیز ہے کہ کوئی طالب حدیث اس سے کسی طرح مستغنی نہیں ہو سکتا،

زیلعی کا پہلا اڈیشن

اس زمانہ میں جب تک کوئی کتاب چھپ نہ جائے، اس وقت تک تعمیم نفع ناممکن اور اس کا بسہولت حاصل ہونا سخت دشوار ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ کوئی

اس سے مطلق تشفی نہیں ہو سکتی، اور نہ وہ ان قیمتی معلومات و نادر فوائد سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہے جو تخریج زیلعی میں جابجا منتشر اور اس کتاب کا طغراے امتیاز ہیں،

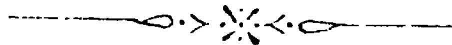
تخریج زیلعی کی خصوصیات | امام زیلعی کی تخریج کی بہت سی خصوصیتیں ہیں جن میں سے چند یہ ہیں،

(۱) امام زیلعی التزام کے ساتھ ہر حدیث کی نسبت پہلے یہ بتاتے ہیں کہ اس حدیث کو فلاں محدث نے اپنی فلاں کتاب میں روایت کیا ہے، اس کے بعد اصل کتاب سے پوری سند کے ساتھ پورا متن لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں، اور حافظ ابن حجر سند بالکل حذف کر دیتے ہیں، صرف روایت کرنیوالے صحابی کا نام بتا دیتے ہیں، اسی طرح عموماً متن بھی پورا ذکر نہیں کرتے، بلکہ صرف اتنا ہی ٹکڑا پیش کرتے ہیں جس سے مدعا کا تعلق ہوتا ہے،

(۲) امام زیلعی سند و متن نقل کرنے کے بعد عموماً یہ کرتے ہیں کہ اگر کسی محدث نے اس حدیث کی سند یا متن پر کوئی کلام کیا ہے، تو اس کو تماماً نقل کرتے ہیں، پھر اگر کسی دوسرے محدث نے اس کا جواب دیا ہے تو اس کو بھی ذکر کرتے ہیں، حافظ ابن حجر عموماً ان باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں مثلاً ابن حجر نے کتاب الحج میں قارن کیلئے دو طوافوں کی ایک حدیث بروایت حضرت عمران نقل کی، اور صرف اتنا لکھدیا کہ دارقطنی نے اس کی علت بیان کی ہے، حالانکہ زیلعی نے پوری تفصیل کے ساتھ دارقطنی کے حوالہ سے اس علت کو لکھا ہے، (دیکھو زیلعی ص ۱۱۱ جلد ۳)

(۳) اگر کوئی سند ضعیف یا متکلم فیہ ہوتی ہے، تو امام زیلعی تصریح کے ساتھ پہلے یہ بتاتے ہیں کہ اس سند میں فلاں مجروح یا متکلم فیہ راوی ہے، پھر اس راوی کی نسبت ائمہ نقد کے اقوال نقل کرتے ہیں، اور حافظ ابن حجر عموماً یہ کہکر گذر جاتے ہیں کہ یہ سند کمزور ہے یعنی نہ ضعیف راوی کا نام بتاتے ہیں، نہ اس کے بارہ میں اقوالِ جرح و تعدیل نقل کرتے، مثلاً "عدم جواز نکاح بلا ولی" کے باب میں ابن حجر نے حضرت جابر، حضرت ابن عمر، حضرت عمران، حضرت علی، حضرت انس اور حضرت

مستحق ہیں، جنھوں نے وقت کی بڑی اہم ضرورت کا احساس کیا اور فن کی ایک عظیم الشان خدمت انجام دی، اگر ارکان مجلس اور کچھ نہ کرتے، صرف پہلے اڈیشن کی نقل ہی چھپوا دیتے تب بھی وہ ہر طرح ہماری شکریہ کے مستحق تھے، لیکن آپ کو یہ سنکر بے پایاں مسرت ہوگی اور آپ ان کے شکریہ پر مجبور ہوں گے، کہ انھوں نے صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ پہلے ہزاروں روپئے صرف کرکے جید و مستند عالموں سے پوری کتاب کی تصحیح اور اس کا تحشیہ کرایا، اصل کتاب میں متداول کتابوں کی جو حدیثیں ہیں ان کو ان کتابوں میں تلاش کراکے حاشیہ میں جلد اور صفحات کے حوالے درج کرائے، پھر وہ جوان ہمت جواں عمر عالموں کو اہتمام و نگرانی کے ساتھ اس کتاب کو طبع کرانے کیلئے مصر بھیجا، وہاں ان کو خوش قسمتی سے تخریج زیلعی کا وہ نسخہ ہاتھ آگیا جو حافظ ابن حجر کے مطالعہ میں رہ چکا تھا اور جا بجا ان کے قلم میں تصحیحات بھی موجود تھیں، ان حضرات نے اپنے نسخہ کا اس سے مقابلہ کیا، اس کے بعد انھوں راحت طلبی کا شیوہ اختیار نہیں کیا، بلکہ تصحیح کتاب کے بلیغ اہتمام کے پیش نظر اور مزید اطمینان کی خاطر عہد حاضر کے سب سے بڑے وسیع النظر عالم اور فن حدیث و رجال کے ماہر علامہ زاہد کوثری کی نظر سے جدید اڈیشن کے مطبوعہ فرمے گذراے، اور جو اغلاط رہ گئے تھے، ان کا استدراک لکھوا کر بطور ضمیمہ کتاب میں شامل کیا، یہی اہتمام کاغذ کی عمدگی اور طباعت کی خوبی کا ہے کہ کتاب کی ظاہری صورت ہی دیکھکر دل خوش ہو جاتا ہے، اس اہم علمی خدمت پر کارکنان مجلس ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں، اور ہم ان کی خدمت میں بصمیم قلب پرخلوص ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت ان کی ہمتوں میں برکت عطا فرمائے، ان کی علمی خدمتوں کا بہترین صلہ ان کو دے، اور علم دین کے لئے اس طرح کے مساعی جمیلہ کی مزید توفیق ان کو عنایت فرمائے،



صاحب توفیق اس کو چھپوانے کی ہمت کرکے اس گوہر نایاب کو وقف عام کرتا،

چنانچہ سب سے پہلے مولوی خادم حسین عظیم آبادی کو یہ توفیق نصیب ہوئی اور انھوں نے ۱۸ء میں مطبع علوی لکھنو میں اس کو چھپوانا شروع کیا، لیکن بڑی تمناؤں کے بعد جب کتاب چھپکر پریس سے نکلی تو بایں حال زبوں کہ کاغذ نہایت میلا اور کمزور، خط بیحد خراب اور بھونڈا، اور طباعت نہایت ناقص، پھر غضب بالائے غضب یہ کہ ظاہری حسن و جمال سے محرومی کے ساتھ معنوی محاسن سے بھی قطعاً عاری تھی، معلوم نہیں چھپوانے کے وقت کوئی صحیح نسخہ پیش نظر نہ تھا یا تصحیح کا انتظام نہیں کیا گیا، یا کوئی دوسرا سبب تھا کہ چھپنے کے بعد کتاب اتنی مسخ اور اس طرح اغلاط سے پر تھی کہ شائقین کا اس سے کما حقہ نفع اٹھانا ناممکن تھا، تاہم مولوی خادم حسین مرحوم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، ان کی کوشش و ہمت سے یہ کتاب عام تو ہوگئی اور ہر کس و ناکس کو اس سے کامل طور پر نہ سہی تو انتفاع و استفادہ کا موقع تو مل گیا، چنانچہ جب تک یہ اڈیشن ملتا رہا تمام اہل ذوق اس سے علمی پیاس بجھاتے رہے،

بیس برس سے یہ اڈیشن بھی نایاب ہوچکا تھا، اور نہایت شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ پہلے اڈیشن کی خرابیوں کو دور کرکے صحت و صفائی و پاکیزگی کے اہتمام کے ساتھ اس کا دوسرا اڈیشن نکلتا، کئی جگہوں سے یہ خبر سننے میں آئی کہ تخریج زیلعی کے دوبارہ طبع ہونے کا انتظام ہورہا ہے،

مجلس علمی ڈابھیل کی مساعی جمیلہ کا اعتراف	لیکن کارکنان قضا و قدر نے یہ سعادت مجلس علمی (ڈابھیل) کیلئے مقدر کررکھی تھی، دوسرے کے حصہ میں کیسے آتی

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کارکنان مجلس تمام احناف ہی کے نہیں، بلکہ حدیث کا ذوق رکھنے والے طبقہ کے شکریہ

مطبوعات جدیدہ

تفسیر سورۂ والتین ۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ، مترجمہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہترین، قیمت ۶/ پتہ :۔ مکتبہ حمیدیہ مدرستہ الاصلاح سرائمیر اعظم گڈھ۔

ترجمان القرآن مولف کا یہ رسالہ ان کے تمام تفسیری تحقیقی و وجدانی لطائف و نکات کا حامل ہے، مولف کے نزدیک اس سورہ کا مقصود اعمال کی جزاء و سزا اور بعثت محمدی کا اثبات ہے، جس کو ماقبل ومابعد کی سورتوں کے مضامین، کلام اللہ کی مختلف آیتوں، تورات وانجیل کے بیانات اور شواہد کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، پہلے سورہ کے الفاظ کی لغوی تحقیق و تشریح، جملوں کی تاویل و ترکیب کا حل ہے، اس کے بعد اصل مقصود پر بحث ہے، کہ خدا نے تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین کی کیوں قسم کھائی، اور اس کو سورہ کے مقصود سے کیا معنوی تعلق ہے، اس سلسلہ میں پہلے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تین اور زیتون مقام کے نام ہیں، اور ان کے محل وقوع کی تعیین کی گئی ہے، پھر ان کی قسم کھانے کے اسباب اور قرآن، توریت وانجیل کے بیانات سے ان مقاموں کا سزا و جزا اور بعثت محمدی سے تعلق دکھایا گیا ہے، کہ ان چاروں مقاموں پر سزا و جزا، اور ظہور رحمت کے نہایت عظیم الشان واقعات پیش آچکے ہیں، اور یہیں سے بعثت محمدی کی تمہید شروع ہوئی، شیطان کے ورغلانے سے حضرت آدمؑ کی غلطی اس کی سزا، پھر اس سے رہائی، اور خلعت خلافت سے سرفرازی، طوفان نوحؑ کا عذاب، اس سے کشتی نوح کی نجات کے واقعات جبل تین پر پیش آئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آخری زندگی کے حوادث، بنی اسرائیل کی سرکشی کی سزا میں شریعت الٰہی کی منصب داری سے ان کا عزل، اور حضرت

المنتظم لابن جوزی

علامہ ابن جوزی بغدادی المتوفی ۵۹۷ھ کی تصنیفات میں ان کی تاریخ المنتظم فی تاریخ والامم کی اہمیت اہلِ علم پر روشن ہے، مدت سے اس کی پوری جلدوں کی تلاش جاری ہے، یو قدر شناسوں نے بھی اس کے حصول اور طبع و اشاعت کی تحریکیں اور کوششیں کیں وقفوں، مگر یہ فخر دا المعارف حیدر آباد دکن کیلئے مقدر تھا کہ وہ اس نادر کتاب کے اجزا فراہم کرے، اور تصحیح و تحشیہ کے بعد شا کرے، چنانچہ ۱۳۵۷ھ میں اس نے اس کی پانچویں جلد کا دوسرا حصہ اور چھٹی جلد پوری شائع کی،

علامہ ابن جوزی کی یہ تاریخ، تاریخ طبری کی طرح آغاز اسلام سے لیکر چھٹی صدی ہجری کے وحوادث پر مشتمل ہے، ہر سال کا عنوان باب ہے، اس کے نیچے اس سال کے پورے واقعات وہ لکھتے مگر چونکہ مصنف ایک محدث ہیں اس لئے واقعات سے زیادہ علما اور اکابر کے حالات اور وفیات پوری تفصیل سے کرتے ہیں، ساتھ ہی انکی تصنیفات اور روایات اور جرح و تعدیل سے بھی مختصر بحث فرماتے ہیں

ان دونوں شائع شدہ جلدوں کے اصل نسخے قسطنطنیہ اور برلین کے کتبخانوں میں ملے مشہور محقق و فاضل کرنکو نے ان نسخوں کے مقابلہ اور تصحیح سے اپنا نسخہ مرتب کر کے دائرۃ المعارف کے سپرد کیا، دائرہ نے مزید تصحیح اور تحشیہ کے بعد انکو چھاپا کر ان میں پانچویں جلد ۲۵۷ھ سے ۲۸۴ھ تک کے واقعات اور حالات پر مشتمل ہے، افسوس یہ حصہ شروع سے ناتمام ملا ہے، چھٹی جلد ۲۸۵ھ سے شروع ہو کر ۳۴۹ھ پر تمام ہوئی ہے، کتاب پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی جلدیں ابھی تک نہیں ملی ہیں، خدا کرے کہ اس کتاب کے پورے مل جائیں، کہ اہل علم کے ہاتھوں میں تاریخ طبری کے بعد تاریخ اسلام کا یہ دوسرا ماخذ بھی آجائے

تاریخ اسلام کے قدر شناسوں کو دائرۃ المعارف کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس کے بدولت وہ نگاہوں کے سامنے آرہا ہے، جس کے ایک نظر دیکھنے کے لئے ہمارے بزرگوں کی آنکھیں ترستی تھیں۔

"س"

مولوی حاجی الیاس احمد صاحب برنی ۱۳۴۵ھ میں فریضہ حج اور مدینہ طیبہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے، اس سلسلہ میں انھوں نے شام و عراق کے تمام مقدس مقامات کی حاضری کی سعادت بھی حاصل کی تھی اسی زمانہ میں انھوں نے صراط الحمید کے نام سے ان مقامات کا سفرنامہ لکھا تھا اب پندرہ سال کے بعد مزید ترمیم او اضافوں کے ساتھ اس کا دوسرا مکمل تر اڈیشن شائع کیا ہے، اس اضافہ میں مناسک حج میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ جامعیت پیدا ہوگئی ہے، کتاب کے آخر میں اپنے اور رفقائے سفر کے دلچسپ حالات بڑھائے ہیں، اس سفرنامے کی اتنی جہتیں ہیں اور اس میں اتنے گوناگوں معلومات ہیں کہ اس تبصرہ میں اس کی تفصیل کی گنجایش نہیں، مختصر یہ ہے کہ یہ سفرنامہ حجاز، شام و عراق کے مقدس مقامات کا گائڈ بھی ہے، یہاں کے آسودگانِ خاک انبیا و صلحا کا تذکرہ بھی، ان کے آثار و مشاہد کی تاریخ بھی، حج و زیارت کے مسائل حج کی کتاب بھی، غرض ایک زائر و سیاح کیلئے ان مقامات کی سفری سہولتیں جغ ... اور مذہبی جن جن قسم کے معلومات کی ضرورت ہے سب اس میں موجود ہیں، یوں تو آئے دن ... مقدسہ کے سفرنامے لکھے جاتے ہیں لیکن اس سفرنامے میں جو جامعیت ہے وہ مشکل سے کسی دوسرے سفرنامے میں مل سکتی ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت بلکہ اس کی روح اسکی باطنی اور وجدانی کیفیت ہے، مولف ماشاء اللہ صاحب دل بھی ہیں، اور صاحب قلم بھی، اور قلم بھی مسور واردات و وجدانیات اور حاضری کیلئے کیسے پاک آستانوں اور عظمت و جلال اور شفقت و رحمت کے درباروں کی، میکدۂ الفت و محبت کا سواف، عجز و نیاز کی نذر، فیوض و برکات کی بارش اس لئے سطر سطر سے مستی ٹپکتی پڑتی ہے، اور بے اختیار باطنی کیفیتیں زبان قلم پر آگئی ہیں، اس سفرنامے کا اصلی لطف تو اس بادہ کے لذت آشنا ہی اٹھا سکتے ہیں لیکن اس کے اثر سے ظاہر بیں تماشائی بھی محروم نہیں رہ سکتے، عام زائرین کیلئے یہ سفرنامہ معلومات کا گنجینہ ہے، اور صاحب دل اشخاص کے لئے عشق و محبت کی داستان، مستی میں لغزش ضروری ہے، اس کا خفیف اثر بعض مقامات پر نظر آتا ہے لیکن لطف بیان میں ادھر ذہن منتقل نہیں ہونے پاتا،

ابراہیم علیہ السلام کی مقبولیت کے صلہ میں ان کی اولاد میں اس منصب کا انتقال وغیرہ کے واقعات کوہ زیتون پر پیش آئے، فرعون کے مظالم سے بنی اسرائیل کی رہائی، اور ان کو شریعت کی امانت طور سینا میں سپرد ہوئی، حضرت ابراہیمؑ کی آزمایش اور ان کی قربانی کے صلہ میں ان کی اولاد کی سرومندی اور اس میں نبوت کے سلسلہ کی بنیاد بلد امین میں پڑی، اور یہیں سے خاتم الانبیا کا ظہور ہوا، اسطرح ان چاروں مقاموں پر سزا و جزا، اور انتقام و رحمت کے عظیم الشان واقعات کا ظہور ہوا، ان واقعات کے ساتھ تین زیتون اور سزا، وجزا، و بعثت محمدی میں اور بہت سی معنوی مناسبتیں دکھائی گئی ہیں، پھر سورہ کے مقصود سے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور اس کے بعد کی آیتوں کا تعلق بتایا گیا ہے، کہ انسان کے تین مدارج ہیں، اور انھیں مدارج کے لحاظ سے اس پر سزا و جزا، اور رحمت کے نتائج مترتب ہوتے ہیں، مثلاً پہلے درجہ میں خدا نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا، یعنی حسن خلق کے ساتھ حق و باطل اور ظلمت و نور میں امتیاز کے لئے عقل بھی عطا کی، کہ بغیر اس کے نہ احسن تقویم کی تکمیل ہو سکتی تھی اور نہ سزا و جزا کا معاملہ پیش آسکتا تھا، پھر دوسرے درجہ میں نافرمانی کی وجہ سے وہ ادنیٰ درجہ پر پہنچا دیا گیا، تیسرے درجہ میں توبہ و استغفار کے بعد رحمت کے دروازے اس کے لئے کھلے رکھے گئے، ان مدارج کے پیش نظر فما یکذبک بعد بالدین کا تعلق خود بخود واضح ہو جاتا ہے، ان مباحث میں جا بجا بعثت محمدی کے اشارے موجود ہیں، آخر میں کلام اللہ کی سورتوں سے اس کا مستقل اثبات بھی کیا گیا ہے، اس تفسیر میں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ سزا و جزا کو ظہور رحمت کا وسیلہ ثابت کیا گیا ہے، یعنی ہر سزا میں رحمت کا تخم پوشیدہ ہوتا ہے، جس کے بعد رحمت کا پودا اگتا ہے،

صراط الحمید جلد اول ۔ مرتبہ مولوی حاجی الیاس احمد صاحب برنی، ناظم دار الترجمہ، تقطیع متوسط ضخامت ۵۰۳ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت اوسط، قیمت ؏

پتہ:- کمال احمد صاحب فاروقی، دار السلام، حیدرآباد، دکن۔

۹۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت ۴ر پتہ:۔ مکتبۂ اسلامیہ، اندرون موچی دروازہ، لاہور،

اس رسالہ میں مولف نے دکھایا ہے کہ انبیاء کرام کے سب سے بڑے دشمن دو تھے، سرمایہ دار اور حکام وقت، اور انبیائے کرام انھیں دونوں کا زور توڑنے اور ضعیف و ناتواں مخلوق کو ان کے پنجۂ ظلم سے چھڑانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے، اس کے ثبوت میں انھوں نے اپنی بصیرت کے مطابق کلام اللہ اور پیغمبروں کے واقعات زندگی سے شواہد پیش کئے ہیں، مولف کا یہ خیال تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ تاریخ کے لحاظ سے ایک حد تک صحیح ہے لیکن کلیہ کی صورت میں اور نقطۂ نظر کے اعتبار سے غلط، اس میں شبہ نہیں کہ ان دونوں جماعتوں کی اکثریت نے پیغمبروں کی مخالفت کی لیکن اس لئے نہیں کہ وہ پیغمبر داعی حق تھے، بلکہ اس لئے کہ ان کی دعوت سے ان کے اقتدار کو صدمہ پہنچتا تھا، پھر ان دونوں ایسے حق پرست بھی تھے جنھوں نے پیغمبر کی دعوت پر لبیک کہا، مثلاً حضرت عثمان غنیؓ، اور حضرت نجاشی شاہ حبش، قیصر روم گو تاج و تخت کی طمع میں قبول اسلام کی دولت سے محروم رہا لیکن اس نے بھی آنحضرت صلعم کی نبوت کی تصدیق کی، یہ بھی صحیح نہیں کہ پیغمبروں کی بعثت کا مقصد ان دونوں طبقوں کو مٹانا تھا، ان کا اصلی مقصد توحید اور دین حق کی دعوت تھا، اس سلسلہ میں اور فرائض بھی ان سے متعلق تھے، جن میں ایک عدل کا قیام اور ظلم کا استیصال بھی تھا، اس سلسلہ میں انھوں نے سرمایہ داری کی برائیوں اور ظالم حکمرانوں کے ظلم کو بھی دور کیا،

تذکرہ خاصان خدا مترجمہ مصطفائی بیگم صاحبہ تقطیع اوسط ضخامت ۲۳۳ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ:۔ مصطفائی بیگم لیڈی کمشنر خزانہ عامرہ سرکار عالی حیدرآباد دکن،

یہ تذکرہ شاہجہانی عہد کے ایک قلمی فارسی تذکرہ الاولیاء کا مخلص ترجمہ ہے، اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لیکر شیخ والا شاہ رحمہ المتوفی ۹۲۳ھ بن شیخ نظام نارنولی تک سلسلہ چشتیہ کے ۲۰ بزرگوں کے حالات ہیں، عام تذکرۃ الاولیاء کی طرح اس میں بھی ان بزرگوں کے سبق آموز حالات، سلوک و مجاہدات اور

دیوان بیدار مرتبہ جناب محمد حسین صاحب محوی صدیقی، لکچرار مدراس یونیورسٹی تقطیع بڑی ضخامت ۸۰ ۱ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی مجلد قیمت مرقوم نہیں، غالباً مصنف سے ملے گا،

میر محمدی بیدار دہلوی المتوفی ۱۲۰۹ھ میر و مرزا کے دور کے باکمال شاعر اور ممتاز اساتذہ میں تھے، اردو زبان کی صحت و صفائی میں ان کا بھی حصہ ہے، فارسی میں بھی کہتے تھے، لیکن وفات کے بعد ایسے گمنام ہوئے کہ شعر و شاعری کی دنیا ہی سے کھو گئے، محض تذکروں میں ان کے مختصر حالات ملتے ہیں، بیدار صاحب دیوان تھے اردو میں ان کا پورا دیوان موجود ہے، فارسی میں بھی تھوڑا کلام ہے، انکے دیوان کے قلمی نسخے کمیاب تھے، اردو زبان کے پرانے خادم مولوی محمد حسین صاحب صدیقی لکھنوی شکریہ کے مستحق ہیں، جنھوں نے دیوان بیدار کے دو نسخوں کو تلاش کر کے تصحیح و مقابلہ کے بعد اسے اہتمام کے ساتھ شائع کیا، دیوان کے شروع میں مرتب کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ ہے، اس میں بیدار کے حالات اور ان کے کلام پر مفصل تبصرہ ہے، اردو دیوان کی ضخامت ۱۳۴ صفحے ہے، اور فارسی کلام میں کل ۴۴ غزلیں، چند قصائد، رباعیات، تاریخیں اور بعض دوسری نظمیں ہیں، بیدار اپنے عہد کے ممتاز اساتذہ میں تھے، اس لئے انکے کلام میں اس دور کے اساتذہ کے کلام کی تمام خصوصیات، زبان کی صحت و صفائی، سادگی، گھلاوٹ، طرز ادا کی خوبی، باطنی واردات، جذبات کی سچی ترجمانی، تصوف اور درد و اثر وغیرہ سب موجود ہیں، فارسی کا کلام گو مختصر ہے لیکن اس سے بھی مشق و پختگی نمایاں ہے، فاضل مرتب نے دیوان کی ترتیب و تصحیح میں کافی محنت اٹھائی ہے، قلمی نسخوں کے علاوہ مختلف تذکروں سے بھی دیوان کی ترتیب میں مدد لی ہے، حاشیہ میں الفاظ کے اختلاف نسخ کے ساتھ دیوان اور تذکروں کے اشعار کی کمی بیشی اور متروکات کی بھی وضاحت کر دی ہے، محوی صاحب نے یہ دیوان شائع کر کے اردو زبان کے ایک قابل قدر سرمایہ کو محفوظ اور عام کر دیا ہے،

انبیائے کرام کے دو دشمن۔ مولفہ جناب غلام نبی صاحب بی اے تقطیع چھوٹی، ضخامت

سیر الصحابہ

سیرۃ النبی کے بعد مسلمانوں کے لئے جن مقدس ہستیوں کے کارنامے اور سوانح حیات مشعل راہ
لے ہیں، وہ حضرات صحابۂ کرام ہیں، دارالمصنفین نے پندرہ برس کی جانفشانی و کوشش سے اس عظیم الشان
و انجام دیا، اور اردو میں صحابۂ کرام کے حالات و سوانح اور اخلاق و حسنات کی دس ضخیم جلدیں اح
کے ہزاروں صفحات سے چنکر مرتب کیں اور بحسن و خوبی شائع کیں، ضرورت ہے کہ حق طلب
ہدایت و رہنمائی کے جویاں مسلمان ان صحیفوں کو پڑھیں، اور اس شمع ہدایت کی روشنی
چلیں، جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدوں
کی علحدہ علحدہ قیمتیں حسب ذیل ہیں، جن کا مجموعہ [illegible] ہوتا ہے لیکن پورے سٹ کے خریدا
صرف [illegible] میں یہ دس جلدیں کامل نذر کیجاتی ہیں، پیکنگ ذمہ دارالمصنفین، محصول ذمہ خریدار

جلد اول	خلفائے راشدین	[illegible]	جلد ششم	سیر الصحابہ ششم	[illegible]
جلد دوم	مہاجرین اول	[illegible]	جلد ہفتم	سیر الصحابہ ہفتم	[illegible]
جلد سوم	مہاجرین دوم	[illegible]	جلد ہشتم	سیر الصحابیات	[illegible]
جلد چہارم	سیر الانصار	[illegible]	جلد نہم	اسوۂ صحابہ اول	[illegible]
جلد پنجم	[illegible] دوم	[illegible]	جلد دہم	اسوۂ صحابہ دوم	[illegible]

دارالمصنفین اعظم گڑھ

کشف و کرامات کے واقعات ہیں، کتاب کے شروع میں مولوی حامد خاں صاحب ہندی کے قلم سے تصوف کی حقیقت پر ایک مقدمہ ہے جس میں اسلامی تصوف کو پیش کرکے اس کے متعلق بعض غلط فہمیوں کو دور کیا گیا ہے، اور مولانا سید حبیب جعفر بن حبیب احمد عید روسی کے قلم سے عربی میں ایک مختصر دیباچہ ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، جو لوگ اس قسم کی کتابوں سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کے ذوق کا اس تذکرہ میں کافی سامان ہے،

عصمت کی کہانی - مولفہ جناب رازق الخیری صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۹۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸ر پتہ: عصمت بک ڈپو، دہلی،

یہ اڈیٹر عصمت کے قلم سے رسالہ عصمت دہلی کے مختلف دوروں کی سرگذشت ہے، اس کے ضمن میں تمدن جوہر نسواں اور بنات وغیرہ ان تمام رسالوں کے حالات جن کا تعلق مولانا راشد الخیری مرحوم سے تھا، اور انکی نسوانی و ادبی خدمات اور اس کے لئے ان کے ایثار اور قربانیوں کی پوری تفصیل آگئی ہے،

خبطی - مولفہ جناب محمد علی صاحب احدی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۹ صفحے کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت ۸ر پتہ: انوار بک ڈپو، لکھنؤ،

اس افسانہ میں طالبعلمی کی زندگی کے بعض واقعات کو افسانہ کی شکل میں دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے، اسکا خلاصہ یہ ہے کہ مہندر، سری، اقتدار اور سرلا ہم سن طالبعلم ہیں، مہندر معمولی گھرانے کا لڑکا ہے لیکن ہونہار و شایستہ اور سری دولتمند دیہاتی خاندان کا بے عقل و بے شعور لڑکا ہے، سرلا ایک متمول گھر کی تعلیم یافتہ اور خوش مذاق لڑکی ہے، اسمیں اور مہندر میں موانست ہو جاتی ہے، لیکن سرلا کا باپ اسکی مرضی کے خلاف سری سے اسکی شادی کرنا چاہتا ہے، سرلا انکار کرتی ہے اور مہندر سے شادی کرلیتی ہے، ہونہار مولف نے طالبعلمی کی زندگی کے شوخ و شریر واقعات کی آمیزش سے اس افسانہ کو کافی دلچسپ بنا دیا ہے، مہندر کی اعلیٰ سیرت کی تصویر، اور سری کی مضحک حرکتوں کا خاکہ بہت دلچسپ ہے، گو افسانہ سے کہیں کہیں ناپختگی ظاہر ہوتی ہے، لیکن ہونہار مولف میں افسانہ نگاری کی کافی صلاحیت ہے،

"م"

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۷   اگست ۱۹۴۰ء

معارف

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

[illegible] دارالمصنفین اعظم گڑھ

دارالمصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اوّل، جسمیں قدما کے دور سے لیکر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کیگئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۳۵ صفحے، قیمت: للعہ ر از مولنا عبد السلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۰۹ صفحے، قیمت: للعہ

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ، اور اسکی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعرا کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جسمیں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت: صہ از مولنا سید عبد الحی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں عزیزوں شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی تعلیمی اور عربی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، حصہ اوّل ضخامت ۴۴۰ صفحے، قیمت: عہ

حصہ دوم " ۳۶۱ " " عہ

موازنہ انیس و دبیر، (از مولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو اور اس میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۰۴ صفحے، قیمت: سے، عہ

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے پچاس سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت: عہ

افادات مہدی، ملک کے نامور انشا پرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: عہ

نقوش سلیمانی، یہ مولنا سید سلیمان ندوی کی ہندوستانی اور اردو زبان و ادب سے متعلق تقریروں، تحریروں اور مقدموں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے بعض ادبی کتابوں پر لکھے، قیمت: عہ، ضخامت ۵۰۰ صفحے،

دروس الادب، عربی کی پہلی اور دوسری ریڈریں جنکو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کیلئے اس طرح لکھا ہے کہ طالب علم کو ادب اور نحو کے ساتھ ساتھ تعلیم اخلاق ... [illegible] قیمت ۲ و ۳

"جلد ۴۶" ماہ جمادی الثانی و رجب المرجب ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۰ء "عدد ۲"

مضامین

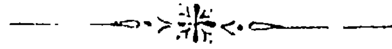
سیرۃ النبی

رسول اللہ صلعم کے حالات و غزوات، اخلاق و عادات اور تعلیم و ارشاد کی یہ عظیم الشان کتاب جس کا نام سیرۃ النبی ہے مدت سے مشہور ہے، مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت و اہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے،

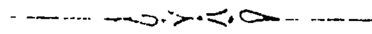
اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں فن سیرت کی تنقید و تاریخ ہے، دوسرے حصہ میں تکمیل دین، تاسیس حکومت الٰہی، وفات، اخلاق و عادات، اعمال و عبادات اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے، تیسرے حصہ میں آپ کے معجزات و خصائص نبوت پر بحث ہے اس میں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر نہایت مفصل بحث کی گئی ہے پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بروایات صحیحہ ثابت ہیں پھر ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تحقیق کی گئی ہے، چوتھے حصہ میں ان مسائل عقائد کی تشریح ہے جو آنحضرت صلعم نے تعلیم کئے ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ ان کو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے عقائد کے [illegible] پانچویں حصہ میں عبادات کی حقیقت، عبادات کی تفصیل و تشریح اور دوسرے مذاہب کے ساتھ ان کا [illegible] بیان ہے اور چھٹے حصہ میں [illegible] فضائل اور آداب کے [illegible]

[illegible]

حصۂ الہلال مصر کے استفسارات کا سرقہ ہے، ان کے مسروقہ مضامین کی ایک فہرست سید نجیب اشرف صاحب ندوی نے زمانہ میں چھپوائی تھی،



ابھی حال میں تاریخ ہند پر رسالہ نگار میں ایک مسلسل کتاب نہایت قابلانہ اور مدعیانہ تحقیق و تنقید کے ساتھ شائع کی گئی ہے، اور یہ باور کرانے کی ناجائز کوشش کی گئی ہے کہ گویا یہ تحقیقات مدیر نگار کی ذاتی کاوش کا نتیجہ ہیں، اور اصل ذہنی ماخذوں سے لکھی گئی ہے، حالانکہ یہ پورا سلسلہ الیٹ کی انگریزی کتاب تاریخ ہند کے اقتباسات یا تلخیصات کا لفظ بلفظ ترجمہ ہے، اب بھی جو چاہے نگار کے صفحات کو الیٹ کے صفحات سے مقابلہ کرکے اس عہد کے سب سے بڑے "دزد بکف چراغ" کی دزدی کو



یہ ہے وہ شخصیتِ عظمیٰ جو قرآنِ پاک اور کلامی مسائل پر مدعیانہ رائے دینے کی جرأت کرلی ہے، نتیجہ نوجوانوں کو یہ یقین دلانا چاہتی ہے کہ وہ جو کچھ لکھتی ہے پورے ذمہ دارانہ غور و خوض کے بعد لکھتی ہے حالانکہ اس کی سطحی واقفیت علم و فن کے ظاہری حروف و نقوش سے بھی آشنا نہیں چہ جائیکہ قرآن پاک اور اسلام کے حقائق و اسرار کے فہم و استنباط کا دعویٰ،



اس علمی و ادبی شعبدہ باز نے اپنے مشہور خرافات کے بعد جس میں اس نے کمال ناز و تبختر و انانیت سے قرآن پاک کو خدا کا نہیں بلکہ رسول اللہ (صلعم) کا کلام مانکر یہود و نصاریٰ کی سنی سنائی باتوں سے ماخوذ بتایا تھا، اب اپنے چند نادان دوستوں کے مشورہ سے اشاعرہ و معتزلہ کے کلامی مسائل کے دامن میں پناہ لینا چاہتا ہے کہ یہ نوایت کا فرادب" کی دوبارہ بزدلی کا مظاہرہ، افسوس کہ یہ شخص ایمان تو ایمان کفر میں بھی پورا پکا ثابت نہیں ہوتا،

شذرات

مدیر نگار کی کیفیت تمی کا پردہ اب پہلی دفعہ فاش نہیں ہوا ہے، بلکہ اس سے پہلے بھی بارہا فاش کیا جا تا رہا ہے، وہ کبھی مورخ، کبھی متکلم، کبھی ادیب اور کبھی شاعر بنکر لوگوں کے سامنے آتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پرانی شکل کے پہچاننے والے اب ان کی اس نئی شکل کو نہیں پہچان سکتے، مگر اہل نظر تاڑ جاتے ہیں، اور کہہ اٹھتے ہیں،

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

ان کی ہمیشہ سے یہ حالت رہی ہے کہ جب کبھی ان کو بلدی کی کوئی گانٹھ ہاتھ آئی ہے انھوں نے استفسارات میں پنساری کی دکان کھول دی ہے،



مدیر نگار کی ساری تصنیفات اور تحریریں ملک کے سامنے ہیں، ان میں سے کتنی ایسی ہیں جو ان کی دماغی کاوشوں کی ملکیت ہیں؟ ان کی سنجیدہ تصنیفات میں **صحابیات** ایک تصنیف ہے، مدت کی بات ہے لوگ بھول گئے ہوں گے مگر اب پھر یاد تازہ کی جاتی ہے کہ یہ سر سرد ار المصنفین کی کتاب سیر الصحابیات کی غارتگری سے مرتب کی گئی ہے، تاریخ تمدن و حدیث بھی آپ کے سرقات کی رہین منت ہیں، ان کی ادبی تصنیفات میں شہاب کی سرگذشت بھی سنا ہے کہ ایک انگریزی تصنیف کا پورا چربہ ہے، ان کے استفسارات کا اچھا

مقالات

فہمِ قرآن کے اصول و شرائط

(۲)

از

شاہ معین الدین احمد ندوی،

تفسیر بالرائے کی وعید اور صحابہ اور تابعین کی احتیاط

اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ علمی نقطۂ نظر سے تھا، اب اس کو دوسرے پہلو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھئے، قرآن کی صحیح تفسیر و تاویل کے لئے رسول اللہ صلعم نے تفسیر بالرائے کی بڑی وعید فرمائی ہے، صحابۂ کرام اور تابعین و تبع تابعینِ عظام تفسیر میں کتنی احتیاط بلکہ کتنا خوف کرتے تھے اور تفسیر کی روایات ہمارے پاس کس احتیاط کے ساتھ پہنچی ہیں اس کا اندازہ آیندہ سطور سے ہوگا،

من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوّأ مقعدہ من النار (بخاری)

جس نے اپنی رائے سے قرآن میں کچھ کہا اس کو چاہئے کہ دوزخ میں ٹھکانے کے لئے تیار رہے،

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوّاء مقعدہ من النار، (ترمذی)

جس نے قرآن میں بغیر علم کے کچھ کہا اس کو چاہئے کہ دوزخ میں ٹھکانے کے لئے تیار رہے،

بحث یہ نہیں کہ خدا کو متکلم اس لئے کہتے ہیں کہ صفتِ کلام اسکی ذات کے ساتھ قائم ہے، یا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کلام کا خالق ہے، اور نہ یہ بحث ہے کہ کلام الٰہی قدیم ہے یا حادث، علم کلام کی یہ دقیق بحثیں مدیر نگار کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں، بلکہ بحث یہ ہے کہ اس نے یہ کہا ہے:

کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں، نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس صورت میں الہام یا وحی سے مراد صرف وہ تاثرات ہونگے جو ایک انسان یا رسول کے دل و دماغ میں پیدا ہوتے ہیں، اور جنھیں وہ مروجہ زبان میں نہایت کامیابی و خوش اسلوبی سے ادا کر دیتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کلام مجید میں اسرائیلیات کا حصہ کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتا، اور نہ اسے کلام مجید میں درج ہونے سے صحیح کہا جا سکتا ہے، عہد نبویؐ میں اس قسم کی روایتیں توریت و انجیل کے حوالہ سے یہود و نصاریٰ کی طرف سے عام طور پر بیان کیجاتی تھیں، اور چونکہ توریت و انجیل کے الہامی ہونے کا غلط خیال پہلے ہی سے قائم تھا اس لئے رسول اللہ نے بھی انکو محض اعتبار و بصیرت کیلئے بیان کر دیا، اس سے کوئی بحث نہیں کہ وہ صحیح ہیں یا غلط!! (نعوذ باللہ) یہ ہے موضوع بحث، جس سے اب مسلمانوں کے خوف سے کترانے کی خواہش کا فرانہ بزدلی ہے، اور جس کا کوئی تعلق کلامی مسائل سے نہیں ہے،

حالانکہ مدیر نگار کے دعوے یہ ہیں،

۱۔ کلام مجید رسول کا گھڑا ہوا کلام ہے، جو انکی ذہانت و طباعی اور تاثرات کا نتیجہ ہے؛

۲۔ اسمیں انبیاے اسرائیل علیہم السلام کے قصے رسول اللہ صلعم نے یہود و نصاریٰ سے سنکر قرآن میں داخل کر دئے، تو گویا رسول اللہ صلعم نے قرآن کے خدا کے کلام الٰہی ہونے پر جس قدر تحدی کی ہے، وہ سب افترا علی اللہ ہے، کیا اس سے زیادہ جھوٹ کی کوئی مثال ہو سکتی ہے، اور کیا کسی مسلمان کی حمیت اسکو سننے کی تاب لا سکتی ہے، عرب کے کفار اور موجودہ زمانہ کے نصاریٰ اس کے سوا اور کیا کہتے ہیں؟

نافع. تفسیر بیان کرنا بڑی جسارت کا کام سمجھتے تھے (ابن جریر ج ۱ ص ۲۸)

ابو عبداللہ انصاری قرطبی لکھتے ہیں کہ اسلاف میں سعید بن مسیب اور عامر الشعبی وغیرہ
ہر قرآن کو بڑی جرأت اور ذمہ داری کا کام تصور کرتے تھے اور اس میں علم و امتیاز کے باوجود
ں احتیاط اور تورع کی بنا پر توقف کرتے تھے...... گذشتہ تمام ائمہ مفسرین بڑے محتاط تھے
جامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۹)

اب اس کو واقعات سے ملاحظہ کیجئے،

تابعین میں حضرت سعید بن مسیب تفسیر کے ممتاز عالم تھے، لیکن اس میں اتنی
تے تھے کہ ان کے صاحبزادے یحییٰ کا بیان ہے کہ جب ان سے تفسیر کے متعلق کو
جاتا تو جواب دیتے کہ قرآن کے بارہ میں کچھ نہ کہوں گا (ابن جریر ج ۱ ص ۲)

حضرت عمرؓ کے پوتے سالم بن عبداللہ جو جلیل القدر امام اور مدینہ کے سات مشہور فقہا
ں سے ایک تھے، تفسیر قرآن میں بالکل خاموش رہتے تھے، (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۲۷)

امام شعبی فرماتے تھے کہ میں تین چیزوں کے بارہ میں تا عمر نہ بولوں گا، قرآن، روح اور رائے،
ابن جریر ص ۲۸)

صحابہ اور تابعین کی تفسیری احتیاط کے یہ چند واقعات بطور مثال لکھے گئے ہیں ان سب
استقصاء مقصود نہیں ہے، اس احتیاط کا مقصد تفسیر قرآن کو انسانی رائے کی آمیزش سے بچانا
ر دوسروں کو اس میں محتاط بنانا تھا ورنہ خود ان بزرگوں کی تفسیری روایات موجود ہیں، اور
ظاہر ہے کہ اس احتیاط کے بعد ان روایات کا کیا پایہ ہوگا،

تفسیر بالرائے کے معنی | تفسیر بالرائے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قرآن کے سمجھنے میں مطلق عقل و فہم کو دخل
دیا جائے کہ یہ شئے خود تعلیم قرآن کے خلاف ہے، قرآن تو خود اپنی آیات پر غور و فکر کرنے کی دعوت

ایک اور روایت میں ہے،

من قال برأیہ فاخطاء فقد کفر،   جس نے اپنی رائے سے قرآن میں کہا اور غلطی کی
(ابوداؤد)   تو کافر ہو گیا،

ان وعیدوں کے بعد صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین عظام نے قرآن کی تفسیر میں کتنی کچھ احتیاط نہ کی ہوگی، تفسیر قرآن کا درجہ تو بہت بڑی چیز ہے، وہ مطلق روایت حدیث میں اتنے محتاط تھے کہ اس میں تغیر و تبدل کے خیال سے، رسول اللہ صلعم سے سنی ہوئی حدیثوں کو بھی آپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ڈرتے تھے، حدیث بیان کرنے میں خوف و احتیاط کرتے تھے، بہت سے صحابہ اس سے پہلو بچاتے تھے، روایت کرتے وقت شدت خوف سے چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا تو جب قول رسول میں وہ اتنے محتاط تھے تو قول خدا میں جس پر کفر و ایمان کا دارمدار تھا اور جس کے متعلق ایسی صریح وعید موجود تھی کیا کچھ احتیاط نہ کی ہوگی، محرم اسرار قرآنی ابوبکر صدیقؓ فرماتے تھے،

ای ارض تُقلّنی و ای سماء تظلنی اذا   کون زمین میرا بار اٹھائے گی اور کون آسمان
قلت فی القراٰن برأئی اوربما لا اعلم   مجھے اپنے سایہ میں لے گا، اگر میں قرآن میں اپنی
(ابن جریر ج اول ص ۲۶)   رائے سے یا بغیر علم کے کچھ کہوں،

حضرت علیؓ سے بھی اسی قسم کا قول مروی ہے، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ معمولی معمولی آیات کی تفسیر میں احتیاط کرتے تھے، ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباسؓ سے ایسی معمولی آیت کی تفسیر پوچھی گئی کہ اگر تم میں سے کسی سے پوچھی جاتی تو وہ بیان کر دیتا، لیکن انھوں نے اس کے متعلق کچھ کہنے سے انکار کیا (ابن جریر ج ۱ ص ۲۸)

اکابر تابعین جن میں متعدد مفسر قرآن بزرگ تھے تفسیر بیان کرنے میں بڑے سخت محتاط تھے، عبیداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ فقہائے مدینہ میں سالم بن عبداللہ، قاسم بن محمد، سعید بن مسیب

صاحب "صلوٰۃ" کے معنی صرف دعا کے لیکر اس کی مخصوص و متعین شکل کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے، کوئی صاحب نماز کو تو قائم رکھتے ہیں، لیکن اس کے اوقات میں تخفیف فرماتے ہیں، کسی کے نزدیک "زکوٰۃ" کی مقدار متعین نہیں، کسی کے نزدیک "روزہ" کی موجودہ شکل قرآن سے ثابت نہیں، کوئی بزرگ "قربانی" کو غیر ضروری بتاتے ہیں، کسی کے نزدیک جنت اور فوز و فلاح کے معنی دنیاوی و مادی ترقیوں کے ہیں، اور دوزخ اور خسران اس سے محرومی کا نام ہے، اس قبیل کے ایک دو نہیں معلوم نہیں کتنے خرافات ہیں،

تفسیر قرآن کے اصول اور تفسیر با لرائے سے بچنے کے طریقے

اور یہ سارے مفسرین علم و اجتہاد کے مدعی ہیں اور اپنے مزعو[مہ] فہم کے مطابق قرآن ہی سے دلیل لاتے ہیں، [...] ہے فہم اور تفسیرِ قرآن کے اصول و شرائط سے بے نیازی کا، اور اس غلطی کے نتا[ئج] [...] نہیں، بلکہ متعدی ہو کر مذہب سے ناواقف مسلمانوں کو بھی مسموم کرتے ہیں، اس [...] ہے کہ فہم اور تفسیرِ قرآن کا ایسا معیار مقرر کیا جائے جو نہ صرف مذہبی نقطۂ نظر سے بلکہ علمی اور عقلی حیثیت سے بھی عہد حاضر کے دانشمندوں کے لئے قابلِ قبول ہو اور جس کی پابندی سے اس قسم کی غلطیوں کے امکانات کم ہو جائیں، اور یہ وہی اصول و معیار ہو سکتا ہے جو صحابۂ کرام اور تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بنایا اور وہ خود اور ان کے بعد تمام ائمۂ اسلام اس کے پابند رہے،

اس سلسلہ میں ایک اصول یہ پیش کیا جاتا ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کرنی چاہیے، کسی حد تک یہ اصول کام دے سکتا ہے کیونکہ کلام اللہ کے بعض الفاظ اور مصطلحات کی تشریح خود اسکی آیات سے ہو جاتی ہے، لیکن ہر جگہ یہ اصول نہیں چل سکتا، کسی ایک مسئلہ کو لیجیے مثلاً روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق وغیرہ کے اشکال اور ان کے جزئی مسائل قرآن سے

دیتا ہے،

كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ	ہم نے تمھاری طرف مبارک کتاب اتاری ہی
لِيَدَّبَّرُوْا اٰيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُوْلُوا	تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور
الْاَلْبَابِ ، (ص - ۳)	عقل رکھنے والے نصیحت حاصل کریں،
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى	کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں
قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ، (محمد - ۳)	پر قفل لگے ہیں،

اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں ان کی موجودگی میں تدبر فی القرآن سے کون انکار کرسکتا ہے، لیکن "تدبر" اور تفسیر بالرائے میں فرق ہے، تدبر سے مراد حقیقت تک پہنچنے کے لئے دیانت کے ساتھ غور و فکر اور تفسیر بالرائے سے مراد اپنے گمان کے مطابق رائے دینا، یہاں رائے سے مراد وہ رائے نہیں ہے جو فہم قرآن کے تمام وسائل اختیار کرنے کے بعد پوری تحقیق اور دیانت داری سے قائم کی جائے کہ یہ توعین ثواب اور قرآن کا مقصود اصلی ہے بلکہ وہ رائے مراد ہے، جو تفسیر کے جملہ شرائط و لوازم کو نظر انداز کرکے محض اپنے کسی خیال، نظریہ اور مسلک کی تائید میں کسی نہ کسی طرح حاصل کی جائے، یعنی کسی مسئلہ کی واقعی تحقیق مقصود نہ ہو، بلکہ اپنے مسلک کے مطابق قرآن کے مفہوم کو ڈھالنے کی کوشش کی جائے، جس طرح بہت سے پرانے اسلامی فرقوں نے کیا ہے کہ متضاد مسلک رکھنے والے اپنے اپنے مسلک کی تائید قرآن ہی سے کرتے ہیں، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ دو متضاد مسلکوں میں سے کسی ایک ہی کی تائید قرآن سے ہوسکتی ہے،

تفسیر بالرائے کے نتائج | آجکل تفسیر بالرائے کے اتنے مظاہر ہیں کہ ان کی مثال دینے کی ضرورت نہیں، دور جدید کے محققین کے اجتہادات میں روزانہ اس کی مثالیں نظر آتی رہتی ہیں، کوئی

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (طٰہٰ-۶)	اور اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن اتارا،
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ. (زمر-۳)	قرآن عربی میں ہے جس میں کوئی کجی نہیں تاکہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔
كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ. (حم سجدہ-۱ع)	یہ کتاب ہے جس کی آیات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، قرآن عربی میں ان لوگوں کیلئے ہی جو جانتے ہیں،
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ. (شعراء-۱۱)	(قرآن) کھول کر بیان کرنے والی عربی زبان میں ہے۔
لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ. (نحل-۱۴)	جس زبان کا نام لیتے ہیں، وہ تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے یا جس شخص

اور اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں، اس لئے قرآن کے لغات کا حل کلام عرب سے چاہیئے، یا اگر شارع نے لغات سے ہٹ کر کسی لفظ کی کوئی اور تشریح کی ہے تو اس کے مطابق ہونا چاہیئے، مثلاً "صلوٰۃ" کے معنی عربی زبان میں مطلق دعا کے ہیں، لیکن شارع نے اس کو دعا کی ایک خاص شکل کے ساتھ مخصوص کر دیا یا "زکوٰۃ" کے معنی مطلق طہارت اور پاکی کے ہیں، لیکن اسلامی اصطلاح میں اس مال کو کہتے ہیں جو ایک مقررہ مقدار میں جمع شدہ مال کی پاکی کے لئے ایک مقررہ مقدار میں خدا کی راہ میں نکالا جائے یا "جہاد" کے معنی مطلق محنت اور کوشش کے ہیں، لیکن شارع نے اس کو اس محنت اور کوشش کے ساتھ خاص کر دیا ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کی جائے، خواہ وہ جانی ہو یا مالی یا جسمانی مشقت کے ذریعہ سے، اس قسم کی اور دوسری اصطلاحوں میں شارع کی تشریح کی پابندی ضروری ہوا

اس کے علاوہ ہر صورت میں کلام عرب کی سند ہونی چاہیئے، قرآنی الفاظ کے کوئی ایسے معنی مراد نہیں لئے جا سکتے جن معنوں میں وہ کلام عرب میں مستعمل نہ ہو کہ ہر زبان کا محول

نہیں معلوم ہو سکتے، ان کے لئے لامحالہ دوسری چیزوں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، پھر قرآن کی قرآن سے تفسیر کے لئے بھی کچھ علم و نظر درکار ہے؟ ایک شخص جو قرآن ہی نہیں سمجھتا وہ اس کی تفسیر قرآن سے کیسے کر سکتا ہے، اس کے علاوہ جو شخص سرے سے لغات کی صحت ہی کا منکر ہے اس کے لئے قرآن بھی اپنی آیات کا مفسر نہیں رہ سکتا،

بہرحال ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر تفسیر قرآن کا ایسا نصاب ہونا چاہئے جس کی روشنی میں فاحش اغلاط کے امکانات کم ہو جائیں،

علماء اور مفسرین نے تو تفسیر قرآن کے بہت شرائط لکھے ہیں اور اس کے لئے بیسیوں علوم کی ضرورت بتائی ہے لیکن ان میں ہمارے نزدیک بہت سے علوم غیر ضروری ہیں جو صنعت تفسیر میں تو کام آسکتے ہیں لیکن نفس فہم قرآن کے لئے ان کی ضرورت نہیں، اسلئے ہم صرف ان علوم اور اصول و شرائط کو پیش کرینگے جو فہم قرآن کے لئے ناگزیر ہیں، نہ صرف مذہبی نقطۂ نظر سے بلکہ علمی اور عقلی حیثیت سے بھی،

۱- **زبان یا لغت،** دنیا کی ہر زبان پر عبور کے لئے سب سے مقدم اس زبان کے لغات کا علم ہے، خصوصاً غیر اہل زبان کسی اجنبی زبان کو بغیر اس کے لغات کے علم کے سمجھ ہی نہیں سکتا، اور اہل زبان کو بھی عبور حاصل نہیں ہو سکتا، پھر اس علم کے مدارج ہیں، کسی زبان کے لغات پر جس قدر نظر وسیع ہوگی اور اس کے مزاج کا جس قدر علم اور ذوق ہوگا، اسی قدر اس زبان کے اسرار سے واقفیت ہوگی اور اس پر عبور حاصل ہوگا،

قرآن بھی ایک انسانی زبان عربی میں ہے اس لئے اس کے سمجھنے کے لئے بھی اس کے لغات کا علم ضروری ہے، قرآن عربی میں ہے،

إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (زخرف) بیشک ہم نے اسکو عربی قرآن بنایا تاکہ تم لوگ سمجھو،

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے "ثیابک فطھر" کے معنی پوچھے آپ نے فرمایا کہ "دھوکے کے کپڑے نہ پہنو" اور غیلان ثقفی کا یہ شعر پیش کیا،

فانی بحمد اللہ لا ثوب غادرٍ　　لبست ولا من سؤۃٍ اتقنّع

اسی طرح ایک مرتبہ کسی نے "فَاِذَا ھُمْ بِالسَّاھِرَۃِ" کے معنی پوچھے فرمایا "زمین" اور سند میں امیہ بن ابی الصلت کا یہ شعر پیش کیا،

وفیھا لحم ساھرۃٍ وبحرٍ　　وما فاھوا بہ لھم مقیم

ایک مرتبہ کسی نے "لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ" میں "سنۃ" کے معنی پوچھے فرمایا "اونگھ" اور سند میں زہیر بن ابی سلمی کا یہ شعر پیش کیا،

لا سِنَۃَ فی طوالِ اللیلِ تاخذہٗ　　ولا ینام و لا فی امرہ ۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۱ و ۲۲)

تابعین اور تبع تابعین کا بھی یہی طریقہ تھا، مشہور مفسر تابعی مجاہد بن جبیر جو ابن عباسؓ کے ارشد تلامذہ میں تھے، فرماتے تھے،

لا یحل لاحدٍ یومن باللہ والیوم الاخرۃ ان یتکلم فی کتاب اللہ اذا لم یکن عالماً بلغات العرب (اتقان سیوطی)

جو شخص خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ لغات عرب کے علم کے بغیر کتاب اللہ کے بارہ میں گفتگو کرے،

امام مالک فرماتے تھے،

لا اوتی برجل غیر عالم بلغات العرب تفسیر کتاب اللہ الا جعلتہ نکالاً (ایضاً)

جو غیر عالم لغت کتاب اللہ کی تفسیر کرتا ہو اسکو خدا اس کے لئے وبال بنا دیتا ہو،

یہی ہے، اگر کلام عرب کی قید توڑ دی جائے گی تو ہر شخص آزاد ہو جائیگا، اپنے اغراض کے مطا
جس لفظ کے جو معنی چاہے مراد لے، اور کوئی ایک دوسرے پر اعتراض نہیں کر سکتا کیا
صرف اپنی تحقیق کی صحت پر اصرار کر سکتا ہے کہ جب کوئی شرط اور قید باقی نہ رہ گئی تو ہ
اپنی فہم یا اپنے اغراض کے مطابق تاویل کرنے کا مجاز ہے، ایسی صورت میں کلام اللہ کا
ہوگا وہ ظاہر ہے،

اسی شے کو روکنے کے لئے عہد خلفاء اور عہد صحابہ میں لغات عرب کا علم ضروری قرا
گیا، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں حکم دے دیا تھا

ان لا یقرئ الناس الا عالم باللغۃ (کنز العمال) صرف عالم لغت لوگوں کو قرآن پڑھائے

آپ فہم قرآن کے لئے کلام عرب کا علم ضروری سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو اس کے حفظ کا حکم

ایّھا الناس علیکم بدیوانکم لا	لوگو! اپنے دیوان کی حفاظت کرو تاکہ گمراہ نہ
تضلوا قالوا وما دیواننا قال شعر	لوگوں نے پوچھا ہمارے دیوان کیا ہیں، فرمایا جاہلیہ
الجاھلیۃ فیہ تفسیر کتابکم، (تفسیر کبیر)	کے شعر اس میں تمھاری کتاب (قرآن) کی تفسیر

ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے تھے،

اذا خفی علیکم من القرآن فابتغوہ	جب قرآن کی کوئی چیز تمھاری سمجھ میں نہ آ۔
فی الشعر فانہ دیوان العرب (تفسیر کبیر)	تو اس کو شعر میں تلاش کرو کہ وہ عرب کا دیوا

ائمۂ اسلام کے اور بہت سے اقوال ہیں،

حضرت ابن عباسؓ قرآن کے الفاظ کی تشریح میں کلام عرب سے سند پیش کرتے تھے
ابن جبیر اور یوسف بن مہران کا بیان ہے کہ ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ ابن عباسؓ
جب قرآن کی کوئی چیز پوچھی جاتی تھی تو پہلے اس کو بتاتے پھر کہتے تم نے سنا نہیں شاعر یہ

نہ عبارت صحیح پڑھی جا سکتی ہے اور نہ معنی سمجھے جا سکتے ہیں، اور ترکیب و اعراب کی صحت بغیر صرف نحو پر عبور کے نہیں ہو سکتی، اعراب کے ذرا تغیر و تبدل سے معنی بدل جاتے ہیں، اس لئے قرآن کے اعراب کی صحت کی سخت تاکید ہے، اس تاکید کی حدیثیں بھی مفسرین نے نقل کی ہیں اور صحابہ اور تابعین کے اقوال تو بکثرت ہیں، حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ فرماتے تھے

اعراب القرآن احب الینا عن حفظ حروفه، — قرآن کے اعراب کی صحت ہمارے لئے اس کے حروف کے یاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے،

حضرت عمرؓ اعراب کی تصحیح کی ترغیب کے لئے فرماتے تھے،

من قراء القرآن فاعربه کان له عند اللّٰه اجر شهید، — جس نے اعراب کی صحت کے ساتھ (پڑھا) اس کو خدا کے یہاں شہید کا اجر (ملے گا)

حضرت عبداللہ بن عمر، مکحول، حسن بصری، شعبہ اور حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہم ــــ ... قسم کے اقوال منقول ہیں، (دیکھو الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۰)

ابن عطیہ کا قول ہے کہ اعراب اصل شریعت ہے کہ اسی پر اس کے معنی کی درستی کا مدار ہے اور معنی کی درستی ہی شریعت ہے (ایضاً)

اسی لئے حضرت عمرؓ نے عام حکم دیدیا تھا،

تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظه، (کنز العمال) — جس طریقہ سے قرآن کے حفظ کی تعلیم حاصل کرتے ہو اسی طریقہ سے اسکے اعراب کی تعلیم حاصل کرو،

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اعراب کی تصحیح کے لئے سب سے پہلے آپ ہی نے ابوالاسود دوئلی کو نحو کی تدوین کا حکم دیا تھا،

فامر ابا الاسود فوضع النحو (کنز العمال ج ۱ ص ۲۲۸) — ابوالاسود کو حکم دیا انھوں نے نحو کے قواعد وضع کئے،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نامور غلام اور جلیل القدر تابعی عکرمہ بھی جنہیں حضرت عباسؓ نے بڑے اہتمام سے تفسیر کی تعلیم دی تھی اپنے آقا اور استاد کے طریقہ پر قرآن میں کلام عرب سے استشہاد کرتے تھے، ایک شخص نے ان سے "ذَوَاتَا اَفْنَان" کے معنی انھوں نے "سایہ اور شاخ والے" بتایا اور سند میں یہ اشعار پیش کئے!

ماهاج شوقك من هديل حمامة تدعو على فنن الغصون حماما
تدعوا يا فرخين صادف طائرا ذا مخلبين من الصقور قطاما

اس طریقہ سے "زنیم" کے معنی کی سند میں جس کے معنی "ولد الزنا" اور "فاحش ولئیم" یہ اشعار پیش کئے،

زنيمٌ ليس يعرف من ابوه بغى الأمِّ ذو حسبٍ لئيم
زنيمٌ تداعاه الرجال زيادةً كما زيد فى عرض الاديم اكارع

تفسیر کی بڑی بڑی کتابوں میں لغات قرآن کے معنی کی تشریح میں کلام عرب سے شواہد ہیں،

ابو عبد اللہ انصاری قرطبی لکھتے ہیں کہ اصحاب رسول اور تابعین رضوان اللہ علیہم قرآن کے غریب اور مشکل لغات میں کلام عرب سے احتجاج کرتے تھے، (الجامع لاحکام ج ۱ ص ۲۰)

(۲) نحو لغت کے بعد لیکن اہمیت میں اسی کے برابر کسی زبان کے سمجھنے کے۔ زبان کے قواعد ہیں، جسے عربی میں صرف و نحو کہتے ہیں، کسی زبان کو بغیر اس کے قو علم کے نہیں سمجھا سکتا، اور عربی زبان کو اس باب میں اور بھی خصوصیت حاصل ہے، اس کا دار مدار تمام تر اس کی ترکیبوں کے سمجھنے اور ان کے اعراب کی صحت پر ہے، بغیر

کلام اللہ میں معنیٰ، بیان اور بدیع کے اعلیٰ ترین نمونے موجود ہیں اور وہ فصل وصل، اطناب، تشبیہ، تمثیل، استعارہ، کنایہ، حقیقت، مجاز، حذف، تقدیم، تاخیر، استفہام کے جملہ اقسام نفی اثبات اختصاص وغیرہ معنیٰ، بیان اور بدیع کے تمام اصناف سے معمور ہے اور پھر اس کا اثر الفاظ ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ معنی پر بھی پڑتا ہے جس پر اوامر و نواہی کا دار و مدار ہے، بہت سے مواقع پر الفاظ و معنی کی نزاکتوں اور نکتوں کو سمجھے ہوئے بغیر کلام اللہ کا مقصود سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے خصوصاً محذوفات قرآنی پر جس کی نظر نہ ہو اس کیلئے قدم قدم پر لغزش کا امکان ہے، اس لئے بغیر معنیٰ، بیان اور بدیع کے علم کے ہم مقصود قرآنی سے واقف نہیں ہو سکتے،

مفسرین اور علماء بدیع نے کلام اللہ کے اس پہلو پر تفصیلی بحثیں کی ہیں اور کلام بکثرت اس کی مثالیں پیش کی ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے الفوز الکبیر میں بھی بعض پر نہایت مفید بحثیں کی ہیں، لیکن ہمارا مقصود صرف اس پہلو کی جانب اشارہ کرنا ہے اس لئے اس کی تفصیلات قلم انداز کرتے ہیں، ابن جریر نے فہم قرآن کے لئے صرف نحو اور معنی بیان کے علم کی ضرورت پر کلام اللہ سے نہایت لطیف استدلال کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"خدا نے اپنے بندوں کو مختلف آیتوں میں قرآن کے امثال، مواعظ اور حکم پر غور و فکر کرنے اور ان سے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے، مثلاً"

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ	ہم نے تمہاری طرف مبارک کتاب اتاری
لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ	تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور
أُولُو الْأَلْبَابِ ،	عقل والے نصیحت حاصل کریں،
لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ	ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی
مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ، (روم)	مثالیں دی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں،

لیکن صحیح یہ ہے کہ ابوالاسود نے حضرت عمرؓ کے حکم سے نہیں بلکہ حضرت علیؓ کے حکم سے اور آپ سے سیکھ کر نحو کے قواعد وضع کئے تھے (تفصیل کے لئے دیکھو فہرست ابن ندیم)

بہرحال حکم سے بحث نہیں جس نے بھی دیا ہو، مقصود صرف یہ ہے کہ قرآن کے اعراب کی تصحیح کے لئے عہد صحابہ ہی میں نحو وضع کی گئی تھی،

۳۔ تیسری چیز معنی، بیان اور بدیع ہے، ان تینوں میں فرق ہے، لیکن سب کا تعلق کلام کے محاسن اور خوبیوں سے ہے اس لئے آسانی کے خیال سے ہم نے تینوں کو ایک ساتھ لکھدیا، ہر ترقی یافتہ زبان میں دو طرح کے قواعد ہوتے ہیں، ایک عبارت، ترکیب اور کلام کے دروبست کی صحت کے لئے، دوسرے اس عبارت میں لفظی و معنوی محاسن اور صنعتیں پیدا کرنے کے لئے یا ان کے جانچنے کے لئے، اس کا تعلق کلام کی فصاحت و بلاغت سے ہے، اسے عربی میں معنی، بیان اور بدیع کہتے ہیں، ممکن ہے بعض زبانوں میں سب کام ایک ہی قواعد سے لئے جاتے ہوں، فصاحت و بلاغت یا معنی، بیان اور بدیع کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مطلب کو ایک معمولی پڑھا لکھا بھی سادہ اور معمولی طریقہ سے ادا کر دیتا ہے، لیکن ایک اعلیٰ درجہ کا انشا پرداز اس میں اپنی بلاغت، قدرتِ تحریر اور حسنِ مذاق سے وہ سحر بھر دیتا ہے کہ سننے والا اس کے لفظی اور معنوی محاسن پر سر دھننے لگتا ہے، یہی چیز بلیغ کلام کی جان ہے،

کلام اللہ اس بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، اس کی بلاغت اس کا معجزہ ہے، اس نے فصحاے عرب کو اپنا مثل بنانے کی تحدی کی، لیکن وہ اپنی اسلام دشمنی اور ساحرانہ قوتِ کلام کے باوجود ایک آیت بھی اس کے جواب میں نہ پیش کر سکے، اور کوشش کے باوجود عاجز و درماندہ رہے، ایسے معجزانہ کلام کی لفظی و معنوی نزاکتوں کے سمجھنے کے لئے معنی، بیان اور بدیع ضروری ہے،

اسلام کی کسی جہت کو ہم بغیر حدیث کی مدد کے اچھی طرح سمجھ ہی نہیں سکتے، حتی کہ اسلام کے ارکان صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ و حج کی شکل اور اس کے مسائل سے بھی واقف نہیں ہو سکتے، جو لوگ حدیث کے منکر ہیں یا اسے لائق استناد نہیں سمجھتے ان کیلئے بھی بغیر اس کی مدد کے چارہ نہیں ہے، اگر ان سے پوچھا جائے کہ نماز کی موجودہ شکل، اس کے مسائل، زکوٰۃ کی مقدار اور اس کے اجناس کی تعیین، حج کے مناسک کی تفصیل قرآن میں کہاں ہے تو ان کو بھی حدیث ہی کے دامن میں پناہ لینی پڑے گی، زیادہ سے زیادہ یہ لایعنی جواب دینگے کہ امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے، لیکن ان سے کوئی پوچھے کہ اگر وہ عملی تواتر ہے، تو یہ "علمی تواتر" اور عمل، علم ہی سے تو ماخوذ ہے رسول اللہ صلعم پہلے زبان سے تعلیم دیتے تھے پھر اس پر عمل کرکے دکھاتے تھے، وہی اور تبع تابعین اور ائمہ اسلام جو ایک کام کو نسلاً بعد نسل کرتے چلے آئے، وہی کو اسی تواتر کے ساتھ زبان سے کہتے چلے آئے، دونوں میں فرق کیا ہوا کہ ایک قا... ٹھہرا اور دوسرا ناقابلِ استناد، جبکہ عمل اور قول میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ جو کچھ زبان سے کہا اسی کے مطابق عمل کیا،

پھر جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں، اسلام کی ابتدائی تاریخ کہاں سے مرتب ہوئی، قرآن میں تو عہد رسالت کے واقعات کے اشارات ہیں یا کہیں کہیں اجمالی بیان ہے، پھر یہ امت کی ابتدائی تاریخ کہاں سے وجود میں آئی، حدیث اور صرف حدیث سے اور اس پر اتنا ہی یقین ہے جتنا فرائض اور واجبات پر، اس کے معنی یہ ہوے کہ بخاری مسلم اور دوسری حدیث کی کتابوں کے وہ ابواب جن کا تعلق سیرت نبویؐ سے ہے وہ تو معتبر اور جن کا تعلق اسلامی مسائل سے ہے غیر معتبر، آخر کس اصول پر جبکہ دونوں کا معیار صدق ایک ہی ہے اور دونوں کی روایتیں ایک ہی شرائط کے مطابق ہیں،

"اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی تاویل کا اس طرح جاننا ضروری ہے کہ کسی آیت کے معنی اور اس کا مفہوم مخفی نہ رہے، اس لئے کہ خدا نے قرآن کے مواعظ و حکم اور امثال پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے اور جو شخص پہلے سے ایک چیز کو اچھی طرح نہیں سمجھتا اور اس کی تاویلات کو نہیں جانتا، اس کو اس چیز پر غور و فکر کرنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے کا حکم دینے کے معنی یہ ہیں کہ اسے ایسی چیز پر غور و فکر کرنے کا حکم دیا جاتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا اور نہیں سمجھتا اور اس قسم کا حکم عقلاً محال ہے۔ یہ حکم اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب پہلے سے مخاطب اس کو سمجھتا ہو، اس کے بعد وہ اس کے مواعظ و حکم اور امثال پر غور و فکر کر سکے گا، کسی شے کے معنی سمجھنے سے پہلے اس پر غور و فکر کا حکم دینا ایک بے معنی سی بات ہے یہ تو ایسا ہی ہوگا کہ کسی ایسی قوم کو جو عربی زبان (کلام) سے ناواقف ہے یہ کہا جائے کہ وہ کسی عرب شاعر کے پُر موعظت و حکمت قصیدہ پڑھ کر اس کے امثال پر غور و فکر اور اس کے مواعظ کو دلنشین کریں، کسی کلام کے معنی سمجھنے سے پہلے اس کے امثال پر غور و فکر کا حکم دینا محال عقلی ہے، ایسا حکم جانور اور انسان دونوں کو دینا برابر ہے اس قسم کا حکم تو منطق اور معنی و بیان سے واقفیت کے بعد ہی دیا جا سکتا ہے، یہی حال قرآن مجید کی آیات سے عبرت آموزی اور اس کے امثال و مواعظ پر غور و فکر کرنے کے حکم کا ہے۔ (ابن جریر ج اول)

۴۔ چوتھی شے اور سب سے اہم احادیث نبویؐ اور تاریخ قرآن کا علم ہے، اس کی اہمیت ضرورت اور درجۂ استناد پر اوپر تفصیلی بحث کی جا چکی ہے، اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، صرف ان کے بعض پہلو پیش کئے جاتے ہیں،

حدیث کی اہمیت اس قدر عیاں ہے کہ اس پر کسی دلیل اور برہان کی ضرورت نہیں،

۶- نزولِ قرآن کی تاریخ کا علم: اس میں عرب جاہلی کے حالات، عہدِ رسالت کے
قعات، یہود و نصاریٰ اور ملت ابراہیمی کے پیرووں کی اجمالی تاریخ سب شامل ہے،
لئے کہ قرآن کے اوامر و نواہی اور تاریخی واقعات کا تعلق انہی سے ہے، قرآن نے عرب
لی کے عقائد و رسوم کی اصلاح کی، ان کے سامنے ایک نیا قانون اور ایک نئی شریعت
ں کی، منافقین، مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں کی پردہ دری کی، ان کے ساتھ اختلاف
ر لڑائیاں پیش آئیں، جب تک ان سب واقعات کا علم نہ ہوگا کہ نزولِ قرآن کے وقت
ت ابراہیمی کے پیرووں اور یہود و نصاریٰ کی مذہبی اور اخلاقی حالت کیا تھی، قرآن عرب کے
ا حالات میں نازل ہوا، اس نے گذشتہ عقائد و رسوم میں کیا اصلاحیں کیں، اس کے
رتب ہوئے، دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں کیا کیا واقعات پیش آئے، اس وقت
ہات اور اس کے احکام کے اسباب و مصالح اور اس کی غرض و غایت اور
مارات سمجھ میں نہیں آسکتے،

قرآن میں بہت سے قدیم انبیاء و رسلؑ اور قدیم اقوام اور ان کے آثار کا ذکر ہے، ان کا
الی علم بھی تفسیر کے لئے مفید ہے، بعض مفسرین نے علم کلام کو خاص اہمیت دی ہے لیکن
ارے نزدیک نفس فہم قرآن کے لئے یہ بالکل غیر ضروری ہے، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین
نی اللہ عنہم نے بغیر عقلی موشگافیوں کے قرآن کو سمجھا اور ہم سے بہتر سمجھا، اس لئے ہمیں بھی
ں میں پڑنے کی ضرورت نہیں، جن علماء نے اس حیثیت سے قرآن پر نظر ڈالی ہے، ان کے
ن نیت میں شبہ نہیں، خدا ان کو ان کی نیت کا صلہ دے، انھوں نے اپنے زمانہ کے
وق کے مطابق بعض پہلوؤں سے قرآن کی خدمت بھی کی، لیکن اس سے فائدہ سے زیادہ
نقصان پہنچا، اشاعرہ، معتزلہ اور دوسرے متکلم فرقوں کی موشگافیوں بلکہ ذہنی خیال آرائیوں

اس موقع پر سیرت کی کتابوں کو پیش نہ کیا جائے کہ وہ بیشتر احادیث ہی کی روایات سے مرتب کی گئی ہیں یا حدیث ہی کی طرح معنعن روایات سے لیکن ان میں احادیث کی روایات کے جیسا صحت کا اہتمام نہیں ہے اسلئے انکا درجہ کتب حدیث سے کہیں پست ہے اس لئے وہ اور بھی زیادہ ناقابل اعتبار ہونگی، اس لئے یا تو حدیثوں کی صحت و استناد کا اقرار کیا جائے یا نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو غیر تاریخی شخص تسلیم کیا جائے جس کے صحیح اور مستند حالات کا ہم کو علم نہیں لیکن منکرین حدیث بھی ایسا نہیں کر سکتے اس لئے حدیث کے بغیر ان کے لئے بھی چارہ کار نہیں ہے گو وہ بعض مسائل میں اپنی من مانی تاویل کے لئے اس کو غیر معتبر سمجھیں،

۵۔ اصول فقہ۔ پانچویں چیز اصول فقہ کا علم ہے، قرآن ایک قانونی کتاب ہے بلکہ پہلے وہ اسلامی قانون ہے اس کے بعد اور کچھ ہے، دنیا کے ہر ترقی یافتہ قانون کے کچھ اصول بھی ہوتے ہیں جن پر اس قانون کی بنیاد ہوتی ہے، اور جن کے علم کے بغیر نہ اس قانون کی حیثیت منقح ہوتی ہے اور نہ اس کا حقیقی منشا سمجھا جا سکتا ہے، اور نہ اس میں مہارت ہو سکتی ہے، اس اصول سے قرآن قانون ہے اور اصول فقہ اصول قانون ظاہر ہے کہ عام انسانی کلام کی طرح قرآن کے الفاظ عام بھی ہیں خاص بھی، مطلق بھی ہیں مقید بھی، مفرد بھی ہیں مشترک بھی مؤل بھی ہیں حقیقت بھی ہیں مجاز بھی، صریح بھی ہیں کنایہ بھی، خفی بھی ہیں مشکل بھی، متشابہ بھی ہیں غریب بھی، امر بھی ہیں نہی بھی اور پھر ان سب کی مختلف قسمیں ہیں پھر ان کے ترکیبی رد و بدل اور صلات کے تغیر سے ان کے معنی کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں، اگر اصولی حیثیت سے ان الفاظ سے احکام کے استنباط اور ان کے مدارج کی تعیین کا کوئی اصول و قانون نہ ہوگا تو قرآن سے حلال و حرام، فرض و واجب، مستحب اور مباح وغیرہ اوامر و نواہی کا استنباط ہی نہیں ہو سکتا، اس لئے اصول و فقہ کا علم فہم قرآن کا ایک اہم رکن ہے اور اسی پر اوامر و نواہی کا دارومدار ہے

فضائل قرآن، عدد آیات، ناسخ و منسوخ، نزول القرآن، احکام،

ابن ندیم کے بعد ان علوم میں برابر اضافہ ہوتا رہا چنانچہ کشف الظنون اور مفتاح السعادۃ وغیرہ میں یہ فہرست اور زیادہ طویل ہے، گو ان میں قرآن سے متعلق ضمنی اور جزوی بحثوں کو بھی مستقل فن شمار کر لیا گیا ہے، اس لئے یہ فہرست اور زیادہ طویل ہو گئی ہے بہرحال وہ فہرست یہ ہے، صرف، نحو، لغت، معنی، بیان، بدیع کے جملہ اقسام، قرأت مع جملہ فروع، مشہور قراء، تفسیر، مفسر صحابہ، تفسیر کے مختلف جہات اور پہلو، تفسیر کے شرائط، اس کے منہیات، کلام، اصول فقہ، علل القرأت، آداب کتابت مصحف، تفسیر کے فروع، آیات کی تعیین، مکی، مدنی، حضری، سفری، نہاری، لیلی، صیفی، شتائی، فراشی، نومی، ارضی، سماوی، شان نزول، مکرر نزول کی آیات جن کا حکم ان کے نزول سے موخر ہے، وہ آیات جن کا نزول ان کے حکم سے مقدم، احکام جو آنحضرت صلعم کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ احکام جو دوسرے انبیاء اور رسل پر، نزول قرآن کی کیفیت، قرآن اور اس کی سورتوں کے نام، ان کی جمع و ترتیب، اسکی سورتوں، آیات، کلمات اور حروف کی تعداد، آداب تلاوت قرآن، غریب القرآن، قرآن کے وہ الفاظ جو لغتِ حجاز کے خلاف ہیں، دوسری زبانوں کے الفاظ، وجوہ و نظائر، اعراب، ناسخ و منسوخ، مشکلات قرآن جن میں بظاہر اختلاف و تناقض کا گمان ہوتا ہے، سورتوں اور آیات کے فواتح اور خواتم، سورتوں اور آیات میں مناسبت معنوی، آیات متشابہات، امثال قرآن، اقسام قرآن، قرآن کے تاریخی واقعات، انبیاء اور رسل کے حالات وغیرہ،

ظاہر ہے کہ ان میں سے بیشتر علوم کمال فن کے لئے کارآمد ہوں تو ہوں ورنہ نفس فہم قرآن اور اس کی تفسیر کے لئے صرف چند علوم کافی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ کلام اللہ ایک بحر ناپیدا کنار ہے، جس کے عجائبات و اسرار کی کوئی انتہا نہیں، اور علوم ضروری بمنزلہ آلات عبور کے ہیں،

نے اسلام کے صاف اور سادہ عقائد میں سیکڑوں گتھیاں پیدا کر دیں، جن لوگوں کو اس قسم کے مباحث کا ذوق ہو ان کے لئے یہ ذہنی تفریح کا سامان تو ہے لیکن اس سے نہ فہم قرآن میں مدد ملتی ہے اور نہ وہ اس زمانہ کے لئے مفید ہے، البتہ جدید رجحانات کا لحاظ کرتے ہوئے کلام اللہ کی تفسیر میں نئے علم کلام کا لحاظ رکھنا مفید بلکہ ایک حد تک ضروری ہے،

قرآن کے ساتھ علمائے اسلام کا اعتنا اور دوسرے علوم قرآنی

ان علوم کے علاوہ مفسرین نے اور بہت سے علوم گنائے ہیں، اور علمائے اسلام نے سیکڑوں پہلوؤں سے قرآن پر نظر ڈالی ہے کہ اس کا کوئی پہلو تشنہ باقی نہ رہ جائے، اس ذوق اور تحقیق نے بیشمار علوم پیدا کر دیئے، ان میں سے چند کے سوا جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور باقی فہم قرآن کے لئے ضروری نہیں ہیں، البتہ مہارت فن کے لئے کارآمد ہو سکتے ہیں، اگرچہ یہ علوم غیر ضروری ہیں لیکن ہم اس لئے ان کا ذکر کئے دیتے ہیں کہ یہ اندازہ ہو جائے کہ ہمارے اسلاف نے قرآن کے ساتھ کتنا اعتنا کیا اور اس پر اتنا عظیم الشان ذخیرہ چھوڑ گئے کہ مذاہب عالم کی تاریخ میں اسکی مثال نہیں مل سکتی ہیں

امام شافعیؒ نے ان علوم کی تعداد ترسٹھ (۶۳) بتائی ہے، بعض علما اسی بتاتے ہیں جن میں کتا تالیف ہو چکی ہیں، بعض کے نزدیک یہ تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے (مفتاح السعادۃ) بہر حال مبالغہ کو حذف کرنے کے بعد بھی ان کی تعداد کافی رہ جاتی ہے، ابن ندیم نے فہرست میں جو علوم گنائے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں قرآنی تحقیق پر کتنا سرمایہ جمع ہو چکا تھا، ان کے شمار کردہ علوم کی فہرست حسب ذیل ہے،

قرأت، تفسیر، قرآن کے معنی اور اس کے مشکل و مجاز، غریب القرآن، لغات القرآن، نقطہ اور شکل، لامات قرآن، قرآن کے اوقاف و ابتدا، اختلاف مصاحف، وقف تام، قرآن کے متحد اللفظ اور مختلف المعنی الفاظ، متشابہات قرآن، ہجا، قرآن کے مقطوع و موصول اجزا،

مولنا کاتبی نیشاپوری

از مولینا عبد السلام ندوی

(۲)

شاعری

مولنا کاتبی شاعری مین ایک خاص رنگ کے موجد یا کم از کم اوسکے نمایان کرنے والے ہین، اور اہل فن نے ان کی اس جدت طرازی کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے، چنانچہ جامی بہارستان مین لکھتے ہین،

وی را معانی خاص بسیار است در اداے آن معنی نیز اسلوب خاص دارد"[1]

مولنا کاتبی کو خود اپنی اس جدت طرازی پر ناز ہے، اور جا بجا فخریہ اس کا اظہار کرتے ہین،

کاتبی خوش نیست جز با معنی رنگین خاص زانکہ بلبل دوست میدارد گل ناخندیدرا

شاعر نباشد آنکہ ہنگام بیت گفتن زاشعار دستا دان آرد خیال درہم،

ہر خانہ کہ اورا از خشت کہنہ سازند مانند خانہ نو نبود بناش محکم

لیکن اس جدت طرازی کے ساتھ ان مین ایک عیب بھی ہے، اور مولینا جامی نے نہایت واضح الفاظ مین اس کی پردہ دری کی ہے، چنانچہ مسٹر براؤن اپنی ہسٹری مین لکھتے ہین کہ

"جامی بہارستان مین کہتے ہین کہ وہ اچھوتے خیالات کو اچھوتے انداز مین فرو رادا

---

[1] بحوالہ تذکرہ مخزن الغرائب ذکر مولینا کاتبی نیشاپوری،

اور مغفر کشتیبان، اس لئے سلامتی اسی میں ہے کہ ضروری آلات کی مدد سے اس کو عبور کیا جائے کہ اس کی قلت اور کثرت دونوں میں ہلاکت ہے،

ایک قابل لحاظ نکتہ۔ قرآن کی تفسیر و تاویل میں ایک خاص نکتہ قابل لحاظ ہے بلکہ یہی تفسیر کے دائرہ کا مرکز ہونا چاہئے، اس کو پیش نظر رکھنے سے ہم بڑی حد تک قرآن کی غلط تفسیر و تاویل سے بچ سکتے ہیں

دنیا کے ہر قانون، ہر مذہب، ہر تعلیم اور ہر نظام کی طرح اسلام کا ایک خاص نظام ہے، اس کے اجزاء میں خاص ترتیب و تناسب اور اس کی تعلیمات میں ایک خاص روح ہے، جو اس کے تمام اجزاء میں ساری ہے، اسے دلائل سے سمجھانا مشکل اور تفصیل طلب ہے، اس لئے کہ یہ ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے، جسے اسلامی تعلیمات کا رمز شناس آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، اسے موٹی سی مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ہر صاحب طرز شاعر کے کلام میں خیالات اور طرز ادا کے اعتبار سے ایک خاص رنگ ہوتا ہے اور ہر صاحب تعلیم معلم اور مصنف کے خیالات میں ایک روح ہوتی ہے جو ان کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے، اگر ان کے کلام اور تصنیف سے ذوق اور دلچسپی رکھنے والے شخص کے سامنے کسی دوسرے شاعر یا مصنف کا کلام یا اس کے خیالات غلط منسوب کرکے پیش کیجئے تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ یہ اس شخص کا کلام اور اس کے خیالات نہیں ہو سکتے، اسی طرح اسلامی تعلیمات کا ذوق شناس اس سے الگ چیز کو فوراً پہچان لے گا، اس کے پرکھنے کا معیار صرف ذوق و بصیرت ہے، اگر قرآن کی تفسیر و تاویل میں اس روح کا لحاظ رکھا جائے تو غلطی کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے، اسی طریقہ سے اس کے سارے نظام میں ایک خاص ترتیب و تناسب ہے اور اس کے اجزاء باہم اتنے مربوط اور پیوستہ ہیں کہ کسی جزو کو علحدہ کرنے سے اسکا اثر سارے نظام پر پڑیگا، اس لئے قرآن اور اسلامی تعلیمات کی تفسیر میں اس کی روح اور پورے نظام کی ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے،

(باقی)

جوان دونون صدیون کے بعد ۹۰۰ھ میں یا اس کے بعد پیدا ہوئے، یہ متاخرین شعراے ایران کا دور ہے جس کی بنیاد فغانی نے ڈالی جس کا انتقال ۹۲۵ھ مین ہوا، اوس کے بعد نظیری اور عرفی وغیرہ نے فغانی کی تمام خصوصیات کو اور بھی زیادہ نمایان کیا چنانچہ والہ داغستانی فغانی کے متعلق لکھتے ہین:-

"بابا سے مغفور مجتہد فن تازہ ایست کہ پیش از وے احدے بآن روش شعر نگفتہ و پایۂ سخنوری را بجائے رسانید۔ کہ عنقاے اندیشہ پیرامون اونمی تواند رسید، اکثر اوستادان زمان مولینا وحشی یزدی و مولینا نظیری نیشاپوری و مولینا ضمیری اصفہانی وخواجہ حسین ثنائی و مولنا عرفی شیرازی، وحکیم شفائی اصفہانی وحکیم مسیحا رکناے کاشی، و مولنا محتشم وغیرہم تتبع و مقلد وشاگرد وخوشہ چین خرمن وطرز روش اویند"[1]

لیکن فغانی سے پہلے اور سلمان ساوجی اور خواجہ حافظ کے بعد آٹھوین صدی (جو ۷۰۰ھ میں پیدا ہوا اور ۷۷۰ھ میں وفات پائی) کے زمانہ مین فارسی شاعری کا ایک دور قائم ہوا، جو لکھنؤ کے دور آخر کی اردو شاعری سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا تھا، کیونکہ اس دور کے شعرا نے زیادہ تر اپنی شاعری کا دارومدار لفظی صنائع وبدائع پر رکھا تھا، چنانچہ مسٹر براؤن نے اپنی ہسٹری میں اس دور کی دو شاعرانہ خصوصیتین بتائی ہین،

۱۔ لفظی صنائع وبدائع کی پابندی،

۲۔ اشعار مین معما اور چیستان کا لکھنا،

اور دولت شاہ سمرقندی کے تذکرہ سے بھی قدم قدم پر اسکی تائید ہوتی ہے، مثلاً وہ مولنا شرف الدین رامی (جو آٹھوین صدی کے شاعر تھے) کے حال میں لکھتا ہے،:-

---

[1] ریاض الشعرا، بحوالہ شعر العجم حصہ سوم صفحہ ۲۰

کرتے ہین لیکن ان کے اشعار مین توازن اور ہم آہنگی قائم نہین رہتی، بلکہ شترگربگی پائی جاتی ہے"؛

مولنا کاتبی کے کلام کی نسبت یہی راے ان کے معاصرین کی بھی ہے، چنانچہ مولنا کاتبی نے ایک قصیدہ لکھا تھا، جس کے ہر مصرع میں شتر اور حجرہ کا لفظ التزاماً لائے تھے، اور یہ قصیدہ اس زمانہ مین نہایت مقبول ہوا تھا، چنانچہ تذکرہ مخزن الغرائب مین ہی،

"و شتر حجرہ او بین الفضلا مشہور است کہ در ہر مصرع شتر و حجرہ لازم گرفتہ"

لیکن ایک بار چند شعراء و فضلاء نے اس قصیدہ کی تعریف کی تو امیر امین تز لابادی نے جو شاعری میں مولنا کاتبی کے حریف اور مدمقابل تھے، فی البدیہہ ایک قطعہ مین اس پر یہی نکتہ چینی کی،

اگر کاتبی در سخن گُہ گہے   بلغزد بر دوق نگیرد کسے،

شتر حجرہ را گر نکو گفتہ لیک   شترگربہا نیز دارد بسے[1]

لیکن مولنا کاتبی کے کلام پر یہ اجمالی تنقید کافی نہین ہے، اسلئے ہم ان کے کلام پر تاریخی اور ادبی دونون حیثیتون سے ایک مفصل تبصرہ کرنا چاہتے ہین،

فارسی شاعری کا ایک خاص تاریخی دور

فارسی شاعری کی سب سے زیادہ مفصل تاریخ مولنا شبلی علیہ الرحمۃ کی کتاب شعر العجم ہے، لیکن اس کتاب مین مولنا نے فارسی شاعری کے ایک خاص دور کو بالکل نظرانداز کر دیا ہی یعنی قدماء کے بعد انھون نے اس کتاب کے دوسرے حصے مین صرف ساتوین صدی تک کے شعراء کے حالات لکھے ہین، جن مین کمال اسماعیل، سلمان ساوجی اور خواجہ حافظ وغیرہ زیادہ ممتاز ہین، اس کے بعد انھون نے آٹھوین اور نوین صدی کے شعراء کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے، اور اس کتاب کے تیسرے حصہ مین صرف ان شعراء کو لیا ہی

[1] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۳۵۴ تذکرہ امیر امین الدین نز لابادی،

رباعی

گل داد پر یر ورع فیروزہ بباد
دی جوشن لعل لالہ برخاک افتاد
داداب چمن خنجر مینا امروز
یاقوت جسنان آتش نیلوفر داد

چہار روز و چہار سلاح، چہار رنگ و چہار جوہر و چہار عنصر و چہار گل رعایت نمودہ[۱]"

اسی دور کے ایک اور شاعر خواجہ محمود برسہ ہیں جن کے تذکرہ میں دولت شاہ لکھتا

"در نامہ بنام علاء الدولہ میرزا گفتہ است در صنعت تجنیس و رعایت قافیہ مکرر[۲]"

اسی دور کے ایک اور شاعر مولانا یحیی سبیک نیشاپوری ہیں جنھوں نے سلطان شاہرخ کے زمانہ میں بڑی شہرت حاصل کی، اون کے متعلق دولت شاہ لکھتا ہے :-

"مولانا یحیی در صنائع شعر مبالغہ دارد کہ بے آن سخنوری نمیکند[۳]"

اسی دور کے ایک اور مشہور شاعر آذری علیہ الرحمہ ہیں جنھوں نے سلطان شاہرخ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا، جس کے متعلق دولت شاہ لکھتا ہے،

در مدح شاہرخ سلطان این قصیدہ در طور لغز (چیستان) می فرماید"

چیست آن آبے کہ تخم فتنہ بر می افگند
خسرو گردون زبیم او سپر می افگند[۴]

غالباً تاریخ گوئی کی ابتدا بھی اسی دور میں ہوئی، کیونکہ وہ بھی ایک صنعت ہے، اور اس دور

---

[۱] دولت شاہ صفحہ ۳۱۱ و ۳۱۲ [۲] ایضاً ص ۳۳۸ [۳] ایضاً ص ۴۲۱ [۴] ایضاً ص ۳۹۹،

"وفنونی در علم شعر ساخته حدائق الحقائق نام وچند صنعت دران کتاب درج کرده که رشید الدین وطواط در حدائق السحر آن صنائع را ذکر نکرده بود، ازان جمله میگوید، که رشید آورده که که ایهام کلمه را گویند که بر دو معنی شامل باشد و نیز ویک من بباید، که بچند معانی مشتمل باشد واین بیت خواجه عماد فقیه را باستشهاد می آرد۔"

دل عکس رخِ خوبِ تو در آب روان دید
واله شد و فریاد برآورد که ماهی

وشیخ عارف آذری علیہ الرحمۃ در کتاب جواہر الاسرار قصیدهٔ از قصائد مولنا شرف الدین رامی را ایراد می کند که تمامی صنائع و بدائعِ شعر دران قصیده مندرج است[1] و رباعی گفته که اسم ممدوح او خواجه فخر الدین محمد الماستری از حروف آن بیرون می آید وآن اینست

خوارست جهان پیش نوالت یکسر،
فخراست ز القاب تو دین را و خطر
تو کان محامدی و از فر گهر
زالماس ضمیرت سپری شد خنجر[2]

اسی دور کے ایک اور مشہور شاعر مولنا لطف اللہ نیشاپوری ہیں، اور دولت شاہ ان کے تذکرے میں لکھتا ہے،

"صنائع شعر را از استادان کم کسے چون او رعایت نموده"[3]

شیخ آذری علیہ الرحمۃ در جواہر الاسرار میگوید که باعتقاد من این رباعی که مولنا لطف اللہ در مراعات نظیر گفته مستخرج الجواب است للہ در قائله،

---

[1] دولت شاہ صفحہ ۳۰۰ [2] " ص ۳۰۹ [3] " صفحہ ۳۱۴،

کی سب سے بڑی اور سب سے نمایان خصوصیت بن گئی، چنانچہ ان کا کلام کہین سے بھی اوٹھا کر پڑھو، ہر جگہ یہ خصوصیت نمایان نظر آئے گی، مثلاً

در مہر رُخ سنگ دلان کوش کہ این آیت ۔۔۔ در پلۂ اعمال گران روز قیامت

نیست از سوز من آن خسرو خوبان آگاہ ۔۔۔ بیش شیرین خبر تلخی فرہاد ببر

کاتبی در باغ رفت آن سرو برخیز و ببین ۔۔۔ یا گل خود روے رنگین است یا خود روے او

اے کاتبی نہ دیدم جائے بہ از خرابات ۔۔۔ تو نشنوی سخن را یک این سخن ز جائیست

مردم از یاد نیا گوش تو اے دانہ در ۔۔۔ آب در حلقہ چشم من مسکین گردد

ہر کسے دارد بہ رویت روز بازاری ولیک ۔۔۔ کاتبی را ہست با خط تو سودائے دگر

از تیغ غمزۂ او تا سینہ شد فگارم ۔۔۔ غیر از دعاے سیفی دردے دگر،

گفتی حساب میکن ہر ناوکے کہ آمد ۔۔۔ گر تو نیفگنی کشر من راست می شمار

مراعات النظیر کے علاوہ جا بجا صنعت اضداد اور صنعت اشتقاق سے بھی کام لیا ہے، مثلاً

زاہدم گفت رند و بدنامی ۔۔۔ نیکم آمد کہ می ستود مرا

گر بدوزخ باشم اے حور بہشت ۔۔۔ باشد از یاد تو عذبم آن عذاب

از ساقی و شراب شفق رنگ زیر چرخ ۔۔۔ محبوب مہربان و رفیق و شفیق نیست

ہر کرا دست بدان بازو و ساعد باشد ۔۔۔ دولتش بندہ و اقبال مساعد باشد

سر برو تیغت مرا تا مہر گردد منقطع ۔۔۔ لیک قطعاً برنخواہد آمدن این انقطاع

ان صنعتون کے علاوہ اونھون نے اپنی مثنویون مین اور بھی مختلف صنائع کا استعمال کیا ہے چنانچہ مسٹر براون اپنی ہسٹری مین لکھتے ہین کہ

سے پہلے اوس کا پتہ نہیں چلتا، اصل یہ ہے کہ شاعری پر تمدنی اور خارجی حالات کا اثر لازمی طور پر پڑتا ہے، اوراس دور کی تمدنی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین مختلف قسم کی صناعیون نے بہت زیادہ ترقی کی تھی، یہان تک کہ امرار وسلاطین تک ان صناعیون میں کمال پیدا کرتے تھے، چنانچہ دولت شاہ سلطان احمد کے حال مین جو ۸۸۸ھ مین قرا یوسف ترکمان کے ہاتھ سے مقتول ہوا لکھا ہے:

"در انواع ہنر چون تصویر و تذہیب و قواسی وسہامی وخاتم بندی وغیرہ ذلک اوستاد بودے و شش قلم خط نوشتے و در علم موسیقی داد دار صاحب فن است[1]"

اس لئے اس دور کی شاعری پر بھی یہی اثر پڑا، اور وہ لفظی صناعیون کی نمایشگاہ بن گئی، اردو زبان مین لکھنو کی شاعری مین جو لفظی صنائع پائے جاتے ہین، اوسکی وجہ بھی یہی ہے، کہ اس دور مین لکھنو مین فنون لطیفہ کو خاص طور پر ترقی حاصل ہوگئی تھی، اور مختلف قسم کے صناع پیدا ہوگئے تھے، اس لئے شعرا نے بھی ان کی تقلید کی، اور شاعری مین مختلف صنائع وبدائع سے کام لینے لگے لیکن ان خارجی حالات اور تمدنی اثرات کے ساتھ یہ دور فارسی شاعری کے گذشتہ دورون سے بالکل الگ اور بے لگاؤ بھی نہ تھا، بلکہ قدما، اور متوسطین ہی کے رنگ کلام نے اس کو پیدا کیا تھا، چنانچہ مولنا شبلی علیہ الرحمۃ شعر العجم مین لکھتے ہین،

قدما کے کلام مین صنائع لفظی یعنی صنعت اشتقاق، ترصیع، ایہام نہایت کثرت سے پائے جاتے ہین، مراعات النظیر (تناسب لفظی) کو حد سے گذر کر ضلع جگت بن جاتی ہے، سلمان ساوجی نے رواج دیا، اور کچھ زمانہ تک بڑے زور شور سے جاری رہی،[2]

سلمان ساوجی کے اثر سے یہ صنعت جس زمانہ مین بڑے زور شور سے جاری رہی، یہ وہی آٹھوین اور نوین صدی کا زمانہ ہے، جس مین مولانا کاتبی نے نشو و نما پائی، اس لئے یہ صنعت ان کے کلام

---

[1] دولت شاہ ص ۳۰۶، [2] شعر العجم حصہ دوم صفحہ ۲۸،

نیشاپوری کے تذکرے میں لکھتا ہے،

"قصائد را محکم و پر معانی میگوید بعضے افاضل در کار او متحیر بودند، و اورا در جواب قصائد کا

امتحان می کردند و سخن اورا محکم می یافتند[۱]"

شعراء کے زور طبع کے امتحان کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ مشہور قصیدہ گو شعراء کے قصائد پر ان سے

سے لکھواتے جاتے تھے، اس لئے لازمی طور پر ان شعراء کو انہی شعراء کا تتبع کرنا پڑتا تھا، سلطان

بنے اسی طریقہ کے موافق مولینا کاتبی سے کمال اسمٰعیل کے ایک قصیدہ پر جس کی ردیف نرگس

صیدہ لکھنے کی فرمایش کی تھی، کیونکہ ساتوین صدی کے وہ سب سے زیادہ باکمال قصیدہ گو شاعر

اوران کی قصیدہ گوئی کی خصوصیات حسب ذیل تھین،

۱- نہایت مشکل طرحین کرنا

۲- اوران مین نئے نئے مضامین پیدا کرنا،

۳- زبان کی صفائی اور سلاست و روانی،

اس لئے قدرتی طور پر مولینا کاتبی نے بھی اپنے قصائد مین یہی خصوصیات پیدا کین،

ے قصیدہ لکھا ہے، جس کی ردیف شگوفہ ہے، اور اس مین نہایت کثرت سے نئے نئے مضامین

لئے ہین، مثلاً

چو مرغ ار نشد بسمل خنجر تو | بتیغ از چہ زد جسم لاغر شگوفہ

زبس خورد بر فرق شمشیر صنعت | ازان پنبہ ہا بستہ بر سر شگوفہ

فگندست بر شاخہا گاذر آسا | بسے جامۂ شستہ در بر شگوفہ

عجب نیست بر بال او نامہ چندین | کہ بر پاست ہمچون کبوتر شگوفہ

---

[۱] لت شاہ صفحہ ۴۶۵،

"مثنوی حسن وعشق، ناظر ومنظور اور بہرام وگل اندام کو نئے نئے صنائع مین لکھا ہے،

مثلاً ذو البحرین، ذو القافیتین اور اسی قسم کے دوسرے صنائع، آخری زندگی مین اونھون

نے خمسہ لکھنا شروع کیا، جس مین انھون نے تصنع وآرایش کو راہ دیا،

اگرچہ اس دور کے اور شعرا بھی ان صنائع کی پابندی کرتے تھے، لیکن مولانا کاتبی نے صنائع وبدائع کا استعمال اس کثرت سے کیا کہ وہ ان کی خاص طرز قرار پا گئے، اور جن لوگون نے اس طرز مین شاعری کی اس خصوصیت کی بنا پر مولانا کاتبی کی طرف منسوب ہو گئے، چنانچہ تذکرہ مخزن الغرائب مین واصفی کے حالات مین لکھا ہے، کہ

"سلیقۂ شعرش موافق سلیقۂ مولینا کاتبی است امابفضل کاتبی نمی رسد"

اس کے بعد واصفی کی یہ غزل نقل کی ہے،

نرگس جادوے تو آہوے چین ۔۔۔ نافۂ آہوے تو خال جبین،

ہندوے گیسوی تو حامی کفر ۔۔۔ غمزۂ خونیٔ تو ساحر دین،

صورت ابروے تو قبلہ نما ۔۔۔ ساجد ابروے تو روی زمین،

یک سر موے تو و ملک جہان ۔۔۔ یک گل روی تو و خلد برین،

واصفی از حسن تو دیوانہ است ۔۔۔ مضطرب از خط تو راز حزین،

اور اس غزل کے متعلق لکھا ہے کہ اوس کو چار بحرون مین پڑھ سکتے ہین، اس تاریخی تبصرے کے بعد اب ہم ان تمام اصناف شعر پر ریویو کرنا چاہتے ہین، جن مین مولنا کاتبی نے زور طبع دکھایا ہے،

قصیدہ | اس دور مین اگرچہ شاعری کے دریا کا بہاؤ زیادہ تر غزل گوئی کی طرف تھا، تاہم شاعر کے زور طبیعت کا اندازہ زیادہ تر قصیدہ گوئی سے کیا جاتا تھا، چنانچہ دولت شاہ سمرقندی مولانا

دل دوست تو بہانا و کہ بیچون بحرین ــــ میزند موج از ایشان دم انشا گوہر

یہ تمام محاسن کلام تو ادبی حیثیت رکھتے ہین، لیکن ہمارے نزدیک قصیدہ گوئی بلکہ ہر صنف شعر کا اصلی حسن جوش بیان ہے، اور اس کا اظہار مولنا کاتبی کے ان قصائد سے ہوتا ہے، جو مذہبی حیثیت رکھتے ہین۵، مثلاً ایک قصیدہ جناب امیر علیہ السلام کی شان مین لکھا ہے، اور اس مین انکے حُسن عقیدت نے جوش بیان اور سلاست محاورہ و زبان کو حد کمال تک پہونچا دیا ہے چند شعر اس قصیدہ کے ملاحظہ ہون،

اے جان سخن ز دست دل بوتراب کن ــــ آباد ساز کعبہ و خیبر خراب کن

خاک عدو بباد دہ از گرد دُلدلش ــــ وز نوک تیغ او جگر خصم آب کن

با ہر کہ آن جناب گرفت اُنس، اُنس گیر ــــ وز ہرچہ اجتناب نمود اجتناب کن

شاہا! درآ بہ معرکہ وز گرد دُلدلت ــــ آہوے چرخ را ہمہ تن مشک ناب کن

بردار تیغ و روے زمین ساز بحر خون ــــ وان بحر را ز کاسۂ سرہا حباب کن

اے خضر بہر تشنۂ صحراے کربلا ــــ آب حیات در قدح آفتاب کن

اے بادشاہ خیل عجم وقت کوشش است ــــ لشکر کشاے تخت عرب را شتاب کن

اے شہسوار معرکۂ آخر الزمان ــــ از دست رفت معرکہ پا در رکاب کن

در عرصہ تا نہ حصن ز رستم ستان بگرز ــــ رمح از ستون خیمۂ افراسیاب کن

در راہ سالکان تہی پاے دل ضعیف ــــ این شیشہ ہاے جملہ تہی پر گلاب کن

این باغ نظم را کہ پر از بوے معنویست ــــ وقف جناب آن شہ جنت مآب کن

وصف جناب عالی آل علی بگو ــــ خود را ز روے مرتبہ عالی جناب کن

---

۵ مولنا کاتبی کے اکثر قصائد مذہبی شان رکھتے ہین، تذکرہ آتشکدہ مین ہو کہ قصائد در مناقب بسیارے گفتہ،

کبوترا اگر نیست مرغیت بارے کہ آمد چنین بیضہ پر ور شگوفہ

اسی طرح اور بھی بہت سی مشکل زمینین اختیار کی ہین، اور ان مین بہ کثرت نئے نئے مضامین پیدا کئے ہین، چنانچہ مسٹر براؤن اپنی ہسٹری مین میر علی شیر نوائی کی کتاب مجلس النفائس کے حوالے سے لکھتے ہین، کہ

"وہ اپنے وقت کو بے نظیر شخص تھے اور جس قسم کے اشعار لکھتے بالخصوص قصائد مین اچھوتے خیالات پیش کرتے اور نئی نئی ترکیبین بڑی کامیابی کے ساتھ ایجاد کرتے"،

ایک قصیدہ لکھا ہے جس کی ردیف گوہر ہے، اور اس مشکل زمین مین زبان کی سلاست و روانی کو جس خوبی کے ساتھ قائم رکھا ہے، اس کا اندازہ اس قصیدہ کے منتخب اشعار سے ہو سکتا ہے،

اے دم خندہ زیاقوت تو پیدا گوہر نیست در بحر دو عالم چو تو یکتا گوہر

ماندہ ام از لب و دندان تو بے کام کہ ہست مشتری مفلس و بائع شدہ و کالا گوہر

بر سر کوے تو گر خلق بسنگم بزنند بہ کہ سازند نثارم بدگر جا گوہر

چون صدف چشم ترم شد بفراق تو سفید بسکہ افشاند بہر گوشہ ز سودا گوہر

آنکہ بر مید مد از سیم رخت نیست عرق بحر حسنت وجود تو وآنہا گوہر

قصیدہ کا ایک بڑا حسن مخلص یعنی گریز ہے، اور مولینا کاتبی نے اس تشبیب کے بعد گریز کا کس قدر لطیف پہلو پیدا کیا ہے،

ہر کرا مدح خواجہ است زبان چون دمنت زیر گوہر بود ش دائم و بالا گوہر

اخیر قصیدہ مین اس ردیف کے اختیار کرنے کی کسقدر عمدہ شاعرانہ توجیہ کی ہے،

بہر ایثار رہت کاتبی بے زر و سیم از ردیف سخنان کردہ مہیا گوہر

سب سے اخیر مین دعائیہ شعر یہ ہے :-

ناسخ اور تلامذۂ ناسخ کا تھا، مثلاً

خیال خط تو در دیدۂ پر از پیکان چو طوطے است کہ باشد در آہنین قفسے

شیر مردان را بدور آہوان چشم تو خاک شد ہر استخوان در کنج صحرائے دگر

ہر کہ روے چون بہت را شمع خواندیا چراغ دمبدم اور امیان سر باید کرد داغ

گر حدیث از پستۂ او آبدار آمد چہ شد در عرق تر گرد و آنکس کو نشیند جائے تنگ

اس لفظی خصوصیت کے ساتھ خواجو ے کرمانی اور خواجہ حافظ نے مضامین غزل مین جو تنوع اور بوقلمونی پیدا کی تھی، اس کا اثر بھی اس دور کی غزل گوئی پر پڑا، اور مولنا کاتبی نے خصوصیت کے ساتھ اپنی غزلون مین ہر قسم کے رندانہ صوفیانہ اور اخلاقی مضامین ادا کئے، چنانچہ ہم ان کے منتخب اشعار بطور مثال کے آیندہ درج کرینگے ؛ (باقی)

دار المصنفین کی نئی کتاب

ابن خلدون

مصری یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے ابن خلدون اور اوس کے فلسفۂ اجتماعی پر فرنچ زبان میں ایک مقالہ لکھا تھا جس کا ترجمہ انہی کے ایما سے محمد عبد اللہ عنان نے عربی میں کیا، اب اوس عربی ترجمہ کا اردو ترجمہ مولانا عبد السلام ندوی نے نہایت خوبی سے کیا ہے، یہ کتاب درحقیقت اردو زبان مین اجتماعیات پر ایک بہترین اضافہ ہے، اور غالبًا پہلی مرتبہ ابن خلدون کے نظریہ اجتماعی کو اس وسعت اور تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، حجم ۲۶۰ صفحے، قیمت عہ

مینجر

ہمچون شفق ز فرقتِ خورشید آلِ او — دامانِ چرخ پر زعقیقِ مذاب کن

غزل | ساتوین صدی مین خواجہ حافظ سے پہلے حضرت امیر خسرو اور حسن دہلوی اپنی غزلوں میں زیادہ صرف عشق و محبت کے خیالات اور جذبات ظاہر کرتے تھے، ان کے بعد خواجوے کرمانی نے اس طرز مین تغیر پیدا کیا، اور دنیا کی بے ثباتی وسیع المشربی اور رندی و مستی پر زیادہ زور دیا[1] اور خواجہ حافظ نے انہی مضامین پر اپنی غزلگوئی کی بنیاد رکھی، اوران مین زیادہ تنوع اور رنگینی پیدا کی، اس معنوی تغیر کے ساتھ سلمان ساوجی نے غزل کو صنائع لفظی سے بھی روشناس کیا، اور خواجہ حافظ نے بھی جا بجا اس معاملہ میں ان کی تقلید کی، غرض خواجہ حافظ اور سلمان ساوجی کے زمانہ مین غزل مین لفظی اور معنوی دونوں حیثیتون سے تغیرات پیدا ہوگئے، خواجوے کرمانی نے جو معنوی تغیر پیدا کیا تھا، اوس کے لحاظ سے غزل صرف عشق و محبت کے جذبات و معاملات تک محدود نہین رہی، بلکہ ہر قسم کے اخلاقی اور صوفیانہ مضامین، اور رندی و سرمستی کے خیالات اس میں شامل ہوگئے، سلمان ساوجی نے لفظی صنائع کی جو بدعت جاری کی تھی، اوس نے آٹھویں اور نوین صدی میں اس قدر ترقی کر لی کہ اس دور کی غزلون پر لکھنو کے دور آخر کی اردو غزلگوئی کا دھوکا ہوتا ہے، مولینا کاتبی کی شاعری کا یہی دور ہے، اس لئے یہ دونون خصوصیتین ان کی غزلون مین نمایاں طور پر نظر آتی ہین لفظی صنائع و بدائع میں جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، وہ بالکل سلمان ساوجی کے مقلد ہین، بلکہ اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھتے ہین، چنانچہ فرماتے ہین، :-

آن قوم کہ در دعوی از جانب سلمانند — در معرض شعر من از بہر چہ می آیند

شعر من روشن دل و آنگہ سخن سلمان — من ہیچ نمی گویم مردم ہمہ بنمایند

سلمان ساوجی کی اس تقلید نے جا بجا ان کی غزلوں کا وہی رنگ کر دیا ہے جو لکھنؤ مین

---

[1] شعر العجم حصہ دوم صفحہ ۲۳۲،

مضافات لکھنؤ است بودند وبزرگان ایشاں از ولایت آمدہ درآنجا سکونت اختیار کردند

وہم وے از مجزالاولیا رمی نویسد کہ مولد وموطن ایشان قصبہ نگرام بود کہ متصل امیٹھی صوبۂ

اودھ است[1]"

سن ولادت نامعلوم ہے، ابتدائی نشو ونما نگرام ہی میں ہوئی، سن رشد کو پہونچے، تو حضرت ملا احمد معروف بہ ملا جیون کے ساتھ دہلی تشریف لے گئے، دہلی پہنچکر علوم کی تکمیل فرمائی، پھر ایک طرف خود بنے علم کا دریا بہایا، اور دوسری طرف علم ومعرفت کے اُن بہتے ہوئے سمندرون سے عرصہ تک سیرابی حاصل کرتے رہے، جو اس وقت دہلی میں موجیں مار رہے تھے، حضرت مولانا شاہ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی کی خدمت مین حاضری دی، اور علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی میں بھی فیض کیا، اور شرف بیعت سے بھی مشرف ہوئے، پھر شاہ صاحب کے حکم کے بموجب کا قصد فرمایا، اور وہین کے ہورہے، نظام الملک کو حضرت مولنا نظام الدین صاحب درجہ عقیدت تھی، اور وہ ہزارہا روپیہ خدمت والا مین بطور نذر پیش کرتا تھا، جو آپ طالب علموں اور حاجت مندون کی اعانت میں صرف فرما دیا کرتے تھے، علم وفضل کی شہرت دور دور پہونچ چکی تھی، چنانچہ طالبانِ علم دور ودراز کی منزلین طے کرکے آتے اور درس میں شریک ہوتے، چونکہ مسلمانون کی عام اصلاح وارشاد کا سلسلہ بھی جاری تھا، اسلئے ہر وقت مریدین ومعتقدین کا ہجوم رہتا، مریدون کی تعداد ایک لاکھ تک پہونچ گئی تھی، ۱۱۴۲ھ میں ایک قرضدار نے آپ کو شہید کر ڈالا، آپ اورنگ آباد ہی میں مدفون ہوئے، آپ کی تصانیف مین رسالہ نظام القلوب سلوک وتصوف کے عنوان

---

[1] تاریخی شہادتون کے علاوہ اس بات سے بھی ہمارے بیان کو تقویت پہونچتی ہے، کہ نگرام مین اب تک آپ کے ہم خاندان افراد موجود ہین ہر چند کہ ان کا دامن علم وعرفان کی متاع گرانمایہ سے خالی ہے، لیکن اُن کے پاس مولانا نظام الدین صاحب کی دستخطی تحریریں موجود ہین، جن مین مولینا نے اپنے اور ان کے ہم جد ہونے کا اقرار فرمایا ہے،

علمائے نگرام

از

مولوی مطلوب الرحمن صاحب ندوی نگرامی

قصبۂ نگرام ضلع لکھنؤ کی تاریخ بڑی حد تک نامعلوم ہے، پھر بھی اہل خبر سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ صدیوں سے اس سرزمین کو علما کے وطن اور علم و دین کے خدمت گذاروں کے گہوارہ ہونیکا شرف حاصل ہے، تین سو سال پہلے کی تاریخ ایک راز سربستہ ہے، البتہ ڈھائی تین سو سال کے اندر جن بزرگون کو علم و معرفت کی نعمت ملی، ان کی زندگی اجمال یا تفصیل کیساتھ سامنے ہے، جن کے مبارک تذکرہ کو ہم اُس ذات والاصفات کے حالات سے شروع کرتے ہین، جس کے علم و فضل کا آفتاب اسی سرزمین پر طلوع ہوا، لیکن اسکی شعاعون نے اودھ سے دہلی تک نہ معلوم کتنے ظلمت کدون کو روشن کر دیا، ہماری مراد حضرت مولینا نظام الدین صاحب سے ہی،

مولنا نظام الدین صاحب سرزمین نگرام کو حضرت مولنا کے مولد اور وطن ہونے کا شرف حاصل ہی، ہرچند کہ بعض ارباب سیر نے آپکے وطن کی تعیین میں بہت زیادہ ابہام کو دخل دیا ہی، لیکن حقیقت یہی ہے، کہ آپ نگرام ہی کے رہنے والے تھے، جیسا کہ حضرت مولینا محمد ادریس صاحب نگرامی جو ایک محقق عالم اور نہایت ہی متورع بزرگ تھے، اپنی ایک قلمی یادداشت میں لکھتے ہین،

"صاحب مناقب المحبوبین از مرآة ضیائی می نویسد کہ نسب ایشان (مولینا نظام الدین صاحب) بحضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی می رسد و ساکن قصبہ کاکوری و بقولے نگرام کہ از

خاندان شاہی کے اکثر افراد اور خود بادشاہ آپ سے بیعت تھے، سماع کے قائل ہی نہیں، بلکہ دلدادہ تھے،
سونے چاندی کے چھلے اور انگوٹھیاں پہننے میں کوئی باک نہ تھا، اور نہیں معلوم کہ وہ ان چیزوں کے جواز
پر کیا دلیل رکھتے تھے، یا یہ ایک خامی تھی، جو امرار و سلاطین کی صحبت میں پیدا ہوگئی تھی، با این ہمہ مزاج
میں سادگی تھی، عوام اور غریب مسلمانوں سے نرمی اور محبت سے ملتے، عاجزی اور فروتنی میں سلف کی
ایک مثال تھے، ایک بار دلی کے کسی منچلے کو دہلی کے بزرگوں کے امتحان کی سوجھی، مرزا مظہر جان جاناں،
شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور مولینا فخرالدین صاحبؒ کو دن کے کھانے پر مدعو کیا، اور یہ کہدیا کہ آپ سب
حضرات ٹھیک دس بجے غریب خانہ پر تشریف لے آئیں، یہ تینوں حضرات وقت مقررہ پر پہونچے، میزبان
سے ملاقات ہوئی، اس نے عزت و احترام سے بٹھالا، اور کہا تشریف رکھئے، ابھی کھانے
میں کچھ دیر ہے، یہ حضرات انتظار کرتے رہے لیکن کھانے کو تیار نہ ہونا تھا، نہ ہوا،
میزبان صاحب تشریف لائے اور معذرت کرنے لگے، کہ حضرت کیا کہیں، بڑی کوشش
انتظام نہ ہوسکا، پھر جیب سے دو دو پیسے نکال کر تینوں صاحبوں کے سامنے نذر پیش کی، اور کہا حضرت
اسی کو دعوت تصور فرمائیے، مرزا صاحب کا مزاج بہت نازک تھا، چہرے کا رنگ بدل گیا، غصے
میں اٹھے اور گھر روانہ ہوگئے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور مولنا فخرالدین صاحبؒ نے پیسوں کو
آنکھوں سے لگایا، سر پر رکھا، اور بڑی دیر تک میزبان کو تسلی اور دلاسا دیتے رہے، کہ تم کبیدہ خاطر
نہ ہونا، ہم تمھاری اس مدارات سے بہت خوش ہوئے، اور پھر خوشی خوشی وہان سے رخصت ہوئے،
۱۱۹۹ھ میں آپ نے انتقال فرمایا، دہلی میں بیرون دروازہ قطب صاحب آپ کی قبر موجود ہے،
سلوک میں سلسلہ فخریہ کا انتساب آپ ہی کی ذات والا صفات کی طرف ہے،

مولینا حافظ علیم اللہ صاحب شائق | حافظ قرآن، عالم متبحر اور متوکل بزرگ تھے، علوم معقول و منقول
کی سند فرنگی محل سے حاصل کی، تحصیل علم سے فراغت ہوئی، تو درس و تدریس کا مشغلہ رہا، اور ہزارہا

پر بہترین تصنیف ہے۔

مولینا فخرالدین صاحب | آپ حضرت مولینا نظام الدین صاحبؒ کے فرزند ارجمند ہیں، پیدائش اورنگ آباد ہی کی ہے، ابتدائی نشو و نما اور تعلیم و تربیت والد ماجد ہی کی نگرانی میں ہوئی، چند سال کے بعد دہلی تشریف لائے، اور یہاں وقت کے اکابر اور مشائخ سے استفادہ فرمایا، یہ وہ وقت مسعود تھا، جب کہ حضرت حجۃ الاسلام شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا دریائے فیض جاری تھا، کہا جاتا ہے کہ آپ نے شاہ صاحب سے علم حدیث میں شرف تلمذ حاصل کیا ہے، لیکن اسکی کوئی تاریخی سند نہیں ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ آپ کو علم حدیث سے خاص شغف تھا، اور اس شغف کا حال آپ کی تصنیف فخرالحسن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، اس کتاب مین آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسن بصریؒ کے لقا کے متعلق عالمانہ بحث کی ہے، اور علامہ ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اس خیال کی تردید فرمائی ہے، کہ حضرت حسن بصری کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے شرف لقا حاصل نہ تھا، یہ تو معلوم ہے، کہ اس وقت کتب حدیث نایاب تھیں، لیکن اس کے باوجود آپ کی اس تصنیف مین متداول کتب احادیث اور ان کی شروح کے علاوہ تاریخ صغیر بخاریؒ، تہذیب الکمال مزی، شروط الائمہ حازمی، تہذیب الاسماء واللغات نووی، سنن کبری بیہقیؒ، حلیۃ الاولیاء، تاریخ خطیب بغدادیؒ، تقریب نووی، تاریخ الاسلام ذہبیؒ، مرآۃ الجنان یافعیؒ، سنن دارقطنی، کتاب الثقات ابن حبان، فتح الباری، تدریب الراوی، منہاج السنہ ابن تیمیہؒ وغیرہ کے حوالے موجود ہین، جو آپ کے شغف، کثرت اطلاع اور تلاش و تفحص کی بین دلیل ہے، آپ کی یہ تصنیف بہت مقبول ہوئی، مولنا حسن الزمان صاحب حیدرآبادی نے القول المستحسن کے نام سے اسکی شرح بھی لکھی ہے، شرف بیعت آپ کو بھی مثل اپنے والد کے حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی سے حاصل تھا، اپنے مرشد کے حسب الحکم دہلی ہی مین قیام فرمایا اور عرصہ تک آپ کی ذات سے علم و معرفت کا فیض جاری رہا، دہلی کے خاندان شاہی میں آپ کو بڑی مقبولیت اور پذیرائی حاصل تھی،

اپنے مرشد حضرت مولنا عبدالرحمن صاحبؒ چشتی کے سانحۂ ارتحال پر تاریخ کہی،

صوفی صاف دل خدا آگاہ عبدالرحمن عاشق اللہ،

آخر جمعہ سادس ذیقعدہ سوئے باغ ارم گرفتہ راہ

سال ترحیل آں مقرب حق جستہ از ہاتفے علیم اللہ

گفت تا یحزنون بہ دل ہوش آیت ان اولیاء اللہ

۱۲۴۵ھ

آپ کی وفات ۱۲۵۵ھ میں ہوئی،

مولنا حافظ عبدالعلی صاحبؒ سرزمین نگرام علم و معرفت سے آشنا تو ایک عرصہ سے تھی، لیکن قدرت کو ... یہ منظور تھا، کہ علم و معرفت کو اس کے حقیقی مرتبہ اور منزلت میں جلوہ گر کرے، اور جو لوگ اب ... اور سنت رسول کو محض خیر و برکت کا ایک ذریعہ سمجھ رہے تھے، انھیں بتا دے کہ یہ صندوق ... میں بند سفینے صرف اوراد و وظائف کے لئے نہیں ہیں، بلکہ انہی کے اندر ہماری دنیا اور دین کی سر ... کا راز مضمر ہے، چنانچہ پروردگار عالم نے علم و عمل حکمت و معرفت حق گوئی و حق کوشی جیسی بے شمار صفتوں سے ممتاز و مفتخر فرما کر مولنا عبدالعلی صاحب کو ایک وسیع حلقہ کی ہدایت و رہنمائی کے لئے پیدا فرمایا، ولادت باسعادت ۱۲۳۱ھ میں ہوئی، اپنے ماموں حافظ علیم اللہ صاحبؒ سے جنکا ذکر اوپر کی سطروں میں گذر چکا ہے بسم اللہ کی کچھ شد بد پڑھنے کے بعد حفظ قرآن شروع کیا، جو بخیر و خوبی انجام کو پہونچا، پھر کچھ دنوں اپنے ماموں صاحب سے تحصیل علم فرماتے رہے، اسی زمانہ میں آپ کو مدار المہام وزیر الممالک امین الدولہ کی رفاقت حاصل ہوئی، اور جب تک اپنے ماموں سے پڑھتے رہے، امین الدولہ کا ساتھ رہا، پھر آپ نے علوم دین کی تکمیل کیلئے وقت کے مشاہیر کی خدمت میں حاضری دی، اور لکھنؤ میں مقیم علمار سے شرف تلمذ حاصل کیا، جن میں مولنا حسن علی صاحب صغیر محدثؒ، مولنا انور علی صاحب مرادآبادیؒ، مولانا محمد معین الدین صاحب فرنگی محلی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، علوم ظاہری کی تکمیل و تحصیل کے بعد آپ نے

تشنگان علم اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے طرز عمل نہایت ہی سنجیدہ اور دلنشین تھا، چنانچہ اسی صفت کی شہرت سُن کر مدار المہام وزیر الممالک امین الدولہ عمدۃ الملک، امداد حسین خان بہادر ذوالفقار جنگ نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور عرصہ تک آپ کی خدمت مین رہکر تحصیل علم کی عزت حاصل کرتے رہے، امین الدولہ کو جب منصب وزارت حاصل ہوا، تو بار ہا اقبالمند شاگرد نے یہ تمنا ظاہر کی، کہ استاد محترم کبھی اپنے قدمون سے مس کر کے مسند وزارت کو اعزاز بخشیں، لیکن حافظ صاحب کی مستغنی اور غیور طبیعت نے اسے کسی طور پر گوارا نہ فرمایا، اور ہمیشہ بلطائف الحیل انکار فرماتے رہے، مولینا عبدالرحمٰن صاحب مجذوب چشتی لکھنوی رح سے آپ کو شرف بیعت حاصل تھا، اور آپ کا شمار ان کے مخلص مریدین مین تھا، آخر عمر مین درس و تدریس کا سلسلہ منقطع فرما دیا تھا، اور ہر آن یاد الٰہی مین مشغول رہتے تھے، شعر و سخن سے دلچسپی آغاز شباب سے تھی، شائق تخلص فرماتے تھے، کلام زیادہ تر حمد و نعت مین ہوتا، ایک نعتیہ قصیدہ کے چند اشعار درج ذیل کئے جاتے ہین،

والشمس بیاض سحر روے محمدؐ — واللیل سواد شب گیسوے محمدؐ
والشمس بود جلوۂ رویش وضحٰہا — واللیل اذا عسعس گیسوے محمدؐ
نور سحر عید و تجلی شب قدر — آن روے محمد بود این موے محمدؐ
ہر دم ہدف تیر تمنا دل پاکان — قربان کمان خم ابروے محمدؐ
بوبکرؓ و عمرؓ حضرت عثمانؓ و علیؓ ہم — پیوستہ چو ل ہر حرف بہر خوے محمدؐ
سبحان زہے شان معلی و معظم — جبریل بہ حیرت زتگاپوے محمدؐ
العظمۃ للہ زہے رتبۂ عالی — معراج ملائک بہ سر کوے محمدؐ
بگرام ہبیا ید اثر خاک مدینہ — اے ہر دو جہان رحمت مملوی محمدؐ
شائق ہمہ تن چشم بہ امید لقائے — ہر دم بہ تصور نگران سوی محمدؐ

چمڑے کے دیہاتی جوتے پیر میں تھے، پاپیادہ چل کر آنے کے باعث پیرون پر گرد چڑھی ہوئی تمام دربار کے آداب و ملحوظات کو بالائے طاق رکھکر محل کے اندر داخل ہوئے، امین الدولہ اپنے استادزادہ اور رفیق درس کو آتے دیکھکر استقبال کے لئے سروقد کھڑے ہوگئے، اعیان دربار کو حیرت تھی کہ آخر یہ کون شخص ہیں، جن کی یہ تکریم و منزلت ہو رہی ہے، کہ جس مسند پر بڑے بڑے امراء در ؤسا اپنا سر نہیں رکھ سکتے تھے، وہ ان کے قدمون کے نیچے ہے، اثنائے گفتگو میں امین الدولہ نے کئی بار باصرار کہا، کہ آپ مجھ سے کچھ طلب کرین، لیکن مولینا اس سوال پر ہر بار خاموش رہے، آخر امین الدولہ نے منگرائل ضلع اناؤ کی تحصیلداری مولینا کی خدمت مین پیش کی، اور کچھ اس طرح اصرار فرمایا، کہ مولانا لیکن قدرت کو آپ سے دین متین کی خدمت لینی منظور تھی، ابھی آپ کو منگرائل گئے چھ ماہ ہوئے تھے، کہ بلگرام کے رہنے والے ایک خدارسیدہ بزرگ میان خدابخش مولینا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی ہمنشینی کا شرف حاصل تھا، منگرائل پہونچے، حضرت مولٰنا سے ملے، اور شفقت و محبت سے فرمایا،

"حضرت پروردگار عالم نے آپ پر بڑا احسان فرمایا، کہ علم دین کی نعمت عطا فرمایا، یہ منصب و عہدہ آپ کے اس مرتبہ سے بہت فروتر ہے، جس پر اللہ نے آپ کو فائز کیا ہے اگر آپ لوگ بھی مخلوق خدا کی رہنمائی نہ فرمائین گے تو ہم جیسے مسلمانون کا تو خدا ہی حافظ ہے تقرب سلطانی حاصل کرنے کے لئے تو حکومت کی سرکاری زبان فارسی کافی تھی آپنے علم دین حاصل کیا ہے تو کچھ دین کی خدمت کیجئے،"

ان الفاظ میں بلا کا اثر تھا، حضرت مولینا عبدالعلی صاحبؒ نے اسی وقت استعفا لکھا، اور لکھنؤ روانہ ہوگئے، استعفا امین الدولہ کے سامنے پیش کیا، امین الدولہ کہنے لگے، مولینا مجھے پورا احساس ہے، کہ آپ کے علم و فضل کے اعتبار سے یہ عہدہ بہت ہی فروتر ہے، میں آپ سے وعدہ کرتا ہون کہ اسی

علوم باطن کی طرف توجہ فرمائی، اور حضرت قاضی عبد الکریم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا، قاضی صاحبؒ نے آپ کو دیکھکر فرمایا، کہ یہ لڑکا بڑا عالی مرتبہ ہوگا"

بالائے سرش ز ہوشمندی

می تافت ستارۂ بلندی

پھر اپنے خلیفہ جناب گلزار شاہ صاحبؒ سے فرمایا کہ" اس لڑکے کا خیال رکھنا" چنانچہ حضرت قاضی عبد الکریم صاحبؒ کے وصال کے بعد گلزار شاہ صاحبؒ آپ کی باطنی تربیت فرماتے رہے، اور شیخ کے حکم کی تعمیل میں حضرت مولینا عبد العلی صاحب کے سینہ کو اسرار و حکم کا گنجینہ بنا دیا، باوجود اس کے کہ امین الدولہ وزیر سلطنت اور حضرت مولینا کے بچپن کے ساتھی اور رفیق درس تھے، اور اس وقت دربار شاہی میں ان کا طوطی بول رہا تھا، مولینا نے کبھی بھی تلاش معاش کے سلسلہ میں ان سے کوئی امداد و اعانت طلب نہیں کی، ایک روز حضرت مولینا لکھنو کی ایک سڑک سے گذر رہے تھے، کہ نقیبوں کی آواز کان میں آئی جس کا مطلب یہ تھا، کہ وزیر سلطنت کی سواری آرہی ہے، راستہ چلنے والے راستہ صاف کر دیں نقیب بار بار وزیر سلطنت کی آمد آمد کی صدا بلند کر رہے تھے، اور خلقت راستہ چھوڑ کر وزیر سلطنت کے زیارت کے شوق میں دو رویہ کھڑی ہوتی جاتی تھی، مولنا بھی ایک طرف کھڑے ہوگئے، کر و فر اور شان و شوکت کے ساتھ سواری سامنے آئی، امین الدولہ کی نظر حضرت مولانا پر پڑی، فوراً اپنے بچپن کے ساتھی کو پہچان گئے، سواری کو رکنے کا حکم دیا، اور حضرت مولنا سے بغلگیر ہوگئے، بڑی دیر تک آپس میں عرصہ سے ملاقات نہ ہونے کے شکوہ و شکایت کا سلسلہ رہا، مولینا نے اس موقع پر بھی اپنی خودداری کو قائم رکھا، امین الدولہ نے دربار وزارت کو سرفراز فرمانے کا وعدہ لے لیا، اور رخصت ہوئے، دوسرے دن مولینا امین الدولہ کے محل پر تشریف لے گئے، زندگی شروع ہی سے اسلامی سادگی کا نمونہ تھی، گاڑھے کا ایک کرتہ، اور گاڑھے کا پائجامہ جسم پر تھا معمولی

اعزا و اقربا میں اصلاح و ارشاد کا صور پھونکنے کے بعد لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا کی سنت کے بموجب مولینا کا پیام اصلاح اہلِ قصبہ اور اس کے قرب و جوار کے بسنے والوں تک پہونچا، اور رفتہ رفتہ آپ کی دعوت و تبلیغ کو پذیرائی حاصل ہوتی گئی، علما اور اہلِ دانش تو عرصہ سے اس گوہر گرانمایہ کی قدر و قیمت سے واقف تھے، لیکن اب عوام و خواص سب میں آپ کے علم و فضل، زورِ بیان و طلاقت لسان کے چرچے تھے، اور ہر گھر میں آپ کی پاکبازی و پرہیزگاری کا شہرہ،

ہر کجا چشمۂ بود شیرین

مردم و مور و مار گرد آیند

رائے بریلی، بارہ بنکی، فیض آباد، جونپور، سلطانپور، پرتاب گڈھ، اناؤ کے اضلاع سے کھنچ کھنچ کر آتے، سر آنکھوں پر اپنے گھر لے جاتے، گناہوں سے توبہ کرتے، اور بیعت سے ربانی قدم قدم پر ساتھ تھی، جس گھر میں قدم رکھا، شرک و بدعت سے اُسے پاک کر دیا۔۔

ہاتھ پکڑا، اُسنے عرفان کی دولت لازوال پائی، یہ وہ زمانہ تھا، جب مولینا خواجہ احمد صاحبؒ کا فیض ارشاد انہی اضلاع میں جاری تھا، مولنا خواجہ احمد صاحبؒ نے مولیناؒ کے علم و فضل اور خالص اسلامی زندگی کی بڑی قدر کی، اپنے متوسلین و معتقدین کو اکثر ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ مولنا عبد العلی صاحبؒ کی طرف سلوک کی مشکلات میں رجوع کرتے ہیں، ان دونوں بزرگوں کے اتحادِ مذاق، اتحادِ عقائد اور اتحادِ عمل نے ان کی زندگی تک ان اضلاع میں کتاب و سنت کے پرچم کو سربلند رکھا، اور اتباعِ کتاب و سنت کی ہمہ گیری نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یاد تازہ کر دی،

حق گوئی آپ کی صفات میں ایک نہایت ہی ممتاز صفت تھی، بڑے بڑے امرا و رؤسا کی محفل میں جب وعظ و پند کا موقع ملتا، تو ہمیشہ آپ انہی نقائص کی اصلاح کے لئے وعظ فرماتے، جن میں یہ امرا مبتلا ہوتے، تعلقہ دارانِ شیعہ ضلع بارہ بنکی (اودھ) آپ کے بہت زیادہ گرویدہ اور معترف تھے، اور آپکی

ہفتہ میں موجودہ عہدہ سے کہیں بلند عہدہ خدمت والا میں پیش کرنے کا فخر حاصل کروں گا، مولینا نے فرمایا آپ کی محبت کے گہرے نقوش ابدالآباد تک میرے دل میں موجود رہیں گے، رہ گیا ملازمت کا معاملہ تو اس کے لئے گذارش یہ ہے، کہ اگر اب آپ اپنی جگہ بھی مجھے عنایت فرمائیں، تو مجھے منظور نہیں، میں اب تک انتہائی غفلت میں تھا، خدا کا شکر ہے کہ اب میری آنکھیں کھل چکی ہیں، اور میں اپنے رب سے عہد کر چکا ہوں کہ اب عمر کا ایک ایک لمحہ دین کی خدمت اور پروردگار کی رضاجوئی میں صرف کروں گا" امین الدولہ نے مولینا کو رخصت کیا اور سالانہ ایک معقول رقم کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

استعفےٰ کے بعد مولینا کی ایک بالکل نئی زندگی شروع ہوتی ہے، ذاتی تقوی اور طہارت کے ساتھ اب ہر وقت یہ فکر دامنگیر تھی کہ کسی طور پر ہر مسلمان کتاب و سنت کا پیرو نظر آنے لگے، اس سلسلہ میں آپ نے وانذر عشیرتک الاقربین کے حکم اور سنت کے مطابق سب سے پہلے تبلیغ وارشاد کا کام اپنے خاندان ہی سے شروع کیا، خاندان میں بیسیوں بدعتیں جاری تھیں، ان کے استیصال کے لئے وعظ و پند کا سلسلہ جاری کیا، مخالف قوتیں سرگرم پیکار ہوئیں لیکن بالآخر حق غالب ہوا، شر و فساد کی بدلیاں چھٹتی گئیں اور کچھ دنوں کی پیہم سعی و کوشش کے بعد اس آفتاب رشد و ہدایت کی کرنوں نے تاریک گھروں میں ایمان و عرفان کا اجالا پھیلا دیا، بڑا مسئلہ عزاداری کی روک تھام کا تھا، اسلئے کہ خاندان کے کئی افراد سلطنت اودھ میں اونچی اسامیوں پر ممتاز تھے، اور سلطنت میں تقرب حاصل کرنے کے لئے بڑے تزک و احتشام سے ہر سال مراسم تعزیہ داری انجام دیتے تھے، لیکن اس معاملہ میں بھی پروردگار عالم نے ظفر مند فرمایا، "امام باڑہ" جو مراسم عزاداری اور اس کے ساز و سامان کے لئے خاص تھا، حضرت مولینا کے بڑے داماد کے مکان مسکونہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا، اور چار دیواری کے اندر جہاں سال کے سال نوحہ ماتم اور سوزخوانی ہوا کرتی تھی، وہاں اب شب و روز نماز و تلاوت قرآن مجید کی دھوم دھام تھی بڑے بوڑھوں کی زبان آج بھی اس مکان کا نام "امام باڑہ" ہی پڑا ہوا ہے،

مولوی صاحب مجوب ہو کر فرمانے لگے، جی ہاں "خیال نہیں رہا، مولنا نے پھر اصلاح فرمایا، صحیح لفظ خیال ہے خیال نہیں، اس پے درپے لفظی گرفت نے کچھ ایسا رنگ جمایا کہ مناظرہ کی نوبت ہی نہیں آئی، اور مجمع سے بہیم آوازیں آنے لگیں کہ جب مولوی صاحب کا تلفظ تک صحیح نہیں ہے، تو یہ مولانا سے مناظرہ کرنے کی اہلیت ہی کب رکھتے ہیں؟ حضرت مولانا رہ کی طبیعت ذکی اور ذہن بہت رسا تھا، اکثر سوالات کا جواب برجستہ اس انداز میں دیدیا کرتے کہ مخالف سے مخالف بھی داد علم و واقفیت دیے بغیر نہ رہتا' ایک شیعہ مجتہد نے آپ سے ایک بار اصحابی کالنجوم کے متعلق کچھ اشکالات پیش کئے، آپ نے اُس کا جو برجستہ جواب دیا ہے، اُسے اپنے ایک خط میں اپنے بھتیجے حافظ عبد الحی صاحبؒ کو

تخت جگر نور بصر سعید احق شیخ عبد الحی طول عمرہٗ بعد دعاے اہتداے صراط مستقیم و عقیدہ قویم آنکہ دیروز شخصے امامیہ بیان کرد کہ صحابہ را در حدیثے کہ نزد اہل سنت متواتر است بستارگان تشبیہ دادہ اند و مشبّہ بہا بعض سعید اند و بعض نحس پس مشبہ ہم بدین گونہ باشد' فی البدیہہ گفتم کہ این از خوش فہمی طائفہ شما ہست زیراکہ در کلام مخبر صادق تشبیہ فقط در ہدایت است بقرینۂ اقْتَدَیتُم اهتَدَیتُم و ہدایت جملہ ستارگان را بالعزور لازم غیر منفک است لقولہ تعالیٰ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِی ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ چہ ضرورت است کہ تشبیہ در جملہ وجوہ مشبّہ بہ باشد تشبیہ بعض وجوہ شائع و ذائع است' قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ کہ درینجا تشبیہ ہمگی در نابودن پدر است نہ در جمیع وجوہ وَقَالَ اللّٰہُ مَثَلُ نُورِہٖ کَمِشْکوٰۃٍ فِیھَا مِصْبَاحٌ کہ درین جا تشبیہ ہمگی باضاءت است، نہ بسائر وجوہ وَفِی الْحَدِیثِ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ، درین جا تشبیہ فقط بہ امکان رویت است نہ در ہیئت مشبّہ بہ سرفرود آورد و سکوت کرد افادۃً لکم تحریر نمودم؛

خدمت اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے، لیکن رسمی طور پر عزاداری کیا کرتے تھے، ایک روز حضرت مولانا سے وعظ کہنے کے لئے درخواست کی، مولانا نے وعظ کہا، اور دل کھول کر عزاداری کی مذمت فرمائی اور اس سلسلہ مین جو مشرکانہ اور مبتدعانہ افعال کئے جاتے ہین، ان پر تنبیہ کی، تعلقدار صاحبان طمانیت خاطر کیساتھ سنتے رہے، اور ندامت سے سرنگوں رہے، تعلقداران شیعہ کے اخلاف اب تک فرماتے رہتے ہین، کہ ہمارے خاندان کے عقائد کی اصلاح حضرت مولانا عبد العلی صاحب نگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ کی رہین منت ہے،

اس زمانے مین کچھ مناظرہ اور مکالمہ کا بھی عجب دستور تھا، ہر طرف مسائل مختلف فیہ مین مناظرہ کا بازار گرم تھا، ہرچند کہ مولانا رحمۃ طبعاً ان چیزون کو اچھا نہ سمجھتے تھے، لیکن بعض مرتبہ حالات کا تقاضا ہی یہ ہوتا تھا، کہ اسے گوارا کر لیا جائے، چنانچہ آپ کو بھی مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی، مولوی مظہر کریم صاحب دریابادی مولوی محمد عسکری صاحب کرہ وی وغیرہ سے مختلف مسائل میں مناظرہ کرنا پڑا جن مین فریق مخالف نے آپ کے تبحر علم طریق استدلال زور بیان اور طلاقتِ لسان کا ہمیشہ اعتراف کیا ایک بار کوئی مولوی صاحب اوعائے علم مین ایسے وارفتہ ہوئے، کہ باوجود حضرت مولانا کے پیہم انکار کے مناظرہ کی تاریخ کا اعلان کر دیا، خیال یہ تھا کہ مولانا یونہی انکار فرماتے رہین گے، اور مجھے اول تو مسلمانون میں اپنے مسلک کے رواج دینے کا موقع ملے گا، دوسرے مولانا کے تبحر علم کا جو شہرہ ہے، وہ بھی ختم ہو جائے گا، معاملہ کی نزاکت کو دیکھکر حضرت مولانا کے مخلصین نے عرض کیا کہ حضرت یہ موقع آپ کی خاموشی کا نہین ہے، اگر آپ خاموش رہیں گے، تو مخالفین کو غلط فہمیان پیدا کرنے کا پورا موقع ہاتھ آجائے گا، چنانچہ مولانا مجلس مناظرہ میں تشریف لائے، مسلمانون کا اچھا خاصہ مجمع تھا، مولوی صاحب جو مناظرہ کے لئے بہت زیادہ بے تاب تھے فرمانے لگے، مولانا آج ہی تو معلوم ہوگا، کہ "مُنَاظِرہ" کسکو کہتے ہین، مولانا نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا، حضرت پہلے لفظ صحیح استعمال فرمائیں لفظ "مُنَاظَرَہ" ہے "مُنَاظِرہ" نہین ہے مولوی صاحب نے فرمایا جی ہان، غَلَطی ہوئی، مولانا نے پھر گرفت کی اور فرمایا، صحیح لفظ "غَلَطی" ہے "غَلْطی" نہین ہے

مطالعتها القلوب و دلت همومها السن و د و الشوق الی لقاء الحبیب

نضر الله ایامه ونشر علی هام المجید اعلامه کشوق الروض الی

الطل والمهجور الی الوصل او کشوق الظمان للشراب والارض المحلة

للسحاب وهذه تشبیهٌ وتخییلٌ والا فشوق المحب والله یفوت التوصیف

ویتجاوز التعریف والله جامعُ المتفرقین وآخر دعوانا ان الحمد لله رب

العالمین والسلام بالاکرام بالبدء والختام"

صدیق...... جمادی الاولی ۱۲۹۲ھ

آپ کے علمی تبحر، خداداد قابلیت اور غیر معمولی ذکاوت و ذہانت نے بارہا زمانہ

کہ آپ کسی اونچے اور ممتاز عہدہ پر فائز ہو کر دولتِ دنیا حاصل کریں، لیکن آپ نے پرور

جو عہد و پیمان دین و مذہب کی خدمت گذاری کا فرمایا تھا، ہمیشہ اس پر قائم رہے، سیم و زر کی تھیلیاں

آپ کے سامنے کھولی گئیں، لیکن آپ نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، تقرب سلطانی کے عہدے اور مرتبے

پیش کئے گئے، لیکن آپ نے التفات نہیں فرمایا، ساری عمر موٹا جھوٹا کھایا اور پہنا، عسرت کی

زندگی کو ترجیح دیا، اور خدمتِ خلق و اطاعتِ خالق میں مصروف رہے، بزرگوں کا یہ مقولہ بالکل سچ ہے جو

دنیا سے بھاگتا ہے دنیا اسکے پیچھے دوڑتی ہے، بالکل یہی حال حضرت مولانا کا تھا،

واجد علی شاہ کے سن جلوس میں انجم الدولہ مصلح السلطان سفیر شاہی مقرر ہوئے تھے، لیکن

کسی خطا کے باعث اس عہدہ سے معزول کر دیئے گئے، اور ریزیڈنٹ کی تجویز کے مطابق نواب

محمد خانصاحب عہدۂ نظامت سے سفارتِ شاہی پر مامور کئے گئے، اسی زمانہ میں ایلٹ صاحب

سکریٹری گورنر جنرل لکھنؤ آئے، یہ بڑے علم دوست اور السنۂ مشرقیہ کے دلدادہ تھے، جہاں کسی کتبخانہ

کا پتہ پاتے، پہونچتے، اور جہاں کسی صاحبِ علم کی خبر پاتے، ضرور ملتے، نواب محمد خانصاحب کی زبانی

وعظ و پند، درس و تدریس تعلیم و تربیت سے جو وقت بچتا، وہ افتا اور تالیف و تصنیف کے نذر ہوتا، تصانیف میں کئی رسائل رد بدعت میں عالمانہ اور محققانہ سپرد قلم فرمائے ہیں، جن کا ہر لفظ و اتقیت عامّہ اور وسعت اطلاع کا آئینہ دار ہے، طرز تحریر نہایت سنجیدہ اور اسلوب بیان انتہائی پاکیزہ ہے، اردو میں آیات الاحکام کی تفسیر اور اس پر مجتہدانہ فوائد و حواشی کا اضافہ آپ کے علمی کارناموں کی جان ہے، آپ کی تفسیر آیات الاحکام کو دیکھ کر اس دور کے علم و تحقیق کے سب سے بڑے قدرشناس امیر الممالک الاجاہ علامہ نواب صدیق حسن خانصاحبؒ والی ریاست بھوپال اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں،

أتانا كتابٌ منكَ عن ودٍّ ودّه … اضاءت له الدنيا وزالت همومها

شممتُ عبيرَ المسكِ في طيّ نشرِهِ … فأوجبتُ ايّامًا على ان اصومها

الى جناب العلامة الاوحد الفاضل الكلام المجد الاديب الاريب و الحلاحل اللبيب الحامي لسنن النبي التهامي اخينا مولانا المولوي حافظ محمد عبد العلي النجرامي عامله الله بلطفه السامي وبعد اهداء السلام التام وانهاء التحيات والاكرام فالمرفوع الى عالي المقام، سامي المجد و الاحترام انه وصل الى محبتكم مكتوبكم الفخيم مع تاليفكم الكريم بمعرفة الشيخ العلامة مولانا محمد انور علي المرادآبادي اوتي الاجر من الله ذي الايادي فقابلته بالتبجيل والتعظيم وتلقيته بالترحيب والتكريم وحصل لمحبكم بوصوله غاية الفرح والسرور لانه متحلي بما يزري قلائد النحور، يا مولانا قد فسرنا آيات الاحكام من قبل لكن ما اودعتم في تفسيركم هذا من النكات والاسرار رفعا والله لا سمعت اذني ولا رأت عيني باحسن منها فوالله لقد انشرحت عند

حضرت مولانا لکھنؤ ہی میں مولانا انور علی صاحب مراد آبادی رہ کے دولت کدہ پر موجود تھے نواب محمد خان صاحب کرنل صاحب کا خط لیکر آئے، ہر چند کہ مولانا کی طبیعت امرار کی صحبت سے نفور تھی، لیکن نواب محمد خان صاحب کے اصرار نے بالآخر ریزیڈنسی تک پہونچا ہی دیا، جہاں کرنل رچمنڈ اور سرجان الیٹ آپ کے لئے ہمہ تن انتظار تھے، مولانا کی تشریف آوری پر دونوں نے پرتپاک خیر مقدم کیا، اور عزت و تکریم کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا، یہاں بھی کھدر کے کرتے اور کھدر کے پائجامے کی شان قائم تھی، بڑی دیر تک مختلف علمی مسائل پر گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، سرجان الیٹ نے خاتمہ کلام پر نہایت ہی مخلصانہ انداز میں فرمایا، مولانا اگر آپ قبول فرمائیں تو سرکار کمپنی میں آپ کے علم وفضل کے شایان شان عہدہ حاضر ہے، مولانا نے ایک ساتھ شکریہ ادا کیا، اور فرمایا کہ فقیروں کو عہدہ و مرتبہ کی خواہش نہیں ہوتی، رب کی خلق کی خدمت ہمارے لئے یہی مرتبہ کیا کم ہے، اس استغنا نے سرجان الیٹ کے دل میں کی قدر و منزلت اور زیادہ کر دی، اور وہ آپ کی ملاقات سے بہت زیادہ خوش ہوا،

اس دور کے اکابر علما رسے آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری تھا، مولانا انور علی صاحب مراد آبادی اور مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی، شاہ پناہ عطار صاحب سلونوی رہ مولانا خواجہ احمد صاحب رائے بریلوی کے خطوط اور بعض خطوط کی نقل مولانا کے کتب خانہ میں اب تک محفوظ ہے،

مولانا امیر علی صاحب شہید رہ سے بھی معاصرانہ سلسلۂ مکاتبت تھا، آپ نے جب علم جہاد بلند کیا تو حضرت مولانا رہ نے بھی شرکت کے لئے تیاریاں شروع کیں، لیکن قبل اس کے کہ آپ اس سعادت کو حاصل فرمائیں، مولانا امیر علی صاحب رہ نے جام شہادت نوش فرمایا، مولانا امیر علی صاحب رح کی شہادت سے عسکر اسلامی کا نظام درہم برہم ہوگیا، اور نہ معلوم کتنے دلوں کو جان بازی کی حسرت

حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ کے علم وفضل کا ذکر سن کر الیٹ صاحب نے ملاقات کے لئے بے حد اشتیاق ظاہر کیا، اور کرنل رچمنڈ صاحب سے تحریک کی کہ مولانا کو ریزیڈنسی میں بلایا جائے، کرنل صاحب نے نواب محمد خانصاحب سے کہا نواب صاحب نے آپ کے استغنا، اور تقرب سلطانی سے گریز کا حال نیز تحصیلداری سے استعفا، امین الدولہ کے اصرار اور آپ کے انکار کی ساری داستان سنائی، اور کرنل صاحب کو مشورہ دیا، کہ آپ خود اپنے ہاتھ سے ایک خط مولانا کو تحریر کریں، اور میں قاصد بن کر ان کی خدمت میں حاضری دوں ممکن ہے مولانا قبول کریں، اور ریزیڈنسی کو قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمائیں، کرنل رچمنڈ نے نواب محمد خانصاحب کی رائے سے اتفاق کیا، اور ذیل کا خط دیکر نواب محمد خانصاحب کو حضرت مولانا کی خدمت میں روانہ کیا،

"غواص بحار علوم و دراک نکات فہوم عالم علیم نبیل اصمعی نظیر جامی مولانا المولوی عبدالعلی الیخزامی سلام محبت التیام قبول باد الحال رئیس نبیل حاکم جلیل عالی جناب معلی القاب مسر جان الیٹ صاحب بہادر سکریٹری اعظم حضور نواب گورنر جنرل بہادر لازالت شموس اقبالہ طالعۃ نزول اجلال بدار الحکومت لکھنو فرمودہ اند موصوف را در علوم مشرقیہ لذتے است فراوان وحظے بے پایان ونفس عالیہ آں گرامی قدر ہر دم کتب مشرقیہ را جویان، و علمائے مشرقیہ بہ بارگاہ آں والامناقب منزلت عظیم ورفعت جلیل دارند، چون فضیلت و غزارت علم آنجناب بزبان برکت ترجمان نواب محمد خان بہ سماع مبارک آں حاکم محکم رسید استدعا بلقا فرحت افزائے آں فضیلت دستگاہ بہ وسیلہ کاتب ایں سطور می فرمایند از اخلاق وصفات ستودہ کہ خاصہ علماء ہستند رجا واثق کہ بمقام ریزیڈنسی از قدوم میمنت لزوم مشتاقان زیارت خود را مستحق شکر سازند"

خادم شما:- کرنل رچمنڈ ریزیڈنٹ

تلخیص و تبصرہ

زندگی کی بے کیفی اور اوس کا علاج

ہم مین اکثر طبیعتین ہنگامہ پسند ہوتی ہیں، ایسے طبائع کے لوگ غیر متوقع اور پرخطر حالات کا بلی
سے مقابلہ کرتے ہین، اس احساس سے ان کو مسرت ہوتی ہے کہ ان کی شخصیت اہم اور خر
ان سے بڑے کارناموں کی توقع ہے، اصل یہ ہی کہ انسان ایسی ہی جدوجہد کا متمنی ہوتا ہے، جز
برآمد ہون، اسی لئے جنگ میں فتح حاصل کرنا مستقل امن وسکون قائم کرنے سے کہیں آسان ہو، طبیعت ین.
وجدان کا عنصر دشمن سے برسرپیکار ہونے میں مددگار رہوتا ہے، اور ہم اپنے مقصود کے حصول میں غیر متزلزل
ارادہ کے ساتھ منہمک ہوجاتے ہین، ہم پہاڑون کی بلند چوٹیون پر بڑے جوش و ولولہ کے ساتھ چڑھتے
لیکن ہمارا سارا جوش و حوصلہ اس وقت مایوسی سے بدل جاتا ہے، جب پہاڑون کے دوسری
طرف بے رونق پہاڑیوں اور چٹیل میدانوں پر نظر پڑتی ہے، وہی پرجوش لڑکا جو اپنی خیالی دنیا مین
اپنے قلعہ کو خوفناک محاصرہ سے محفوظ رکھتا ہے، آگے چل کر صرف ایک پریشان حال اور درماندہ
تاجر بن کر رہ جاتا ہے، ناکامی سے ہمارے سارے بلند حوصلے فکر و تردد سے بدل جاتے ہیں، مہم
کرنے کا سارا جوش و ولولہ بُری طرح سے کچل دیا جاتا ہی، تاآنکہ ہم نامرادی کی اوس منزل پر پہونچ جاتے
ہین، جہان مہمات پر استغنا کے ساتھ صرف مسکرا دیتے ہین، اور ان کو نوجوانوں کے تخیلات سے تعبیر
کرنے لگتے ہین،

باقی رہ گئی،

علوم میں قرآن و حدیث فقہ پر پوری دسترس حاصل تھی، ادب عربی اور ادب فارسی سے خاص دلچسپی اور شغف تھا، دونوں زبانوں میں قلم برداشتہ لکھتے، اور جو کچھ لکھتے اُسے پڑھ کر بڑے بڑے ماہرین فن سر دُھنتے،

علم و عمل حکمت و معرفت کا یہ درخشندہ آفتاب ۲۸ رشوال یوم چہار شنبہ ۱۲۹۶ھ کو غروب ہوگیا،

(باقی)

تابعین رحمہ

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابہ کرام کے بعد انہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمرؓ بن عبد العزیز، حضرت حسنؓ بصری، حضرت اویسؓ قرنی، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقرؒ، حضرت امام جعفرؒ صادق، حضرت محمد بن حنفیہؒ حضرت سعیدؒ بن مسیب، حضرت سعیدؒ بن جبیرؒ حضرت محمد بن سیرینؒ حضرت ابن شہاب زہریؒ، امام ربیعہ رائیؒ، امام مکحول شامی، قاضی شریح وغیرہ چھیانوے اکابر تابعین کے سوانح ان کے علمی مذہبی، اخلاقی اور علمی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی،

ضخامت:- ۵۰۰ صفحے، قیمت:- للعہ

منیجر

جبراً قبول کرنا ہو، یہ بھی ممکن ہو کہ ہمارا حوصلہ اور اندرونی خواہشیں حقیقت سے ہم آہنگ نہ ہوں، اور ان کا خیال ہماری ہزیمت و اضمحلال کا سبب ہو، ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم معمولات کی بندشوں میں پھنس کر بے بس ہو گئے ہوں، اور ہم میں وہ جرأت نہ ہو، جو اس قید و بند سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے، محرومی اور ناکامی ہم کو نمردہ بنا دیتی ہے، گو ہماری سب خواہشات ہمیشہ ہماری مرضی کے مطابق نہیں پوری ہو سکتیں، لیکن ایک ایسی درمیانی صورت ہو سکتی ہے جس سے ہم کافی حد تک مطمئن اور مسرور رہ سکتے ہیں،

ہم میں نمایاں کام انجام دینے کا حوصلہ و ولولہ ہونا چاہئے، اور نوجوانی کے تخیلات اور تصورات کو خشکی اور حقارت کیساتھ نہ ٹھکرانا چاہئے، کیونکہ یہی تصورات اکثر ان چیزوں کی جانب ہیں، جو ہمارے لئے حد درجہ دلچسپ ثابت ہو سکتی ہیں، ولولہ اور حوصلہ ایک ایسا قیمتی عطیہ دبا دینے سے زندگی کی چاشنی اور دلچسپی ختم ہو جاتی ہے، اسے دبا دینے کے بجائے اس کو بلند اور بہتر شکل میں مناسب راستوں پر لگانا چاہئے، بچپن کے کسی حد تک ناقابلِ عمل اور ناپسندیدہ حوصلہ کو سدھار اور سنوار کر جوانی میں اجیرن زندگی کو خوشگوار بنایا جا سکتا ہے، اس سے وہ زندگی جو عذاب جان تھی پُر لطف اور شگفتہ ہو جائے گی،

آج خوفناک دشمن کی یلغار سے قلعہ کی حفاظت کا سوال ہماری بڑی اکثریت کے سامنے نہیں آتا، لیکن بہت سی ایسی باتیں ہیں، جو ہمارے جذبۂ شجاعت کو ابھار سکتی ہیں، ظلم اور ناانصافی آج بھی دنیا پر مسلط ہے، جہالت، غربت، اور بیماریاں آج بھی انسان کے جذبۂ شجاعت کو دعوتِ مبارزت دے رہی ہیں، کیونکہ کوئی نہ کوئی ضرور آپ کی امداد کا محتاج ہوگا، سوسائٹی کی کوئی نہ کوئی مفید خدمت آپ ضرور کر سکتے ہیں، اس سے آپ بوجھل زندگی کا بار ہلکا کر سکتے ہیں،

بوجھل زندگی کا ایک علاج اپنے آپ کو بھلانا بھی ہے، ہماری نصف جنگ اسی وقت سر ہو جاتی

نوجوانی کی روح کے خاتمہ پر اس کی تازگی اور دلچسپی کا قائم رکھنا بہت دشوار ہو جاتا ہے، نوجوانون کے لئے ہر بات نئی اور ہنگامہ خیز ہوتی ہے، وہ اپنی خیالی دنیا اور اپنے تصورات میں ولولہ انگیز کارنامہ کا مرکز ہوتا ہے، اور یہ چیز اس کے لئے معمولی معاوضہ نہیں ہوتی، نوجوانون کا یہ عقیدہ ہوتا ہے، کہ وہ پُرلطف مہمات سے دوچار ہون گے، چنانچہ وہ غیر معمولی اور پُراسرار حالات کے متلاشی اور حیرت انگیز کارنامون کے لئے منتظر رہتے ہیں، لیکن جو لوگ نفسیاتی شباب کے راز سے محروم ہو جاتے ہیں اور اس سے ہمیشہ ناآشنا رہتے ہین، انھیں زندگی مکدر اور بے کیف معلوم ہونے لگتی ہے، اس کے دو نتیجے ہوتے ہین، کچھ لوگ اس پر قابو حاصل کرنے کے بجائے اس سے مضطرب ہو کر پناہ حاصل کرنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتے پھرتے ہین، اور غم غلط کرنے کے لئے تفریح کے مشاغل تبدیل کرتے رہتے ہین انھین عارضی سکون و قرار اور استقلال بھی نصیب نہیں ہوتا، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہین، جو ان حالات سے بددل ہو کر اپنی ذات مین محو اور دنیا سے بے تعلق اور بے حس ہو جاتے ہیں، ان کے لئے کسی چیز میں کشش اور دلچسپی باقی نہین رہ جاتی، اور ان کی ساری توجہ سمٹ کر ان کی ذات میں مرکوز ہو جاتی ہے، ان کے ناقابلِ توجہ احساسات بڑھنے لگتے ہین، اور ہر قسم کی کسک اور درد کو مبالغہ آمیز شکل میں پیش کرتے ہین،

ایسے شخص کی طبیعت کی گرانی اور بے کیفی سے ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ صحیح طریقہ پر زندگی نہیں بسر کر رہا ہے، وہ جو کرنا چاہتا ہے نہیں کر رہا ہے، یا اوسے معلوم ہی نہیں، کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے، اور زندگی مین اس کو اس کی جگہ نہیں ملی ہے، اس سے بعض وقت شدید قسم کی بددلی پیدا ہو جاتی ہے، اور جس کام کو ہم پسند نہیں کرتے، یا جو ہمارے لئے دلچسپ نہیں ہوتا، اس کا کرنا وبال ہو جاتا ہے، اور اس سے محرومی اور ہزیمت محسوس ہونے لگتی ہے، عموماً انہی چیزوں سے زندگی وبال اور اجیرن ہو جاتی ہے،

ممکن ہے ہماری محرومی کا سبب ہماری جذباتی زندگی کی مایوسیان یا کسی ناگوار طریقۂ زندگی کا

اخبارِ علمیّہ

افریقہ کی مہلک مکھی

آج جب کہ جنگ کی ہولناکیون نے سائنس کی تباہ کاریون کو مرکز توجہ بنا دیا ہے، اور زندگی کے تحفظ اور ترقی کی جدوجہد کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں رہ گئی، بہت سے ماہرین سائنس کے دور افتادہ گوشون مین ایک چھوٹی سی مکھی سے برسرِ جنگ ہین، اس مکھی کے زہر ہلاہل کی تباہ کاری بم کے گولوں سے کم نہیں ہے، اس مکھی کا نام ٹسیٹسی ہے، اس کے زہر سے غنودگی کی بیماری پیدا ہوتی ہے، پہلی بار جولائی ۱۹۰۱ء مین اوگانڈہ مین تقریباً تیس ہزار جانیں اس بیماری کے نذر ہوگئیں ۱۲ سال میں تقریباً دو لاکھ انسان اس کے شکار ہوئے، اس تباہ کن بلا کو ایک جماعت نے بڑی دشواریون کے ساتھ روکا، اس سلسلہ میں کہین پوری آبادی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل اور کہین نئی آبادی بسائی گئی، اس اہتمام کے باوجود ٹسیٹسی اب بھی دبی چھپی ہوئی موجود ہے، یہ صورت افریقہ کے تقریباً پچاس اضلاع میں ہے، اس مکھی کا زہر آہستہ آہستہ جسم میں سرایت کرتا ہے، اور خفیف بخار اور دردِ سر کے بعد عام کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، زہر خون میں شامل ہوکر ریڑھ کی ہڈی اور دماغ کو متاثر کر دیتا ہے، مریض نیم پاگل ہو جاتا ہے، اوس کے منہ سے کف خارج ہونے لگتا ہے، اور وہ گھل کر صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے، مویشیوں کے لئے اس کا زہر نہایت مہلک ہے، ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ مکھی ملک کے بہترین حصہ مین پائی جاتی ہے، اس کی افزایش کے لئے

کرنا ہے، صرف ورق گردانی نہیں،

کتاب کے ہر حصہ کے خاص نکتوں کو بہت اچھی طرح سمجھنا چاہئے، بلکہ ان کو اپنے الفاظ میں لکھ لینا چاہئے، بعض لوگ اس قسم کے خاص جملوں پر خط کھینچ دیتے ہیں لیکن نکتہ کو پوری طور سے سمجھنے کا معیار یہ ہے، کہ اس کو اپنے الفاظ میں ادا کیا جاسکے، ممکن ہے اصل مصنف کی طرح آپ خوبی کے ساتھ اسکے خیال کو اپنے الفاظ میں نہ ادا کرسکیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ اصل مفہوم پورے طور سے ادا ہو جائے، طرز ادا کیسا ہی ہو، اگر اس پر آپ کو قدرت نہیں ہے، اور آپ مصنف ہی کے طرز بیان کے محتاج ہیں، تو پھر آپ نے کافی غور وخوض سے مطالعہ نہیں کیا ہے۔

مصنف کی ان شہادتوں پر پورا غور کرنا چاہئے جن پر اوس کے خیالات کا مدار ہے، اور یہ دیکھنا چاہئے، کہ وہ صرف ایک بات بیان کرکے اس کا متوقع ہے کہ آپ اسکے بیان کو یقین کریں یا اسکی سندیں پیش کرکے اپنا بیان باور کرانا چاہتا ہے یا وہ دوسرے ماہرین فن کا حوالہ دیکر انکی سندوں پر آپکے اعتماد کا امیدوار ہے یا حقیقتیں پیش کرکے اپنے خیالات کی صداقت منوانا چاہتا ہے؟ یا وہ متضاد حقیقتیں بھی پیش کرتا ہے اور کیا وہ آپکے اندر ایسی کیفیت پیدا کر دیتا ہے کہ آپ وہ سب کچھ یقین کر لینا چاہتے ہیں، جو وہ کہتا ہے یا اس کا طرز ادا آپ کو اسکی مخالفت پر آمادہ کر دیتا ہے؛ اور کیا وہ وضاحت کیلئے تمثیلوں سے کام لیتا ہے، جس سے موضوع تو واضح ہو جاتا ہے لیکن حقیقت کی تائید نہیں ہوتی، مطالعہ کے وقت یہ تمام اور اس قبیل کی دوسری باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہئے، مطالعہ کرنے والا جس قدر مصنف کی خطیبانہ تدبیروں سے واقف ہوتا ہے اسی قدر مطالعہ میں گہرائی پیدا ہوتی ہے، اسکی شہادتوں پر غور نہ کرنے سے صرف تمثیل یاد رہجاتی ہے، اور حقیقت فراموش ہو جاتی ہے، اس لئے جو کچھ پڑھا جائے اس کا صحیح اور مرتب خاکہ تیار کرتے رہنا چاہئے، البتہ شاعری، افسانہ اور پر اسرار قصوں وغیرہ کے مطالعہ میں چنداں اس کی ضرورت نہیں لیکن ان سب کا مطالعہ بھی کسی مقصد ہی کے تحت میں کیا جاتا ہے اسلئے اسکی مختصر یادداشت تیار کر لینا مفید ہے،

ریڈیم یا اکس رے ہے، ان طریقوں سے سرطان کو صرف نکال دیا جاتا ہے لیکن اوس کا پورا قلع قمع نہیں ہوتا، انسان کے لئے سب سے بڑا خطرہ سرطان ہے، اس لئے نوجوانوں کو اکثر اپنا طبی معاینہ کراتے رہنا چاہئے تاکہ سینہ اور جلد کے سرطان کا ابتدائی ہی میں قلع قمع کر دیا جائے، سرطان کا مرض اندرونی اعضا میں پیدا ہوتا ہے جس کا کوئی علاج نہیں،

اس مرض کے ماہرین اس فکر میں ہیں، کہ ابتدائی سرطان کی علامات کیمیاوی امتحان سے معلوم کر لیا کریں، لیکن اس میں کامیابی کی کوئی توقع نہیں، ابتداً سرطان مقامی اورمی دو ہوتا ہے، اس کا کوئی رد عمل جسم یا دماغ پر نہیں ہوتا، امریکہ کے تمام باکمال سرجن سرطان کے اوسط ... کوئی کمی نہ کر سکے جسم کے اندرونی سرطان کا آپریشن تقریباً ہمیشہ ناکامیاب رہتا ہے۔

امریکہ میں پیٹ کا سرطان زیادہ تر تمباکو، شراب نوشی کی کثرت گرم گرم کھانے اوس کو کم چبانے، اور دانت کے امراض کے باعث پیدا ہوتا ہے، پیٹ کے فوراً عمل جراحی سے نکال دینا بہت مفید ثابت ہوتا ہے، لیکن ابتدائی دور میں ایسے سرطان کی تشخیص تقریباً ناممکن ہے،

سینہ کے سرطان کے مریضوں کی تعداد اس مرض کے کل مریضوں کی تعداد کی ۱/۴ ہوتی ہے ایسے مریضوں کا صرف ۱/۳ حصہ صحت یاب ہوتا ہے، فن جراحی کی اتنی ترقی کے باوجود سینہ کے سرطان سے اموات کا اوسط دوگنا ہو گیا ہے، البتہ جلد کے سرطان کی روک تھام ہو سکتی ہے، مستقل دھوپ میں رہنے اور کام کرنے سے جلدی سرطان کسانوں اور ملاحوں میں زیادہ پایا جاتا ہے، رحم کا سرطان بہت جلد بڑھتا ہے،

"ن ۔ ص"



نشیبی وادیوں، سبزہ زاروں، چراگاہوں اور زرخیز زمینوں کی آب وہوا راس آتی ہے، اسکی تباہ کاریاں صرف کثرت اموات ہی تک محدود نہیں، بلکہ وہ پوری انسانی جماعت کی صحت اور خوش حالی ہی کو تباہ کر دیتی ہے، اس کے زہر کا کوئی تریاق نہیں، اسپتالوں اور سفری شفاخانوں سے بڑا فائدہ پہونچا ہے، لیکن نہ تو ان اسپتالوں کی تعداد کافی ہے، اور نہ ہر جگہ سے مریض ان اسپتالوں تک پہونچ سکتے ہیں،

اس مکھی کی بیس قسمیں ہوتی ہیں، انسان، حیوان، وحوش وطیور اور حشرات الارض تک سب اس کا شکار ہوتے ہیں، موسم کے اعتبار سے یہ مکھیاں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہتی ہیں، اس لئے ان کو نیست و نابود کر دینا دشوار ہے، یہ جنگل سے آبادی کی طرف لاکھوں کی تعداد میں آتی رہتی ہیں، وسائل آمد و رفت کی ترقی اور تیز رفتاری سے سیٹسی کو بڑی تقویت پہونچی ہے، اسلئے ان سے ابتک پناہ نہیں ملی ہے، اس مکھی پر قابو پانا آیندہ کے ماہرین سائنس کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا،

سرطان کے متعلق تجربات

امریکہ میں ۱۹۳۸ء میں تقریباً پینتیس لاکھ آدمی سرطان میں مبتلا ہوئے، اور قریب قریب سب اوس کا شکار ہوگئے، حال میں امریکن ڈاکٹروں نے سرطان کے متعلق مکمل معلومات تین ضخیم کتابوں میں شائع کئے ہیں، یہ کتابیں اس مرض کے ماہرین فن کی علمی معلومات و عملی تجربات کا خلاصہ ہیں، ان میں حسب ذیل معلومات عام آگاہی کے لئے زیادہ مفید ہیں،

سرطان کی تشخیص اور اوس کے علاج کے متعلق موجودہ دور ترقی سے بہت زیادہ توقع کیجاتی ہے، لیکن اس کے سدباب کے لئے کوئی بڑی توقعات ہرگز نہ قائم کرنی چاہئیں، ابتک اس سلسلہ میں ہماری تمام جد وجہد غیر منظم اور بے سود رہی ہے، سرطان کا کامیاب علاج عمل جراحی

شرمندہ زافعال بشر خرس و پلنگ است | از ہند و عرب ترک و عجم نوعہ زنان خیز
فریاد ز "تہذیب" و سیہ کاری "تہذیب" | فریاد زبے دینی و غداری "تہذیب"
دنیا ہمہ در نزع ز خونخواری "تہذیب" | اے مسلم خوابیدہ بیا جاے جہان خیز

حسن بے پردہ

از جناب اسد ملتانی

پردہ سوز آخر فروغ حسن خوبان میشود | مہر تابان تا بہ کے در ابر پنہاں می شود
در تہ دامان دریا تا کجا ماند نہان | لعل تا کے مستتر در گوشۂ کاں می شود
بر قبا غنچہ برفت از کار در جوش بہار | شاہد گل می دردآن را و عریاں می شود
سرو کاندر گوشۂ خود پابگل استادہ بود | بین چہ آزادانہ در گلشن خراماں می شود
نازنینان پردہ از رخسار برافگندہ اند | خلق را بردل ستم، بر دیدہ احساں می شود
حجلہ آرایان عصمت را بمحفل بے حجاب | ہر کہ بیند صورت آئینہ حیراں می شود
خانہا ویران کند آزادی نسوان ولے | کوچہ و بازار ہا رشک پرستاں می شود
چہرۂ عریاں مگر ایمان واعظ ہم ربود | کز پے تائید آن تاویل قرآں می شود
جاے حیرت نیست گر رسم محبت عام شد | حسن چون ارزان بگردد عشق آساں میشود
نیست در کوہ و بیابان امت فرہاد و قیس | عاشقی اکنون بہ ہر کوے و خیاباں میشود
گہ بہ عشق آمادہ می گردد دل ما ہم اسد | لیکن این اندر ز صائب مانع آں میشود

"حسن چون بے پردہ شد زنہار گرد او مگرد
بوے خون می آید از تیغے کہ عریاں می شود"

ادبیات

خطاب بہ مسلمانان

(بہ تتبع سر اقبال مرحوم)

از جناب محمد عبدالرحمٰن خان صاحب حیدرآباد دکن

اے مسلمِ خوابیدہ از آوازِ اذان خیز دنیا ہمہ بیدار و تو در خوابِ گران، خیز
از نالۂ نومیدیِ دل سوختگان خیز از شورشِ سرگرمِ عمل ہم نفساں، خیز
مشرق ز شفق سُرخ چو یک چشمۂ خون است در پیشِ شیاطین سرِ انسان نگون است
آفاق پُر از فتنہ و آشوب و جنون است تکبیر ز دل گوے و بتائیدِ امان خیز
تہذیب طرفدارِ تعدی شد و اجاً در صورتِ انسان شد ابلیس نموداً
ہر قوم بقومِ دگر آمادۂ پیکار اخلاص بدست آر و بتالیفِ دلاں خیز
عالم ز تعصب شدہ است احمق و اعمیٰ تلقینِ مذاہب ہمہ بے مطلب و معنی
ایمان متزلزل ز سرابِ زرِ دنیا قرآں بہ بغل گیر و بہ تعلیمِ جہان خیز
تو وارثِ گنجینۂ ایمان و یقینی تعبیرِ رواداری و دانائی و دینی
پیغامِ ازل را تو مبلغ بزمینی بر مسلکِ توحید ز سودای بتان خیز
در جسمِ ہوا لرزہ ز طیارۂ جنگ است بر طفل و زن و پیر پسر بارشِ سنگ است

قائم رضا صاحب خاصے مضامین ہین، افسانون مین "نور وز" جناب بدرت لکھنوی"، "رکشا" نپوری" اور "نغمہ رباب" کو ہرشادانی، خاص طور سے دلچسپ ہین، امید ہے کہ سہیل کی ترقی کی یہ رفتار برابر قائم رہیگی، اور وہ آیندہ اس سے بھی کامیاب نمبر پیش کرے گا، لیکن ابھی زبان کی صحت کی جانب زیادہ توجہ کی ضرورت ہی،

عالمگیر سالانہ نمبر، مرتبہ حافظ محمد عالم صاحب تقطیع ۲۰×۳۰ ضخامت ۲۵۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عمر، پتہ دفتر عالمگیر، بازار سید مٹھا لاہور،

اس سالنامہ مین دماغی تفریح اور معلومات وافادہ دونون کا سامان ہے، چنانچہ افسانون، ڈرامون اور ادبیات کے ساتھ مفید اور سنجیدہ مضامین کا بھی معتد بہ حصہ ہے، گو ان کا معیار کچھ بلند نہیں، تاہم بعض مضامین خاصے مفید ہین، اظہر امرتسری کے قلم سے سعدی کے "نظریہ" پر دلچسپ تبصرہ ہے، مولنا ابو ظفر ندوی نے ہندوستانی زبان کے پہلے شاعر مسعود بن پر تاریخی روشنی ڈالی ہے، "انگریزی خطوط نویسی" پر امام الدین صاحب کا مضمون اچھا ہے، مدیر گذشتہ خاص نمبر مین حامد حسن صاحب قادری نے آگرہ کے ایک قدیم اردو مشاعرہ ۱۸۶۹ء کی مطبوعہ روداد پیش کی تھی، اس نمبر مین اسی زمانہ کے فارسی مشاعرہ کی روداد مع تبصرہ کے ہدیہ ناظرین کی ہے جو ایک قدیم ادبی یادگار کی حیثیت سے مفید ہے، ادب وافسانے کا حصہ علمی مضامین کے مقابلہ مین بہتر ہے، افسانے عموماً ستھرے اور دلچسپ ہین، "شاہی رقاصہ" مرزا ادیب "کیا مین قاتل ہون" جمیل احمد صاحب پانکھی "اسی نگری" "تانگے والا" عزیز مسعودی "بھونے والی مان" سالک لکھنوی "کدھر" پروانہ بریلوی "ریل گاڑی کے زنانہ ڈبے مین" امجد علی صاحب خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہین، علمی اور ادبی دونون حیثیتون سے یہ نمبر کامیاب ہے،

سالنامہ نیرنگ خیال، مرتبہ حکیم محمد یوسف حسن صاحب تقطیع ۲۰×۲۶ ضخامت ۲۳۲ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ، پتہ:۔ دفتر نیرنگ خیال وطن بلڈنگ لاہور،

باب التقریظ والانتقاد

رسالون کے خاص نمبر

ندیم بہار نمبر، مرتبہ مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی تقطیع ۲۰×۳۰/۸ ضخامت ۲۵۲ صفحے،
کاغذ اچھا کتابت و طباعت معمولی قیمت عار، پتہ:۔ دفتر ندیم گیا صوبہ بہار،

اس مرتبہ رسالہ ندیم گیا کا بہار نمبر کئی سال کے بعد نکلا ہے لیکن "دیر آید درست آید" کا مصداق ہے، یہ نمبر رسالہ کی ضخامت مضامین کی سنجیدگی اور معلومات کے تنوع مختلف حیثیتون سے نہ صرف ندیم بلکہ بہت سے رسالوں کے خاص نمبروں سے ممتاز ہے، پہلے بہار نمبر کے مضمون نگارون کا دائرہ صرف اہل بہار تک محدود ہوتا تھا، اس مرتبہ یہ قید نہیں ہے، اور دوسرے صوبہ والون کے لئے موضوع کا دائرہ بہار کر دیا گیا ہی، اسلئے اس نمبر میں بعض غیر بہاری اہل قلم کے مضامین بھی نظر آتے ہین، اسمین بہار کے تقریباً کل اچھے لکھنے والون اور ممتاز اہل قلم کے مضامین فراہم کئے گئے ہین، اور عام مضامین و معلومات کے ساتھ بہار کے متعلق خاص طور سے کافی علمی ادبی اور تاریخی معلومات بہم پہنچائے گئے ہیں، مقالات بہار میں اردو زبان اور شاعری، آثار عتیقہ، ۱۸۵۷ء میں صوبہ بہار، افسانہ و محاضرات، جہان اسلام، صوبہ بہار کے مشاہیر، یادرفتگان، افکار و خیالات اصلاح و ترقی، آثار علمیہ و ادبیہ کے عنوانوں کے ماتحت ان سے متعلق متعدد مضامین ہین، مقالات میں مولینا شبلی کی شاعری پر حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کی وہ تقریر ہے، جو لکھنؤ ریڈیو سے نشر ہوئی تھی، مولانا عبدالماجد صاحب

ساقی افسانہ نمبر، مرتبہ جناب شاہد احمد صاحب تقطیع ۲۰×۳۰/۸ ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۸ر، پتہ :- دفتر ساقی دہلی،

افسانوں کی کثرت تنوع اور دلچسپی کے اعتبار سے ساقی کا افسانہ نمبر بھی اچھا ہے، کم وبیش ۳۲ تیس بتیس افسانے ہیں، لکھنے والوں میں متعدد مشہور افسانہ نگاروں کے نام نظر آتے ہیں، افسانوں کے انتخاب میں ہر ذوق کا لحاظ رکھا گیا ہے، نوجوانوں کے لطف و تفریح کی رعایت زیادہ ہے، "جمالی" ایم اسلم "اگر یہ محبت نہیں تو کیا ہے" ممتاز مفتی "زمان کی تلاش" محمد مسلم "شیرین فرہاد"، سید رفیق حسین "گلزار محل" وجاہت حسین سندیلوی" زیادہ دلچسپ ہیں، خصوصاً گلزار محل خوب ہے، "اسکا بتی" سعادت حسین منٹو "بیگاری" ایسے میں سرمایہ داروں کی حیوانیت کی اچھی تصویر ہے، "گرودیو" ظفر قریشی دہلوی کا پلاٹ کے ناول "تائیس" سے ماخوذ ہے"، افسانہ بہترین "سراج الدین احمد افسانہ بہت اچھا نگار نے "پانچ فیصدی ماخوذ" کی تعداد بہت کم بتائی ہے، "تماشا" عرشی کشمیری کے قلم سے بعینہ اسی پلاٹ کا افسانہ لطیف کے افسانہ نمبر میں اس سے کئی مہینے پہلے نکل چکا ہے، "ادب" ساون مل ترکھا میں جس چیز کی تعلیم دی گئی ہے خود اس افسانہ میں کہان تک اس پر عمل ہے؟

نور التعلیم تعلیم بالغان نمبر مرتبہ جناب حمید لاہوری تقطیع ۲۰×۳۰/۸ ضخامت ۱۲۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ :- دفتر نور التعلیم گھگھر پنجاب،

کم تعلیم یافتہ ملکوں کی تعلیمی ترقی کے لئے تعلیم بالغان کی اہمیت ظاہر ہے، ہندوستان میں بھی اسکے تجربات شروع ہوگئے ہیں پنجاب میں زیادہ وسعت و تنظیم کے ساتھ یہ کام ہو رہا ہے، اس سلسلہ میں نارمل سکول گھگھر نے جو پنجاب میں تعلیم بالغان کا ایک مرکز ہے، نور التعلیم کا یہ خاص نمبر نکالا ہے، اس میں تعلیم بالغان کی اہمیت مختلف ترقی یافتہ ملکوں میں اس کی تاریخ، ہندوستان میں اسکی تحریک و تجربات ان کے تعلیمی اصول و عملی طریقوں، اس کے نصاب و لٹریچر، مدارس شبینہ کی تنظیم، اور اس کے تجربات

اس سالنامے میں زیادہ تر افسانے اور ڈرامے ہیں، سنجیدہ علمی مضامین کا حصہ کم ہے، اس میں بھی ایک دو کے سوا باقی معمولی درجہ کے ہیں، سید ذوالفقار علی صاحب نے "اقبال کے نظریہ خودی" پر بسیط نگاہ ڈالی ہے، انوار علی صاحب علوی کا مضمون "سیواجی اور افضل خان" معلومات سے خالی نہیں، اقبال کی شاعری پر بعض فضلاء کی حرف گیریوں پر مضمون نگار کو اس سنجیدگی سے نگاہ ڈالنے کی ضرورت نہ تھی، اس پر صحیح تنقید کا حق دیوجانس کلبی ندیم کے بہار نمبر میں ادا کر چکے ہیں، افسانوں میں "پریم مٹیر" ظفر عمر صاحب کا "یا بیٹ" سید عسکری صاحب "عجیب دعوت" راحت آرا بیگم صاحبہ دلچسپ "خاموش خاموش" اور "بہشت شداد" اظہر علی صاحب اچھے افسانے ہیں، بالشویزم اور نازی ازم کے عارضی اتحاد اور نازی ازم کے لئے اس کے خطرناک نتائج پر "شفق سرخ" کے عنوان سے فرید صاحب مچھلی شہری کا تبصرہ دلچسپ ہے، اس نمبر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں آٹھ دس خواتین کے مضامین ہیں، لیکن ایک دو کے سوا سب معمولی ہیں،

ادب لطیف افسانہ نمبر، مرتبہ جناب مرزا ادیب و چودھری برکت علی صاحب

تقطیع ۲۰×۳۰ ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر، پتہ مکتبہ اردو لاہور،

اس نمبر میں ادب لطیف کے خاص نمبروں کی تمام خصوصیات موجود ہیں، بیشتر افسانے مشہور افسانہ نگاروں کے قلم سے ہیں، افسانوں کے انتخاب سے خوش مذاقی نمایاں ہے، عموماً ستھرے، ابتذال و عریانی سے پاک اور پڑھنے کے قابل ہیں، ہم نے بیشتر افسانے پڑھے، "شاعر فلسفی اور کلرک" کرشن چندر ایم اے "ردعمل" علی عباس حسینی، اور "لیڈی ڈاکٹر" شفیق الرحمٰن بہت دلچسپ ہیں، "عورت کا دل" محمد امین صاحب "ناگ دیوتا" مسز عبدالقادر صاحبہ "مہیش" بلال مرادابادی "گل پژمردہ" صادق الخیری صاحب بہت اچھے افسانے ہیں، "گل پژمردہ" میں مترجم نے اصل زبان کی تمام ادبی لطافتوں کو اردو میں ڈھال دیا ہے، مرزا ادیب کی "ڈائری" بھی خوب ہے، اس سے کسی حد تک صحرا نورد کے خطوط کی تلافی ہوگئی ہے، افسانوں کے تنوع اور خوبی دونوں اعتبار سے یہ نمبر کامیاب ہے،

یہ رسالہ انجمن انیس اردو الہ آباد کی جانب سے نکلتا ہے، ایک مستقل حصہ عورتوں کے مضامین کے لئے مخصوص ہوتا ہے، اس نمبر میں ایک دو سنجیدہ مضامین کے علاوہ سب افسانے ہیں، وہ بھی بیشتر معمولی "غریبی کی تصویر"، رام سروپ صاحب ایم اے "سنفرین" محمود احمد صاحب "، دق" محمد اسحاق صاحب غنیمت ہیں "شاہکار" اخلاق علی صاحب کی زبان اگر خراب نہ ہوتی، تو برا نہ ہوتا، ان کے مقابلہ میں نسوانی معیار کو دیکھتے ہوئے عورتوں کا حصہ خاصہ ہے، اس میں "احساس کی پانچویں کرن" بیگم اخلاق علی خان "شکست" الطاف جہاں صاحبہ دلچسپ افسانے ہیں، اس حصہ میں ادب و افسانہ کے ساتھ اگر عورتوں کے لئے مفید معلومات کا بھی کچھ انتظام ہوتا، تو شاید ادب لطیف کی مشق سے زیادہ مفید ہوتا، ادبی حیثیت کے اعتبار سے ابھی اس رسالہ کے معیار کو اور زیادہ بلند کرنے کی ضرورت ہے،

تہذیب نسواں سالگرہ نمبر — مرتبہ جناب سید امتیاز علی صاحب تاج تقطیع ۲۰×۲۶ ضخامت ۷۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت :-

پتہ :- دار الاشاعت پنجاب،

عورتوں کے مشہور رسالہ تہذیب نسواں نے اپنی تینتالیسویں سالگرہ کی تقریب میں یہ سالگرہ نمبر نکالا ہے، اس رسالہ نے عورتوں کی بڑی علمی و ادبی خدمت کی، بلکہ یہ راہ اسی نے دکھائی، خدا اسکی عمر دراز کرے، اس نمبر میں تہذیب کی سرگذشت اور متعدد اچھے اور مفید مضامین ہیں، بیگم یار محمد خاں صاحب کی اس نوع کی نسوانی انجمنوں کی تحریک عورتوں کے لئے مفید ہے، "آرام و سکون" میں سید امتیاز علی صاحب تاج نے عورتوں کو دلچسپ سبق دیا ہے "چینی خواتین کے حالات"، ا۔ ج صاحبہ بھی ہماری عورتوں کے لئے سبق آموز ہیں، سیدانی بی اشرف صبوحی صاحب دلچسپ اور صاحب جی رحمت بی خان صاحب مفید مضمون ہیں،

ونتائج پر ماہرین تعلیم اور تعلیم بالغان کا عملی تجربہ رکھنے والون کے مضامین ہین، آخر مین لاہور ڈویزن کے تعلیم بالغان کے مختلف مرکزون کے تجربات کی مفصل رپورٹ ہے، تعلیم بالغان پر اردو مین بہت کم لٹریچر ہے، اس نمبر مین اس موضوع پر نہایت مفید معلومات جمع کر دیئے گئے ہیں، تعلیم بالغان سے دلچسپی رکھنے والون خصوصًا ان کے معلمین کو ضرور اس کا مطالعہ کرنا چاہئے،

ہمدرد صحت روحانی علاج نمبر مرتبہ حکیم حافظ محمد سعید صاحب دہلوی تقطیع ۲۹×۲۰/۸ ضخامت ۱۳۶ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ / پتہ :- ہمدرد صحت ہمدرد منزل لال کنوان، دہلی،

نفسیاتی توجہ سے دوسرے شخص پر اثر اندازی، جسے موجودہ اصطلاح میں مسمریزم، یا ہپناٹزم کہتے ہیں، کوئی نئی چیز نہیں ہے، اس کا پتہ بہت قدیم زمانہ سے چلتا ہے، البتہ اب اس نے ایک مکمل فن کی شکل اختیار کر لی ہے، اس سے اور حیرت انگیز کاموں کی طرح سلب مرض کا بھی کام لیا جاتا ہے، جس میں کبھی کبھی کامیابی بھی ہو جاتی ہے، اس اعتبار سے وہ ایک طریقہ علاج بھی ہے، اس مناسبت سے ہمدرد صحت دہلی نے اس مرتبہ روحانی علاج نمبر کے نام سے مسمریزم پر یہ خاص نمبر نکالا ہے، اس میں اسکی حقیقت، مختلف ملکوں اور قوموں مین اسکی تاریخ، اس کے علمی و نفسیاتی اصول، عملی طریقون معالجاتی حیثیت، مختلف امراض میں اس کے تجربات، ان کے نتائج، مسمریزم کے مختلف پہلوؤں پر اس فن سے دلچسپی رکھنے والون کے مضامین جمع کئے ہین، موضوع سے متعلق بعض افسانے بھی ہیں، مسمریزم کی معالجاتی حیثیت خواہ کچھ بھی ہو، لیکن وہ ایک دلچسپ تجربی عمل ضرور ہے، جن لوگوں کو اس قسم کے عملیات سے دلچسپی ہو ان کے لئے اس نمبر مین کافی معلومات اور دلچسپی کا سامان ہے،

انیس سالنامہ مرتبہ جناب مرزا عابد حسین صاحب قزلباش تقطیع ۳۰×۲۰/۸ ضخامت ۱۸۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت عہ/ پتہ :- سرور س پریس ۴۴ نخاس کہنہ الہ آباد،

ابتدا میں مختصر دیباچہ کے بعد مصنف کے حالات دئیے گئے ہیں، آخر میں توضیحی فہرستیں (ص۱۲۱-۱۵۲) بھی شامل ہیں، جن کے بغیر آج کل کسی کتاب کی تکمیل نہیں ہوتی، عرشی صاحب کی یہ علمی کوشش ہر طرح لائق تحسین وستایش ہے، آخر میں ایک انگریزی دیباچہ بھی منسلک ہے، "م ع"

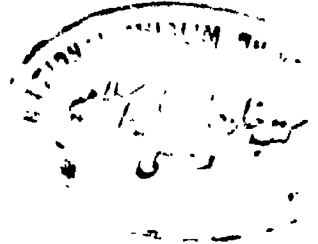
کاغذ سفید دبیز، طباعت اعلیٰ نسخ کی، جو خود اپنی جگہ پر دعوت تقلید دیتی ہے،

اسلام کا اقتصادی نظام

از مولنا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی تقطیع $\frac{20 \times 30}{16}$ ضخامت ۲۴۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر،

قیمت ۲ روپیہ، پتہ ندوۃ المصنفین قرولباغ دہلی،

تمام مذاہب میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے، اقتصادیات کے متعلق جس کے قوانین اشتراکیت سے قریب تر ہیں، اسلام انفرادی ملکیت اور جائز سرمایہ داری کا مخالف نہیں اس نے موجودہ اشتراکی اقتصادی نظام کی طرح کوئی مرتب نظام پیش کیا ہے، لیکن کسب معاش کی ترغیب، دولت اور اس کے حصول کے ذرائع، اور اس کے صرف کے بارہ میں خواہ وہ حکومت کے زیر اہتمام ہوں، یا انفرادی و اجتماعی ملکیت سے ان کا تعلق ہو، ایسے عادلانہ قوانین وضع کردئے ہیں، اور سرمایہ داروں پر ایسی قانونی اور اخلاقی پابندیاں عائد کردی ہیں، جن سے خود بخود سرمایہ داری محدود ہو جاتی ہے، اور اسکی تمام برائیوں ظلم و استبداد، غربت و افلاس اور بے کاری کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور انسانی طبقوں میں فطری حد تک ایسی ہمواری پیدا ہو جاتی ہے، جس میں نہ کوئی فرد اور کوئی جماعت ظلم و زیادتی سے بے حساب دولت سمیٹ سکتی ہے، اور نہ کوئی شخص ظلم و فاقہ کشی کا شکار ہو سکتا ہے، بلکہ دولت اور سرمایہ میں ایک معتدل توازن پیدا ہو جاتا ہے، اس زمانہ کے سیاسی رجحان کے پیش نظر ضرورت تھی، کہ ان تعلیمات کو عالمانہ سنجیدگی کے ساتھ پیش کیا جاتا، خوشی کا مقام ہے، کہ ندوۃ المصنفین کے ایک فاضل رکن مولنا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس فرض کفایہ



مطبوعات جدیدہ

کتاب الاجناس من کلام العرب | ابو عبید القاسم بن سلام النحوی الہروی، تقطیع اوسط، ضخامت ۵۲ صفحے، کاغذ اور ٹائپ نفیس ملنے کا پتہ: سرکاری کتب خانہ رامپور،

ہندوستان میں عربی کی کساد بازاری کے پیش نظر جب کوئی سچی علمی کوشش نگاہوں کے سامنے آتی ہے، تو قدرتی طور پر دل کو خاص مسرت ہوتی ہے، مولنا امتیاز علی عرشی نے مکاتب غالب کی کامیاب ترتیب و اشاعت کے بعد اب نادر عربی رسالوں کی تصحیح و اشاعت کی طرح ڈالی ہے، اس سلسلہ کی پہلی قسط ابو عبید القاسم بن سلام الہروی (م ۲۲۳ھ) کی کتاب الاجناس کی اشاعت ہے، جو کیا بلحاظ ظاہری آراستگی، اور کیا بہ لحاظ مقدمہ اور فہارس تصحیح و تحشیہ کے نئے اصولوں پر پوری اترتی ہے۔

کتاب الاجناس علم لغت کی ایک خاص شاخ پر مختصر رسالہ ہے، جس میں ایک لفظ کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں، اصل میں ابن سلام نے اس کا مواد اپنی کتاب غریب الحدیث سے فراہم کیا تھا، (ص ۲۲)

عرشی صاحب نے صرف کتاب الاجناس کی اشاعت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ابو عبید کی غریب الحدیث سے انھوں نے وہ تمام الفاظ جو کتاب الاجناس میں درج ہونے سے رہ گئے تھے، الگ رسالہ کی شکل میں جمع کر دیئے ہیں، (ص ۲۳ - ۴۰)

عابد شاپ، حیدر آباد دکن۔

اسلام مین ختم نبوت کا عقیدہ ایسا کھلا ہوا ہے کہ اس سے کوئی مسلمان انکار کر ہی نہیں سکتا، اور نہ انکار کر کے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق رہ جاتا ہے، اس لئے اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے بھی اس کا انکار نہ کر سکے، بلکہ ختم نبوت کی آیات و احادیث کے معنی و مفہوم مین تاویلیں کر کے کسی نوعیت کی نبوت کی گنجایش نکالنے کی کوشش کی، مثلاً صاحب شریعت نبوت تو آنحضرت صلعم پر ختم ہو گئی لیکن آپ کے تابع نبوت باقی ہے، یا جبرئیل وحی کا سلسلہ بند ہو گیا لیکن الہام، القا، اور کاشفہ وغیرہ مکالمہ الٰہیہ کے دوسرے ذرائع کا سلسلہ باقی ہے، اور صحابۂ کرام ختم نبوت کی ... مطلب غلط سمجھے، جن مین جھوٹے مدعیان نبوت کی پیشین گوئی ہے، ان مسائل پر بہت ... ہین۔ مولانا محمود حسن خان صاحب ٹونکی صاحب معجم المصنفین نے اپنی ایک اہم تصنیف ... مین اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے، مذکورہ بالا رسالہ اسی باب کا خلاصہ ہے، اس مین کلام اللہ ... نبوی آثار صحابہ اور ائمہ سلف کے اقوال کی روشنی مین اس مسئلہ کے ان تمام گوشون پر جہان سے نو وہین نبوت کی گنجایش نکالتے ہین، بحث کر کے دکھایا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد ہر طرح کی نبوت ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا، اور نبوت اور دین و شریعت کے لئے جبرئیلی وحی کے علاوہ مکالمۂ الٰہیہ کے دوسرے تمام ذرائع بالاجماع غیر معتبر ہین، ان پر کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی، آخر مین اسلامی تعلیمات کے حق مین ان تاویلون کے برے نتائج دکھائے ہین، کہ ان سے نہ صرف ختم نبوت کے عقیدہ مین رخنہ پیدا ہوتا ہے، بلکہ اسلام کی تعلیمات ہی مشتبہ ہو جاتی ہے، اس مسئلہ پر اردو مین جو کتابین لکھی گئی ہین ان مین معلومات و تحقیق کے اعتبار سے یہ کتاب خاص امتیاز رکھتی ہے، البتہ پرانے طرز تحریر کی وجہ سے کہین کہین پر پورا مطلب واضح نہیں ہوتا،

حسین ابن علی (نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے) مؤلفہ جناب نگہت شاہجہانپوری تقطیع ۲۰×۲۶

کو ادا کیا، اس کتاب میں انھوں نے اسلامی نظامِ اقتصاد کے تمام بنیادی اجزار، اسلامی حکومت کے نظام اس کے وظائف، بیت المال کے مداخل و مخارج، زکوٰۃ، صدقات، اوقاف، تبرع، احسان، کسب معاش کی ترغیب، صنعت و حرفت، تجارت، معدنیات، زمین، زمینداری، کاشتکاری، لگان، خراج، مالگذاری، سود، ہنشیات کی تجارت، تجارتی قمار، مزدور کی حیثیت، انکی اور سرمایہ دار کے حقوق و فرائض، اسلامی معاشرت وغیرہ ان تمام امور کے متعلق جن کا تعلق براہ راست، سرمایہ و محنت، دولت اور اسکے مصرف سے ہے، یا بالواسطہ اقتصادیات پر ان کا اثر پڑتا ہے، اسلامی قوانین اور اس کی اخلاقی تعلیمات کو اس تفصیل و ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے، کہ اسلام کی اشتراکی روح اور اس کے نظام اقتصادیات کے تمام بنیادی مسائل اور اہم پہلو سامنے آجاتے ہیں، کتاب کے آخر میں اس نظام کا دوسرے مذاہب کی اقتصادی تعلیمات اور موجودہ دور کے اقتصادی نظاموں سے موازنہ کرکے دکھایا ہے، کہ اسلام ہی کا اقتصادی نظام موجودہ اقتصادی مشکلات کا حل اور اس کا علاج ہے اور اسی کے ذریعہ دنیا کی اقتصادی فلاح ممکن ہے، اردو میں اسلام اور اشتراکیت پر کافی لکھا جا چکا ہے، لیکن خالص اسلامی نقطۂ نظر سے اور اس تفصیل اور جامعیت کے ساتھ ابتک کسی نے اس مسئلہ پر نگاہ نہیں ڈالی تھی، موجودہ اشتراکی رجحان اور مسلمان نوجوانوں کے غیر معتدل غلو اور بے راہ روی کے پیش نظر اس کتاب کی بڑی ضرورت تھی، مولنا حفظ الرحمٰن صاحب نے یہ کتاب لکھکر وقت کے ایک بڑے تقاضے کو پورا کیا، خراج و زمین کے مباحث میں الفاروق سے کافی استفادہ ہے، فاروقی عہد کے اعداد و شمار کو لائق مؤلف نے اقتصادی نظم سے متعلق لکھا ہے، حالانکہ اس کا تعلق خالص فوجی تنظیم اور تقسیم وظائف سے تھا،

معیار السنۃ لختم النبوۃ } از مولنا محمود حسن خانصاحب ٹونکی تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۹۵ صفحے، کاغذ سپید، کتابت و طباعت معمولی، قیمت ۸ر پتہ :- کتاب خانہ

ہر شعبۂ زندگی میں کامیابی اور ترقی کے اصول اور طریقے بتائے گئے ہین، یہ واقعہ ہے کہ خانگی زندگی کی تلخی دوسرون کے ساتھ ناخوش گواری کاروباری معاملات وغیرہ مین ناکامی بڑی حد تک خود ہماری ناتجربہ کاری اور بے سلیقگی، دوسرون کے جذبات واحساسات سے ناواقفیت اور حسن اخلاق کے اصولون سے لاعلمی کا نتیجہ ہوتی ہے، یہ وہ باتین ہین جن کا لحاظ رکھنے سے مخالف بھی موافق بن جاتے ہین، مؤلف نے اس کتاب مین ان مجرب نسخون اور تسخیر قلب کے ذریعہ ہر شعبۂ زندگی میں کامیابی اور مسرت کے راز بتائے ہین، اور واقعات اور مثالون سے اس کے ثبوت دئے ہین، یہ اصول ایسے ہیں، کہ ہر شخص روزانہ کے واقعات سے ان کی تصدیق کر سکتا ہے، کتاب میں چھ باب ہیں کے تحت میں مختلف شعبوں میں کامیابی کے الگ الگ اصول ہین، واقعات اور مثالون نے میں بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے، لائق مترجم نے اس کا ترجمہ کرکے اردو مین ایک مفید کتاب کیا، ترجمہ صاف و سلیس ہے کتاب اس لائق ہے کہ ہر شخص اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھائے،

لالہ رُخ مترجمہ جناب لطیف الدین احمد صاحب تقطیع $\frac{20\times30}{16}$ ضخامت ۲۲۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ کتاب خانہ علم و ادب، دہلی،

مشہور آئرش شاعر ٹامس مور کی مثنوی "لالہ رُخ" انگریزی زبان میں ادب اعلیٰ کا درجہ رکھتی ہے آج سے اٹھارہ اُنیس سال پہلے ۱۹۲۳ء میں جناب لطیف الدین احمد صاحب نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا، جو سی زمانہ میں شائع ہو گیا تھا، اب کتابخانہ علم و ادب دہلی نے بڑے اہتمام سے اس کا مصور ایڈیشن شائع کیا ہے، کسی ایسی کتاب کا جس کی خوبیوں کا تعلق زبان و بیان سے ہو، اصل کی ادبی خوبیون کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل کرنا بڑا مشکل کام ہے، خصوصاً نظم کا ترجمہ جس مین معنی سے زیادہ الفاظ کا طلسم ہوتا ہے، اور زیادہ دشوار ہے، اس ترجمہ کی اصلی خوبی کا اندازہ تو اصل کتاب کے مقابلہ ہی سے ہو سکتا ہے لیکن جہان تک ادب و انشار کی لطافتوں اور تخیل کی نزاکتون کی

ضخامت ۲۰۸ صفحے، کاغذ سپید، کتابت وطباعت معمولی قیمت مجلد ۸ر، پتہ:- شیخ غلام علی
اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور،

مؤلف نے اس کتاب میں حضرت امام علیہ السلام کی سیرت پر نفسیاتی پہلو سے نگاہ ڈالی ہے یعنی واقعات کربلا کی روشنی میں آپ کے "ایثار نفس و مال واعزا" "جذبہ حریت" "قوت ضمیر و جوہر ایمان" "قوت عمل و توازن دماغ" وغیرہ اخلاقی جوہروں کو دکھایا ہے، اور واقعہ شہادت کی سیاسی حیثیت کے متعلق شکوک و شبہات کو دور کیا ہے، کتاب سے عقیدت اور خوش نیتی نمایاں ہے لیکن جا بجا مبالغہ کا رنگ آگیا ہے، اور جن واقعات کو واقعہ شہادت سے دور کا بھی تعلق نہیں انھیں بھی اس سے متعلق کر دیا گیا ہے، مثلاً "مسلمانوں میں علمی حیثیت سے مذہب کی خدمت کا جذبہ واقعات شہادت کا نتیجہ ہے" یا اوس زمانہ کے علماء وائمہ میں علمی کمالات اور اخلاقی اوصاف واقعہ شہادت کے اثر سے پیدا ہوئے، (ص ۳) ماخذوں میں بھی احتیاط نہیں برتی گئی ہے، چنانچہ بعض غیر معتبر کتابوں کے نام بھی نظر آتے ہیں اسلئے صحیح واقعات کے ساتھ غیر معتبر روایتیں بھی شامل ہوگئی ہیں، مثلاً حضرت امیر معاویہ کے بعد حضرت امام حسین کی ولیعہدی کی روایت بالکل غیر معتبر ہے، حضرت امام زین العابدین واقعہ شہادت میں خورد سال نہ تھے، بلکہ پورے جوان تھے، ۲۲ سال کی عمر تھی، کتابت کی بکثرت غلطیاں ہیں، تحریر میں بھی ناہمواری ہے، ان خامیوں کے باوجود یہ کتاب فائدہ سے خالی نہیں ہے، اور عوام کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا،

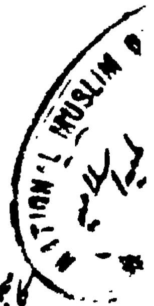
طلسم عمل یا حسن معاشرت

مترجمہ جناب مجتبیٰ حسن صاحب بی اے تقطیع ۲۲×۱۸
ضخامت ۲۰۵ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۲ر، پتہ مترجم سی یو پی سکریٹریٹ لکھنؤ

یہ دلچسپ اور مفید کتاب ایک امریکی عالم نفسیات ڈاکٹر ڈیل کارنیگی صدر ادارہ فلسفہ معاشرت کی ایک مقبول کتاب کا ترجمہ ہے، اس میں حسن اخلاق حسن معاشرت حسن عمل اور حسن تدبیر کے ذریعے

تعبیر کا تعلق ہے، ترجمہ کامیاب معلوم ہوتا ہے لیکن یہ ترجمہ آج سے اٹھارہ انیس سال پہلے کا ہے، جب ادب وانشار کا طرز اب سے مختلف تھا، اگر فاضل مترجم اس پر نظرِ ثانی کر لئے ہوتے، تو ممکن تھا، اس میں کچھ اور سلاست آجاتی، افسانہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ فرمانروائے بخاری ہندوستان کے راستہ سے حج کا سفر کرتا ہے، اور دلی میں اورنگ زیب کا مہمان ہوتا ہے اورنگزیب اپنی چھوٹی لڑکی لالہ رخ کی نسبت بخاری کے ولیعہد سے کر دیتا ہے، اور دولہا دولھن شادی کے مراسم ادا کرنے کے لئے مع خدم وحشم کشمیر روانہ ہوتے ہیں، راستہ میں کشمیر کا ایک مغنی فرامرز اپنی نغمہ گوئی اور موسیقی سے شاہزادی کا دل بہلاتا ہے، شاہزادی اس سے اس قدر مانوس اور اثر پذیر ہوجاتی ہے، کہ ولیعہد بخاری کے ساتھ شادی کا تخیل اس کے لئے سوہانِ روح بن جاتا ہے لیکن چار و ناچار دل پر جبر کرتی ہے، کشمیر پہونچنے کے بعد شادی کے سلسلہ میں جب اوس کا ولیعہد سے سامنا ہوتا ہے، اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ ولیعہد ہی فرامرز مغنی کے لباس میں تھا، اصل افسانہ صرف اسقدر ہے لیکن فسانہ گو مغنی کی زبان سے اس میں کئی دلچسپ افسانے در افسانے پیدا کئے گئے ہیں، اس افسانہ کو تاریخی حیثیت کے بجائے صرف تخیل وانشار کے لحاظ سے دیکھنا چاہئے،

محبت کی چھاؤن، مصنفہ جناب مرزا ظفر الحسن صاحب بی اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۳۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت ۱۲؍ پتہ :- ادارہ ادبیات اردو، نعمت منزل حیدرآباد دکن،

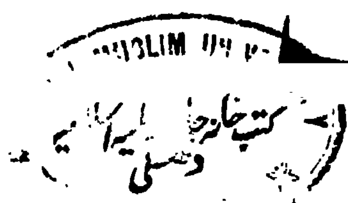


مصنف حیدرآباد کے روشناس افسانہ نگاروں میں ہیں محبت کی چھاؤن ان کے بارہ افسانوں کا مجموعہ ہے، ان میں آج کل کے تعلیم یافتہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے رومانی تخیلات درکنے بلند معاشرتی نقطۂ نظر کو روزمرہ کے واقعات وحالات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، یہ افسانے محض تخیل نہیں بلکہ نوجوانوں کی معیاری زندگی کی صحیح تصویریں ہیں،

"م"

رجسٹرڈ نمبر اے ۸۱
ستمبر ۱۹۴۰ء

معارف



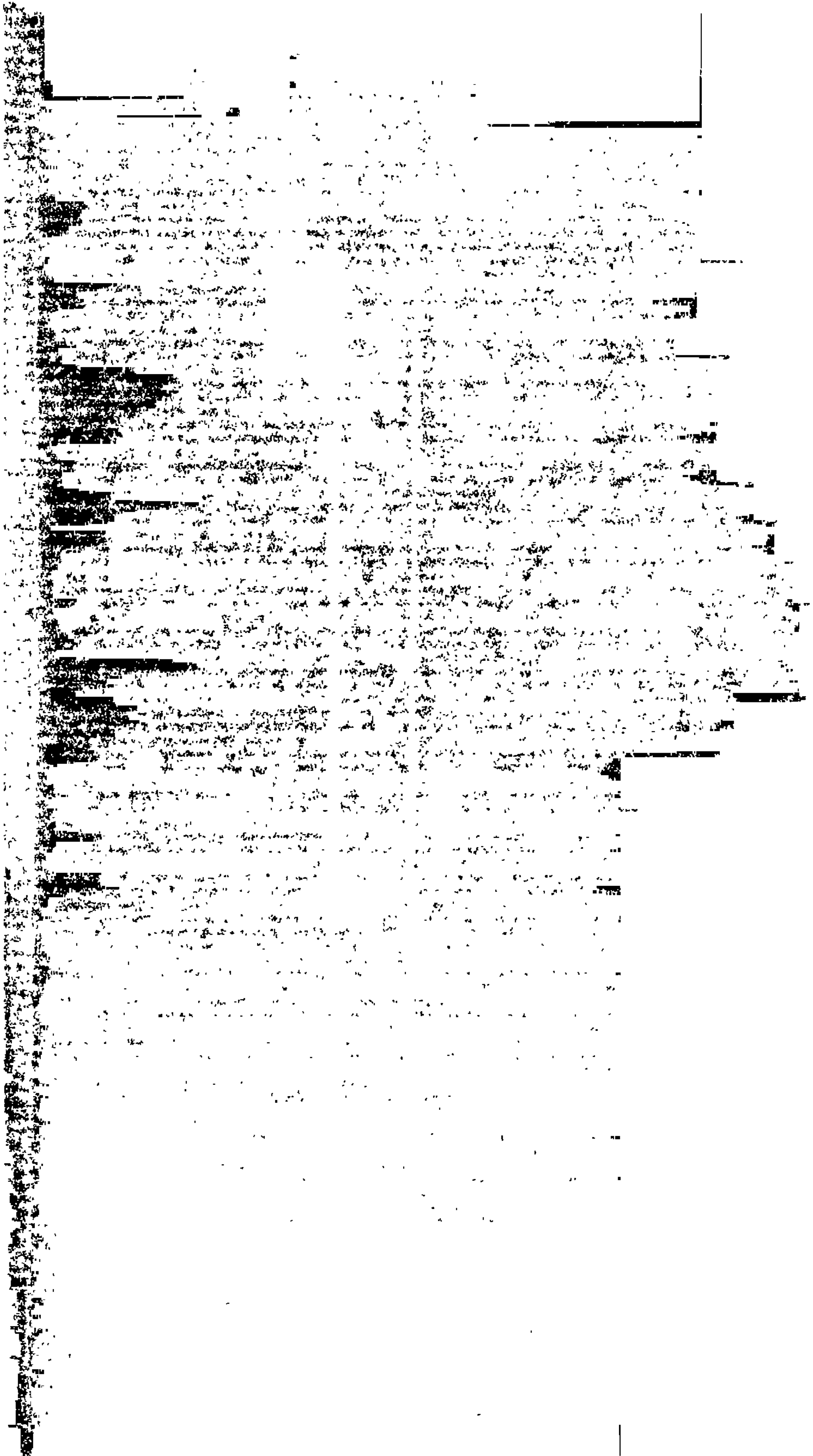
مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ



دارالمصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول: جس میں قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت [illegible] صفحے،
قیمت: [illegible] (مولانا عبد السلام ندوی)

حصہ دوم: جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت: [illegible]

گل رعنا: اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اساتذہ شعراء کے حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے [illegible] کے حالات، ضخامت [illegible] صفحے،
قیمت: [illegible] (مولانا عبد الحی صاحب مرحوم)

مکاتیب شبلی: مولانا شبلی مرحوم کے دوستوں [illegible]

[illegible]

[illegible] ضخامت [illegible] کے اصول کی تشریح اور مرثیہ کی [illegible] میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت [illegible] صفحے قیمت: [illegible]

کلیات شبلی اردو: مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو وقتاً فوقتاً ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے پچھلے سالہ دور کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۴۰ صفحے، قیمت: [illegible]

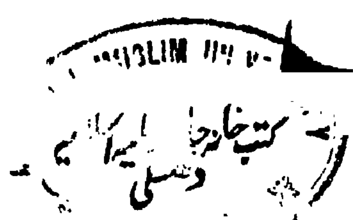
افادات مہدی: ملک کے نامور انشاپرداز مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ [illegible] مطبوعہ معارف پریس، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: [illegible]

نقوش سلیمانی: مولانا سید سلیمان ندوی کی [illegible] اردو زبان و ادب سے متعلق تحریروں [illegible]

[illegible]

رجسٹرڈ نمبر ۱۰۸ ا ے   ستمبر ۱۹۴۰ء

معارف



مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ

جلد ۴۶ ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۰ء عدد ۳

مضامین

سیرۃ النبی

رسول اللہ صلعم کے حالات وغزوات، اخلاق وعادات اور تعلیم وارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبی عام طور سے مشہور ہے، مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت واہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے،

اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں فن سیرت کی تنقید و تاریخ ہے، دوسرے حصہ میں تکمیل دین، تاسیس حکومت الٰہی، وفات، اخلاق وعادات، اعمال وعبادات اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے، تیسرے حصہ میں آپکے معجزات وخصائص نبوت پر بحث ہے، اسمیں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کیگئی ہیں، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بروایات صحیحہ ثابت ہیں، اسکے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کیگئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے جو آپکے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ اس میں قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے عقائد لکھے جائیں، پانچویں حصہ میں عبادات کی حقیقت، عبادات کی تفصیل و تشریح اور ان کے مصالح وحکم کا بیان ہے اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ وموازنہ ہے، چھٹے حصہ میں حقوق، فضائل، اور آداب کے عنوانوں اور اسکی ذیلی سرخیوں کے تحت اخلاقی تعلیمات کی تفصیل ہے، حجم ۶۱۲ صفحے،

قیمت باختلاف کاغذ حصہ اول تقطیع خورد للعہ، حصہ دوم تقطیع کلاں ۃ، تقطیع خورد ۃ روپیہ، حصہ سوم تقطیع کلاں ۃ، للعہ، تقطیع خورد ۃ، حصہ چہارم تقطیع کلاں ۃ، تقطیع خورد ۃ، حصہ پنجم تقطیع کلاں ۃ، للعہ، تقطیع خورد ۃ روپیہ، حصہ ششم تقطیع کلاں قسم اول ۃ، قسم دوم للعہ،

(منیجر دارالمصنفین - اعظم گڈھ)

کے بھی نمایندہ تھے اور مقصد یہ تھا کہ مصر و ہندوستان کی اسلامی برادریوں میں تعلقات مضبوط کئے جائیں،

ان کی اس تحریک سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ مصری نوجوان جو غلط قسم کی وطن پروری یا قومیت پرستی کے سیلاب میں بہے جارہے تھے، وہ پلٹے اور اسلام کا سفینۂ نجات ان کو دکھائی دیا، وہ مصری پارلیمنٹ کے ممبر بھی تھے، انھوں نے اور ان کے رفقاء نے مصر کی حکومت پر بار بار زور ڈالا کہ جبتک مصر کا سرکاری مذہب اسلام ہے، احکام اسلامی کے مخالف کوئی قانون اس پارلیمنٹ سے پاس نہیں ہوسکتا، ہندوستان کی طرح یورپ کی برکت سے دوسرے محکوم اسلامی ملکون میں بھی "بدکاری" کو قانونی جواز کی سند مل گئی ہے، مرحوم پہلے شخص اس کے خلاف پوری جد و جہد کی، اور لوگون نے ان کا ساتھ دیا،

آجکل جب مسلمان عام طور سے وطن اور اسلام کے حقوق کے درمیان تطبیق کی کوشش کر رہے ہیں، اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ایک کے حقوق کی پاسداری دوسرے کے حقوق کی ادائی سے دست کشی ہے، مرحوم کی شخصیت خاص طور سے اہمیت رکھتی تھی، اور مصر کے نوجوانوں کے درمیان صحیح رہنمائی کی کفیل تھی، اللہ تعالیٰ اس جوشِ عشق کے مجسمہ کو اپنی مغفرت سے بامراد کرے،

ایران میں دوسری ترقیوں کے ساتھ علمی سرگرمیاں بھی بڑھ رہی ہیں، قدیم عربی و فارسی نسخون کی تحقیق و تلاش اور تصحیح اور تحشیہ کے بعد ان کی اشاعت کا شوق روز افزوں ہے، حال میں علامہ بیرونی کی مشہور کتاب التفہیم فی صناعۃ التنجیم نہایت خوبی سے چھاپی گئی ہے، حکیم نظامی گنجوی کا دیوان مع قصیدہ و غزل اور احوال و سوانح چھپا ہے، کلیم کا دیوان شائع ہوا ہے، رسائل بوعلی سینا، تاریخ بیہق، مصیبت نامۂ شیخ عطار، ذیل جامع التواریخ رشیدی حافظ ابرو، تاریخ عالم آرای عباسی، تاریخ بخارا، رسائل شیخ سہروردی مقتول، تذکرۃ الشعراء نصرآبادی، دیوان حکیم سنائی وغیرہ کتابیں بڑے اہتمام سے چھاپی گئی ہیں،

شذرات

افسوس ہو کہ مصر کی ایک بہت بڑی ہستی سے دنیا خالی ہوگئی، عبدالحمید سعید بے مصر کے اُن جوانمردوں میں تھے جو مصر چھوڑ کر یورپ میں رہ پڑے تھے، اور یہ عہد کر لیا تھا کہ جب تک مصر آزاد نہ ہوگا وہ مصر کی زمین میں قدم نہیں رکھیں گے، مصر اور انگلستان کے گذشتہ معاہدہ کے بعد وہ مصر واپس آئے تھے، میری ان کی ملاقات سنہ ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت کے دوسرے ارکان کے ساتھ اٹلی کے پایہ تخت روما میں ہوئی تھی، وہ اپنے قد وقامت اور ڈیل ڈول کے لحاظ سے شوکت علی مرحوم سے ملتے جلتے تھے، اور انہی کی طرح قومی و مذہبی جوش و خروش سے بھرے ہوئے تھے، ایک بہت موٹا ڈنڈا جس کی موٹھ میں اہرام مصری کی شکل بنی ہوئی تھی اپنے ہاتھ مین رکھتے تھے، انھون نے اسوقت تک شادی نہیں کی تھی، کہتے تھے کہ غلامون کی تعداد بڑھانے سے فائدہ کیا

وہ پہلے بالکل وطن پرور یا نیشنلسٹ تھے، مگر مصر آنے کے بعد ان کے حالات میں ایک نیا تغیر ہوا، انھوں نے عالمگیر اسلامی برادری (پین اسلامزم) کی تحریک مصر کے نوجوانوں میں شروع کی، انجمن شبان المسلمین کی بنیاد ڈالی، اس کی شاخین مصر کے اطراف میں پھیلائین، اور اس کی کوشش کی کہ دنیاے اسلام کے دوسرے حصوں میں اس کی شاخین قائم ہوں، چنانچہ بمبئی مین اس کی ایک شاخ قائم ہے، چندسال ہوئے کہ انھوں نے اپنی محبت سے مصر کی شبان المسلین کا ممبر خاکسار کو بھی بنایا، جامع ازہر کی طرف سے جو وفد ہندوستان آیا تھا، اس کے ایک رکن انجمن شبان المسلمین

مقالات

فہمِ قرآن کے اصول و شرائط

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۳)

بعض غلط فہیون کا ازالہ | تفسیر کے اصول و شرائط کی تفصیل کے بعد اُن غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، جو بعض جاعتوں میں دانستہ یا نادانستہ پھیل رہی ہیں، اور جن سے ناواقف مسلمان دھوکا کھا سکتے ہیں، وہ یہ کہ

"عربی لغات کے الفاظ سماعی ہیں، اور اس کے جامعین عجمی تھے، لغات کی ترتیب چوتھی صدی ہجری سے شروع ہوئی، اور اس وقت تفسیر و فقہ میں لغات کے جو معنی رائج ہو چکے تھے، وہی عجمی جامعین نے اپنے لغات میں جمع کر دئے، اصول و قواعد لسانی کی ترتیب بھی نزولِ قرآن کے بعد ہوئی، جس کا بڑا حصہ ائمۂ فن نے خود قرآن سے استنباط کیا ہے، جو سراسر ظنی اور قیاسی ہے، اسلئے فہم قرآن کے لئوازم میں سے ایک چیز بھی معتبر نہیں"۔

ان میں سے ایک واقعہ بھی صحیح نہیں ہے، لیکن جس سیقہ سے اس کو پیش کیا جاتا ہے اس سے ناواقف لوگوں کو دھوکا ہو سکتا ہے، اسلئے اس پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ضرورت ہے،

اس سلسلہ میں یہ بات بھی مسرت کے قابل ہے کہ جدید تالیفات میں سنجیدہ خالص اسلامی مذہبی لٹریچر کی تعداد بھی کم نہیں، زندگانی محمد صلعم (ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری کی عربی کتاب کا ترجمہ) کردار و گفتار محمد صلعم (انگریزی سے ترجمہ) تاریخ حیات پیغمبر صلعم (کارلائل کے باب کا ترجمہ) عظمت محمد صلعم (عربی سے ترجمہ) وحی محمدی (سید رشید رضا کی کتاب کا ترجمہ) کلمات محمد صلعم (تالیف فارسی محمد جواد مشکور) زندگانی حضرت علی بن ابی طالب (ترجمہ) اسرار حج تالیف ابراہیم رمضانی، تجوید القرآن تالیف محمد بن علی بن محمد حسینی، تاریخ القرآن مجتہد زنجانی، غزالی نامہ (سوانح و افکار امام غزالی) وغیرہ کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں، جن سے ایرانی نوجوان اہل قلم کی ذہنی سمت رفتار کا پتہ چلتا ہے،

مولنا شبلی مرحوم کو اپنی زندگی میں شاید اپنی کتاب شعر العجم کی اس مقبولیت کا خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ ایک طرف وہ پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات ایران کا آخری ماخذ بنیگی، اور دوسری طرف خود وہ ملک جس کی ادبی تاریخ اس میں لکھی گئی ہے، اسکی اتنی قدر کریگا کہ اُسکو اپنی زبان میں منتقل کرنے کا اہتمام کریگا، شعر العجم کی پانچویں جلد جو ان کی تحقیقات کا خلاصہ ہے فارسی میں ترجمہ ہو کر تہران میں چھاپی گئی ہے، آقائی محمد تقی فخر داعی گیلانی نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

"فتنۂ نگار" کی تردید و تجہیل میں متعدد مراسلے موصول ہوئے ہیں، لیکن انکی اشاعت سے اس لئے پرہیز کیا گیا کہ ان میں یہ سمجھا گیا کہ اس فتنہ کا سررشتہ کلامی بحثیں ہیں، حالانکہ اُسکا منشا عیسائیوں اور آریوں کے اعتراضات کا سرقہ محض ہے، افسوس کہ کفر میں بھی اجتہاد نہیں، سید عبد الرحمان صاحب ایم اے رانچی سے لکھتے ہیں کہ مدیر نگار کے سرقات کی بڑی فہرست ان کے پاس موجود ہے، جس کو وہ شاید کسی وقت بھیجینگے،

لغاتِ عرب کی تدوین نزولِ قرآن کے کتنے ہی بعد ہوئی ہو، اور اس کے جامعین خواہ عرب ہوں یا عجمی اس سے لغات کے استناد پر اثر نہیں پڑتا،

یہ بھی مغالطہ ہے کہ چوتھی صدی میں فقہ اور تفسیر میں لغات کے جو معنی رائج ہو چکے تھے، وہی عجمیوں نے اپنی کتابوں میں لکھ لئے، تفسیر میں لغاتِ قرآن کے کوئی ایسے معنی نہیں ہیں، جن کی سند کلامِ عرب میں موجود نہ ہو، اور اگر کوئی ایسا لفظ نکل آئے، تو معترضین سے پہلے ہم اسے رد کرتے ہیں، باقی رہی فقہ تو فقہ میں دو قسم کے لغات ہیں، ایک اظہارِ خیال کے لئے عام الفاظ یہ کلامِ عرب کے مطابق ہیں، دوسرے مصطلحات، مصطلحات بعد کی بنائی ہوئی ہیں، اس میں بیشک کچھ مصطلح
جن کے موجودہ معنی قدیم کلامِ عرب میں نہ مل سکینگے لیکن اس قسم کی اصطلاحات فقہ اور عربی
نہیں ہیں، بلکہ ہر زبان میں بعد کے پیدا شدہ علوم میں مخصوص مطالب کے ادا کرنے
ہیں، عربی میں کلام، فلسفہ، منطق اور تمام نئے پیدا شدہ علوم کی اصطلاحیں وضعی ہیں، ان کو خواہ مخواہ قرآن کے لغات کے تذکرہ میں گھسیٹنا صحیح نہیں ہے، اس قبیل کی قرآنی اصطلاحوں کی تشریح خود شارع نے کر دی ہے،

سوال یہاں قرآن کے لغات کا ہے، اور اس کے معنی وہی تھے، جو عرب جاہلی میں رائج تھے، اور جن کی سندیں کلامِ عرب میں موجود ہیں، یہی معنی رسول اللہ صلعم نے بتائے، صحابہ نے محفوظ کئے اور نسلاً بعد نسلٍ ایک نے دوسرے کو پہونچایا، جب کسی لغت کے معنی کی تعیین میں کوئی اختلاف ہوتا تھا تو کلامِ عرب سے رفع کیا جاتا تھا، جس کی مثالیں اوپر دی جا چکی ہیں، اور کتابوں میں موجود ہیں، ہر زمانہ میں خصوصاً صدرِ اول میں قرآن کے لغات کا حل کلامِ عرب ہی سے کیا جاتا تھا، اس کا مدار لغات کی جمع و ترتیب پر تھا ہی نہیں، آج ہم اپنے قصورِ نظر اور سہولت کے خیال سے صراح اور قاموس سے قرآن کے معنی متعین کرتے ہیں، ورنہ ہر زمانہ کے علمائے اسلام کلامِ عرب اور تفسیر رسول سے کرتے

یہ مقدمہ صحیح نہیں ہے، کہ لغات کی علمی جمع و ترتیب اور اصول و قواعد لسانی کے علمی انضباط میں تاخیر زمانی سے اس زبان کے پرانے لٹریچر کے سمجھنے کیلئے وہ غیر معتبر ہو جاتے ہیں،

دنیا کی کسی زبان کے علمی دور سے پہلے نہ اس کے لغات کتابی شکل میں مرتب ہوئے ہیں، اور نہ اصول و قواعد منضبط ہوئے ہیں، اُس دور میں لغات کا خزانہ اہل زبان کا سینہ، اور اسکی سند ان کی زبان اور ان کا کلام ہوتا ہے، اسی طرح زبان کے قواعد کی پابندی کا ان میں فطری ملکہ ہوتا ہے، اور بغیر قواعد کو سیکھے اور پڑھے ہوئے وہ صحیح بولتے ہیں، آج کتنے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اردو کے قواعد سے واقف ہیں؟ لیکن ان میں سے کوئی بھی لکھنے پڑھنے میں غلطی نہیں کرتا، بلکہ زبان کے مرکزوں کے جاہل بھی غلطی نہیں کرتے، لغات اور زبان کی علمی جمع و ترتیب اور تدوین ہمیشہ علمی دور میں ہوتی ہے،

یہی حال عربی زبان کا ہے، اوس کے لغات اور قواعد زبان بھی بعد میں مرتب و مدون ہوئے لیکن عہد جاہلی سے لیکر بنی عباس کے زمانہ تک یعنی جب سے عربی زبان کا علمی اور تصنیفی دور شروع ہوا ہر زمانہ میں خالص عرب علماے لغت موجود تھے، جن کی زبان سند مانی جاتی تھی، اور عہد جاہلی کا کلام موجود تھا، جو سند کا کام دیتا تھا،

اس دور کے علوم و فنون کا خواہ وہ کسی درجہ کے ہوں، اور کسی قوم کے ہوں، دار و مدار حفظ پر ہوتا ہے، اس عہد کی کتاب اس دور کے علماء کا سینہ ہوتا ہے، خصوصاً عرب اپنی قوت حافظہ اور اپنی زبان اور روایات کے تحفظ میں ساری دنیا میں ممتاز تھے، وہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب نامے محفوظ رکھتے تھے، ہر زمانہ میں دوچار نہیں سیکڑوں انساب عرب، ایام عرب، اخبار عرب، اشعار عرب اور لغات عرب کے حافظ موجود تھے، اور یہ قومی سرمایہ نسلاً بعد نسل محفوظ چلاآتا تھا، جو کاغذی تحریروں سے زیادہ مستند اور محفوظ تھا، اور یہی بعد کی کتابوں میں مدون ہوا، اس لئے

کتاب الخیل، کتاب خلق الانسان،

۸۔ **ابو ثروان عکلی،** فصیح و بلیغ اعرابی اور عالم لغت تھا، بادیہ میں تعلیم دیتا تھا، تصانیف کتاب خلق الانسان، کتاب معانی الشعر،

۹۔ **علی بن مبارک لحیانی،** ممتاز عالم لغت تھا، ابن سلام صاحب طبقات الشعراء اس کے شاگرد تھے، تصنیف کتاب النوادر،

۱۰۔ **ابو ہیثل** حسین والی خراسان کے دربار سے وابستہ تھا، تصانیف کتاب التشابہ، کتاب الابیات السائرہ،

یہ صرف چند نام بطور مثال لکھ دیئے گئے، ورنہ ابن ندیم نے بہت سے علماے لغت کا ذکر کیا ہے، (دیکھو ابن ندیم ص۶۹ تا ص۷۲)

اموی اور عباسی دور کے بہت سے ائمۂ لغت عرب تھے، بعض کے نام درج یہ ہیں :۔

۱۱۔ **قتادہ بن دعامہ سدوسی،** مشہور صاحب علم تابعی اور لغت کے نامور علما میں تھے، ان کے والد بدوی تھے، یہ بھی بادیہ میں پیدا ہوئے، لغت، اشعار عرب، انساب عرب اور قرآن حدیث و فقہ علوم کے جامع تھے، بنی امیہ اشعار انساب اور اخبار عرب کی تحقیقات میں انہی کی طرف رجوع کرتے تھے، (معجم الادبا جلد ۶ ص۲۰۲)

۱۲۔ **زبان بن علاء المعروف بابی عمرو بن العلاء،** نسلاً عرب اور مشہور امام لغت خلیل بن احمد بصری کے استاد تھے، اپنے زمانہ میں عربی کے امام فن تھے، کان اعلم الناس بالعربیۃ والقرآن وایام العرب والشعر، یونس بن حبیب کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص اس قابل ہو سکتا ہے، کہ ہر چیز میں اس کا قول سند مانا جائے، تو عمرو بن العلا ہیں، ابو عبیدہ کا

تھے، موجودہ دور میں مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہی تھا،

یہ بھی صحیح نہیں ہے، کہ لغات کے جامعین تمامتر عجمی تھے، اور اسکی ترتیب چوتھی صدی ہجری سے شروع ہوئی، جامعین لغت مین عرب بھی تھے اور عجمی بھی، پھر عرب بلکہ خالص بدوی علماے لغت ہر دور میں موجود تھے، ان میں سے بہتیرے صاحب تصنیف بھی تھے، اور خاص "مشکلات قرآن" پر بھی ان کی تصانیف تھیں، یہ اور بات ہے، کہ وہ زمانہ کے ہاتھوں ضائع ہوگئیں، اور ہم تک نہ پہونچین لیکن ان کے مندرجہ لغات بعد کی کتابوں میں شامل ہوگئے، ابن ندیم نے ہر دور کے بدوی علماے لغت کے مختصر حالات لکھے ہین، ان میں سے بعض یہ ہین :-

۱- **ابو مالک عمرو بن کرکرہ** اعرابی بدوی لغات عرب کا حافظ تھا، بادیہ مین تعلیم دیتا تھا، کتاب الخیل اور کتاب خلق الانسان اسکی تصانیف تھیں،

۲- **ابو عرار،** اعرابی بدوی اپنے زمانہ کے فصحاء میں تھا، اور لغت کے علم مین ابو مالک کے قریب قریب تھا،

۳- **ابو زیاد کلابی،** اعرابی بدوی عالم لغت تھا، کتاب النوادر، کتاب الفرق، کتاب الابل، کتاب خلق الانسان اس کی تصانیف تھین،

۴- **ابو الجاموس ثور بن یزید،** اعرابی بڑا عالم لغت اور ادیب و انشا پرداز تھا، مشہور ادیب و انشا پرداز ابن مقفع اس کا شاگرد تھا،

۵- **ابو عدنان،** شاعر اور عالم لغت تھا، تصانیف کتاب النحویین، کتاب غریب الحدیث،

۶- **ابو شبل عقیلی،** فصیح اعرابی تھا، لغت میں کتاب النوادر تصنیف تھی،

۷- **ابو محلم شیبانی،** اعرابی اشعار اور لغات عرب کا بڑا عالم تھا، تصانیف کتاب الانواء

۱۶- **خلیل بن احمد بصری** المتوفی ۱۷۰ھ جامعین لغت مین خلیل بن احمد کا نام سرفہرست ہے، یہ عربی النسل اور لغت کے سب سے قدیم اور سب سے پہلے جامع اور فن عروض کے موجد ہین، (ابن ندیم ص ۶۴ و معجم الادبا، جلد ۱۱) اس زمانہ میں اتنا بڑا عالم لغت کوئی پیدا نہیں ہوا لغت، عروض اور نحو پر بہت سی کتابین لکھین، ابن ندیم نے کتاب النغم، کتاب العروض، کتاب الشواہد، کتاب النقط والشکل، کتاب العین اور کتاب الایقاع کے نام لکھے ہین، (ابن ندیم ص ۶۵) یاقوت مین کتاب الخیل کا اضافہ ہے،

ان تصانیف میں سب سے اہم لغت میں "کتاب العین" تھی، یہ عربی لغت کا دائرۃ المعارف تھی اس میں نحو کے مسائل بھی تھے، افسوس ہے کہ دست برد زمانہ سے یہ اہم کتاب ضائع ہوگئی اس حیثیت سے اس کے مندرجہ لغات کے بعض حصے اب تک محفوظ ہین، کہ اس نے اپنی اپنی کتابون میں اس سے فائدہ اوٹھایا تھا، چنانچہ سیوطی کی مزہر اور سیبویہ اس کے لغات و مسائل ہین،

۱۷- **اصمعی** عبدالملک بن قریب باہلی المعروف بہ اصمعی المتوفی ۲۱۴ھ جید اصناف ادب کے امام تھے، کان احد ائمۃ اللغت والغریب والاخبار والملح والنوادر (طبقات النحاۃ ص ۳۱۳) خطیب لکھتے ہین، کہ "اصمعی لغت کا بحر بیکران تھے، اس مین کوئی ان کا مثل نہ تھا، (تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۴۱۴) اخفش کا قول تھا کہ شعر کے حفظ مین اصمعی سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، سولہ ہزار صرف رجز یاد تھے (ایضاً ص ۴۱۷) ایک مرتبہ اصمعی اور ایک دوسرے عالم لغت ابو عبیدہ، مشہور عباسی وزیر فضل بن ربیع کے دربار میں گئے، اس نے اصمعی سے پوچھا تم نے گھوڑے کے لغات پر کتنی کتابیں لکھی ہین، انھون نے جواب دیا، صرف ایک جلد پھر ابو عبیدہ سے سوال کیا انھون نے کہا پچاس جلدیں، فضل نے اسی وقت ان دونون کی کتابیں اور ایک گھوڑا منگاکر ابو عبیدہ سے کہا کہ گھوڑے کے اعضا پر ہاتھ رکھ رکھکے اپنی کتاب سے ان کے لغات بتاتے جاؤ، انھون نے جواب دیا میں گھوڑون کا طبیب نہیں ہون،

بیان ہے کہ ابو عمرو قرآن، عربی زبان، ایام عرب اور اشعار عرب کے سب سے بڑے عالم تھے، ان کے دفاتر چھت تک بھرے ہوئے تھے، (معجم الادبا جلد ۴ ص ۲۱۷) اور علم و تحقیق کا یہ سارا سرمایہ ان لوگوں سے حاصل کیا تھا جنھوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا تھا، اصمعی کا بیان ہے کہ میں دس سال تک ابو عمرو کی صحبت میں رہا، (ابن خلکان ترجمہ ابو عمرو)

۱۳۔ **مورج السدوسی،** ابتدائی عباسی عہد کے امام لغت تھے بادیہ میں نشو و نما پائی، ابو زید انصاری نحوی کے ارشد تلامذہ میں تھے، خلیل بصری کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے، خلیل کے اکابر اصحاب میں ان کا شمار ہے، عربی زبان، انساب عرب لغت اور حدیث کے ممتاز عالم تھے، اگرچہ یہ خلیل کے تلامذہ میں تھے، لیکن ان کا پایہ استاد سے بڑھ گیا تھا، "کان الخلیل یحفظ ثلث اللغۃ، وکان مورج یحفظ الثلثین" (معجم الادبا ج ۷ ص ۱۱۳ وابن خلکان جلد ۲ ص ۱۳۰) ابن ندیم نے ان کی تصانیف میں کتاب غریب القرآن، کتاب جماہیر القبائل، اور کتاب القبائل کے نام لکھے ہیں، (ابن ندیم ص ۷۱)

۱۴۔ **نضر بن شمیل تمیمی مازنی،** ائمہ لغت میں تھے، مدتوں بادیہ میں رہکر اعراب سے زبان کی تحقیق کی، یاقوت اور ابن ندیم نے ان کی بہت سی تصانیف کے نام لکھے ہیں، جن میں متعدد زبان اور لغات پر ہیں، ان میں "کتاب الصفات" نہایت اہم تھی، (تفصیل کے لئے دیکھو، ابن ندیم ص ۷۷ و معجم الادبا، جلد ۷ ص ۲۲۲)

۱۵۔ **قاسم بن معن** حضرت عبداللہ بن مسعود کے پرپوتے تھے، عربی زبان، شعر، لغت اور فقہ میں کوفہ کے اکابر علماء میں تھے، ان کے زمانہ میں کوفہ میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا، (معجم الادبا جلد ۶ ص ۲۰۱) ابن ندیم نے مختلف موضوعوں پر ان کی پندرہ تصانیف کے نام لکھے ہیں، ان میں متعدد زبان اور لغت پر ہیں، (ابن ندیم ص ۱۰۳)

پوشیدہ نہیں،

موجودہ متداول عربی لغات میں "لسان العرب" کا درجہ امہات کتب کا ہے، اس کے مصنف جمال الدین خزرجی عربی النسل ہیں، غرض ہر دور میں عربی النسل علماے لغت اور اس کے مدونین موجود رہے ہیں،

ابن ندیم، یاقوت، ابن خلکان سیوطی اور خطیب نے دس بیس نہیں سیکڑوں عربی النسل ائمہ اور جامعین لغت اور ان کی تصانیف کے حالات لکھے ہیں، ہم نے صرف چند نام بطور مثال لکھ دیئے ہیں،

غالباً اتنی مثالیں اس دعوی کی صداقت کے لئے کہ "جامعین لغت تمامتر عجمی۔

ان مثالوں کو پیش کرنے کے بعد گذارش ہے کہ تنہا عجمی النسل ہونا بے اعتباری کی د صحیح ہے کہ زبان کی تحقیق میں اہل زبان کے مقابلہ میں محض زبان دان کا درجہ کم ہے، لیکن ہر زبان کے زباندانوں میں بہت سے ایسے محقق ہوتے ہیں جن کا درجہ کسی طرح اہل زبان سے کم نہیں ہوتا اصل شے تلاش تحقیق اور وسعت علم ہے عجمیوں نے عربی زبان کی تحقیق میں عمریں صرف کر دیں اور یک ایک لفظ اور ایک محاورہ کی تلاش و تحقیق میں برسوں صحراے عرب کی خاک چھانی، مدتوں دیہ نشین عربوں میں رہ کر اپنی تحقیق مکمل کی عجمی ائمہ لغت میں شاید ہی کوئی ایسا نکل سکے، جس نے برسوں زبان عربوں کے ساتھ بسر نہ کئے ہوں، پھر جو کچھ بھی لکھا، اسکی سند میں خالص عربوں ہی کا بلکہ عرب لی کا کلام پیش کیا ہے، گویا صرف قلم ان کا تھا، اور زبان خالص عربوں کی، ایسی صورت میں ان کا جہ کسی اہل زبان سے کم نہیں، حیرت کا مقام ہے کہ ہم ہندوستانی بلکہ ہندی نژاد ہو کر تو اجتہاد

م نے عرب مدونین لغت پر ایک مقالہ ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس دہلی ۱۹۳۸ء میں پیش کیا تھا، جو غالباً ریب اجلاس مذکور کی روداد کے ساتھ شائع ہو جائے گا، اس میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے،

اس جواب پر فضل نے اصمعی کو حکم دیا، وہ اٹھے اور گھوڑے کے تمام اعضاء کے لغات بتا کر کلام عرب سے ان کے شواہد پیش کئے، (خطیب جلد ۱۰ ص ۴۱۳) اصمعی کی کم و بیش پچاس تصانیف ہیں، جو بیشتر اصناف لغت اور بعض خاص لغات قرآن پر ہیں، (ابن ندیم ص ۸۲) ان میں سے بعض چھپ بھی گئی ہیں،

۱۸- مبرد، ابو العباس محمد بن یزید المعروف بہ مبرد المتوفی ۲۸۵ھ لغت و ادب میں اپنے زمانہ میں یکتا تھے۔ قرآن کے خصوصیت کے ساتھ بڑے عالم تھے، مشہور مفسر تابعی مجاہد کا بیان ہے، کہ میں نے قرآن کے معنی کا ان سے بہتر جاننے والا نہیں دیکھا، لغات میں کثرتِ حفظ کی وجہ سے بعض اوقات لوگوں کو ان کے بیان پر شک ہو جاتا تھا، لیکن امتحان اور تحقیق کے بعد ان کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، (معجم الادبا، جلد ۷ ص ۱۳۰ تا ۱۴۴) ہر موضوع پر ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں ایک بڑا حصہ کتبِ لغت کا ہے، (تفصیل کے لئے دیکھو ابن ندیم ص ۸۸)

۱۹- ابن درید، ابو بکر محمد بن حسن ازدی المعروف با بن درید صاحب جمہرہ، المتوفی ۳۲۱ھ، زبان و لغت کے مشہور امام ہیں، خطیب لکھتے ہیں، وہ اہلِ علم کے سرخیل اور لغات، انساب اور اشعارِ عرب میں سب پر فائق تھے، ان کو عرب کا سارا کلام حفظ تھا، جب ان کے سامنے کسی عرب شاعر کے دیوان کا کوئی حصہ پڑھا جاتا تھا، تو وہ پورا دیوان پڑھ دیتے تھے، (خطیب جلد ۲ ص ۱۹۵) یاقوت کا بیان ہے کہ وہ علماء ادب میں سب سے بڑے عالم و حافظ تھے، ان کے سینہ میں علم اور شعر کا جتنا خزانہ بھرا تھا، اتنا کسی کے سینہ میں نہ تھا، انھوں نے بڑی عمر پائی، کامل ساٹھ برس تک علم کی خدمت میں مشغول رہے، (معجم الادبا، جلد ۶ ص ۴۸۴) جس دن ان کا انتقال ہوا، لوگوں کی زبان پر تھا، کہ آج لغت کا خاتمہ ہو گیا، اصنافِ لغت پر ان کی انیس بیس تصانیف ہیں، ان میں بعض لغاتِ قرآن پر بھی ہیں، (دیکھو ابن ندیم ص ۹۲ و معجم الادبا، جلد ۲ ص ۴۸۹) ان میں جمہرہ سب سے زیادہ مشہور ہے، جو چھپ کر شائع ہو گئی ہے کتبِ لغت میں اس کا جو پایہ ہے، وہ اربابِ علم سے

بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت علیؓ سے بھی پہلے حضرت عمرؓ نے مرتب کرائے تھے، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے کہ نحو کے اصول ابوالاسود کو حضرت علیؓ ہی نے تلقین کئے تھے، آپ سے بڑھکر زبان عربی کا ماہر کون ہوسکتا تھا، پھر اسی زمانہ میں ابوالاسود کے تلامذہ نے اس فن میں کمال حاصل کرکے اسکو پھیلایا، ان میں یحییٰ بن یعمر، عنبسہ بن معدان، میمون بن اقرن اور عیسیٰ بن عمرو ثقفی زیادہ نامور تھے، عیسیٰ نے نحو میں دو کتابیں بھی لکھی تھیں، کتاب الجامع اور کتاب المکمل (ابن ندیم ص ۶۲) ان کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نحو کے جملہ ضروری مسائل پر حاوی رہی ہونگی، پھر ان کے تلامذہ کا سلسلہ پھیلا، اس طرح نحو کی تدوین کا آغاز خلافت راشدہ ہی سے ہوگیا تھا، جب کہ اس کے پرکھنے والے، اور قرآن پر منطبق کرکے جانچنے والے صحابہ موجود تھے، اگر ان میں کوئی خامی بھی ہوتی، تو اسے رد کر دیا جاتا،

اس تفصیل سے عربی لغت اور قواعد کی بے اعتباری کے مغالطون کا پردہ پوری طرح

کلام اللہ اور اسلامی تعلیمات کی غلط تفسیر و تاویل کے اسباب ہم نے جہان تک غور کیا ہے قرآن مجید کی غلط تفسیر اور اسلامی تعلیمات کی غلط تاویل کے دو بڑے اسباب نظر آتے ہیں، ایک جدید تمدن سے ہماری دماغی اور ذہنی مرعوبیت، دوسرا مذہب میں آسانی اور سہولت کی تلاش اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ میں مقبولیت کا شوق، یہ دوسرا سبب درحقیقت پہلے ہی سبب کا نتیجہ ہے، ضرورت ہے کہ ان دونوں پہلوؤں پر بھی نظر ڈال لیجائے، تاکہ اس بحث کا کوئی پہلو تشنہ باقی نہ رہ جائے، گو یہ بحث کسی قدر موضوع سے ہٹ جائیگی لیکن ان اسباب کا اثر تفسیر قرآن پر بھی پڑتا ہے، اس لئے ضروری ہے۔

آج جدید خیالات، نظریات اور اکتشافات کی روشنی میں قرآن کی جو نئی نئی تاویلیں ہوتی ہیں، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہیں، آج سے نصف صدی پیشتر جب نیچر یا فطرت پرستی کا زور تھا، قرآن کو نیچر کے اصول پر منطبق کرنے کی کوشش کیجاتی تھی، اور جہاں دونوں میں تصادم ہوتا تھا، وہاں قرآنی آیات کی عجب مضحکہ انگیز تاویلیں کیجاتی تھیں، ہمارے بعض مشہور مفسروں کی تفسیروں میں اس قبیل کی تفسیر کے بہت سے نمونے موجود ہیں،

وامامت کے مدعی نہیں، اور وہ عجمی جن کی تہذیب، جن کا تمدن جن کی زبان ہر چیز عربی رنگ میں رنگ گئی تھی، ان کی زبان تک معتبر نہ مانی جائے،

اگر عجمیت کو بے اعتباری کی دلیل مان لیا جائے، تو مسلمانوں کے سارے علمی سرمایہ ہی پر پانی پھر جاتا ہے کہ ان کے بیشتر جلیل القدر ائمہ عجمی تھے، اور انکا سارا قابلِ فخر کارنامہ عجمیوں ہی کا رہینِ منت ہے،

لغت کی بحث کے بعد زبانِ عربی کے قواعد پر بھی ایک نظر ڈال لیجائے، یہ دعوی بھی کہ "عربی زبان کے قواعد اسلئے ناقابلِ اعتبار ہیں، کہ وہ قیاسی ہیں" نہایت مہمل ہے، اوپر لکھا جا چکا ہے، کہ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس کے قواعد علمی دور سے پہلے مرتب ہوئے ہوں، اور ٹھیک اسی اصول کے مطابق مرتب ہوئے ہیں جس اصول پر عربی کے قواعد مرتب ہوئے، لیکن اس بنا پر کسی زبان کے قواعد کو غیر معتبر نہیں کہا جا سکتا، اگر انہیں غیر معتبر مان لیا جائے، تو پھر دنیا کی کسی زبان کے قواعد صحیح نہ رہجائیں گے اور نہ ہمارے پاس کسی زبان کے صحیح طور سے سمجھنے کا کوئی ذریعہ رہ جائے گا،

زبان کے قواعد ہمیشہ کلاسیکل لٹریچر ہی سے مرتب ہوتے ہیں، اور اسکی تشریح و ثبوت کے لئے اسی کی مثالیں دیجاتی ہیں چنانچہ عربی صرف و نحو میں بھی کلام عرب اور کلام اللہ کی مثالیں ہیں محض قیاسی کہدینے سے یہ غیر معتبر نہیں ہو سکتے، دیکھنا یہ چاہئے کہ وہ قواعد کہانتک عربی زبان پر منطبق ہوتے ہیں، اس لحاظ سے عربی کا کوئی کلام عربی صرف و نحو کے قواعد سے باہر نہیں ہے، شاذ مثالوں کا ذکر نہیں کہ شواذ تو ہر کلیہ میں ہوتے ہیں اور کوئی زبان استثنا سے خالی نہیں ہے، ہاں اگر عربی کے قواعد بیشتر عربی کلام کا ساتھ نہ دیسکتے ہوں تو بیشک وہ غیر معتبر مانے جائینگے لیکن ایسا نہیں ہے، عربی زبان کے قواعد تو اسقدر جامع اور مکمل ہیں جسکی مثال دوسری زبانکے قواعد میں نہیں مل سکتی،

پھر عربی کے قواعد کی ترتیب اور نزولِ قرآن کے درمیان کوئی بہت بڑی مدت حائل نہیں ہے، یہ صحیح ہے، کہ اس زمانہ میں مکمل قواعد مرتب نہیں ہوئے تھے، اور شرح جامی اور کافیہ تالیف نہ ہوئی تھیں لیکن بقدر ضرورت قواعد خود حضرت علیؓ نے ابو الاسود دؤلی کو تعلیم دے کر ان سے مرتب کرائے تھے، (ابن ندیم ص ۵۹)

اصولوں پر نہایت جرأت سے تنقید کیجائے،

یہ غلطی آج کی نہیں، بلکہ اس زمانہ سے چلی آرہی ہے، جب کہ ہمارے بعض متکلمین نے حسن نیت لیکن علمی مرعوبیت
سے اسلامی عقائد کو فلسفۂ یونان سے پرکھنے کی کوشش کی اور آج ہم انھیں یورپ کے بنائے ہوئے اصولوں
پر جانچنے اور ان پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اب ایک نئے علم کلام کی ضرورت ہے، کہ ہم اپنے عقائد
و تعلیمات میں تاویل کے بجائے یورپ کے خیالات اور اصولوں پر تنقید کرکے ان کی غلطی دکھائیں، قدیم اسلامی
دور میں بھی ایسے بالغ نظر اور عالی ہمت علماء موجود تھے، جنھوں نے فلسفۂ یونان کے مقابلہ میں عجز و درماندگی
کا اعتراف نہیں کیا، بلکہ اس پر تنقید کرکے اس کے مسلمات کو توڑا، گو اب بحمد اللہ ملک میں ایسے
اشخاص پیدا ہوگئے ہیں، جو زبان و قلم سے اس فرض کو ادا کر رہے ہیں، لیکن ضرورت اس
علماء اور ارباب فکر اپنی تقریروں و تحریروں اور تصانیف میں اس کا خاص لحاظ رکھیں، اور
عقائد و تعلیمات میں بلکہ مذہب، سیاست، تہذیب و معاشرت ہر شعبہ میں ہماری حیثیت مدافعانہ نہیں بلکہ جارحانہ
و فاتحانہ ہونی چاہیے، ہمکو غلامی سے ہرگز انکار نہ کرنا چاہیے بلکہ جس حد تک اور جس نوعیت کی غلامی اسلام میں تھی
اس کا اعتراف کرنا چاہیے، کہ اسلام میں غلامی ہے، اور یقیناً ہے، لیکن وہ غلامی جس پر تمھاری ہزاروں
آزادیاں قربان ہیں، تم نے اسلام کی غلامی کو اپنے دور جہالت کی غلامی سمجھا ہے، جب تم غلاموں کے ساتھ
جانوروں سے بدتر سلوک کرتے تھے، اسلام کا غلام تو آقا کے گھر کا ممبر ہے، آقا کو اسکے ساتھ مساوات کی
ہدایت ہے، کہ وہ غلام کو اپنے جیسا کھلائے، اور اپنے جیسا پہنائے، انھیں کسی قسم کی اذیت نہ دیجائے،
اسلام نے غلاموں کو زمین کی پستی سے اٹھا کر آسمان کی بلندی تک پہنچا دیا، مسلمانوں نے انھیں اپنا
ہادی اور راہبر بنایا، انھیں علم کی مسند اور حکومت کے تخت پر بٹھایا، انھیں ہر طرح کی ترقی کے مواقع
دیئے، تم زبان سے تو غلامی کی مذمت کرتے ہو، لیکن عملاً ساری دنیا کو غلام بناتے ہو، اور ان کے ساتھ
جانوروں سے بدتر سلوک کرتے ہو، آج امریکہ میں حبشیوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے، بلکہ تمام محکوم

یہ کیا ہے؟ صرف ہماری ذہنی اور دماغی مرعوبیت کا نتیجہ، ورنہ فطرت یا نیچر کے قوانین ایسے اٹل اور ناقابلِ تغیر نہیں ہیں، کہ ان کے مقابلہ میں قرآن کی صریح آیات کا انکار کیا جائے، یا اوس کی رکیک تاویلیں کیجائیں، نیچر یا فطرت کے قوانین اسی کا نہ نام ہے، کہ عالم مادی جس نظام و قاعدہ پر چل رہا ہے، اس میں کوئی تغیر وتبدل ہمارے مشاہدہ اور تجربہ میں نہیں آیا، لیکن کسی چیز کا مشاہدہ اور تجربہ میں نہ آنا اور شے ہے، اور ناممکن الوقوع ہونا اور شے، کسی شے کا تجربہ اور مشاہدہ نہ ہونا، اس کے نہ ہوسکنے کی دلیل نہیں، اسکی بنیاد پر ہم کسی شے کے امکان کا انکار نہیں کرسکتے، اور امکان کے بعد واقعہ کا ظہور ہوسکتا ہی، خصوصاً آج کل کی سائنس کی دنیا میں تو کوئی چیز بھی بعید نہیں رہ گئی ہے، ماضی کا محال موجود نظر آرہا ہے، ہوائی جہاز آسمانوں میں اُڑے پھرتے ہیں، غیر مرئی چیزوں کے فوٹو لئے جاسکتے ہیں، ہزاروں کوس کی مسافت سے باتیں کرسکتے ہیں، بلکہ صورت دیکھ سکتے ہیں، دوسرے سیاروں کی دنیا سے نامہ و پیام کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں، آج سے نصف صدی پیشتر اسے کون نیچر پرست یقین کرسکتا تھا،

حقیقت یہ ہی کہ ہم نے اپنے محدود علم محدود تجربات اور محدود خیال کے مطابق نیچر کا یہ تخیل قائم کرلیا ہی کہ اسمیں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا، حالانکہ کائنات کے اسرار بے پایاں ہیں، جہاں تک ہمارا وہم و قیاس بھی نہیں پہنچ سکتا، اس وقت تک جو تحقیقات ہوچکی ہے، وہ سائنس دانوں کے بقول سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہے، ایسی ناقص تحقیق و تجربہ پر ہم کلام الٰہی کی بنیاد کیونکر رکھ سکتے ہیں؟

میں یہ نہیں کہتا کہ جدید تمدن کی ضد میں اصلی واقعات کو چھپایا جائے یا غلط اعتراضات کا جواب نہ دیا جائے یا اسلام سے متعلق غلط فہمیوں کو دور نہ کیا جائے یا یورپ کے اچھے خیالات کی خواہ مخواہ مخالفت کیجائے یا ان کے مقابلہ میں اپنی بہتر تعلیمات کو پیش نہ کیا جائے، لیکن ان سب میں اسلام کی معذرت خواہی کے عجز اور درماندگی کے بجائے اسکی صداقت، حقانیت اور برتری کی تمکنت کا جلوہ ہو، اور جہاں ان کے اصولوں سے اسلامی تعلیمات کا تصادم ہو، وہاں اپنی تعلیمات میں تاویل کرنے کے بجائے انکے بنائے ہوئے

ہماری تلوار تمہاری توپ سے کہیں زیادہ دنیا کے لئے باعث رحمت تھی، اگر ہم نے تلوار سے بھی اسلام کو پھیلایا تو ایسی چیز کو پھیلایا جس پر ہمارے عقیدہ میں ساری دنیا کی دینی اور دنیوی فلاح کا دارومدار ہے، اسلئے اگر ہم نے انسانوں پر جبر سے کام لیا، بھی تو اپنے عقیدہ کے مطابق خود ان کی صلاح و فلاح کیلئے اپنی ذاتی غرض اور دنیا میں اپنی حکومت پھیلانے کے لئے نہیں، پھر دنیا کی ہر حکومت کا قانون اس کی رعایا کے لئے ماننا ضروری ہے، اگر نہ مانے گی تو جبر سے منوایا جائے گا، اسلام خدا کا آخری قانون ہے، اور ساری دنیا اسکی رعایا، اور مسلمان اسے نافذ کرنے والے، اس لئے ان کا فرض تھا، کہ وہ ساری دنیا کو اس کا پابند بناتے،

تم تو اپنے ذاتی اغراض کے لئے، اپنی تجارت کے لئے، اپنی حکومت کے لئے، اور تہذیب و شائستگی سکھانے کے پردہ میں ساری دنیا کو توپ کے زور سے غلام بنا رہے ہو، ہم نے تو مسلمان بنانے کے بعد ان کو ہر چیز میں برابری کا درجہ دیا، اور تم اپنے محکوموں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرتے ہو، تم نے اپنے دور جاہلیت میں نہیں، بلکہ دور تہذیب میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے کیا کیا ذرائع اختیار نہیں کئے، تم نے قوموں کو مسخ کر دیا، پرانی تاریخ کو جانے دو، ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں ہندوستان میں تبلیغ کے لئے کیا کچھ نہیں کیا، مذہب تو اب تمہارے یہاں برائے نام رہ گیا ہے، اسکی جگہ سیاست نے لے لی ہے، اور سیاست کے جو خونین تماشے تم روز کھیلا کرتے ہو، وہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں، یہی حال تمہاری رواداری کا ہے، تمہاری رواداری کا درس اسی وقت تک رہتا ہے، جب تک تمہارے اغراض میں رواداری حائل نہ ہو، ورنہ چنگیز و ہلاکو کی داستانیں بھی تمہاری رواداری کے مقابلہ میں ہیچ ہو جاتی ہیں،

خلافت راشدہ اور اسلامی حکومتوں کو نہیں یورپ کے موجودہ جمہوری نظام پر ہرگز جانچنے کی ضرورت نہیں، ہمارا نظام جیسا کچھ بھی تھا، تمہاری جمہوریت سے کہیں بہتر تھا، تم زبان سے جمہوریت جمہوریت

قوموں کے ساتھ حاکم قوموں کا طرز عمل کیا ہے، میں اس کا اقرار کرنا چاہئے، کہ تعدد ازدواج عدل کے سوا بلا کسی شرط و قید کے جائز ہے، تم صرف قانونی ایک بیوی سے زیادہ نہیں رکھتے ہو، اس کے بعد ہم ایک سے زیادہ عورتوں کو باقاعدہ بیوی بنا کر انھیں رفیقہ حیات کا درجہ دیتے ہیں، تم ان سے کھیلتے ہو، تم تعدد ازدواج کو وحشیانہ رسم سمجھتے ہو، لیکن تمھارے ملک میں مردوں کی پیدائش کی قلت کے مقابلہ میں عورتوں کی پیدائش کی کثرت کا کیا علاج ہے، بڑی بڑی لڑائیوں میں لاکھوں مرکٹ جاتے ہیں، عورتوں کی یہ فاضل تعداد کہاں کھپاؤگے، اگر آج نہیں تو کل تم تعدد ازدواج کے قائل ہوگے،

اسلام نے پردہ اور آزادی نسواں کی جو حد مقرر کی ہے، وہ نہ صرف نسوانی عفت و حیا کے لئے ضروری ہے، بلکہ اس پر خانگی زندگی کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا دار و مدار ہے، رسمی پردہ کا ذکر نہیں تمھارے یہاں عورتوں کی غیر محدود آزادی، اور عورتوں اور مردوں کے بے باکانہ اختلاط کے نتائج روز روشن کی طرح عیاں ہیں، تمھاری عورتوں کی بے قید آزادی نے تمھاری خانگی زندگی تلخ کر دی ہے اور تمھارا نظام معاشرت تباہ کر دیا ہے، تم بیویوں سے راحت و سکون حاصل کرنے کے بجائے سیرگاہوں اور بازاروں میں تفریح طبع کا سامان ڈھونڈتے ہو، پھر عورتوں کی آزادی کے ترانے کے باوجود آج اٹلی اور جرمنی میں کیا ہو رہا ہے، عورتیں، کالجوں، یونیورسٹیوں، پارکوں اور تفریح گاہوں سے گھسیٹ کر گھر کی چار دیواری میں لائی جا رہی ہیں،

تم کہتے ہو کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا، اگرچہ یہ صحیح نہیں ہے، لیکن اگر صحیح بھی مان لیا جائے، تو بھی ہم کو اس کے لئے قطعاً کسی ندامت و پشیمانی یا تاویل کی ضرورت نہیں، ہمارے عقیدہ میں اسلام دین حق اور خدا کا آخری قانون ہے، اور باطل کے مقابلہ میں حق کی حمایت کے لئے کبھی تلوار بھی اٹھانی پڑتی ہے، مصرع :-

کار حق گاہ بشمشیر و سناں نیز کنند

پرانا راگ الاپتا چلا جارہا ہے، لیکن ذرا ٹھہرئے پرانے واقعات دہرانے کے بعد نئے حالات پیش کئے جاتے ہیں، یہ غلط ہے کہ اب زمانہ بدل گیا، اور ہم یورپ کی ذہنی غلامی سے آزاد ہوگئے، غلامی اب بھی وہی ہے، صرف شکل بدل گئی ہے، تغیر صرف پوست کا ہوا مغز کا نہیں، ہم صرف یورپ کی سیاسی سخت گیریوں سے گھبرا گئے ہیں، باقی ان کے تمدن کی پیداوار کے اب بھی ویسے ہی قدر دان اور شیدائی ہیں، انگریزوں کے نہ سہی سوویٹ حکومت کے سہی، اور اب ان کے سیاسی نظریوں کو چھوڑ کر ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں،

یہ سوشلزم، کمیونزم، محدود قومیت و وطنیت، اپنے مذہب و روایات سے انکار، الحاد و بے دینی یہ سب کیا ہیں، وہی یورپ کی صدائے بازگشت، یہ میں نہیں کہتا کہ ان تحریکوں کی پیداکردہ سب چیزیں ناقابل قبول اور بری ہیں، ع

خدا شرے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد

کے اصول پر ان جدید تحریکون نے ہمارے بعض پرانے بھولے ہوئے فرائض مثلاً قوم کی خدمت آزادی، غربا کی حمایت و دستگیری، مظالم کا مقابلہ وغیرہ کو یاد دلا دیا، ان میں سے کوئی چیز ہماری لئے نئی نہین ہے، لیکن چونکہ ہم اپنے پرانے بھولے ہوئے سبقوں کو بھی دوسرون ہی کی زبان سے سُن کر یاد کرنے کے عادی ہوگئے ہین، اس لئے جب تک یہ چیزین یورپ کی راہ سے نہ آئین، اس وقت ہمارے لئے ناقابل قبول تھین، ہماری پرانی نسلون نے انگریزون کی حکومت، ان کی تعلیم، ان کی تہذیب و معاشرت ہر چیز کی مخالفت کی، لیکن ان کی اس مخالفت کو تعصب اور جہالت پر محمول کیا گیا، اب جب کہ یہی چیزین یورپ اور سیاست کی راہ سے آئین، تو نہ صرف قابلِ قبول ٹھہرین، بلکہ دین و مشرب بن گئین، اور اپنا دین و مشرب بھی اس پر سے قربان کر دیا گیا، لیکن چونکہ وہ دوسری راہ سے آئیں، اس لئے اسکے ساتھ اس کی تمام برائیان بھی آئین، ہم نے قومیت اور ملک کی خدمت کا سبق یورپ کی نیشنلزم سے سیکھا، اس لئے قوم اور ملک کی خدمت کے ساتھ "قوم اور وطن پرستی" بھی آگئی، اور اس "پرستش" کے مقابلہ میں قابلِ پرستش شے

پکارتے ہو لیکن تم جمہوریت کی روح سے ناآشنا ہو، تمھاری جمہوریت بدترین استبداد کا بدترین نمونہ ہے، جمہوریت کے صرف یہ معنی نہیں ہین، کہ ایک جماعت کے مشورہ سے حکومت چلائی جائے، یا حکمران وقتاً فوقتاً بدلتے رہین، خواہ وہ جماعت کیسی ہی خود غرض اور مستبد کیون نہ ہو حقیقی جمہوریت یہ ہو کہ خواہ ایک فرد حکمران ہو یا ایک جماعت، ساری رعایا کے ساتھ بلا فرق و امتیاز یکسان عدل و انصاف برتا جائے، اس کے لئے سامان راحت مہیا کیا جائے، اسکی صلاح و فلاح کے ذرائع اختیار کئے جائین، سب کو یکسان ترقی کے مواقع حاصل ہون، ملک مین امن و امان اور فارغ البالی ہو، کوئی فرد ننگا بھوکا نہ رہنے پائے، اس اعتبار سے تمھاری جمہوریت کا جو حال ہے، وہ ساری دنیا پر ظاہر ہے، اگر کسی حد تک تمھارے یہان جمہوریت ہو بھی، تو اس کے فوائد صرف تمھاری قوم تک محدود ہین، بلکہ قوم کے خاص طبقہ تک، اسلئے نتیجہ کے اعتبار سے تمھاری جمہوریت اور مستبد شخصی حکومت مین کوئی فرق نہیں، اس کے مقابلہ میں ہمارے اصول حکمرانی رعایا کے لئے ابر رحمت تھے،

پھر تجربہ سے ہر زمانہ مین نظام حکومت بدلتا رہتا ہے، جس ملک میں چند سال پہلے جمہوریت کا شور تھا، آج وہان آمریت کا زور ہے، اب ہم عقیدت کیشون کا فرض ہو کہ حضرت عمرؓ کو اسلامی آمریت کے مثال مین پیش کرین، اور جب آیندہ حکومت کا کوئی اور تخیل بدلے تو پھر کوئی اور مثال تلاش کرین،

یہ صرف چند مثالین دی گئی ہین، ورنہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہین ہے جس مین ہم ذہنی غلامی میں گرفتار نہ ہون، مسلمانوں میں چونکہ بطور نشان کے مذہب کو آگے آگے رکھنے کی رسم جاری ہے، اور کچھ عام مسلمانون کے خوف سے بھی اس کا نام رکھنا ضروری ہے، اس لئے ہر میدان میں وہ تائید و حمایت کے لئے ساتھ رکھا جاتا ہے، اور پھر اسکی عجیب و غریب تاویلین کیجاتی ہیں، بعض لوگوں کو اس پر تعجب ہوگا کہ یہ شخص کس زمانہ کی باتیں کر رہا ہے، آج تو یورپ کی ہر شے سے نفرت کیجا رہی ہے، اور یہ واہی

معیار کیا ہوگا، اور اسے کون مقرر کرے گا، اور ایک کا مقرر کردہ معیار دوسرے کے لئے کس اصول پر قابل تسلیم ہوگا، اسلئے جبتک کوئی ایسی حد مقرر نہ ہو جو ہر شخص کے لئے واجب التسلیم ہو، اس وقت تک ہر شخص آزاد رہے گا، اپنی عقل و فہم، اپنی آسانی و سہولت اور اپنے اغراض و مصالح کے مطابق جو حد چاہے مقرر کرے، اس وقت مذہب مذہب نہ رہے گا، بلکہ ذاتی خیال اور رائے بن جائے گا، ایسے آزاد طبائع سے ہمیں بحث نہیں، اور نہ ان سے خطاب ہے لیکن جو لوگ اسلامی تعلیمات کے تحفظ کے مدعی ہیں، انھیں تو بہر حال، مذہب کے مقرر کردہ حدود ہی کو معیار ماننا پڑے گا، اور اس کے ماننے کے بعد انھیں کسی غلط تاویل کی ضرورت نہ پڑے گی،

قابلِ نفرت قرار پائی، اور قومیت کے محدود خیال پر ہر متاع عزیز قربان کر دی گئی، اسی طرح غربا کی امداد و دستگیری اور مظالم کے انسداد کا سبق ہم نے کارل مارکس اور لینن کی کتاب سے سیکھا، اسلئے الحاد و دہریت بھی اسکے ہمرکاب آئی، اور مذہب عہد جاہلیت کی نشانی قرار پایا، کہ سب سے بڑا مجرم تو وہی ہے، جو انسانوں کو پابند بناتا ہی، حالانکہ یورپ کی نیشنلزم سراسر خود غرضی ہی، یعنی اپنی قوم کے فائدہ کے لئے ساری دنیا کی اقوام کے فوائد کو قربان کر دینا، گو ابھی یہ چیز ہم مین پیدا نہیں ہوئی ہے لیکن ایک نہ ایک دن آکر رہے گی، ابھی یہ شے اسلئے نہین پیدا ہوئی ہی کہ ہم خود مظلوم ہین، اور ایک مظلوم کسی پر کیا ظلم کرسکتا ہی لیکن اس کے آثار نمایان ہین، اس کا ثبوت یہ ہی کہ ہندوستان کے طبقون مین جس کے ہاتھ مین جس حد تک قوت آتی جاتی ہی، وہ دوسروں کے حقوق دباتا جاتا ہے، جب آپس میں یہ حال ہی، تو قوت آنے کے بعد دوسرون کے ساتھ کیا طرزِ عمل ہوگا، ع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا،

ہم نے اوپر غلط تفسیر و تاویل کے دو سبب بتائے تھے، ایک جس کی اوپر تفصیل کی گئی، دوسرا مذہب مین آسانی و سہولت کی تلاش اور جدید طبقہ میں مقبولیت کی خواہش، لیکن سوال یہ ہے کہ اسکی حد کیا ہوگی، اور اسے کون مقرر کرے گا، سہولت کے بھی مدارج ہیں، ہر شخص کا معیارِ سہولت جدا ہی، ایک شخص کے لئے جو چیز مشکل ہے، وہی دوسرے کے لئے آسان، ایک شخص جس شے کو زحمت سمجھتا ہے، دوسرا اُسی عین رحمت، ایک مومن کو شب بیداری میں نہ صرف سہولت معلوم ہوتی ہے، بلکہ راحت، دوسرے کے لئے جمعہ اور عیدین کی نماز بھی بار ہے، ایک شخص روزہ کی سختی نہیں برداشت کرسکتا، لیکن دوسرے کے لئے نہایت معمولی بات ہے، ایک شخص کی نگاہ مین ذرہ ذرہ معرفتِ کردگار کا دفتر ہے، دوسرے کے دماغ مین خدا کا وجود بھی نہین سماتا، ذوق اور طبائع کا یہ اختلاف تنہا اسلام اور مذہب ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ دنیا کی ہر شے میں ساری ہے، ایسی حالت میں سہولت کا

گر گویدت فقیہ کہ واعظ ز زیست پاک مشنو کہ آن گواہی او منروی بود
دمے کہ سیل فنا رخت شیخ و شاب برد روم بیلید و شاید مرا شراب برد
مگیر دامن زاہد کہ گر فسردہ شود چنان تراست کہ بنیاد عالم آب برد
ای حریفان ساغر گلرنگ می باید زدن شیشۂ ناموس را بر سنگ می باید زدن
پیشتر زان دم کہ خاک ما رود بر باد عشق خویش را بر آب آتش رنگ می باید زدن
تا بکے خون خوردن و کردن فغان در کوہ ہو بادہ می باید کشید و چنگ می باید زدن
نام و ننگ از شاہد وے باز میدارد مرا یک قدم بر فرق نام و ننگ می باید زدن
کاتبی خوش وقت شد ز آہنگ پیر میکدہ راہ ما را ہم بدین آہنگ می باید زدن

(مضامین صوفیانہ)

مولنا کاتبی جس دور کے شاعر ہین اس دور کے صوفی شعراء مین مغربی المتوفی ۸۰۹ھ شاہ نعمت اللہ المتوفی ۸۳۴ھ جامی المتوفی ۸۹۸ھ زیادہ مشہور ہین، اور ان کے صوفیانہ کلام کے متعلق مولنا شبلی علیہ الرحمۃ شعر العجم مین لکھتے ہین :۔

شاہ نعمت اللہ مین شاعری کم ہے، مغربی کا کلام سرتا پا مسئلۂ وحدت کا بیان ہے، چونکہ تخئیل اور جدت کم ہے، اسلئے طبیعت گھبرا جاتی ہے، ایک ہی بات کو سو سو بار کہتے ہین، اور ایک ہی انداز مین کہتے ہین، جامی نے بہت کہا اور تصوف کا بہت بڑا ذخیرہ تیار کر دیا، سلسلۃ الذہب مین اکثر مقامات تصوف کی نہایت تفصیل سے شرح لکھی ہے، لیکن اس مین شاعری نہین اسلئے یہ کہنا چاہیے کہ تصوف کے مسائل نظم کر دئیے ہین جس طرح نام حق فقہ مین ہے[۱]"۔

---

[۱] شعر العجم جلد پنجم ص۱۳۱۔

مولانا کاتبی نیشاپوری

از مولنا عبد السلام ندوی

(۳)

(مضامین رندانہ)

مولنا کاتبی کے دور سے پہلے خواجوے کرمانی اور خواجہ حافظ نے مضامین غزل مین جو تنوع پیدا کیا تھا، اوس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، لیکن ان مضامین میں سب سے زیادہ حسنِ قبول رندانہ مضامین کو ہوا تھا، کیونکہ ایک طرف تو وہ عیش و طرب کا زمانہ تھا، دوسری طرف خواجہ حافظ نے خاص طور پر ان مضامین مین جوش و اثر پیدا کر دیا تھا، اسلئے شعرا نے ان مضامین کی طرف خاص توجہ کی، بالخصوص مولنا کاتبی نے تقریبًا وہی رنگ اختیار کیا جسکو خواجہ صاحب نے اختیار کیا تھا،

رندانہ کلام کی اصل خوبی شگفتگی، سرمستی اور جوشِ بیان ہے، خواجہ حافظ کے رندانہ کلام کی یہی خصوصیتین ہین، اور مولنا کاتبی کے رندانہ کلام مین بھی یہ خصوصیتین بدرجۂ اتم پائی جاتی ہین مثلاً

صوفی بیا بمیکدہ درکش مے صبوح — خواہی کہ مست عشق شوی روکن فتوح
زان پیشتر کہ لالہ بروید ز تربتت — بستان پیالہ ز کف ساقی صبوح
ہرگز نصیحتے نہ کند مے فروش را — آن ناصحے کہ مید ہدم توبۂ نصوح
کو کوزۂ شراب کہ کشتی شکستہ را — صد کارگاہ غصہ بہم برزند چو نوح
اے کاتبی مباش دمے بے شراب ناب — زان روکہ نیست زندہ تن مرد جز بروح
ناآشناے مے ہمہ جا اجنبی بود — از شرب توبہ غایت بے مشربی بود

سالکان را سرو پاسنگ رہ شیر دلیست مرد این قافلہ بے پا و سرے می باید

کاتبی یار دمے نیست بروں از دیدہ این قدر ہست کہ صاحب نظری می باید

عہدے کہ با تو بستہ ام اے کعبۂ صفا تغییر آن بعد منازل نمی شود

بہتر ز صد کمال مجو دبے زوال این عشق بے زوال کہ زائل نمی شود

انوار علم عشق ز نور ہدایتست اینہا بدود مدرسہ حاصل نمی شود

اگر تو طائر قدسی مباش فارغ بال کہ جبرئیل درین راہ پر ببندا زد

بردوز چشم صورت اگر اہل معنی آسودہ دل ز عالم خواب و خیال باش

اکنون کہ دل بعالم یکرنگی افتاد اے چرہ خواہ زرد نما خواہ آل

(مضامین اخلاقی)

"اگرچہ محاسن اخلاق کی بہت سی قسمیں ہیں، لیکن غزل گو شعراء نے ان میں سے صرف چند محدود اخلاق مثلاً استغنار، بے نیازی، قناعت اور خاکساری وغیرہ کو انتخاب کر لیا ہے' کیونکہ شاعری میں اخلاق کا جو سرمایہ ہے، وہ تصوف کے ذریعہ سے آیا ہے، اور یہی چیزیں صوفیانہ نظام اخلاق کا نمایاں جزتھیں، اور مولینا کاتبی نے انہی مضامین کو نہایت خوبی کے ساتھ غزل میں بیان کیا ہے، مثلاً

مارا بزر و سیم جہان میل نباشد مردیم و ننازیم بسرخی و سفیدی

برائے آتش حرص آبروی خویش مریز کہ خاک رہ بسر گنج دنیوی بادا

لیکن مولینا کاتبی کی غزلون مین اس قسم کے اخلاقی مضامین کی کثرت نہیں ہے، بلکہ وہ ال خال آگئے ہیں، اس لئے ان مضامین کی کثرت و تنوع سے مولنٰا کاتبی کی غزلوں کی لطافت رنگینی مین کوئی فرق نہین آیا ہے، بلکہ وہ عشق و محبت کے جذبات سے بالکل لبریز ہین، صنائع

ان میں شاہ نعمت اللہ کے صوفیانہ کلام کا رنگ یہ ہے،

چنان سرمست و شیدا یم کہ پا از سر نمیدانم   دل از دلبر نمیدانم مے از ساغر نمیدانم
برواے عقلِ سر گردان مرا با کارِ من بگذا   کہ من سرمست و حیرانم بجز دلبر نمیدانم
شدم از ساحلِ صورت بسوی بحرِ معنی با   چہ جاے بحر و بر باشد بجز گوہر نمیدانم
دلم چو مجمرِ عشقش چو آتش جانِ من چو عود   ہمی سوزم روان چون عود من مجمر نمیدانم
من آن نادان دانایم کہ می بینیم نمی بینم   ازان میگریم از حسرت کہ سیم از زر نمیدانم
بر آمد نور سبحانی چہ کفر و چہ مسلمانی،   طریق مومنان دارم ولے کافر نمیدانم
بجز یا ہو و یا من ہو چو سید من نمیگویم   چہ گویم چونکہ در عالم کسے دیگر نمیدانم

مولینا کاتبی کا زمانہ بھی یہی ہے اور ان کے اور شاہ نعمت اللہ کے سن وفات میں صرف چار برس کا فرق ہے، اس لئے مولینا کاتبی کی صوفیانہ غزلون کا بھی یہی انداز ہے، البتہ شاہ نعمت اللہ کے کلام سے ملائیت کی بو آتی ہے، اور مولنا کاتبی کے کلام کا رنگ بالکل شاعرانہ ہے، مثلاً

ای خوش آن روز کہ از ننگِ تن و جان برہم   ہر تعلق کہ بجز عشق بود زان برہم
دردِ سر تا بکے و زحمتِ سامان تا چند   ترک سر گیرم و از زحمتِ سامان برہم
برواے رشتۂ جان سوزنِ عیسیٰ بکف آر   تا بدوزم دل و از چاکِ گریبان برہم
رستہ ام از بد و از نیک مرا قید نیست   جز نکویان و نخواہم کہ از ایشان برہم
کاتبی نیست خیالات جہان جز خوابے   نالۂ کن کہ ازین خوابِ پریشان برہم

زچشم اہلِ نظر کسب کن حیات ابد   کہ آب خضر درین جوئبار می گذرد
تفرج از طلبی شاہ راہ دل مگذار   کہ شہریار ازین رہ گذار می گذرد

کسے بمقصود رسد تا نکند دل دریا   ہر کرا در صدفِ جان گہرے می باید

خراب نرگسِ او مستیٔ دگر دارد — خوش آن حریف که این جام در نظر دارد

درون سینہ دلم را ہمین بود شادی — کہ روز و شب غم آن پارۂ جگر دارد

مدام منتظرِ تیر اوست سینۂ من — چو عاشقے کہ دلآرام در سفر دارد

بشہر عشق کجا کاتبی رسد آسان — رہِ ولایتِ ما عقبہ بیشتر دارد

غزل میں اخلاقی مضامین کو سب سے زیادہ صائب اصفہانی اور غنی کشمیری نے تمثیلی اسلوب میں بیان کیا ہے، مولانا کاتبی کے کلام مین بھی جابجا تمثیل پائی جاتی ہے، لیکن انھون نے اخلاقی مضامین کے بجائے اوس سے عاشقانہ کلام مین کام لیا ہے، مثلاً

آمد نشانِ عاشقی اشکم کہ گلگون میرود — واندماہی کشتہ شد چون ہر

تا دور افتد از تو دل خوارند چشم و جانِ من — سلطان چو از تخت اوفتد نکبہ

دل ز زلفش تا بدور افتاد وار تاب و پیچ — در سفر دانند مردم قدر جاے خویش را

غم ندارم چون خیالِ خالت آید در درون — شاد باشد عنکبوتے چون مگس در دام یافت

جان را صداے تیغ تو از رنج تن رہاند — آواز آب زحمت بیماری برد

درون ز غیر بپرداز و روے یار ببین — کہ مدعیان نشود تا ہوانہ گردد صاف

خیالِ آن مژہ تا رفت دل شکستہ شدم — بلے جدائی خنجر بود شکست غلاف

مولینا کاتبی سے پیشتر بھی تمثیل سے زیادہ اخلاقی مضامین مین کام لیا گیا ہے، چنانچہ امیر خسرو نے بحر الابرار کے نام سے ایک بڑا سیر حاصل قصیدہ لکھا ہی، جس مین یہ التزام کیا ہی کہ ہر شعر میں دعویٰ اور اس کے ساتھ دلیل ہو،[1] مثلاً

کوسِ شہ خالی و بانگ غلغلش دردسر است — ہر کہ قانع شد بہ خشک و ترشہ بحر و بر است

---

[1] شعر العجم جلد دوم صفحہ ۱۶۶،

وبدائع کی پابندی نے بھی ان کی غزلون کو جذبات واحساسات سے بالکل بیگانہ نہیں کیا ہی، بلکہ بعض بعض غزلین نہایت پرجوش، ولولہ انگیز اور پُراز جذبات ہین، مثلاً

شبے کہ ماہِ رخت شد چراغِ خلوتِ ما گداخت شمع و نیاورد بارِ جلوتِ ما
ز لطف بود کہ ما را غلام خود خواندی وگرنہ پیشِ تو پیداست قدر و قیمتِ ما
بکوے عشق درآ کاتبی بطبل و علم کہ دورِ جملہ گذشت و رسید نوبتِ ما

آن کو بتر ول بست کشادِ دو جہان یافت وآنکس کہ ترا یافت مرادِ دو جہان یافت
ہر خستہ کہ جان داد و ستاد از دولتِ کام مقصودِ دل از داد و ستادِ دو جہان یافت
از خال و خطت کاتبیٔ سوختہ دم زد تا آگہی از خط و سوادِ دو جہان یافت

پیشِ خیالت آرم این نیم جان کہ باشد درخانہ ہر چہ باشد مہمان ہر آنکہ باشد
سوداے زلف و خالت پنہان چگونہ دارم مشک آنکہ خود نماید در ہر مکان کہ باشد
بازارِ حسنِ یوسف گر بستہ شد تو مانی باید متاعِ نیکو از ہر دکان کہ باشد
بوے تو گر گل آرد گاہے نسیم سوسن پیغامِ تو خوش آید از ہر زبان کہ باشد
ای کاتبی ز نقش سوداست کار بُودا یکسر بگردن من زین ہر زیان کہ باشد

تا یار بہایون قدمم باز نیاید مرغِ طرب رفتہ بپرواز نیاید
یوسف اگر آید بوجود از عدم آباد او نیز بدین حسن بدین ناز نیاید
ہر جا کہ برآید سخنے از لبِ شیرین چون بشنود از نے شکر آواز نیاید
ہر کس کہ یکے جرعہ نوشد ز شرابت چندان رود از خود کہ بخود باز نیاید
ہر چند کہ آوازہ فاشمشاد بلند است در موضعِ قدِ تو سرافراز نیاید
با ہیچ کسے دم نزند کاتبی از تو تا ہیچ کشش غیرِ تو دمساز نیاید

رفت و ہم صحبت بدان درویش گشت — کردیک ساعت بدان درویش گشت
گفت اینجا از چہ گشتی پای بند — ہست اینجا گوئیا در پا سے بند
گفت بس کز جور تو در ماندہ ام — راست ہچون حلقہ بر در ماندہ ام
بہر سوزش شمع تو بفروختند — یا خلائق را تو بفروختند،
بر جہان این نوع بیداد تو چند — این ہمہ بیدادی و بیداد چند،
عدل کن گر بایدت نام آوری — کز عدالت می شود نام آوری
کرد شاہ از ظالمی کوتاہ دست — پا کشید از ظلم و شد کوتاہ دست

ایک حکایت لکھی ہے، کہ جب سکندر نے سد سکندری قائم کی، تو ایک شخص او

گفت شاہی زین عمارت ساختن — بایدت زین بہ عمارت ساختن
زین اساسے کش بقا دو روزہ است — باز کش دامن کہ این دو روزہ است
کے شود معمور این دیرین سرا ے — یک عمارت کن در ینہا بر سرا ے
چو نہ بیند بد بعالم خیر کوش — تا نہ بینی بد تو ہم در خیر کوش
کاتبی جز بد نہ گردد سرنگون — نیک اگر باشی نہ بینی سرنگون

لیکن مولنٰنا کاتبی نے زیادہ تر اس مثنوی میں نیک صحبت اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے،

صحبتِ دانا و ہچون مشک بوے — بے خطا در صحبتِ او مشک بوے
با درونِ پاک صحبت خوش بود — آنکہ باشد پاک صحبت خوش بود
صحبتِ او یابی بردِ حق شناس — صحبتِ او را بجان و حق شناس
صحبت مردان بود جان پروری — چون دران صحبت روی جان پروری

اور تمام محاسنِ اخلاق کو اسی نیک صحبت کا نتیجہ قرار دیا ہے،

لیکن غالباً یہ جدت سب سے پہلے یا سب سے زیادہ مولینا کاتبی نے پیدا کی کہ اوس سے عاشقانہ مضامین مین کام لیا، قدیم زمانہ مین اخلاق کی بنیاد صرف تصوف اور سیاست پر قائم تھی، اوران دونون نے اخلاقی مسائل پیدا کر دیئے تھے، ان کی نوعیت بالکل مختلف تھی، تصوف نے استغنا، بے نیازی، توکل قناعت، اور دنیا کی بے ثباتی کے مضامین پیدا کئے تھے، اور چونکہ ساتوین صدی مین تصوف کا زیادہ زور ہوا، اور اسی صدی مین غزلگوئی نے بھی بہت زیادہ ترقی کی[1] اس لئے قدرتی طور پر اس قسم کے اخلاقی مضامین غزل میں شامل ہو گئے، اور مولینا کاتبی نے غزل مین انہی اخلاقی مضامین کو بیان کیا،

سیاست نے جو اخلاقی مسائل پیدا کر دئے تھے، مثلاً عدل وانصاف، وغیرہ، چونکہ وہ غزل سے مناسبت نہین رکھتے تھے، اس لئے غزل گو شعراء نے ان مضامین سے تعرض نہیں کیا، بلکہ ان کے لئے مثنوی مخصوص کر دیگئی، اور مختلف حکایتون کے ضمن مین اس قسم کے اخلاقی مسائل بیان کئے گئے، شیخ سعدی نے بوستان مین ان اخلاقی مسائل کو نہایت موثر حکایتون مین بیان کیا ہے، اور مولینا کاتبی نے بھی ان مسائل کو دو مختلف مثنویون مین بیان کیا ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین ہے کہ

"اخلاقی اور عشقیہ شاعری مین اوس نے ایک کتاب دہ باب اور تجنیسات لکھی"

دہ باب کا طرز یہ ہے کہ مختلف حکایتون مین انھون نے اس قسم کے اخلاقی مضامین بیان کئے ہین، اور دوسرون کی زبان سے بادشاہون کو عدل وانصاف اور نیکی کرنے کی تعلیم دی ہے، مثلاً ایک حکایت لکھی ہے، کہ ملک حبش مین ایک نہایت ظالم بادشاہ تھا، لیکن اس کے بالکل برعکس اوس کا وزیر اس کو ہمیشہ عدل وانصاف کی ترغیب دیتا تھا، لیکن اوس پر اس کا مطلق اثر نہین ہوتا تھا، ایک بار اتفاق سے وہ بادشاہ شکار کھیلنے گیا، اور ایک ہرن کو دوڑاتا ہوا ایک جگہ پہونچا، جہان اوس نے

دید در کنجے یکے دلسوختہ ہم لباس وسینہ ہم دلسوختہ

---

[1] شعرالعجم حصہ دوم ص ۴،

سنبلِ گل دامنِ او رشت آب | آہوے شیر افگنِ او مست خواب
گلشنِ باغِ رُخِ او لالہ زار | لالہ نورستہ او تازہ بار
گفتن او مایۂ اصلِ حیات | رفتن او مایۂ اصلِ ممات
نرگس مست ازلِ او شادتن | سنبل تر برگل او بادزن،
در رہ صحرا رُخِ آن سربلند | آتشِ افروختہ بہر سپند،
تشنہ او از تفِ خونِ آب داشت | تشنہ او از کفِ خون آب داشت
نرگسِ او مائلِ خوابِ صباح | لالۂ او تشنۂ آبِ صلاح،
محتشم از پیکر او نقد جان | منعقد از گوہر او عقد کان،
ہم خطا چون طوطیٔ او باز جوئے | ہم لب او با مئے راز گوئے

اسی طرح جو کچھ لکھا ہے، بالکل شاعرانہ اسلوب میں لکھا ہے، اور انداز بیان میں کہیں ناہمواری نہیں پیدا ہونے پائی ہے،

مولنا کاتبی کی شاعری کے متعلق اگرچہ اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا جا سکتا ہے، تاہم اس اختصار کے ساتھ بھی جو کچھ لکھا گیا ہے، اوس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ وہ ایک خاص تاریخی دور کے بلند پایہ شاعر ہیں، جس کی خصوصیات ابتک نمایاں نہیں کیگئی تھیں، اسلئے جناب سید وزارت علی صاحب اہل ادب کی طرف سے مستحقِ شکریہ و مستحقِ مبارکباد ہیں، کہ انھوں نے مولنا کاتبی کے کلام کا ایک عمدہ مجموعۂ انتخاب مرتب کر کے اس گمنام دور کو روشن اور نمایاں کر دیا ہے، اور ہمارے نزدیک یہ ایک بہت بڑی ادبی اور علمی خدمت ہے،

مثنوی۔ مولینا کاتبی نے جو مثنویان لکھی ہین، ان مین اگرچہ تکلف و تصنع سے بہت زیادہ کام لیا ہے، اور صنائع و بدائع کی بہت زیادہ پابندی کی ہے، تاہم شاعری کا سررشتہ کہین ہاتھ سے چھوٹنے نہین پایا ہے، اور جو واقعہ اور جو خیال ادا کیا ہے، اوس کو شاعرانہ انداز مین ادا کیا ہے، مثلاً آفتاب کے طلوع ہونے کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہین،

چون شہِ خور مجمرِ زر بر فروخت — عنبرِ شب ز آتشِ مجمر بسوخت
پنجۂ این پنجرہ بکشادہ شد — آتشِ این حجرہ افتادہ شد
خسروِ خور باکفِ کافی رسید — لشکرِ خا در صفِ صافی کشید
موج زد از ساحلِ دریاے چرخ — گوہرِ روشن دلِ یکتاے چرخ
مرکزِ شش سائرہ شد آشکار — نقطہ نہ دائرہ شد زر نگار
رستہ شد از بوتۂ ریزنگ سوز — تکمۂ پیراہنِ گلرنگ روز،
برقعِ شب دور شد از چہرِ صبح — ظلمتِ شب نور شد از مہرِ صبح

ایک شاہزادہ کے حسن وجمال کی تعریف ان اشعار مین کی ہے :-

بادۂ پند دل و دین گوش کن — قصۂ شہزادۂ چین گوش کن،
روزے از آرایشِ چین شاہزاد — شد بسوے دشت دل از جاہ شاد
ہمرہٗ او از شہِ در ویش و کے، — لشکرے آراستہ از پیش و پے
لالۂ پر ژالہ اش آتش فشان — ژالۂ آن لالہ اش آتش فشان،
نافۂ او عنبرِ تر بیختہ، — پستۂ او قند و شکر ریختہ
سنبلش افتادہ بر اطرافِ روے — سوسنش استادہ در اوصافِ بوے
نرگسِ او مائلِ ایمان شدہ — غنچۂ او قاتلِ پنہان شدہ

کا سلسلہ شروع فرمایا، آپ کا وعظ آپ اپنی مثال تھا، جس مجلس میں وعظ فرماتے، اس مین رقت
کا عجیب عالم طاری ہو جاتا، سنگدل سے سنگدل اشک بداماں ہو جاتے، راہ چلتے مرد اور عورتین
ٹھٹھک کر رہ جاتے، اور جب تک وعظ ختم نہ ہوتا، اُن کا اپنی جگہ سے ہلنا دشوار ہوتا، وعظ عموماً اصلاحی
ہوتا، اور ہمیشہ انہی نقائص کی اصلاح پیش نظر ہوتی جن میں حاضرین مبتلا ہوتے، لیکن شیرین
کلامی کا یہ حال تھا، کہ ایک ایک لفظ سامعین کے دل مین گھر کرتا جاتا، اور جب وعظ سُن کر اٹھتے، تو
ترکِ معصیت کے ارادہ کے ساتھ ہی مولانا کے ساتھ عقیدت و محبت کے جذبات لیکر گھر جاتے،
وعظ میں مسائلِ فقہیہ کی تعلیم، کھانے پینے کے اسلامی آدابِ نشست و برخاست، سلا
طرز معاشرت، اور اصولِ معیشت کی پوری تفصیل، پھر مردانہ و زنانہ مسائل کی الگ
آپ کے وعظ کی ایک نرالی شان تھی، عقیدتمند مردون اور عورتون کا یہ حال تھا، کہ
منزلین طے کرکے موسمی وقتون کو خاطر میں لائے بغیر آپ کے وعظ میں شرکت کرتے، اور گوہر مقصود
سے دامن بھر کر لیجاتے، آج کی تعلیمیافتہ عورتون کو بھی اپنے ان مسائل کی خبر نہیں، جو مولینا کے
وعظ میں شریک ہونے والی جاہل اور ان پڑھ عورتین جانتی، اور نہ صرف جانتی بلکہ برتتی تھیں،

مسلمانون کو وعظ و پند کے ذریعہ اسلامی اخلاق اور قرآنی تعلیمات کا جو ذکر سناتے تھے، خود
اُس پر سختی سے عامل تھے، آپ کی زندگی خود مستقل ایک وعظ تھی، فرائض و واجبات کا ذکر کیا، مستحبات
کا ترک بھی گوارا نہ تھا، مہمانون کی آمد آپ کے لئے مسرت کا پیغام تھی، اور اپنے ہاتھ سے اُن کی
خدمت و دلجوئی آپ کا انتہائی دلچسپ مشغلہ تھا، قحط کے زمانہ مین دن کو سہ پہر تک، اور رات کو
نصف شب تک کھانا نہ کھاتے، کہ مبادا کوئی سائل یا مسافر آجائے، اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی سائل
پہونچ جاتا، اپنا کھانا اُسے کھلا دیتے اور خود بھوکے رہ جاتے، ملازم کی موجودگی کے باوجود مردانہ
نشستگاہ مین اپنے ہاتھ سے جھاڑو دے لیتے، گاہ گاہ مسجد مین نمازیون کے وضو اور غسل کیلئے

علمائے نگرام

از

مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی

(۲)

حضرت مولانا عبدالعلی صاحب نگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد علم و عمل تقویٰ و پرہیز گاری اصلاحِ امت اور تعمیرِ قوم کی وراثت آپکے صاحبزادگان مولینا محمد یحییٰ صاحب رح اور مولنٰا حافظ محمد صاحب کو ملی اور ان دونوں بزرگوں نے دین و مذہب اور قوم و ملت کی خدمت کا حق پورے طور پر ادا کیا،

مولینا محمد یحییٰ صاحبؒ سن ولادت ۱۲۵۶ھ یا ۱۸۴۰ء ہے، عہدِ طفلی میں تربیت و تعلیم والد بزرگوار مولنٰا عبدالعلی صاحب کے سایۂ عاطفت میں ہوئی، اور درسیات کا بڑا حصہ آپ ہی سے حاصل کیا، سن کو پہنچکر مولینا محمد حسن سنبھلی صاحب سے درسیات کی تکمیل فرمائی، کتبِ درسیہ کے ساتھ سلوک و تصوف کا شغل بھی جاری تھا، حضرت مولنٰا محمد نعیم صاحب فرنگی محلیؒ وقت کے شیوخ میں تھے، مولنٰا ان کی خدمت میں حاضری دی، اور سند فراغت کیساتھ ہی خرقۂ خلافت اور اجازت بعیت بھی حاصل فرمائی علوم میں فقہ سے آپ کو کافی شغف تھا، اور جزئیاتِ فقہ اس طریقہ پر مستحضر تھے، جس کی نظیر کمتر نظر آتی ہے، مشکل سے مشکل مسائل آپ آسانی سے حل فرما دیا کرتے، کتبِ فتاویٰ میں اکثر آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے حواشی موجود ہیں، علم ظاہر اور تزکیۂ باطن کے حصول کے بعد آپ نے وعظ و

سررشتہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا، اور مسائل سے گذر کر کبھی ذاتیات سے نہیں الجھے،

وقت کے علما و مشائخ سے آپ کا سلسلۂ خط و کتابت جاری تھا، حضرت مولنا محمد نعیم صاحب فرنگی محلیؒ آپ سے غایت درجہ محبت فرماتے، اور اکثر اپنے مکرمت ناموں سے مولنا ؒ کو سرفراز فرماتے رہتے تھے، جن میں زیادہ تر مسائل علیہ یا نکاتِ تصوف کے متعلق کوئی نہ کوئی فہمایش ہوتی حضرت مولنا فرنگی محلیؒ کو آپ سے جو محبت تھی، اس کو خود اپنے قلم سے ایک خط مین یون ظاہر فرماتے ہین،

"فقیر حقیر آپ کو خصوصیات قدیہ و جدیدہ کی نظر سے مثل اپنے نور نظر کے جانتا ہی، اور
سے یہ دعا ہی، کہ طرفین سے کونین میں راضی رہے"۔

شاہ مہدی عطا صاحبؒ سجادہ نشین سلون ضلع رائے بریلی اور شاہ محمد اشرف سجادہ نشین کچھوچھہ ضلع فیض آباد، اختلافِ عقائد کے باوجود مولنا سے محبت رکھتے تھے، اور اکثر اپنے خطوط میں مولنا ؒ کی اصلاحی خدمات کا اعتراف کیا کرتے تھے،

افسوس کہ مولنا نے عمر بہت تھوڑی پائی، ۴۳ سال کی عمر میں آپکو استسقا، کا مرض لاحق ہوا، جس سے جانبر نہ ہوسکے، اور ۱۳۱۵ھ میں اس عالم فانی سے رحلت فرمائی،

مولنا حافظ قاری محمد ادریس صاحبؒ

سن ولادت ۱۲۷۵ھ ہے، ابتدائی تعلیم جناب خادم رسول صاحب ددولوی مرحوم سے حاصل کی، لیکن حضرت مولنا علیہ الرحمۃ جو جوہر قابل رکھتے تھے، ان کا تقاضا یہ تھا، کہ تعلیم و تربیت کسی جوہر شناس کے سپرد ہو، چنانچہ مولنا کے والد بزرگوار حضرت مولنا عبد العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی مولنا کی تعلیم و تربیت مین پوری توجہ سے کام لیا، درسیات ابتدا سے لیکر انتہا تک خود تمام کرائین، ذہانت کا یہ عالم تھا، کہ مولنا کو صرف اشارات کی ضرورت ہوتی، ورنہ مشکل سے مشکل اور مغلق سے مغلق مسائل اور عبارتون کو وہ ادنی فکر و تدبر کے بعد خود ہی

خود پانی بھرتے، اور ان کاموں مین کسی قسم کا عار نہ محسوس فرماتے، زندگی بھر تبلیغ و اصلاح میں مصروف رہے، ہزارون گمراہ مسلمان آپکے دستِ حق پرست پر تائب ہوکر راہِ راست پر لگ گئے، بیسیوں سلوک و تصوف مین آپ سے کسب فیض کرکے فائز المرام ہوئے، عزیمت آپ کا طرۂ امتیاز تھا، کبھی کسی اہلِ دولت یا صاحبِ حکومت کا رعب آپ کے دل پر مسلط نہیں ہوا، قصہ کے بعض معاصر زمیندارون نے دولت و حکومت کے نشہ میں آپ کی حق گوئی کو اپنے اثر سے روکنا چاہا، لیکن آپ ایک آن بھی اُن کی شخصیت کو خاطر مین نہ لائے، اور حق و صداقت کی تبلیغ میں کوتاہی نہ فرمائی، بالآخر آپ کے مخالفین آپ کی للّٰہیت و خلوص کے سامنے سرنگوں ہوکر رہے، اوناؤ، رائے بریلی، پرتاپگڈھ، سلطانپور، جونپور، بارہ بنکی کے اضلاع میں اکثر آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا، سواری کی موجودگی کے باوجود ہمیشہ پیادہ پا سفر فرماتے اثناے سفر میں مریدین کی جو جماعت ہمرکاب رہتی، اُسے تعلیم و تلقین فرماتے رہتے،

اصلاحی مشاغل کی کثرت کے باعث کسی طویل تصنیف کا موقع نہیں ملا، لیکن بعض مفید رسالے آپ کے قلم سے نکل کر مقبولِ عام ہوئے جن مین مصابح القاری، رسالہ فضیلت عمامۃ التشریح فی ائمۃ التراویح، ضیاء الفقہ، التفصیل فی مسئلۃ السراویل، رسالہ سلوک خاص طور پر قابلِ ذکر ہین مناظرہ سے آپ کو کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، لیکن فضیلتِ عمامہ کے مسئلہ میں مولانا محمد امین صاحب نصیرآبادی کی ردّ و کد نے ایک بار مناظرہ کا موقع پیدا کر دیا، مولانا محمد امین صاحب نصیرآبادیؒ فرماتے تھے امام نماز مین اگر عمامہ باندھکر نماز پڑھے، تو کسی فضیلت کا مستوجب نہین، ہی، مولانا مصر تھے، امام اگر عمامہ باندھ کر نماز پڑھائے تو وہ زیادہ فضیلت و ثواب کا مستحق ہے، بحث کا آغاز ہوا، ایک عرصہ تک دونون طرف سے رسالے شائع ہوتے رہے، مولانا محمد امین صاحبؒ کی طرف سے جو رسائل شائع ہوتے تھے عموماً انکا لب و لہجہ درشت اور تلخ ہوتا تھا، لیکن مولانا نے کبھی سنجیدگی

ارکانِ اسلام کے منکر تھوڑی دیر کی صحبت مین رام ہو جاتے، توبہ کرتے، اور پکے مسلمان بن جاتے جن بھی آپ کے مرید تھے، اور اکثر و بیشتر نمازِ فجر مین جس کو آپ غلس میں پڑھا کرتے تھے، حاضر ہو کر آپ کی اقتدا کرتے، راقم الحروف کے والد محترم مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب مدظلہٗ جو مولینا مرحوم کے حقیقی بھتیجے ہین اپنا بچشم دید واقعہ بیان فرماتے ہین، :

"ایک روز مولنا رہ حسب معمول عصر کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے، معتقدین کا حلقہ تھا، پند و نصائح کا سلسلہ جاری تھا، کہ مسافر صورت ایک اجنبی مسجد مین داخل ہو، سر پر عمامہ تھا، بدن پر کرتا، اور شرعی پائجامہ، پیروں پر گرد چڑھی ہوئی تھی، معلوم ہو کہ آنے والا پاپیادہ چل کر دور دراز کی مسافت طے کرکے آرہا ہے، آنے والے ... کیا، اور مصافحہ کرکے دوزانو حضرت مولانا رح کے مواجہہ مین بیٹھ گیا، اور ... کیا، کہ حضور مجھے بیعت کرلین، پانچ روپئے جیب سے نکال کر مولنا کے سامنے رکھے، اور کہا کہ اس کی شیرینی منگا کر بچون مین تقسیم کردیجائے، میرے ایک عزیز شیرینی خریدنے کے لئے چلے گئے، اجنبی کو حضرت نے بیعت کیا، اب آفتاب غروب ہونے میں چند منٹ باقی تھے، مسافر نے حضرت سے رخصتی کی اجازت چاہی، مولنا نے خندہ پیشانی سے رخصت کیا وہ ابھی مسجد کے دروازہ تک بھی نہ پہونچے تھے کہ میں نے عرض کیا، کہ حضرت اس وقت ان کا رخصت کر دینا آپکے اخلاق کے بالکل منافی ہے، مولانا نے تبسم فرما کر جواب دیا، ہان بیٹا مجھے خیال نہیں رہا، ذرا بڑھ کر واپس بلالو، اب وہ مسجد کے زینون سے نیچے اتر چکے تھے، مین جب تک وہان پہونچوں پہنچون وہ نظروں سے غائب ہو چکے تھے، میں نے بہت تلاش کیا، ملازمون کو ادھر اودھر دوڑایا، لیکن کہیں پتہ نہ چلا، میرے حیرت و استعجاب کی حد نہ تھی، مین نے واپس آکر واقعہ عرض کیا، اور اس معمہ کو حل کرنے کے لئے بہت مُصر ہوا، تو مولنا نے فرمایا

حل فرمالیا کرتے سولہ سترہ سال کی عمر میں درسیات ختم ہوگئین، تو مجدد العصر حضرت مولینا عبد الحی صاحب فرنگی محلی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے شرف تلمذ حاصل کرکے انھی سے سند فراغ حاصل فرمائی، حصول تعلیم کے ساتھ ساتھ ذکر وشغل کا سلسلہ بھی جاری تھا، ظاہر کی تکمیل کیساتھ باطن کی بھی تکمیل ہو گئی، اور مولنا ہمہ تن کتب بینی میں مشغول ہوگئے، گھر کے کتبخانہ مین خود کئی ہزار کتابین تھین، اور جو نہ ہوتین وہ مولنا عبد الحی صاحب فرنگی محلی کے کتبخانہ سے منگائی جاتیں، صبح سے شام تک کتب بینی، فتوی نویسی اور تصنیف وتالیف کا کام رہتا، پورے تیس سال علم و فن کے شیدائی کو اسی طور پر گذر گئے، اس عرصہ مین بارہا معتقدین کے وفود آئے، اور منت وسماجت کی، کہ ایک روز کے لئے قدوم میمنت لزوم سے غربت کدوں کو سرفراز فرمایا جائے، لیکن ایک لمحہ کے لئے کتابوں سے جدائی گوارا نہ ہوئی، اور ہمیشہ انھیں مایوس ومحروم واپس جانا پڑا، علوم مین سب سے زیادہ حدیث سے شغف تھا، متداول کتابوں کے علاوہ نوادر کی تلاش وجستجو رہتی، اور جس طور پر دستیاب ہوتین، ان کا مطالعہ فرماتے، سینکڑوں کتابیں خود خرید فرمائیں، بعض نوادر کتب اپنے قلم سے نقل کیں، اور تقریباً ہر کتاب پر محققانہ اور مجتہدانہ حواشی تحریر فرمائے، علم حدیث پر بہت ہی وسیع نظر تھی، اور اس فن مین شان اجتہاد رکھتے تھے، حجۃ اللہ البالغہ، شفا، قاضی عیاض، دلائل الخیرات کی حدیثوں کی تخریج جو قلمی آپ کے کتبخانہ میں موجود ہے، وہ آپ کی وسعت نظر کی واضح دلیل ہے، حدیثون مین جو کچھ پڑھتے، اُس کے جزجز پر عمل فرماتے، زندگی ہمیشہ متوکلانہ بسر فرمائی، تیس سال کے اس عرصہ میں جو صرف کتابوں کی صحبت میں بسر ہوئے، اکثر ایسے اوقات گذرے کہ فاقہ کی نوبت آگئی لیکن صبر و توکل کے اس مجسمہ کے چہرے سے کبھی اس کے آثار ظاہر نہیں ہوئے، عبادت وریاضت کی کثرت کے باعث رات کو بھی دن کی طرح مشغول رہتے، طالبان سلوک دور دراز کی مسافتین طے کرکے آتے، بیعت ہوتے، اور چند روز کی صحبت مین دولت عرفان سے مالا مال ہو جاتے، بڑے بڑے سرکش مبتدع

سے کھولا تھا، جس میں آپ کی بعض تصانیف اور دوسرے اہلِ خاندان کی تصانیف طبع ہوئیں، آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) التحقیق الموطا فی تحقیق الصلوٰۃ الوسطیٰ (۲) تحفۃ النبلاء (۳) القول المتین فی التامین (۴) مواهب القدوس فی احکام الجلوس (۵) التعلیق النقی علی رسالۃ الشیخ علی متقی (۶) تحفۃ الحبیب فی تحقیق الصلوٰۃ والکلام بین یدی الخطیب (۷) العون لمن نفی ایمان فرعون (۸) التحقیق المبین فی جمعہ دالمائین (۹) الکلام السدید فی رواۃ امام محمد (۱۰) الکلام النفیس فی ترجمۃ محمد ادریس (۱۱) تحفۃ الکرام بترتیب مسند الامام (۱۲) الاربعین من مرویات نعمان سید (۱۳) طریق الفلاح الی الاضطجاع بعد رکعتی الصباح (۱۴) الهام ... کراهیۃ سور الاجنبیۃ للرجال (۱۵) الاصول الثابتۃ للفروع النابتۃ (۱۶) حصول المقاصد بترجمۃ الموارد (۱۷) تسریح المعاقد بتشریح الموارد (۱۸) تحفۃ الشمائل لاهل العمائم (۱۹) تعلیق التمائم علی تحفۃ الشمائل (۲۰) البرهان فی حکم تقبیل الابهامین عند الاذان (۲۱) الدرۃ الزکیۃ فی تائید مذهب الحنفیۃ (۲۲) للفاتحۃ فی المصافحۃ (۲۳) المهتدی للمقتدی (۲۴) ابراز الکتمان فی تکمیل الایمان (۲۵) علل لاهل الجمل (۲۶) امحاء السیئات با قامۃ الصلوٰۃ (۲۷) مجموعہ خطب (۲۸) دفع الاحتمال عن رویۃ النبی بعد الارتحال (۲۹) تطییب الاخوان بذکر علماء الزمان،

آخر الذکر کتاب حضرت مولانا نے مجلس ندوۃ العلماء کی تحریک پر سپردِ قلم فرمائی تھی، استفتا آنے والے دور دراز شہروں مثلاً رنگون، مدراس، کوئٹہ، حیدرآباد سے آپ کے پاس استفتاء

مہمان نوازی سے آپ کو عشق تھا، اور ان کی ہر خدمت اپنے لئے فرض سمجھتے، مہمان کے کھانا کھاتے وقت خود مگس رانی فرماتے، اور اگر کوئی دوسرا اس خدمت کے لئے اصرار کرتا، تو فرماتے میرا مہمان ہے خدمت کا حق مجھے ہے،

علماے وقت سے آپ کا سلسلۂ ملاقات و مکاتیب برابر جاری تھا، مولٰنا محمد علی صاحب مونگیریؒ، علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ، مولٰنا عبد الحیٔ صاحب فرنگی محلیؒ، شمس العلماء نواب علی حسن خان صاحبؒ سے برابر خط وکتابت رہتی، قوم کی اصلاحی تحریکون سے آپ کو خاص شغف تھا، چنانچہ ایک عرصہ تک آپ ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ کے رکن رہے، اور اس کے جلسوں میں پوری دلچسپی کے ساتھ شرکت فرماتے رہے، ندوۃ العلماء کا دار العلوم جب قائم ہوا، تو آپ نے مولٰنا محمد علی صاحب مونگیری کی خواہش پر اپنے بڑے صاحبزادے مولنٰا محمد نفیس صاحب مدظلہ کو دار العلوم مین بلاتا مل داخل فرمایا، مسلمانون کی پسماندہ جماعتون کو ابھارنے اور بلند کرنے مین آپکو پورا انہماک تھا، شرافت ور ذات کی بنا پر مسلمانوں کی غلط تقسیم کو آپ مسلمانوں کی بدبختی کا آثار مین شمار کرتے، چنانچہ اپنے ایک شاگرد منشی نادر حسین صاحب عزیز نگرامی مرحوم سے دو کتابین آئینۂ شرافت اور معیار شرافت کے نام سے تصنیف کرائین، پیشہ ور مسلمان جماعتون کے لئے فضائل الکسب کے نام سے خود ایک مدلل رسالہ سپرد قلم فرمایا، اس رسالہ مین مسلمان پیشہ ور جماعتون کو سراہا گیا ہے، اور قرآن وحدیث کی روشنی مین انکی اسلامی شان و اہمیت کو واضح کیا گیا ہے، تعلیم کی عام اشاعت سے بھی آپ کو غایت دلچسپی تھی، چنانچہ آپنے نگرام مین معدن العلوم کے نام سے ایک مدرسہ عربیہ جاری فرمایا، جو آج بھی آپ کے صاحبزادہ مولٰنا حافظ محمد انیس صاحب مدظلہ کے اہتمام مین اپنے فیوض و برکات کیساتھ جاری ہے، انکی سرپرستی مین رائے بریلی سے ایک ماہانہ اصلاحی رسالہ الہادی جاری فرمایا تھا، جو عرصہ تک چودھری نذیر احمد صاحب مرحوم کی ادارت میں شائع ہوتا رہا، نگرام میں ایک پریس بھی مطبع نفیسی کے نام

فرق نہ آتا، ۱۳۳۳ھ مین انتقال فرمایا،

مولنٰا محمد سلیم صاحبؒ | مولینا عبدالحکیم صاحبؒ کے صاحبزادے تھے، صرف و نحو اپنے والد ماجد ہی سے پڑھی تھی، اور بعض کتابین مولنٰا محمد ادریس صاحبؒ سے بھی، سنِ رشد کو پہونچکر جامع العلوم کانپور مین داخل ہوئے، اس وقت مولنٰا اشرف علی صاحب تھانوی وہان مدرس تھے، اُن سے اخذ فیض کا موقع ملا، پھر لکھنو تشریف لاکر شمس العلما مولنٰا عبدالمجید صاحب اور حضرت مولنٰا عین القضاۃ صاحب سے شرف تلمذ حاصل فرمایا، اوران دونون بزرگون سے سند فراغ بھی حاصل فرمائی، ان کے علاوہ مولنٰا محمد ادریس صاحبؒ مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب دیوبندی مولینا حبیب الرحمٰن صاحب انورشاہ صاحب کشمیری رحمۃ سے بھی سند حاصل کی، نیز مولنٰا محمد ادریس صاحب سے بیعت ہوکر بھی لی، آپ کو مثل اپنے والد کے فرائض مین ید طولیٰ حاصل تھا، پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلے بیک نظر حل فرماتے، طریقۂ درس بھی نہایت عالمانہ تھا، راقم الحروف کو بھی سراجی اور ہدایہ کے بعض ابواب آپ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، وعظ نہایت خوب کہتے، الہ آباد، بارہ بنکی، پرتاپگڈھ کے اضلاع مین آپ کے اصلاحی مواعظ سے خلق کو بڑا نفع پہونچا، اور اکثر مسلمان ان اطراف مین آپ سے بیعت ہوئے، ہمیشہ نام و نمود سے متنفر رہے، آپ کی سادہ زندگی کو دیکھکر مشکل سے آپ کو صاحب علم کہا جاسکتا تھا، اپنا اور عزیزون کا سودا سلف یعنے بازار چلے جایا کرتے، امانت میں مشہور تھے، درس و تدریس اور افتا و وعظ آپ کی زندگی کے دلچسپ مشغلے تھے، نفع المفتی والسائل کا اردو ترجمہ آپ نے سلیس زبان میں فرمایا ہے، ناظم صاحب انجمن تبلیغ الاسلام نگرام کے ذریعہ سے افغانستان مین آریہ سماج کی شورہ پشتیون کو روکنے کے لئے خواجہ حسن نظامی نے حق پرکاش کا فارسی ترجمہ آپ سے کرایا تھا، اپریل ۱۹۲۹ء میں آپ کا انتقال ہوا،

بستر علالت پر ظہر کی نماز ادا فرمائی، جونہی سلام پھیرا، روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی،

بھیجتے، اور آپ پہلی فرصت مین اس کا جواب عنایت فرماتے۔"

۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ مین آپ نے اس عالم فانی سے رحلت فرمائی، آپ کے انتقال پر ایک عرصہ تک آہ و بکا کی غیبی آوازین آپ کے مزار کے ارد گرد آتی رہیں، اہل نظر کا خیال ہے کہ یہ اُن جنون کی آوازین تھیں، جو آپ سے بیعت تھے،

مولنا عبد الحکیم صاحبؒ | آپ حضرت مولینا عبد العلی صاحبؒ کے داماد تھے، کتب درسیہ اپنے خسر سے تمام کین اور اجازت وبیعت بھی انہی سے حاصل فرمائی، نحو وصرف، اور فرائض میں خاص طور سے دستگاہ حاصل تھی، زندگی بالکل بے داغ بسر فرمائی، بڑے متورع اور متقی بزرگ تھے، کبھی کسی سے ترشرو نہیں ہوئے، اگر کسی بات پر کبھی غصہ آتا، تو زبان میں اور زیادہ نرمی اور شائستگی پیدا ہو جاتی، چلتے تو ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے، گفتگو فرماتے تو ہلکا تبسم لبون پر کھیلتا رہتا، فارسی میں عدیم النظیر قابلیت تھی، اگر ولایت کا صحیح معیار اتباع سنت ہے، تو مرحوم صحیح معنون میں ولی اللہ تھے، نماز ہمیشہ باجماعت ادا فرماتے، لیکن امامت سے ہمیشہ گریز فرماتے، آپ نے ۲۵ر شعبان ۱۳۲۷ھ مین انتقال فرمایا، آپ کی اہلیہ صغرای خاتون بڑی صالحہ اور ذی علم خاتون تھین، مولنا عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھین، انہی سے متوسطات تک تعلیم حاصل کی تھی، قرآن کریم کا ترجمہ اور ترکیب بے تکلف فرما لیتین، قصبہ کی زنانہ مجالس میں اکثر وعظ و تذکیر کا سلسلہ رہتا، روزمرہ کے مسائل فقہیہ میں خاصا عبور تھا، اکثر عورتین اپنے مسائل آپ سے دریافت کرتین، اور آپ شافی جواب دیتین، علم ظاہر کیساتھ علم باطن مین بھی اپنے والد بزرگوار سے کسب فیض فرمایا، اکثر ذکر فرماتین، روزانہ دس پارہ قرآن کریم کی تلاوت کرتین، رمضان المبارک میں پانچ پارون کا اور اضافہ ہو جاتا، ہر دوسرے دن قرآن ختم ہو جاتا، تہجد بلاناغہ پڑھتیں، اکثر دلائل الخیرات حصن حصین کا ورد فرمایا کرتین، ان مشاغل کے ساتھ امور خانہ داری کی تکمیل، بچون کی پرورش وپرداخت میں کوئی

سے معلوم ہوتا ہے، کہ مؤلف کی نگاہ کتب شیعہ پر پورے طور سے تھی، کتب متون کے علاوہ شروح وحواشی وغیرہ کے حوالجات موجود ہین، آپ کے انتقال کا واقعہ بھی عجیب تر اور مقبولیت بارگاہ ایزدی کی دلیل ہے، انتقال سے چند منٹ پہلے آپ نے ہوش وحواس کے عالم مین تمام تیمار داروں اور عزیزون کو مخاطب فرماکر ارشاد فرمایا، دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفار اربعہ، حضرت والد صاحبؒ، دادا صاحبؒ میرے لینے کیلئے آئے ہیں، اور ساتھ ہی قرآن شریف کی تلاوت بھی شروع فرمادی، سورۂ فاتحہ، سورۂ ملک وغیرہ پڑھکر سورۂ یٰسین پڑھنے لگے، جیسے ہی وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ پر پہونچے، سربسجود ہوگئے، اور معشوق حقیقی۔

تاریخ وفات ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ ہے،

حاجی محمد احسن صاحب وحشی نگرامیؒ

اردو ادب وانشار سے دلچسپی رکھنے والے حلقہ میں وحشی نگرامی کا نام نامی غیر معروف نہیں، آپ کے قلم سے نکلے ہوئے متعدد اصلاحی ناول اور افسانے (جو زیادہ تر بے پردگی کی مخالفت اور عقد بیوگان کی حمایت مین ہیں) ملک میں آج بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہین، لیکن یہ کم لوگون کو معلوم ہوگا، کہ حضرت وحشی نگرامیؒ صرف ناول نگار اور انشار پرداز ہی نہ تھے، بلکہ ایک جید حافظ قرآن، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے والے، ذاکر و شاغل، بحر سلوک و تصوف کے شناور اور بزرگون کی خدمت اور علمار کی صحبت کے گرویدہ و دلدادہ بھی تھے،

سن رشد کو پہونچکر حفظ قرآن کا خیال پیدا ہوا، چار ماہ میں پورا قرآن یاد کرلیا، اور پھر زندگی بھر تراویح میں قرآن سناتے رہے، بیعت اپنے ماموں حضرت مولنا حافظ محمد ادریس صاحب سے تھے، اور مولانا علیہ الرحمہ کے عاشق زار ایک ایک ادا پر قربان لیکن مولنا ہی کی ہدایت کے مطابق حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے مکہ مکرمہ میں اور قطب العالم مولانا

آپ کے بڑے صاحبزادہ حکیم محمد نعیم صاحب مرحوم نے بھی دار العلوم ندوۃ العلماء مین درجۂ عالمیت تک پڑھا، اس کے بعد طب حاصل فرمائی اور بہرائچ مین ایک کامیاب زندگی بسر کی، عین عالم شباب میں ۱۹۳۰ء میں انتقال فرمایا۔

مولانا حافظ خلیل الرحمن صاحبؒ | مولنا محمد یحییٰ صاحب کے صاجزادے اور مولنا عبدالرحمن صاحب ندوی نگرامی مرحوم کے والد تھے، ابتدائی کتابین اپنے والدؒ سے پڑھین، پھر کانپور جاکر جامع العلوم میں مولنا عبدالرشید صاحب اور مولنا اسحق صاحب سے درسیات ختم کین، مولنا عبدالمجید صاحب فرنگی محلی مولنا عبدالحمید صاحب فرنگی محلی، مولنا فضل اللہ صاحب منطقی سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا، سندِ فراغ اور اجازتِ بیعت حضرت مولنا محمد نعیم صاحبؒ سے حاصل فرمائی، بیعت اپنے والد ماجد مولنا محمد یحییٰ صاحب تھے، لیکن خرقۂ خلافت اپنے چچا مولنا حافظ محمد ادریس صاحبؒ سے حاصل فرمایا تھا، قرآن اچھا یاد تھا، فن تجوید سے بخوبی واقف تھے، تراویح میں قرآن سناتے تو مقتدیوں پر محویت کا عالم طاری ہوجاتا، وعظ بھی بہت ہی مفید دلچسپ اور اثر انداز ہوتا، ایک عرصہ تک مدرسہ معدن العلوم نگرام میں مدرس رہے، جسم مین طاقت خدا داد تھی، جو کام آٹھ آٹھ آدمی نہ کر سکتے، اُسے آپ اکیلے انجام دیدیتے، انکسار و تواضع مزاج کا خمیر تھے، آپ کے والد صاحب کے انتقال کے بعد مریدین و معتقدین آپ کی طرف رجوع کرتے، اور اصلاحِ نفس کی دولت پاکر شاد کام ہوتے، آپ نے کل ۴۰ سال کی عمر پائی، اس چھوٹی سی عمر میں اصلاح و ارشاد تبلیغ و اشاعت کے علاوہ تصانیف بھی فرمائین اصطلاح العلوم، لسان العرب (کتاب لغت غیر مطبوعہ) اور ضربت حسینی خاص طور پر قابلِ ذکر ہین، لسان العرب مین آپنے صرف ان الفاظ کو جمع کیا ہے، جو جامد ہین، ضربت حسینی، ردِ شیعہ مین ایک مبسوط تالیف ہے، یہ بھی قلمی ہی، اور راقم الحروف کے کتب خانہ مین موجود ہے، فرقۂ شیعہ کے تمام مشہور مسائل سے اس کتاب میں بحث کی گئی ہو، انداز تحریر عالمانہ ہے، اور کتاب کے مطالعہ

"تامل ہوا تو ارشاد ہوا، کہ تجھے امر کی تعمیل کرنا چاہئے، میں نے حضرت حاجی صاحب سے
کیفیت عرض کی، حضرت نے فرمایا، کہ میاں اگلے زمانے میں بزرگ لوگ اپنے مریدوں کو ایسا حکم دیتے
تھے، اور اب شیوخ کا قاعدہ ہے کہ جہاں انھوں نے اپنے مرید کو دوسری جگہ آتے جاتے دیکھا، اسکے
دشمن ہوجاتے ہیں، تمھارے شیخ بڑے بزرگ ہیں جنھوں نے ایسا حکم دیا، میں صرف ان کے کہنے کی
وجہ سے تجھکو داخل سلسلہ کرسکتا ہوں، بشرطیکہ تو سوء ظن نسبت شیخ کے نہ کرے، اور یہ سمجھے کہ ہمیشہ
تمام برکات مجھکو شیخ ہی کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں، اور ہوں گے، بجواب اس کے وہی گذارش
کیا گیا، کہ مجھکو تو تعمیل حکم کرنا ہے، اور میرے واسطے ہر دو آستانے بصورت واحد ہیں، اور حضرت مولٰنا
پر تو اپنا تکیہ ہی ہے، الحاصل جناب مولانا کی بہت توضیح فرماکر مجھے بھی داخل سلسلہ فرمایا۔"

جناب وحشی نے سبقاً سبقاً عربی نہیں پڑھی تھی لیکن علما کی صحبت میں رہ کر انکو اس قدر عربی
آگئی، کہ سمجھنا تو ایک معمولی بات تھی، بے تکلف لکھ لیتے تھے، علوم دینیہ میں پوری مہارت پیدا ہوگئی
تھی، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، علم کلام، الغرض جس موضوع پر بھی گفتگو کرتے تھے عالمانہ
انداز سے کرتے تھے، ان کے کلامی مضامین مثلاً فلسفہ صوم، حکمت قربانی، ولادت مسیح، حیات مسیح
وفات مسیح نے علما سے خراج تحسین وصول کیا،

ندوۃ العلما، کے جلسوں میں مولٰنا شبلی مرحوم انکو بہ اصرار علما کے حلقہ میں بٹھاتے تھے، اور
اسی شان سے دعوت بھی دیا کرتے تھے،

صاف گوئی کا یہ عالم تھا، کہ دین کے معاملہ میں کبھی دبتے نہ تھے، جنگ عظیم کے زمانہ میں ڈپٹی
کمشنر سے صاف کہدیا، کہ ہم آپ کے محکوم ضرور ہیں، مگر ترک ہمارے بھائی ہیں، ان کی
بہی خواہی ہم نہیں چھوڑ سکتے!

سرکاری ملازم تھے، ایک دن دفتر کے وقت ظہر کی نماز کے لئے گئے تھے، کہ حاکم (جو ایک فرنگی

شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی سے بھی شرف بیعت حاصل فرمایا، اورا وراد و وظائف کی اجازت سے سرفراز ہوئے،

حضرت وحشی کے سفر حجاز کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے، ۱۳۱۳ھ میں ایک دن خواب دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، تعال یا وحشی؟ اب کیا تھا، بےچین ہوگئے جس طرح ہوسکا، سفر حج کے لئے تیار ہوگئے، راستہ میں ایک مثنوی تیار کی، جس کا پہلا شعر یہ ہے

اے گوہر قلزم معانی وے کاشف سر من رآنی

خود فرماتے تھے، کہ نیت یہ تھی، کہ روضۂ مبارک پر پڑھوں گا، اور خوب دل کی بھڑاس نکالوں گا لیکن وہاں پہنچکر عجیب حال ہوا چند شعر بڑی ہمت سے دبی زبان سے عرض کئے تھے، کہ

شکایت اک طرف یہ اُن کی محفل میں ہوئی حالت
کہ جیسے چھین لی اللہ نے مجھ سے زبان میری

سفر حج میں حاجی مرتضیٰ خان صاحب (حاجی اصطفا خان صاحب مالک کارخانہ عطر اصغر علی محمد علی لکھنؤ) کا ساتھ تھا، خانصاحب مرحوم کے بڑے صاحبزادے مصطفیٰ خانصاحب مرحوم سے محبانہ تعلقات تھے، چنانچہ پورے سفر کے مختصر حالات خطوط میں انھیں لکھے تھے، یہ مجموعہ خطوط بشیر کے نام سے شائع بھی ہوچکا ہے،

ان خطوط میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کا حال ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

"جب میں نگرام سے چلا تھا تو حضرت پیر و مرشد مولنا حافظ محمد ادریس صاحب عم فیضہ نے وقت رخصت بمقتضائے وفور الفت بہت مغموم ہوکر اور ستودعک اللہ الخ پڑھ کر ارشاد فرمایا تھا، کہ مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب سے تجدید بیعت کرتے آنا، اس پر مجھے کچھ

سیرت کی ساتویں جلد کا موضوع

از

جناب منیرالدین بن ریاض الدین غوثی (احمد آباد گجرات)

جناب علامہ سلیمان ندوی صاحب :-

السلام علیکم

محترم ابوظفر ندوی صاحب مجھے معارف پڑھنے کے لئے دیا کرتے ہین، اس کے گذشتہ دو شمارون سے مولنا مناظر احسن صاحب گیلانی کے قلم سے آپ کی تالیف سیرت کے چھٹے حصہ پر تبصرہ نکل رہا ہے، یہ ایک عالم کا عالمانہ تبصرہ ہے، اس کے مطالعہ کے بعد میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر کوئی عامی سیرت کے متعلق اپنے کچھ منتشر خیالات پیش کرے، تو شاید غیر مناسب نہ ہوگا، یہ خیالات اگر قابل لحاظ نہ بھی ہوئے، تو بھی آپ کی رواداری سے امید ہو کہ بار خاطر نہ ہون گے، اس امید پر جسارت بیجا کرکے چند ٹوٹے پھوٹے خیالات آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہون، یہ خیالات آیندہ ساتویں جلد سے متعلق ہین، جس کے مباحث آپنے بتا دیئے ہین۔

(۱)

ساتوین حصہ کا تعلق معاملات یعنی عملی زندگی کے باہمی کاروبار سے ہی، انسان کی پیدائش سے لیکر مرتے دم تک کے تمام کام بواسطہ یا بلاواسطہ اس میں آجاتے ہیں، عقائد اگر سوسائٹی کی بنیاد اور روح ہین، تو یہ جسم، عقائد اگر الہام ربانی کے مجردات ہین، تو یہ مادیات آج کل کی مغربی طرز زندگی

انگریز تھا) آگیا، اس نے بڑے غیظ و غضب سے پوچھا کہ کہاں گئے تھے، انھون نے کہا، نماز پڑھنے! انگریز نے کہا کہ نماز کے نوکر ہو کہ ہمارے،؟ انھون نے کڑک کر جواب دیا، کہ نماز کے نوکر ہین،! حاکم کا سارا غصہ جاتا رہا، اور کہنے لگا، کہ نماز سے کون روک سکتا ہے،؟

پوری زندگی تقوی و طہارت میں بسر ہوئی ۱۹۲۵ء میں پرتاب گڈھ (اودھ) میں انتقال ہوا، جہاں ان کے بڑے صاحبزادے مولوی نجم احسن صاحب وکالت کرتے ہیں، اور وہاں کے دیندار رئیس حاجی محمد اصغر صاحب مرحوم کے باغ مین دفن ہوئے۔

مولنا عبدالرحمن ندوی اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی مولنا عبدالرحمن صاحب ندوی کی ذات والا صفات ہے، یہ مولنا حافظ خلیل الرحمن صاحب کے صاحبزادے تھے، ۱۸۹۹ء کی پیدایش ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کی، ختم تعلیم کے بعد ملک کی تعلیمی اور سیاسی تحریکون مین امتیازی حصہ لیا، ۹ مارچ ۱۹۲۶ء کو ستائیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا، سارے ہندوستان نے اس فاضل نوجوان کا جس طرح ماتم کیا ہے، وہ اہل خبر سے پوشیدہ نہیں، حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی مارچ ۱۹۲۶ء کے معارف مین "ہماری جماعت کا لعل شب چراغ گم ہو گیا" کے عنوان سے مستقل طور پر ان کے متعلق لکھ چکے ہین، اس لئے ہم زیادہ نہین لکھنا چاہتے،!

ان اہل علم بزرگوں کے سوا نگرام کے چند علماء کے نام اور بھی معلوم ہین، مثلاً مولنا احمد اللہ صاحب، مولنا نادر حسین صاحب، مولنا ناصر محدث، قاضی محمد آصف صاحب، مولنا حفیظ اللہ صاحب لیکن افسوس کہ ان کی زندگی کی تفصیلات سے ہم بالکل ناواقف ہین،!

نگرام مین مفتیون کا بھی ایک خاندان ہے، اس خاندان کے بزرگ کسی زمانہ میں مسلمان بادشاہون کی طرف سے منصب افتار پر ممتاز تھے، لیکن آج ان کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے،!

اس مسئلہ کا ایک روشن پہلو بھی ہے کہ آج بھی مسلمان عملی طور سے نہ سہی تو کم از کم اعتقادی حیثیت سے مغربی تعلیم کے مقابلہ مین اسلام ہی کی تعلیم کی برتری پر یقین رکھتے ہین، ہمارے مرحوم ڈاکٹر اقبال دانش حاضر کی آگ مین خلیل اللہ کی طرح جلنے کے باوجود بھی صحیح وسالم رہے، اور مغربی تہذیب کے مقابلہ مین اسلامی تعلیم کی برتری کا پیام سناتے رہے، جو پیام اقبال نے شعر مین دیا وہی پیام کچھ لوگ نثر مین بھی دے رہے ہین، حال مین ندوۃ المصنفین دہلی سے "اسلامی نظام اقتصادیات" پر جو کتاب شائع ہوئی ہے وہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے، کہ یہ ذہنی اور کتابی بحث ومجادلہ تہذیب حاضر کے حملہ کو روک سکتا ہے؛ تہذیب حاضر کی فوج یلغار کرتی ہوئی بڑھ رہی ہے، اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ضرورت ہے، کہ دنیا کے اسلام کے روشن خیال علما، اور صنعت و حرفت، تجارت، اقتصادیات وغیرہ جملہ فنون کے ماہرین کسی مرکزی مقام پر جمع ہو کر اسلامی تعلیم کی روشنی مین ان چیزون کا ایسا حل تلاش کرین جس کی بنیاد اگر ایک طرف اسلامی تعلیمات پر ہو تو دوسری طرف ہم اس کے ذریعہ مادی زندگی مین یورپ کا مقابلہ کر سکین، اس اجتماعی کوشش سے پہلے ہر ہر ملک مین انفرادی کوششین بھی ہو سکتی ہین، اس وقت مجتہد علمار کی بڑی ضرورت ہے؛ امید ہے کہ سیرت کی ساتوین جلد مین آپ ان مسائل کا حل پیش نظر رکھین گے،

(۲)

ہمارا عقیدہ ہے کہ عقائد، عادات، اخلاق معاملات وغیرہ دنیا وآخرت کے تمام امور مین اسلام ہمارا رہنما ہے، اور اس سے بہتر نظام کوئی نہین پیش کر سکتا، اس عقیدہ یا دعوی کے ثبوت کیلئے ضرورت ہے کہ ہم تاریخ کی روشنی مین زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اسلامی تعلیم کی برتری دکھائین جس سے اسلام کی تکمیلی شان نظر آئے، اس کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ آج تک دنیا مین جتنے تمدن اور جتنی قومین پیدا ہوئین، خاص کر جن قومون کا قرآن مجید مین ذکر ہے پہلے ان کا مختصر تاریخی

مین بھی تو اسکی اہمیت بہت ہے، انسان کی اچھائی اور برائی کا معیار یہی سمجھے جاتے ہیں پہلے اسکا معیار دین تھا، اور اب دنیا ہے، اب جس مذہب کی دنیوی تعلیم اچھی ہے وہ مذہب اچھا سمجھا جاتا ہے، آج کل کسی قوم کی تہذیب سے مراد بڑی حد تک یہی چیزین ہوتی ہین، موجودہ زمانہ مین ہماری اور مغربی تہذیب کی ٹکر بہت کچھ معاملات ہی مین ہے، چنانچہ آج مغرب کا دعویٰ ہے کہ اس کے سیاسی، اجتماعی، اقتصادی، تمدنی، تجارتی، اور بین الاقوامی قوانین، اسلامی تعلیم سے بڑھکر ہیں، اس لئے اگر مسلمانوں کو بھی زندگی کی جنگ میں کامیاب ہونا ہے، تو ان کو اپنا پرانا طریقہ چھوڑ کر ہمارے راستہ پر چلنا چاہئے، ان کے اس دعویٰ پر اسلامی دنیا اگر زبان سے نہیں تو کم از کم عمل سے یقین کر رہی ہے، عبادات عقائد وغیرہ کو چھوڑ کر ترکی میں تجارت، سیاست، اقتصادیات وغیرہ دنیوی امور مین مغرب کی تقلید ہو رہی ہے، اور اسی کو دنیوی نجات کا راستہ سمجھا جا رہا ہے، دوسرے اسلامی ملک بھی اسی روش پر جا رہے ہین، کیا آسمان کے نیچے آج کوئی ملک، کوئی جماعت یا کم از کم کوئی فرد ایسا ہے، جو اسلامی تعلیمات سے تجارت اور سیاست وغیرہ کے ایسے عملی طریقے بتا سکے، جس پر عمل سے ہم یورپ کی برابری کر سکین، ترکون نے صنعت و حرفت اور تجارت میں ترقی کے لئے یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق کارخانے بنائے، بنک قائم کئے، سود کا لین دین جاری کیا، بیمہ کمپنیان قائم کین اور ان سب مین اسلامی تعلیم کا رد کیا، غرض زندگی کے تمام شعبون مین اسلام کا رد ہو رہا ہے، اگر اسکو روکنے والی کوئی چیز پیدا نہ ہوئی، تو یہ خطرہ پورے طور سے پھیل کر رہے گا، حالت کی نزاکت یہانتک پہونچ چکی ہے کہ بعض علما تک اسلامی اور مغربی تہذیب مین سمجھوتہ کرانے کی فکر مین ہین، عباسی خلافت کے زمانہ مین عقل و نقل کے درمیان مفاہمت کی جو کوشش کی گئی، وہ ممکن ہے کسی حد تک ضروری رہی ہو لیکن اسلام اور مغرب کی تعلیم کے درمیان تو اتنا بعد ہے کہ دونون میں صلح کرانا اسلامی تعلیم کو رد کرنے کے ہم معنی ہوگا،

داغ بیل ڈالنے کی ضرورت ہے جس میں علمی طریقے سے اعداد و شمار کے ساتھ ہمارے تنزل کے اسباب سے بحث ، ہندوستان کی دوسری قوموں سے ہمارا مقابلہ اور آج تک ترقی کی جتنی جد و جہد ہو چکی ہے، اس کی تفصیل اور آیندہ کے لئے عملی پروگرام ہونا چاہئے کہ ہمارا مقصد کیا ہے اور ہندوستان میں اسلامی سوسائٹی کی تشکیل کیسی ہونی چاہئے؟ ترقی کے بحث کو اتنی اہمیت دیجائے، کہ علم کی ایک نئی شاخ بن جائے، ضرورت کے وقت نئے علوم و فنون پیدا کرلئے جاتے ہیں جس کی مثال ہندوستان میں ہمارے سامنے موجود ہے، دنیا میں علم الاقتصاد موجود تھا، لیکن ہندوستان کی اقتصادی ترقی اور اسکی طرف خاص توجہ دلانے کے لئے ایک نئی شاخ "ہندوستانی اقتصادیات" کے نام سے بنائی گئی، جسکی کتابیں کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں، اگر ہم بھی نئے علم قومیات کی تشکیل کریں تو اسے ہماری مدرسوں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھانے کی کوشش ہو سکتی ہے اور نذوۃ العلماء اسکے لئے سب سے زیادہ موزوں ہو سکتا ہے، اس علم کی تدوین کتاب و سنت کی روشنی میں ہو گی، اسلئے اس کا تعلق بھی سیرت کیساتھ ہو سکتا ہے،

(۴)

میرے دماغ میں جو منتشر خیالات تھے انکو میں نے ٹوٹی پھوٹی زبان میں پیش کر دیا ہے امید ہے کہ آپ اس پر غور فرمائینگے، ان سطور کے لکھتے وقت یہ خیال ذہن میں آرہا ہے کہ آپکا نام سلیمان ہے اور اس نام کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع ایسے جن تھے، جن کا بدن آگ سے بنا ہوا تھا، اور وہ ہوا اور پانی وغیرہ پر تصرف کر سکتے تھے، آج مغرب میں جن ہوں یا نہ ہوں، لیکن ان کی تہذیب جناتی ضرور ہے، کیونکہ اس تہذیب کا بہت کچھ آگ اور پانی پر دار و مدار ہے، اور ہوا اور پانی پر بھی اسکا تصرف ہے اسلئے اس مناسبت سے کہ انبیا کے وارث علما ہیں، میری یہ استدعا ہے کہ جس طرح حضرت سلیمانؑ نے جنوں کو اپنے زیر فرمان کیا تھا، اسی طرح آپ کے ہاتھوں بھی ایسا کام انجام پائے، جس سے یہ جناتی تہذیب اسلام کی تعلیم کے زیر فرمان ہو جائے،

حال لکھا جائے، اس کے بعد ان کی تہذیب کی روح سے بحث کیجائے، اور ان کی سوسائٹی کا مختصر مگر مکمل نقشہ پیش کرکے اس کے ماحول اور اس کے پیدا ہونے کے اسباب اور مختلف دورون کی تبدیلیون وترقیون کو دکھا کر اس کے نفع و نقصان سے بحث کیجائے، اس کے بعد اس کا اسلامی سوسائٹی سے موازنہ ومقابلہ کیا جائے، یہ مقابلہ سارے نظام کا سارے نظام سے ہو بعض اجزار کا نہ ہو، اس سلسلہ مین زمانۂ حال کی سرمایہ دارانہ اور اشترا کی سوسائٹی کی تاریخ اُس کے نظام کی روح اور اس کے ڈھانچہ کا پوری تفصیل سے ذکر کیا جائے، کہ یہ نظام کس طرح کن حالات مین پیدا ہوے، اور وہ رفتہ رفتہ کس طرح موجودہ شکل تک پہونچے، اور اس کے کیا کیا نتائج پیدا ہوئے، اور ان سے کیا نقصان یا فائدے حاصل ہوئے، پھر ان کے مقابلہ مین اسلامی تعلیم سے ان چیزون کو دکھایا جائے، اس کے بعد اسلامی اور مغربی سوسائٹی کے ایک ایک جزء کا تجزیہ کرکے اسلامی سوسائٹی کی برتری دکھلائی جائے، اگر اس طرح سیرت لکھی جائے، تو وہ اسلام کا دائرۃ المعارف بن جائے گی، اور اس کے آئینہ مین حیاتِ انسانی کے ایک ایک خط وخال کی تصویر نظر آجائیگی، اسکے لئے اسکی ضرورت ہو کہ دنیا نے آجتک علوم و فنون اور عقل و تجربہ مین جتنی ترقی کی ہے ان سے پوری واقفیت کے بعد سیرت پر قلم اٹھایا جائے، اور ان ترقیون سے سیرت کی تالیف مین پورا فائدہ حاصل کیا جائے، اگر یہ کام افراد کے بس کا نہ ہو، تو ایک جماعت اس کا بار اٹھائے،

(۳)

دنیا کے دوسرے حصون کی طرح آج کل ہندوستان مین بھی انقلاب کا نعرہ بلند ہو رہا ہے، مسلمان بھی قدرۃً اس سے متاثر ہو رہے ہین، اور ان میں ابھرنے کا جوش وولولہ پیدا ہو رہا ہے، لیکن ابھی تک اسلامی انقلاب پیدا کرنے کے لئے نہ ان میں راہِ عمل کا تعین ہوا ہے، اور نہ نصب العین کی تشکیل ہوئی ہے، اسلامی انقلاب کے لئے ہم کو "قومیت اسلامیہ ہندیہ" کے ایک نئے قومی تخیل کی

کہ ایک خاص شان کا اظہار نہ ہو، لیکن اپنے دوسرے عہدہ کی بنا پر وہ اسی خاص شان سے چلنا پسند کرے گا، اور اگر باوجود اپنی کوشش و خواہش کے وہ اپنے احباب کے سامنے یہ شان نہیں اختیار کرسکتا، تو کم ازکم اپنے خاندان ہی پر ایک ڈکٹیٹر کی طرح مسلط ہو جائے گا، اصل یہ ہے کہ اگر کسی میں یہ صلاحیت موجود ہے تو وہ ظاہر ہو کر رہے گی، آپ کا ذاتی تجربہ اس کی شہادت دے سکتا ہے، غالباً آپ کا واسطہ کسی ایسے شخص سے ضرور ہوا ہوگا جو عہدہ یا پیشہ میں آپ سے بڑا ہوگا، وہ بار بار آپ کو حکم و ہدایات دیتا رہتا ہے جس کی غرض و غایت دراصل آپ کی چستی، مستعدی، اور قابلیت کو تقویت دینا نہیں بلکہ خود اس کے اہم رُتبہ کا اظہار و قیام ہے، ایسے لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہیں، کہ مرتبہ یا عہدہ سے کوئی انسان بڑا آدمی نہیں ہوتا، ممکن ہے ایک چھوٹا آدمی کسی بڑے مرتبہ پر پہونچ جائے، لیکن اس سے کوئی ذہین شخص اس فریب میں نہ مبتلا ہوگا، کہ وہ چھوٹا آدمی واقعی ایک بلند شخصیت رکھتا ہے۔

فوج یا اس قبیل کی ملازمتوں میں وردی ضروری چیز ہے، اس سے ذاتی اہمیت کا احساس بڑھ جاتا ہے، اسلئے وردی کا صحیح استعمال ہمیشہ مفید ہوتا ہے، لیکن اس خطرہ سے بے خبر نہ رہنا چاہئے کہ کہیں کوئی چھوٹا اور نااہل آدمی وردی کو اپنی ذاتی اہمیت کے بڑھانے کا ذریعہ نہ بنالے، ایسا شخص اپنے عہدہ کی توہین کرتا ہے، پختہ کار انسان کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنی ذاتی اہمیت کے خیال میں ڈوبا نہیں رہتا، پختہ کاری کا ایک درجہ یہ ہے کہ ہم کو نظر انداز کئے جانے کا خوف ہی نہ رہ جائے، یہی چیز پختگی کی طرف ہماری بہترین رہنما ہے، اگر اپنی آمد و رفت میں ہم دوسروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی خواہش سے بے نیاز ہو جائیں، تو ہم میں کسی حد تک پختگی پیدا ہو جائیگی اور ہم خودبینی کے بدترین جال سے آزاد ہو جائیں گے، اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ ہم بڑی حد تک خودبینی کا شکار ہو چکے ہیں یا اس سے محفوظ ہیں تو اس امتحان کے لئے ہم کو پورا ایماندار بننا پڑے گا، اس کا بہترین طریقہ اپنے نفس کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھنا ہے،

تلخیص و تبصرہ

خود بینی

ونسٹن چرچل کو کسی نے ایک مرتبہ لعنت ملامت سے پُر خط لکھا تھا، چرچل نے اس کا یہ جواب دیا "آپ کے خط سے آپ کی دماغی پریشانی کا حال معلوم کرکے مجھے قلق ہوا، آپ نے میرے ساتھ بڑی ناانصافی کی ہے، باایں ہمہ میری ہمدردی آپ کے ساتھ ہے، کیونکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپکو بڑی بڑی پریشانیون سے دوچار ہونا پڑا ہے" یہ جواب ایک ایسے بڑے آدمی کا تھا، جس کو یقین تھا، کہ اس میں خود بینی کے احساس کا کوئی شائبہ نہیں ہے، دوسرا واقعہ یہ ہے کہ امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن نے کیچڑ میں پھنسی ہوئی گاڑی کو نکالنے کے لئے بلا تامل خود گاڑی میں ہاتھ لگا دیا تھا، اور ایک معمولی فوجی افسر محض دوسرون کو للکار کر آمادہ کر رہا تھا، صدر جمہوریہ کے استفسار پر اس نے جواب دیا، کہ ایک افسر ہونے کی وجہ سے وہ خود ہاتھ نہ لگا سکا، وہاں سے رخصت ہوتے وقت واشنگٹن نے افسر سے کہا کہ آیندہ جب ایسی ضرورت پیش آئے، تو سپہ سالار کو بلا لینا" یہ مثال بھی ایک دوسرے بڑے آدمی کی ہے، جو خود بینی کے احساس سے پاک تھا، یہ احساس اکثر لوگوں مین پایا جاتا ہے، ایک شخص اپنے محدود اور تنگ حلقہ ہی میں اپنے کو اہم سمجھتا ہے، اور دوسرا واقعی اہم شخص ہے، اور اپنے کو اہم سمجھتا بھی ہے، یہ دونوں اس احساس سے پاک نہیں لیکن اس میں قصور رتبہ کا نہیں شخص کا ہوتا ہے، ممکن ہے جو شخص اپنے نفس کی اہمیت کا احساس رکھتا ہے، اوس کے انداز رفتار سے بہ حیثیت ممبر پارلیمنٹ

خودنمائی کا عام سبب تو اپنی کمتری کا احساس ہوتا ہے، اس کا دوسرا سبب ابتدائی زندگی کے گردوپیش کے غیر صالح حالات بھی معلوم ہوتے ہیں، جس کا نمونہ اکلوتے بگڑے ہوئے بچے ہین، ایسے بچے اپنی غیر صحیح تربیت کی وجہ سے اپنے کو کائنات کا مرکز تصور کرنے لگتے ہین، پھران مین توازن کا احساس پیدا ہونا بہت دشوار ہوجاتا ہے، ایک قدیم مقولہ ہے کہ "تکبر کا ناپسندیدہ پودا کمزور اور خراب زمین میں اُگتا ہے" اس مقولہ کی صداقت کا ثبوت سب سے زیادہ وہ لوگ پیش کرتے ہین، جن کے بچپن کے گردوپیش کے حالات ناقابلِ اطمینان تھے، اس سلسلہ مین یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہو کہ ہم اس صلاحیت کے وجود کو تسلیم کرین، اور اسکو کبھی نہ بھولیں، اس میں غلو سے ہم دنیا مین اپنے مقام کا بالکل غلط تصور قائم کرتے ہین، اور خود بینی کا ایک نامکمن پہلو اختیار کرنا چاہتے ہین،

اس بیماری کے مریض کے لئے سب سے دشوار چیز خود مرض کا احساس ہے، اس مرض سے ایسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہو، کہ مریض نکتہ چینی کا کوئی اثر ہی قبول نہیں کرتا، اور ناقابلِ یقین حد تک وہ اپنی حالت سے بے خبر ہوجاتا ہو، اگر وہ ایک بار بھی کھٹک محسوس کرلے، تو اصلاح کی گنجائش وامید باقی رہتی ہے،

انسان کے لئے نفس کا محاسبہ بہت ضروری چیز ہے، اس کو غور وتامل سے دیکھتے رہنا چاہئے، ابتدائی یا موجودہ زندگی کے احساسِ کمتری سے کس حد تک ہم متاثر ہوئے ہین، یا ہو رہے ہین، ر پوری ایمانداری اور قوت کے ساتھ ایسے احساس کا مقابلہ کرنا چاہئے، اس پر غور کرنا چاہئے کہ اری ابتدائی زندگی میں ہمارے گردوپیش کے کیا حالات تھے، اور ابتداءً خاندان میں ہماری حیثیت کیا ، ہمارا سب سے پہلا مقصد یہ ہونا چاہئے، کہ ہم اپنے کو اصلی خط وخال میں دیکھیں، اور اُن قوتوں اچھی طرح سمجھیں، جنھوں نے ہم کو وہ سب کچھ بنا دیا، جو آج ہم ہیں،

دنیا ایسے لوگون سے بھری ہوئی ہے، جو اس کے لئے بے چین ہیں کہ وہ جلد کچھ سے کچھ ہوجائین

خودبینی اکثر حقیقی یا خیالی احساس کمتری کا ردِ عمل ہوتی ہے، تکلیف دہ اور ناخوشگوار باتون کو بھلا دینا، اور ان سے آزادی حاصل کرنا ہماری فطرت ہے، چنانچہ جہانتک احساس کمتری کا تعلق ہے ہم بالکل اسی پر عامل ہین، ابتدا مین انسان اپنی غیر متوازن جسمانی ساخت، رنگ روپ، اصلی یا حقیقی ذہنی کمتری یا اور اس طرح کی دوسری محرومیون سے بہت آزردہ ہوتا ہے، لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا جاتا ہے وہ اپنی کمتری کی زیادہ سے زیادہ تلافی کے لئے انتہائی کوشش کرتا ہے، وہ اپنے اندر بعض ایسی قابلیتین پیدا کرنا چاہتا ہے، جس سے وہ ہر طرف چھا جائے، اور اسکی کمتری پر پردہ پڑ جائے یا کم از کم اسکی جانب سے عام توجہ ہٹ جائے، ایسی صورت مین عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی کمتری سے بے خبر اور پہلے سے کہیں زیادہ خودبین ہو جاتا ہے،

ایک غریب لیکن محنتی طالب علم جس کی آنکھین ٹیڑھی تھیں، اپنے ساتھیون میں ممتاز اور امتحان میں کامیاب ہونے کے باوجود مسرور نہ رہتا تھا، تقریری مقابلون مین باوجود تیاری کے عین وقت پر شرکت سے گریز کیا کرجاتا تھا، ایک ماہر نفسیات نے اس کا سبب اس طالب علم کا غریب خاندان ہونا، بیرونی امداد سے سلسلۂ تعلیم جاری رکھنا، پبلک اسکول میں دولت مند خاندانون کے بچون کا ساتھ، باہمی بے تعلقی، دوسرے بچون کے گھر جانے اور خود ان کو بلانے سے شرمندگی محسوس کرنا، بیان کیا، اپنی کمتری کے اس غیر صحیح احساس کی وجہ سے وہ رنجیدہ رہا کرتا تھا، لیکن پھر اس پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد وہ مسرور اور مطمئن زندگی بسر کرنے لگا، اوس نے اپنے خاندان کو صحیح نقطۂ نگاہ سے دیکھا، غریب والدین کی قربانیون کی قدر وقیمت اور بلندی محسوس کی، اس احساس میں مبتلا ہونے والے لوگ اس طالب علم کی طرح بیدار ہو کر خودنمائی کے جذبہ کا قلع وقمع نہیں کرتے، اور جس چیز کو وہ اپنی کمتری کا بدل یا پردہ پوش خیال کرتے ہین، اوس کو ترک اور اس سے توبہ نہیں کرتے،

غور وفکر کا صحیح طریقہ

اپنے معتقدات اور خیالات کے دلفریب پہلوؤں کی ہمنوائی کرنا ایک ایسا خطرناک رجحان ہے جس سے ہر ہوشمند انسان کو ہمیشہ بچنا چاہئے، خیالات کو آرزوؤں کے قالب میں ڈھالنا کبھی خطرہ سے خالی نہیں، منطقیانہ غور وفکر کے چند اہم اصول ہیں، جن پر عمل کرنے سے انسان خیالات کے فریب اور خطائے فکری سے بچ سکتا ہے، وہ اصول یہ ہیں،

اپنے خیالات کے متعلق ہمیشہ سوالات کرتے رہنا چاہئے، انھیں کیسے، کیوں، کب، اور کہاں وغیرہ استفہام کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے، ہر چیز کے اسباب وعلل پر بحث کرنا ضروری ہے، ہر صاحب فکر کے لئے استفسارات کے الفاظ خاص اہمیت رکھتے ہیں، کسی مسئلہ کا حل اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک اوس کے وجود کا علم، اور اس کے متعلق سوالات مرتب کرنے کی قابلیت نہ ہو، عام مشاہدات کو بے چون وچرا تسلیم کرلینا معلومات سے بے بہرہ رہنے کے مرادف ہے، گرجا کے مختلف لیمپوں کا مختلف بلندیوں پر چھوٹی بڑی زنجیروں میں لٹکنا ایک ہی لمحہ میں انکا ایک طرف سے دوسری طرف ہوا سے متحرک ہونا ایک معمولی مشاہدہ تھا، لیکن گلیلیو نے اس مشاہدہ اور اپنی نبض کی حرکت کی مدد سے لیمپوں کا ایک ہی وقفہ سے حرکت کرنا معلوم کرلیا، اور اس تجربہ سے اوس نے نہایت صحیح وقت دینے والی پنڈولم کلاک ایجاد کی،

باغ میں سیب کا درخت سے زمین پر گرنا نیوٹن کے لئے زمین کی قوت کشش کے انکشاف کا ذریعہ بنگیا، معمولی مشاہدات میں حیرت انگیز اسرار نہاں ہوتے ہیں، جن کو سوالات ہی بے نقاب کرتے ہیں، سوالات کشف حقیقت کا ذریعہ ہیں، اگر مسلسل اور کافی سوالات کئے جائیں، تو ان سے کسی نہایت اہم مسئلہ کی طرف رہنمائی کا امکان پیدا ہوجاتا ہے، تمام معلومات دراصل کسی نہ کسی

اس مقصد کی اچھائی یا برائی سے بحث نہیں، لیکن ایسے لوگ بڑی پیچیدگیون میں پھنس جاتے ہین اور وہ خود اپنے نفس کو اور دوسرون کو دھوکا دیتے ہین، اور دوسرون کے سامنے اپنی بالکل غلط اور پُر فریب تصویر پیش کرتے ہین، ہم مین پختگی اسی وقت آئے گی، جب ہم مین اتنی جرأت پیدا ہو جائے، کہ ہم اپنے آپ کو اصلی رنگ روپ مین دیکھ سکین، اگر ہم اپنی ذات کو اس کے اصلی رنگ مین دیکھین، پہچانین، اور قبول کرین، تو ہم دوسرون کو بخوشی انگیز اور قبول کرلین گے، اور دنیا میں ان کی جگہ تسلیم کرین گے، ایسا کرنے سے اپنے نفس کی اہمیت اور خود نمائی ہم کو مغلوب نہ کر سکیگی، ہم اس سے آزاد ہو جائین گے، ہماری آزادی کا معیار اسی پر ہے،

اس کے علاوہ ایک اور خطرہ سے باخبر رہنا ضروری ہے جب ہم پر خود نمائی کا پورا غلبہ ہو جاتا ہے، تو ہمارے لئے صرف ایک ہی راستہ کھلا رہجاتا ہے، وہ یہ کہ ہم گرد و پیش کا چکر لگاتے ہین، اور دوسرون کی حالت کا اس طور سے جائزہ لیتے ہین، کہ ہم خود اپنی حالت پر خوش ہیں، دوسروں کے متعلق نامناسب خبرین پھیلاتے اور توہین آمیز بیانات دیتے ہین حالانکہ دوسروں کی واقعی حیثیت کو بے چون وچرا تسلیم کرنے سے ہماری زندگی میں سکون و عافیت پیدا ہو جاتی ہے، خود نمائی کا مارا ہوا انسان سکون و عافیت سے بالکل محروم ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کو ہر وقت اس کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہین کسی وقت کوئی واقعہ اس کی خود نمائی کے ہوائی قلعہ کو منہدم نہ کر دے، اس کے لئے یہ مقولہ یاد رکھنا بہت مفید ہوگا، کہ "بندر جتنا ہی زیادہ اوپر اچھلنے کی کوشش کرتا ہے، اتنی ہی زیادہ وہ اپنی دم کو ظاہر کرتا ہے"

چرچل اور واشنگٹن کی مثالین ہمارے لئے بہت سبق آموز ہین، دونون ہستیان خود نمائی سے آزاد و بلند تھین، کیونکہ وہ اپنے کامون میں ہمہ تن مشغول و متوجہ تھین، ان کی مفید جد و جہد نے ان کو رکاوٹ کا موقع ہی نہیں دیا کسی معقول کام میں خلوص کیساتھ منہمک ہو جانے سے دوسرون سے اچھے تعلقات پیدا ہو جاتے ہین، اور خود نمائی کا موقع ہی نہین ملتا،

اور آج بھی ان کی مرتب اور واضح شکل نے ان مین ایک ایسی قوت اور تاثیر بخشی ہے کہ ان کو قبول کرنے مین کسی چون وچرا کی گنجایش نہین ہوتی، لیکن اکثر اصولون کے بنیادی اظہار مین بہت تضاد نظر آتا ہے، مثلاً "عجلت سے نقصان ہوتا ہے" "میدان میں پہلے آنے والی چڑیا شکار ہوتی ہے" "بغیر خطرہ کے نفع نہیں ہو سکتا" "ادر نو نقد، نہ تیرہ ادھار" "غوطہ لگانے سے پہلے سوچو" اور جو سوچتا ہے، وہ تباہ ہوتا ہے" یہ مقولے بالکل سائنس کے اصولوں کی طرح ہین، اور اسی طرح یہ وجود مین آئے، اور مخصوص اور متعین تجربوں کے بعد وضع کئے گئے، سائنس زندگی کے حالات سے عام اصول اخذ کرتی ہے، اور ان اصولوں کو اس طرح پیش کرتی ہے، کہ ویسے ہی حالات مین ہمیشہ برتے جائین، سائنس کے اصول اور مقولے صرف تجربی وضاحتیں ہیں جن میں نئے نئے تجربات کے ساتھ ساتھ، ترمیم، تنسیخ، اور تبدیلیان ہوتی رہتی ہین، اس لئے اہل سائنس اور محققین کو اپنے نام نہاد قوانین کی ترمیم کے لئے ہر وقت تیار رہنا پڑتا ہے، مفکر اور سائنسٹ کبھی اسکے مدعی نہین ہو سکتے کہ ان پر آخری حقیقت کا انکشاف ہو گیا، ان کا ایمان ویقین ان کو شک وشبہ سے آزاد نہین دیتا، تشکیک ان کی عادت ہو جاتی ہے، ان کا یقین صرف ان کے تازہ ترین تجربات کا نام ہے،

تجربہ دراصل فطرت سے استفسار کا نام ہے، اس لئے تجربہ ہمیشہ عقل کی رہنمائی مین کرنا ہے، مثلاً جس طبیب نے ملیریا کا سبب دریافت کیا تھا، اس کی بحث کی نوعیت یہ تھی، کہ اگر ملیریا مچھرون کی وجہ سے ہوتا ہے، تو انھین لوگون کو ہونا چاہئے جنھین مچھر کاٹتے ہین، اور جو مچھروں سے محفوظ رہتے ہین، انھیں نہ ہونا چاہئے، اس تجربہ کے لئے اوس نے ایک جماعت کو مچھرون کی زد مین اور دوسرون کو ان سے محفوظ رکھا، اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ پہلی جماعت ملیریا مین مبتلا ہو گئی، اور دوسری اوس سے محفوظ رہی،

سوال کا جواب ہیں،

سوالات بالکل واضح اور متعین ہونے چاہئیں، اگر کسی سوال کا جواب نہیں ملتا، تو ممکن ہے کہ سوال واضح نہ ہو، اس لئے ہر ممکن پہلو سے سوال کرنا چاہئے، تا آنکہ جواب صرف ہان، یا نہیں رہ جائے، امریکہ کے ایک مشہور طبیب کو ملیریا کا سبب معلوم کرنا تھا، کہ ملیریا کیوں ہوتا ہے، یہ سوال ایسا غیر متعین تھا کہ اس کا جواب نہ ملتا تھا، مرض کے متعلق طبیب کا تنا نظریہ علم تھا، کہ وہ یہ سمجھتا تھا، کہ جراثیم سے ملیریا پیدا ہوتا ہے، لیکن یہ سوال بھی مبہم تھا، مناسب تجربہ کرنے کے بعد اس سوال کا جواب صرف ہان، رہ گیا، اور ثابت ہوگیا، کہ ملیریا مچھروں سے پیدا ہوتا ہے،

کامیاب مفکر اپنے خیال کو بہت صاف اور سادہ شکل میں پیش کرتا ہے، اور ناکامیاب مفکر مبہم سوالات سے مطمئن ہوجاتا ہے، مبہم سوالات کے جوابنہیں ملتے، اور اسکی ناکامی کا یہی سبب ہوتا ہے، ہمارے غور و فکر میں ایسی سادگی اور وضاحت ہونی چاہئے، کہ مسئلۂ زیر غور کا جواب صرف ہان، یا نہیں تک محدود ہوجائے، اور ان اسباب کی تلاش و جستجو ہونی چاہئے، جو جواب میں معین ہوں، سوالات کے جوابات معلوم کرنے میں ہم کو خود سرگرم و مستعد ہونا چاہئے، اس کی توقع دوسروں سے یا آسمان سے نازل ہونے کی ہرگز نہ رکھنی چاہئے، مسائل کے بارے میں شہادت بڑی سرگرمی سے فراہم کرنی چاہئے، تا آنکہ ہم خود ان کا حل معلوم کرکے پیش کرسکیں، مکمل ذہنی استفادہ اسی طرح کیا جاسکتا ہے،

سوالات کا مقصد صرف جواب ہی حاصل کرنا نہیں ہوا کرتا، بلکہ اس سے اپنی غور و فکر کی تعلیم بھی مقصود ہوتی ہے،

تضاد پر ہمیشہ نگاہ رکھنی چاہئے، پرانے زمانہ میں کسی مسئلہ کا حل عموماً مقولہ کی سی حیثیت اور مقبولیت حاصل کرلیتا تھا، اور یہ مقولے یکسان صورت میں لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے،

اخبارِ علمیہ

زخم کا پلاسٹر سے علاج

برشلونہ (اسپین) کے مشہور ڈاکٹر جاز فسر وٹا نے پلاسٹر کے ذریعہ زخموں کے آسان کامیاب اور سریع الاثر علاج میں بڑی کامیابی حاصل کی ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس طریقہ علاج پر جو کتاب لکھی ہے، اس کی اشاعت کے بعد ہی برطانوی ڈاکٹروں کو اس کے تجربہ کا جلد موقع مل گیا، چنانچہ موجودہ جنگ مین فرانس کے محاذ سے پسپا ہو کر نکل آنے والی برطانوی فوجون میں اسی طریقہ سے لاکھون زخمیوں کا فوری اور کامیاب علاج کیا گیا،

اس کا طریقہ یہ ہو کہ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو بٹھا کر زخمون کے جراثیم پیدا کرنے والے مرداز حصون کو الگ کرکے زخمون کو وسیلین گاز سے ٹھنڈا کر دیتے ہین، اور پھر پلاسٹر آف پیرس مین تر کی ہوئی پٹیوں کو زخموں پر باندھ دیا جاتا ہے، اس طریقہ سے زخم خراب ہونے کے باوجود جلد مندمل ورمریض شفایاب ہو جاتا ہے، پلاسٹر چڑھا دینے کے بعد زخمی ہر حال میں بالکل محفوظ ہو جاتا ہے،

بڑی توپ

"بگ برتھا" یعنی جو بڑی توپ فرانسیسی ساحل پر نصب کی گئی۔ ہے کہا جاتا ہے، اوس کے گولے ۱۵ میل تک پہونچ سکتے ہین، لیکن ایسی توپون میں بہت سی خرابیاں بھی ہین ان کا نشانہ صحیح نہین ہوتا

تجربہ صرف سطح ہی تک محدود نہ ہونا چاہیئے، بلکہ اس کی ابتدا متین عقلی بحث سے ہونی چاہیئے اس بحث کی بنیاد ایک عام اصول پر ہونی چاہیئے، اگر یہ اصول صحیح ہے، تو چند مخصوص حالات مین مخصوص نتائج مرتب ہونے چاہئین، انھیں نتائج کا مرتب ہونا یا نہ ہونا سوال کا جواب ہے،

ہر ذہین انسان کو اپنی ذہنی قوتوں کو اسی طرح کام میں لانا چاہئے غلط مباحث سے انسان کو اس کی غلطی معلوم ہو جائے گی، ایسی صورت میں اسکو پیچھے پلٹنا اور نظر ثانی کرنا چاہیئے، کہ اوس سے کہاں غلطی ہوئی، مباحث مین غلطی ہو جانا معمولی بات ہے، اس کا سبب بھی معمولی ہے، لوگوں میں ذہن کا فعل و عمل اتنا متفاوت مختلف اور پیچیدہ ہوتا ہے، کہ کوئی شخص کبھی بھی اپنی قوت فکریہ مین کمال کا دعوی نہیں کرسکتا، دلیل و بحث کو ہمین ایک ایسا کھیل سمجھنا چاہیئے، جو وقت و تربیت چاہتا ہے، جس میں جوش و ہیجان سے ہر قسم کے خطرات پیدا ہو جاتے ہین، اس کھیل کی مسلسل مشق ترقی کی ضامن ہے، "ن ص"

شایقین زبان اردو کو مژدہ

رہنما تاریخ اردو

اس کتاب میں قواعد تاریخ گوئی بزبان اردو مع تمثیلات شعراے اردو و تذکرہ و تاریخی حالات، مشہور و معروف شعراے اردو، جنھون نے اس زبان کو آراستہ و پیراستہ کیا ہے، و تاریخہاے سلاطین ہند و فرمانروایان اودھ درج ہیں، صدہا تاریخی واقعات کی عجیب و غریب حیرت انگیز تاریخین اس کتاب مین موجود ہین، جیسا کہ ایک قطعہ تاریخ کے صلہ مین دولاکھ زر شہنشاہ اکبر نے مورخ کو انعام دیا تھا، شعراے اردو کا دلچسپ تذکرہ اور سلاطین ہند کے وفات کی بے بدل تاریخیں اس کتاب میں قابل دید ہین، قیمت فی جلد ۱۲ر محصولڈاک ۱ر "مینیجر"

اس کی مدد سے پولیس کے آدمی سادہ لباس میں گشت کرتے ہوئے فوراً خبریں دے اور لے سکیں گے،

ہلکی سائیکل

امریکہ میں ایک ہلکی اسپورٹ سائکل تیار کی گئی ہے، اس کے دو ٹکڑوں کو ہ اسکنڈ کے اندر جوڑ کر اور الگ کرکے سائکل کو تیار اور تہ کیا جا سکتا ہے، اس سائیکل کو حسب خواہش چھوٹی بڑی بھی کرسکتے ہیں، اور آسانی کے ساتھ موٹر اور کشتی میں رکھی جا سکتی ہے،

ایک نئی کلاک

اب تک دیوار کی گھڑیوں کو صرف سامنے سے دیکھا جا سکتا تھا، لیکن حال میں ایک خاص طرز کی کلاک بنائی گئی ہے جس کے ڈائل پر مخصوص شکل کے ہندسے ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں بغلی زاویوں سے دیکھ کر بھی وقت معلوم کیا جا سکتا ہے،

غلہ سے اون

ماہرین کیمیا نے اعلان کیا ہے، کہ معمولی غلوں سے اون نکالا جا سکتا ہے، اس اون سے ... کی طرح نرم چکنے اور بڑھنے والے کپڑے بنے جائیں گے، اور اُن سے برساتی اور اسی قسم کی دوسری چیزیں بھی بنائی جا سکیں گی، خاصیت کے اعتبار سے یہ اون بالکل جانوروں کے اون کی طرح ہوگا،

نہ نظر آنے والی عینک

حال میں چشمہ کے ایسے تانے تیار کئے گئے ہیں جنکی عینک چہرہ پر نظر نہیں آتی تانون کے حاشیوں سے ایسی روشنی پھوٹ کر نکلتی ہے، کہ تانے اس میں چھپ جاتے ہیں،

ان سے ہوائی اور ریلوے مستقر پر گولہ باری تقریباً نا ممکن ہے، ان کے گولے تیس میل کی بلندی سے گذرتے ہیں، ان کی لاگت ان کی نقل و حرکت اور ان کے نصب کرنے میں بہت زیادہ صرف ہوتا ہو، ایک بگ برتھا پر تقریباً چالیس لاکھ پونڈ صرف ہوئے ہین، اور ۲ سال میں بنکر تیار ہوئی ہے، اس سے کل ۲۶۵ فرانسیسی ہلاک ہوئے، ایسی توپین ریلوے لائن سے دور نہیں نصب کیجا سکتی ہین، اور دشمن کے ہوائی جہاز آسانی کے ساتھ انکا پتہ لگا لیتے ہین،

برقی موسمی نقشے

نیو یارک میں موسم کی کیفیت دریافت کرنے کا جو برقی موسمی نقشہ ہے، اس پر نگاہ ڈالتے ہی ہوائی بندرگاہوں کے موسم کا حال معلوم ہو جاتا ہے، نقشہ میں ہر بندرگاہ کے لئے ایک قمقمہ ہو جس کا رنگ موسم کی حالت ظاہر کرتا ہے، یہ ایک لیور کے ذریعہ بدلتا رہتا ہے، ہرا رنگ بہتر موسم ظاہر کرتا ہے، سفید رنگ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندرگاہ پر مشین کی مدد سے اترنا ممکن ہے، اور سرخ رنگ ایسی خرابی ظاہر کرتا ہے جس مین جہاز کا اترنا مناسب نہین،

جیبی ریڈیوسٹ

ریڈیو انجنیرون نے پولیس کے استعمال کے لئے ایک اتنا چھوٹا ریڈیو تیار کیا ہے جو آسانی کے ساتھ واسکٹ کے جیب میں رکھا جا سکتا ہے، حال ہی میں شکاگو (امریکہ) میں اس کی نمایش کی گئی، یہ بیٹری سے چلتا ہے، اس میں دو ڈورے لگے ہوتے ہیں، اس کی مشین کل ۴ انچ لمبی، ۲ انچ چوڑی اور ایک انچ موٹی ہوتی ہے جس میں ایک چھوٹا سا ہیڈ فون، دو ڈورون سے بندھا ہوتا ہے جسے کان یا منہ کے قریب لاکر سنتے اور بولتے ہین، اس کا وزن تقریباً نو اونس ہے، توقع ہے کہ

(ح)" آموزگا" (اسکول) "دانش جوے" (طالب علم) "دانش آموز" (پروفیسر) "دبستان" (مکتب) وغیرہ لیکن
مضامین مین عربی کے الفاظ بدستور بکثرت نظر آتے ہین،

موسیقی (فارسی) مرتبہ سرگرد، غ مین باشیان، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ اور ٹائپ نفیس،
قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- طہران، ایران۔

یہ رسالہ بھی وزارتِ تعلیم کی طرف سے نکلتا ہے، اس مین فن موسیقی پر فنی، تاریخی اور ادبی مضامین
تے ہین، اس مین تجدد کے آثار زیادہ نظر آتے ہین، ایرانی نغمہ کو جدید فنی اصولوں کے مطابق بنانے
کوشش نمایان ہے، اس بنا پر بعض مضامین ایسے نامانوس ہو گئے ہین، کہ ان کا سمجھنا مشکل ہے،
حال یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ایران کا "نوحۂ غم" کسی طرح "نغمۂ شادی" سے تو بدلا، پہلوی زبان
احیاء کے آثار اس مین بھی نمایاں ہیں جن لوگون کو موسیقی خصوصاً ایرانی نغمہ کا ذوق ہو، اس رسالہ مین
ن کی دلچسپی کا کافی سامان ہے،

سیاست مرتبہ ڈاکٹر یوسف حسین خانصاحب، ایم پی ایچ ڈی، تقطیع بڑی، ضخامت غیر معین،
کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر، قیمت سالانہ ۵ر، پتہ:- سید عبد القادر اینڈ سنس، اعظم بلڈنگ
حیدر آباد دکن۔

اردو زبان اگرچہ اب سیاسی لٹریچر سے بالکل خالی نہیں ہے لیکن کمیت اور کیفیت دونون
یثیتوں سے اسکی بڑی کمی ہے، اس کا ایک سبب اس فن کے صاحبِ علم و نظر اہلِ قلم کی بے توجہی تھی، لیکن
ب حالات وضروریات نے انھیں اس طرف متوجہ کر دیا ہے جس کا ایک مفید نتیجہ رسالہ "سیاست" ہے اسکے
ق اڈیٹر خود استادِ سیاست ہین، اور اس موضوع پر ان کے مضامین متعارف ہو چکے
، حیدر آباد میں نظری سیاست دانون کا اچھا خاصہ مجمع ہے، اس لئے یقین ہے کہ اس رسالہ کے ذریعہ
لِ اعتماد سیاسی لٹریچر کی کافی اشاعت ہوگی، ابتدائی نمبرون کے مضامین جس کے شاہد ہین، جیسا کہ



باب التقریظ والانتقاد

نئے رسالے

آموزش و پرورش (فارسی) مرتبہ محیط طباطبائی ضخامت ۸۰ صفحے کاغذ اور ٹائپ نفیس

قیمت مرقوم نہیں، پتہ طہران، ایران،

اب سے چند سال پیشتر تک ایران علمی اعتبار سے بہت پیچھے تھا، رضا شاہ کے دور میں وہ اس میدان میں بھی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، وہاں کے ممتاز فضلاء کی ایک جماعت علمی خدمت میں مشغول ہے، فارسی کی قدیم اہم اور نایاب کتابیں، فاضلانہ تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں، نئی تالیفات کا سلسلہ بھی جاری ہے، اور متعدد اچھے رسالے نکلتے ہیں، ان میں ایک "آموزش و پرورش" بھی ہے، یہ رسالہ کئی سال سے نکلتا ہے، ہمارے یہاں کچھ دنوں سے آنا شروع ہوا ہے، یہ رسالہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، بچوں اور طالب علموں کی تعلیم و تربیت پر ہے، اس میں تعلیمی مضامین و معلومات کے علاوہ مفید علمی مضامین بھی ہوتے ہیں، اور جدید تعلیمی مباحث کے ساتھ قدیم علمی و تعلیمی معلومات بھی پیش کرتا ہے، معنوی حیثیت اور ظاہری نفاست دونوں کے اعتبار سے یہ رسالہ یورپین زبانوں کے اچھے سے اچھے رسالہ کے ٹکر کا ہے، کہیں کہیں اچھی خاصی پرانی متعارف عربی اصطلاحوں کی جگہ نئی نئی خالص فارسی کی اصطلاحیں نظر آتی ہیں، آئیں بعض نہایت خوبصورت ہیں اور ایرانیوں کی خوش مذاقی کو ظاہر کرتی ہیں، مثلاً آموزش و پرورش (تعلیم و تربیت) "دانشگاہ"

مسلمانون کی سیاست پر بحث کرتا ہے، گو یہ رسالہ ایک خاص سیاسی مسلک کا مبلغ ہے، تاہم ہندوستان کی سیاسی گتھی کو سلجھانے کے لئے اس کے بعض مضامین مثلاً ہمارے قومی مسائل میاں بشیر احمد صاحب" دستوری اسمبلی" ڈاکٹر شفاعت احمد خان"، این ہمہ آوردہ تست" ڈاکٹر سی آر، ریڈی، ہر جماعت کے لئے قابل غور ہین، ان جماعتی مسائل کے ساتھ ہندوستان اور بیرونِ ہند کے سیاسی حالات پر تبصرہ ان پر ہندوستانی اخبارات کی رائین، اور اخبارات و رسائل سے مفید منقولات وغیرہ عام سیاسی حالات و اخبار کا بھی کافی سامان ہوتا ہے، مرزا یار جنگ بہادر کا مضمون" درجہ نوآبادیات" پر از معلومات ہے،

اقبال مرتبہ ظفر احمد صاحب صدیقی ایم اے علیگ تقطیع بڑی، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ للعہ رفی پرچہ ۳ر پتہ:۔ شبلی روڈ، علی گڈھ،

یہ رسالہ بھی سیاسی مسلک مین "ہمارا مستقبل" کا ہم خیال ہے، لیکن مذہبی رنگ لئے ہوئے اور موجودہ قوم پرستون، سوشلسٹون کے مقابلہ میں مذہب کا علمبردار ہے، اس کے مذہبی جذبات لائق قدر ہین، لیکن سیاسی مسلک مین غلو اور شدت زیادہ ہے، اور وہ کسی قیمت پر بھی مذہب اور خدمت وطن مین مفاہمت کے لئے تیار نہین ہے، جس کا ایک نمونہ لائق اڈیٹر کا مضمون "پاکستان قرآن حکیم کی روشنی مین" ہے، مذہبی رنگ کے سیاسی مضامین کے ساتھ خالص مذہبی اور علمی مضامین بھی ہوتے ہین، ان مین "عہد سلف کا ایک ورق" ضیا احمد صاحب" اسلام کیا ہے" پروفیسر عبد الستار خیری "خدا کا آخری پیغام" اور "دین دنیا، مذہب" یعقوب حسین خانصاحب اچھے مضامین ہین، اس رسالہ کے سیاسی خیالات کچھ ہون لیکن اسکی دینی حمیت اور مذہبی جذبات بہرحال قابل قدر ہین، اور مسلمان نوجوانون کی "وطنی دہریت" کے مقابلہ مین یہ سیاسی غلط روی کہین بہتر ہے،

پیغام حق، مرتبہ جناب غلام سرور صاحب نگار، تقطیع بڑی ضخامت ۴۸ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت، بہتر، قیمت: سالانہ ۱ے ۱۲ار، فی پرچہ ۴ر، پتہ:۔ اقبال اکیڈمی لاہور،

فاضل اڈیٹر نے لکھا ہے، کہ "سیاست کا لفظ اگرچہ آج کل بہت محدود معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں اس کے معنی بہت وسیع ہیں"۔ اس اعتبار سے اس رسالہ کے موضوع کا دائرہ محض متعارف سیاست تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس میں حکومت اور اجتماعی زندگی کے وہ تمام مباحث و مظاہر داخل ہیں، جن کا اثر کسی پہلو سے ریاست اور سیاست پر پڑتا ہے، چنانچہ اس میں جدید سیاسی مباحث کے تمام شعبوں کے ساتھ قدیم تاریخ کے سیاسی حالات اور ان کے نتائج پر بھی مفید مضامین ہوتے ہیں، ہم نے اس رسالہ کے تین نمبر دیکھے، ہر نمبر میں سیاسیات کے مختلف پہلوؤں پر ممتاز اہل قلم کے مفید اور پر از معلومات مضامین ہیں، لائق اڈیٹر کے مضامین اور مسائل حاضرہ پر ان کا تبصرہ خصوصیت کے ساتھ زیادہ مفید ہے، "ہندوستان کا سیاسی مستقبل" بہت اچھا مضمون ہے، جو لوگ مشینی دور کو دنیا کے لئے رحمت سمجھتے ہیں، سید وہاج الدین صاحب کا مضمون "مشین و معاشرت" اون کے غور و تامل کے لائق ہے، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے موجودہ سیاسی اصولوں کی روشنی میں "عہد نبوت کی سیاست کاری اور ہجرت" پر محققانہ تبصرہ کیا ہے، پروفیسر محمد جمیل الرحمن صاحب نے "عہد وسطیٰ میں مصر کی معاشی حالت" پر اچھے معلومات جمع کئے ہیں، قاضی عبد الغفار صاحب کے قلم سے سید جمال الدین افغانی کی سیرت کے بعض اجزا ہیں، کاش اسکی تکمیل ہو جاتی، ان کے علاوہ "ہندوستان کی آبادی کا مسئلہ" ڈاکٹر انوار اقبال "وضع قوانین کے ذریعہ عمرانی اصلاح"، ڈاکٹر جعفر حسن وغیرہ کوئی مضمون بھی فائدہ سے خالی نہیں، سیاست کے اجرا سے سنجیدہ اور مفید رسالوں میں ایک اچھے رسالہ کا اضافہ ہوا ہے، اور وہ اس قابل ہے کہ اسے زندہ رکھا جائے،

ہمارا مستقبل، مرتبہ جناب آفتاب احمد خان صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۷۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت سالانہ ۔۔ فی پرچہ ۴ر، پتہ :۔ نظر باغ لکھنؤ،

یہ رسالہ چند مہینوں سے لکھنؤ سے نکلتا ہے، مسلم لیگ کا ترجمان ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے

پایا، مولانا عزیز الرحمن صاحب کے قلم کے مضامین "نوادر کتب خانہ سلطانی" "مسلمان اور فن تعمیر اسلام اور جغرافیہ نویسی" خاص طور سے زیادہ مفید ہیں، مسلمان اور فن تعمیر کے مضمون میں یہ تسامح ہے کہ قسطنطنیہ کی مسجد ایا صوفیہ مسلمانوں کی تعمیر ہے، دراصل یہ قسطنطین کا گرجا تھا، جسے مسجد بنا لیا گیا تھا، "تاریخ بہاولپور" اور "مشاہیر بہاولپور" کا سلسلہ بھی دلچسپ ہے، عام دلچسپی کے لئے ادب اور افسانے کی چاشنی بھی موجود ہے، امید ہے کہ اس رسالہ کے ذریعہ اہلِ بہاولپور میں اردو ادب و انشا کا ذوق پیدا ہوگا،

مشہور، مرتبہ جناب حکیم محمد تقی صاحب دہلوی تقطیع بڑی، ضخامت ۲۲ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ عہ، پتہ:۔ ممتاز منزل فراشخانہ، دہلی،

یہ رسالہ طبی اغراض کے ماتحت دہلی سے نکلا ہے، لیکن ادب اور لٹریچر کا حصہ اتنا غالب ہے کہ اسے بلا تکلف ادبی رسالہ کہا جا سکتا ہے، اور اس اعتبار سے عام ادبی رسالوں سے بُرا نہیں ہے، کبھی کبھی مفید اور سنجیدہ مضامین بھی نظر آجاتے ہیں، "اصلاح تمدن" "سرشاہ سلیمان اور چند ہندوستانی مسلمان سیاح" مولوی سعید احمد صاحب اکبرآبادی مفید اور قابلِ ذکر مضمون ہیں، مزاحیہ افسانوں میں "عطار" اور "جنون" کو ترچاند پوری دلچسپ ہیں،

بیداری مرتبہ جناب واحدی صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و طباعت اچھی، قیمت سالانہ عہ ششماہی ۹ر، پتہ کوچہ چیلان دہلی،

یہ رسالہ حال ہی میں دہلی سے نکلا ہے، سرورق پر "مذہبی سیاسی تمدنی، اور ہر قسم کی غلط فہمیوں اور غفلتوں کو دور کرنے والا" ظاہر کیا گیا ہے، خواجہ حسن نظامی اسکول کے رسالوں کی خصوصیات اور ان کے مضامین کی نوعیت اتنی متعارف ہے، کہ اس کے بتانے کی ضرورت نہیں، اسی رنگ کا مذہب و سیاست اور "تاریخ و معاشرت" وغیرہ کا مخلوط مجموعہ یہ رسالہ بھی ہے، ایک روپیہ میں یہ سودا گران نہیں،

ظفر منزل تاجپورہ (لاہور)

یہ کوئی نیا رسالہ نہیں ہے، بلکہ لاہور کے سابق رسالہ پیغام حق کا دوسرا جنم ہے، صرف اتنا فرق ہوگیا ہے، کہ پہلے اوس کے اڈیٹر اور مالک سید محمد شاہ صاحب تھے، اب اسکی عنان ادارت غلام نثر صاحب کے ہاتھوں میں آگئی ہے، اس کا مقصد سر اقبال مرحوم کے افکار وعقائد کی اشاعت وتبلیغ ہے، سیاسی خیالات میں بھی انہی کا پیرو ہے، اس مقصد کے لحاظ سے اقبال کی شاعری اور ان کی تعلیمات پر التزام کے ساتھ مضامین ہوتے ہیں، چنانچہ اڈیٹر کے قلم سے "اسرار خودی" کی مسلسل شرح، اور سراج محمود صاحب کے قلم سے "السحرا لحلال فی کلام علامۃ الاقبال" (کذا) کے عنوان سے ان کے بعض اشعار کی تلمیحات کی تشریح نکل رہی ہے، لیکن اکثر مضامین منقول ہیں، "الجہاد فی الاسلام" "اتباع واطاعت رسول" مولنا ابو الاعلیٰ مودودی "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" سر اقبال مرحوم بہت پرانے مضامین ہیں، خیال آتا ہے کہ "اقبال کا تصور زمان" پروفیسر سلیم چشتی بھی اردو کے اقبال نمبر میں نکل چکا ہے، مرزا عزیز فیضانی کا مضمون "رہبانیت" ایک نیا معلوم ہوتا ہے، بہتر ہوتا کہ رسالہ کو سر اقبال کے کلام وتعلیمات کی تشریح وتاویل تک محدود رکھا جاتا، اور انہی کے متعلق اچھے مضامین پیش کئے جاتے، ورنہ ان منقولات سے تو رسالہ کا معیار بہت گر جائے گا، حدیث وسنت کی تبلیغ البتہ ایک مفید مذہبی خدمت ہے،

العزیز، مرتبہ جناب سراج محمود صاحب بی اے تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت سالانہ عارفی پرچہ ۳ر، پتہ: عزیز المطابع بہاولپور،

یہ رسالہ مشہور علم دوست اسلامی ریاست بہاولپور سے نکلتا ہے، اوس کے نگران مولانا عزیز الرحمٰن صاحب بہاولپور کے ممتاز فضلاء میں ہیں، جس کا اثر رسالہ کے مضامین میں نمایاں ہے، ہم نے اس رسالہ کے کئی نمبر دیکھے، ہر نمبر کو مضامین کی سنجیدگی اور معلومات کے تنوع کے لحاظ سے بہتر

مطبوعات جدیدہ

تاریخ ادبیاتِ ایران مترجمہ سید ریاض الدین صاحب ایم اے کنتوری،
تقطیع بڑی، ضخامت ۶۶۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ:-
انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی،

انجمن ترقی اردو اس سے پہلے پروفیسر اڈورڈ براؤن کی مشہور و محققانہ تالیف "تاریخ ادبیات ایران" کے بعض حصوں کا ترجمہ شائع کر چکی ہے، یہ اس کتاب کے آخری حصہ کا ترجمہ ہے، اس مین صفویون کے دور ۱۵۰۰ء سے قاچاریون کے آخری زمانہ ۱۹۲۴ء تک پورے چار سو سال کی ایرانی ادبیات کی تاریخ ہے، کتاب تین حصون مین تقسیم ہے، پہلے حصہ میں صفویون اور قاچاریون کی سیاسی تاریخ پر اجمالی تبصرہ ہے، اس مین اس دور کے سیاسی انقلابات و حوادث کے ساتھ ضمناً بعض مذہبی، علمی اور دوسرے مفید معلومات بھی آگئے ہین خصوصاً اس دور کے تاریخی ماخذون کی بحث بہت بیش قیمت ہے، دوسرے حصہ میں شاعری کی تاریخ اس پر تبصرہ اور شعرار کا تذکرہ ہے، اس کے پہلے باب میں شاعری کے مختلف انواع، مذہبی شاعری، عامیانہ مذہبی بابی گیت، صوفیانہ اور جدید سیاسی شاعری وغیرہ پر ایک عام تبصرہ ہے، دوسرے باب میں ۱۵۰۰ء سے ۱۸۰۰ء تک یعنی قاچاریون سے پہلے تک کے شعراء کا مختصر تذکرہ ہے، اور بعض کے نمونہ کلام ہین، اس میں ہندوستان کے ایرانی شعرار کے مختصر حالات بھی آگئے ہیں، تیسرے باب مین قاچاری دور کے شعرا، کا تذکرہ ہے، تیسرے حصہ مین نثر کی تاریخ ہے، اس کے پہلے باب مین عقیدۂ شعیت، اکابر مجتہدین، اور ان کی مذہبی

ہادی، جناب سید ابن زکی صاحب ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ سپید، کتابت وطباعت اچھی، قیمت سالانہ عہر، پتہ :- گورنمنٹ اردو ٹریننگ اسکول پونہ،

یہ تعلیمی رسالہ گورنمنٹ نارمل اسکول پونہ سے حال ہی مین نکلا ہے، ہم نے اس کا صرف ایک نمبر دیکھا، اس نمبر میں تعلیمی موضوع پر اچھے مضامین اور مفید معلومات نظر آئے، ان سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس موضوع پر آیندہ اچھا رسالہ ثابت ہوگا "تاریخ پڑھانے کے مقاصد" جناب اخلاق احمد صاحب قریشی، اور "لازمی تعلیم" زبیدہ خاتون صاحبہ خاصے مفید مضامین ہین، امید ہو کہ یہ رسالہ تعلیمی خدمت کیساتھ پونہ میں اردو کی بھی مفید خدمت انجام دے گا،

کاروان جناب نسیم بہاری تقطیع بڑی، ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ کتابت طباعت اوسط قیمت سالانہ عہر فی پرچہ ۳ر، پتہ :- برقی پریس سبزی باغ بانکی پور، پٹنہ،

یہ رسالہ "ادارہ علمیہ" پٹنہ کی جانب سے نکلا ہے، ہم نے اس کے دو نمبر دیکھے علمی ادبی سیاسی ہر ذوق کا سامان ہو لیکن ابھی مضامین کا معیار بہت معمولی ہے، رسالہ کی ترتیب، اور زبان کی خامیوں کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، پٹنہ مین ایسے لکھنے والے موجود ہیں، کہ وہان سے ایک ستھرا رسالہ آسانی کے ساتھ نکل سکتا ہے، اور یہ خامیان تھوڑی سی توجہ سے دور ہو سکتی ہیں، عطاء اللہ صاحب پالوی کا مضمون "پیام اقبال میری نظر میں" دلچسپ ہے، مبالغہ آمیز مدح سرائی میں لکھنے والون کو تضاد بیان کا بھی لحاظ نہین رہتا،

"م"

خلفائے راشدین

اس میں خلفائے راشدین کے ذاتی حالات، فضائل، مذہبی، اور سیاسی کارنامون اور فتوحات کا مفصل بیان ہے، قیمت ؎ ،۰۰ ۳۸۰ صفحے،

"مینجر"

کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت :۔ دس آنے، پتہ :۔ دفتر امت مسلمۂ امرتسر،

مصر کے ایک ممتاز صاحبِ قلم محمد حسین ہیکل نے عرصہ ہوا، عربی میں سیرۃ النبی صلعم پر ایک کتاب لکھی تھی، ایران مین اس کا فارسی مین ترجمہ ہوا، اس فارسی ترجمہ سے عرشی صاحب نے اردو مین ترجمہ کیا ہی، اس مین قدامت پرستی اور تجدد نوازی دونون سے احتراز کیا گیا تھا، اس لئے دونون طبقون نے اس پر اعتراضات کئے، قدیم خیال کے لوگون کو اس پر یہ اعتراض تھا، کہ مولف نے حدیث و سیرت کی روایات قبول کرنے مین زیادہ سختی سے کام لیا ہے، اور جدید طبقہ کا اعتراض تھا کہ سیرت میں صرف عربی ماخذون پر اعتماد کیا گیا ہے، اور مستشرقین کی تحقیقات کو قابل اعتنا نہین سمجھا گیا، مولف نے ان دونون اعتراضون کا جواب دیا ہے، پہلے اعتراض کے جواب مین حدیث و سیرت کی روایات کے قبول کرنے مین احتیاط کے اسباب و وجوہ بتائے ہین، اور دوسرے اعتراض کے جواب میں مستشرقین کی تحقیقات کو علمی نقطۂ نظر سے ناقابلِ اعتبار ثابت کیا ہے، ان بحثون مین کلام اللہ کی صحت، اسکی تدوین اور احادیث و سیرت کی جمع و ترتیب کی تاریخ اور اسکی روایات پر تنقید کے اسباب اور انکے قبول کرنے مین احتیاط کی تفصیل بھی آگئی ہے، فاضل مترجم کو جواہلِ قرآن ہین آخری بحث مین اپنے عقیدہ کی تائید مین بعض باتین نظر آئین، اس لئے انھون نے اس کا ترجمہ کر دیا، حالانکہ اس سے مولف کا مقصد صرف روایات کی جانچ اور انکے قبول کرنے مین احتیاط ہے، جس کی شاہد "حدیث کے پرکھنے کا معیار" کی سرخی ہے، ورنہ سرے سے ناقابلِ قبول شے کے پرکھنے کے کیا معنی؟ یہ ضرور ہی کہ مولف نے اس کا معیار زیادہ سخت کر دیا ہے، اس سلسلہ مین انھون نے جو کچھ بھی لکھا ہے، اس میں کوئی چیز نئی نہین ہے، یہ تمام بحثین رجال کی کتابون مین موجود ہین، اور محدثین نے ہمیشہ حدیث کے رد و قبول مین ان کا لحاظ رکھا ہے، اور اگر بالفرض

تصانیف کا حال ہے دوسرے باب میں ۱۸۵۰ء تک کی نثر کی تاریخ میں مذہب، مناظرہ، فلسفہ، کلام، ریاضیات، علم طبعی، تاریخ عام، تاریخ خاص اور سیر و سوانح کی تصانیف، اور سفرناموں کا حال اور اس دور کے اسلوب انشاء کے تغیرات پر تبصرہ ہے، تیسرے باب میں جدید ادب یعنی غیر زبانوں کے تراجم، ناول، ڈرامے، افسانے، اخبارات، اور پریس وغیرہ کے حالات ہیں، یہ اس کتاب کے مباحث کا اجمالی خاکہ ہے، ہر بحث میں اس کے جملہ متعلقات کی پوری تفصیل ہے، اس طرح یہ کتاب آخری چار سو سال کے ایرانی ادبیات کی تاریخ کے ساتھ اسکی علمی و فلسفیانہ تنقید اور اس کے طبعی تغیرات کی تفصیل بھی ہے، ادبیات کے ساتھ ساتھ ضمناً بہت سے مفید علمی و مذہبی حالات، اور ایران کے متعلق بہت سے متفرق معلومات بھی آگئے ہیں، ایک مقام پر فاضل مؤلف سے بعض مذہبی امور میں تسامح ہو گیا ہے، مثلاً ص ۴۷۵ پر وہ لکھتے ہیں کہ "سنیوں میں مجتہدین کی طرح کا کوئی رتبہ یا درجہ نہیں ہے، اسلئے کہ انکا عقیدہ تو یہ ہے کہ چاروں اماموں (ائمہ کے نام) کے بعد باب الاجتہاد ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا" یہ خیال مختلف وجوہ سے غلط ہے، اوّلاً تو یہ کہ یہ کسی کا عقیدہ نہیں کہ ان چاروں اماموں کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا، پھر اس مسئلہ کو عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں، البتہ سنیوں میں عام خیال یہ ضرور ہے کہ چار اماموں نہیں بلکہ چار صدیوں کے بعد اجتہاد کا دروازہ اسلئے بند کر دیا گیا، کہ اختلافات اور فتنوں کے دروازے کھل گئے تھے، مگر بہر حال یہ عام خیال سا ہے، کوئی متفقہ نظریہ نہیں، آج بھی سنیوں میں اہلحدیث کی جماعت موجود ہے، جو تحقیق و اجتہاد کی مدعی ہے، اور خود مقلدین میں بھی نئے مسائل کے لئے تحقیق کا دروازہ کھلا ہوا ہے، لائق مترجم کا نام ترجمہ کی خوبی کی ضمانت ہے، البتہ انگریزی املا کی وجہ سے ایک دو ناموں میں خفیف سا فرق ہو گیا ہے، مثلاً "فرغانہ" کے بجائے فرغنہ (ص ۱۰۱) اور "ابو مخنف" کے بجائے ابو مخاف،

مقدمہ زندگانی محمد صلعم، مترجمہ جناب محمد حسین صاحب عرشی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۹ صفحے،

لائق مؤلف نے محنت و جستجو سے ان حالات کو تلاش کرکے اس کتاب مین سلیقہ و ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا ہے، اس مین شاہ صاحب کے ذاتی حالات کے ضمن مین اس دور کے اور بہت سے مفید اور دلچسپ حالات آگئے ہین، آخر مین شاہ صاحب کا کلام ہے، اور ان کی جانب منسوب قیامت نامہ پر مفید بحث کی ہے، جن لوگوں کو شاہ صاحب کے حالات سے دلچسپی ہو، یہ کتاب ان کے مطالعہ کے لائق ہے،

سیاسیات ہند مابعد غدر مترجمہ جناب سید افضل حسین صاحب (مرحوم) ایڈووکیٹ فیض آباد، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۱۵ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر،

قیمت:- عدر، پتہ:- نولکشور پریس لکھنؤ،

یہ کتاب مسٹر ضیا آمنی کی مشہور کتاب "انڈین پالٹیکس سینس دی میوٹنی" کا اردو ترجمہ ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ۱۸۵۷ء کے بعد سے اس وقت تک ہندوستان کے سیاسی تغیرات کی تاریخ ہے، اس مدت میں ہندوستان کی سیاسی ترقی کے لئے جو آئینی کوششین اور اسکی آزادی کی جو غیر آئینی جد وجہد ہوئی، اور اس کے جو نتائج نکلے، اس کی پوری تاریخ اور ہر دور کے محبان وطن کے حالات اور ان کے خدمات کی تفصیل ہے، معلومات کے اعتبار سے اس کتاب مین کوئی نیا اضافہ نہین ہے، اس موضوع پر اردو اور انگریزی دونون مین اس سے زیادہ مفصل کتابین موجود ہین، البتہ مؤلف کا لبرل زاویہ نظر اور ان کا مشہور تعصب اور تنگ نظری اس کی خاص خصوصیت ہے، ان دونون حیثیتون سے ان کی جو شہرت ہے، یہ کتاب اس کا تحریری ثبوت ہے، چنانچہ مؤلف نے اپنے عقیدہ کے مطابق لبرلوں کے طرز عمل کی صحت اور اس کے فوائد کے مقابلہ مین کانگریس کی بے راہ روی اور غلط طریقہ عمل پر بڑی سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی ہے، جس کی زد سے گاندھی جی بھی نہ بچ سکے، تعصب اور تنگ نظری کا نمونہ یہ ہے، کہ ہندوستان کی پوری سیاسی تاریخ مین مسلمانون کی خدمات اور ان کی قربانیوں کا ہیں ذکر نہین اور انکے لیڈروں اور اخبارات کے نام

محمد حسین ہیکل حدیث کی صحت سے منکر بھی ہوں تو یہ ان کا قصورِ نظر ہے، اہلِ علم کے نزدیک محض کسی کا مصری فاضل ہونا، اس کے ہر خیال کی صداقت کی سند نہیں ہے، اگر یہ معیار درست مان لیا جائے تو پھر طٰہٰ حسین کے خرافات بھی قابلِ تسلیم ہوں گے، اس کتاب میں حضرت عمرؓ کا یہ حکم کہ جس شخص کے پاس کوئی حدیث لکھی ہوئی ہو، تو اُسے وہ مٹا ڈالے" معلوم نہیں کہاں سے نقل کیا ہے، اگر کہیں ہے تو یا تو کسی ناتمام حکم کا ٹکڑا ہے یا اسکا انتساب غلط ہے کہ قبولِ حدیث میں حضرت عمرؓ کا عمل خود اس کے خلاف ہے، بہرحال اس کتاب میں کلام اللہ کی صحت کے اہتمام اسکی تدوین کی تاریخ اور مستشرقین کی تحقیقات کے بارہ میں مفید معلومات ہیں، کتاب کے آخر میں لائق مترجم نے آیاتِ قرآنی سے کلام اللہ کی جمع و ترتیب اور اسکی تدوین و تحفظ کے من جانب اللہ ہونے کے دلائل فراہم کئے ہیں، اور "تدبر فی القرآن" اور "قرآن کے اتباع" کے حکم سے حدیث کے ناواجب الطاعۃ ہونے کا نتیجہ نکالا ہے، لیکن اس حکم کو حدیث کے ناواجب الطاعۃ ہونے سے جو تعلق ہے، وہ ظاہر ہے،

شاہ نعمت اللہ ولی، مرتبہ جناب ایم اے حنیف صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲؍، پتہ :- غالباً مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ سے ملے گی،

شاہ نعمت اللہ کے مشہور قیامت نامہ کی وجہ سے ہر پڑھا لکھا شخص ان کے نام سے واقف ہے لیکن ان کے حالات کم لوگوں کو معلوم ہوں گے، شاہ صاحب ساتویں آٹھویں صدی کے ایک صوفی مشرب شیعہ تھے، ساتویں صدی کے اوائل میں حلب میں پیدا ہوئے، اور ۸۳۴ھ میں سو سال کی عمر میں وفات پائی، وہ اپنے زمانہ کے ایک با اثر بزرگ تھے، اس دور کے سلاطین و امراء انہیں بہت مانتے تھے، اور ان کی خدمت اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے، دکن کے بعض بہمنی سلاطین بھی ان کے عقیدتمند تھے، صوفیا اور شعراء کے تذکروں اور اس زمانہ کی تاریخوں میں ان کے حالات ملتے ہیں،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دولت آصفیہ کے جدید عربی مطبوعات

مطبوعہ

دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد دکن

۱۔ سنن کبری

علم حدیث مین امام بیہقی کی مشہور اور مبسوط کتاب ہے جسمین مصنف نے احادیث اور مرویات سے فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے اہمیت کتاب کے لحاظ سے متعدد قدیم نسخون سے تصحیح کے بعد دس جلدون مین یہ عظیم الشان کتاب شائع کیگئی ہے اور اس کے ساتھ جوھر النقی للترکمانی بہی بطور ذیل طبع کیگئی ہے مسانید کا ضمیمہ ھر جلد کے ساتھہ مرتب کیا گیا ہے جس سے سنن کی یہ کتاب مسند کا کام ابہی دسکتی ہے قیمت کلدار ۳۸ روپیہ ۔ عثمانیہ ۔ ۴۳ روپیہ ۷ آنہ ۔

۲۔ کتاب الکفایۃ

اصول حدیث مین امام خطیب بغدادی المتوفی (۴۶۲) ھ کی اھم ترین تصنیف ہے جسمین بلحاظ فنی معلومات کے اصول حدیث کے غریب مسائل پر بہی مبسوط بحث کیگئی ہے قیمت کلدار ۳ روپیہ ۲ آنہ ۔ قیمت عثمانیہ ۳ روپیہ ۱۲ آنہ ۔

۳۔ کتاب المعتبر

علامہ ابو البرکات بغدادی المتوفی (۵۴۷) ھ کی فن منطق اور فلسفہ مین معرکۃ الآراء تصنیف ہے اس کتاب مین آپ کو یہ بہی معلوم ھوگا کہ مسلمانون نے صرف فلسفہ ارسطو کی خوشہ چینی نہین کی ہے ، بلکہ ترجمہ اور تحقیق سے ایک جدید فلسفہ کی بنا ڈالی ہے یہ کتاب اسلامبول کے قدیم نسخون

تک نہیں آنے پائے ہیں، صرف ایک محمد علی جناح کا نام ہے، وہ بھی اس طرح کہ اس کا نہ ہونا بہتر تھا اس کے مقابلہ میں کسی ہندو لیڈر اور ہندو اخبار کا نام مشکل ہی سے چھوٹنے پایا ہے، مولف کے تعصب سے اس سے زیادہ توقع بھی نہیں کیجا سکتی تھی،

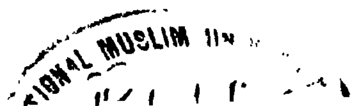
محامد الخلفاء مرتبہ حافظ اخلاق احمد صاحب ولد سجاد حسین صاحب، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۹۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت، بہتر، قیمت :- ۱۲/، پتہ :- مکتبہ قصر الادب آگرہ،

اس کتاب میں خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے مختصر حالات ان کے کارنامے، اخلاق اور کلام اللہ اور احادیث نبوی سے ان کے فضائل سلیقہ کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں، حدیثیں عموماً صحاح کی ہیں تفسیری روایات میں البتہ ہر قسم کی روایتیں ہیں، آخر میں عام صحابہ کرامؓ کے فضائل کی تفسیری روایات اور حدیثیں دیدی ہیں، خلفاء اور صحابہ کی مدح میں چند نظمیں بھی ہیں، عام مسلمانوں کے لئے کتاب اچھی ہے، آیات و احادیث میں بعض مقامون پر کتابت کی معمولی غلطیاں رہگئی ہیں،

جدید علم البلاغت ، مرتبہ جناب پروفیسر عبد المجید صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸/، پتہ :- لالہ رام نرائن لال بک سیلر الہ آباد،

مولف نے طلبہ کی سہولت کے لئے علم بیان پر یہ مختصر رسالہ لکھا ہے، اس میں اس کے جملہ اقسام اور صنعتوں کی تعریفیں اور اسکی توضیح کے لئے عربی فارسی اور اردو اشعار سے مثالیں دی گئی ہیں، اردو اور فارسی کے امتحان دینے والے طلبہ کے لئے رسالہ مفید ہے، عربی اشعار میں جا بجا غلطیاں رہ گئی ہیں،

"م"



سے مرتب کرکے تین حصوں میں شائع کیگئی ہے قیمت کلدار ٦ روپیہ ۱۰ آنہ عثمانیہ ۷ روپیہ ۱۵ آنہ

٤ - المنتظم فی تاریخ الامم

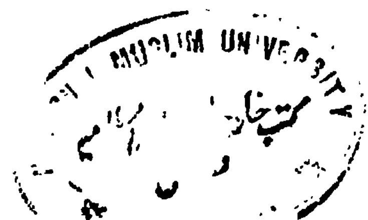
فن تاریخ میں علامہ ابن جوزی المتوفی (٥٩٧) کی مشہور تصنیف ہے جو تاریخ کبیر کے نام سے معروف ہے اسمیں ابتدائے عالم سے خلافت المستضی تک کے واقعات اور ملوک و اعیان کے تراجم کو نیز عہد نبوی کے حالات کو سنین کی ترتیب پر نہایت خوبی اور تحقیق سے جمع کیا ہے یہ کتاب سنین پر (١٠) حصوں میں مدون ہوئی ہے لیکن مجلس دائرۃ المعارف نے اواخر کی جلدوں کو طباعت میں اس نقطہ نظر سے مقدم کردیا ہے کہ ارباب علم ورں اس کتاب کے اہم تاریخی واقعات سے استفادہ کرسکیں چنانچہ اس کتاب کی طباعت پانچویں جلد سے شروع ہوئی ہے جس میں (٢٥٧) کے واقعات سے آغاز کیا گیا ہے ابتک اس کتاب کے دو حصے (٥ اور ٦) چھپ چکے ہیں جو ٢٥٧ سے ٣٤٨ تک کے واقعات اور تراجم پر مشتمل ہیں بقیہ جلدیں زیر طبع ہیں قیمت کلدار جلد پنجم ١ روپیہ ٤ آنہ عثمانیہ ١ روپیہ ٨ آنہ جلد ششم کلدار ٢ روپیہ ٨ آنہ عثمانیہ ٣ روپیہ

٥ - معرفۃ علوم الحدیث

امام عبداللہ الحاکم متوفی (٤٠٥) ھ کی اصول حدیث پر مبسوط تصنیف ہے جسمیں رواۃ کے درجات اور طبقات سے بھی بحث کیگئی ہے - قیمت کلدار تین روپیہ ٨ آنہ عثمانیہ تین روپیہ ١٢ آنہ

مندرجہ ذیل پتہ پر کتابیں طلب کی جائیں

ناظم دائرۃ المعارف جامعہ عثمانیہ ملاحظہ گوڑہ حیدرآباد دکن



رجسٹرڈ نمبر ا ۱۸۰ے

اکتوبر ۱۹۴۰ء



معارف

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مُرتّبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اوّل، جسمیں قدماء کے دور سے لیکر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کیگئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۴۵ صفحے، قیمت: ؎ ازمولنا عبد السلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت: ؎

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جسمیں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت: ؎ ازمولنا سید عبد الحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلی، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور عربی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصہ اوّل ضخامت ۴۳۴ صفحے، قیمت: ؎،

حصہ دوم " ۳۶۱ " " ؎

موازنہ انیس و دبیر، (ازمولنا شبلی) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۴۰۸ صفحے، قیمت: ؎

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت: ؎،

افادات مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ؎،

نقوش سلیمانی: یہ مولنا سید سلیمان ندوی کی ہندوستانی اور اردو زبان و ادب سے متعلق تقریروں، تحریروں اور مقدموں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے بعض ادبی کتابوں پر لکھے، قیمت: ؎ ضخامت ۵۰۰ صفحے،

دروس الادب، عربی کی پہلی اور دوسری ریڈریں جنکو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کیلئے اس طرح لکھا ہے کہ طالب علم کو ادب اور نحو کے ساتھ ساتھ تعلیم اور مشق ہو سکے، اکثر مدارس میں یہ داخل نصاب ہے، قیمت ؎ ۲ و ۴

مسعود علی ندوی　　مینیجر دار المصنفین　　اعظم گڈھ

مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا

جلد ۴۶ ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء عدد ۴

مضامین

سیرۃ النبیؐ

رسول اللہ صلعم کے حالات وغزوات، اخلاق وعادات اور تعلیم وارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبیؐ عام طور سے مشہور ہے مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت و اہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے،

اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں فن سیرت کی تنقید و تاریخ ہے، دوسرے حصہ میں تکمیل دین، تاسیس حکومت الٰہی، وفات، اخلاق و عادات، اعمال و عبادات اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے، تیسرے حصہ میں آپکے معجزات و خصائص نبوت پر بحث ہے، اسمیں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کیگئی ہیں، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بروایات صحیحہ ثابت ہیں، اسکے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کیگئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے جو آپکے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ اس میں قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے عقائد لکھے جائیں، پانچویں حصہ میں عبادت کی حقیقت، عبادات کی تفصیل و تشریح اور ان کے مصالح و حکم کا بیان ہے اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ و موازنہ ہے، چھٹے حصہ میں حقوق، فضائل، اور آداب کے عنوانوں اور اسکی ذیلی سرخیوں کے تحت اخلاقی تعلیمات کی تفصیل ہے، حجم ۶۱۲ صفحے،

قیمت باختلاف کاغذ حصہ اوّل تقطیع خورد للعہ، حصہ دوم تقطیع کلاں سے، تقطیع خورد صہ روپیہ، حصہ سوم تقطیع کلاں سے، روللعہ، تقطیع خورد معہ روصہ، حصہ چہارم تقطیع کلاں سے، روسے، تقطیع خورد معہ روصہ، حصہ پنجم تقطیع کلاں صہ، روللعہ، تقطیع خورد صہ روپیہ، حصہ ششم تقطیع کلاں قسم اوّل صہ، قسم دوم للعہ،

(منیجر دار المصنفین - اعظم گڈہ)

ہی ملک کے مختلف گوشوں میں جاکر ہدایت وارشاد کا کام انجام دینا شروع کیا،

موصوف سے میری ملاقات ۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت کے سلسلہ میں ہوئی، یہ ملاقات دوستی اور دوستی اتحاد کی اس منزل تک پہنچ گئی جسکے بعد خیال کی دوئی کا کوئی مرتبہ نہیں ہتا، ایک دفعہ میں نے کہا اور انھوں نے مانا تھا کہ ایک مذہب ہی جس کے دو ہی پیرو ہیں ایک وہ اور ایک میں، مقصود تقلید و عدم تقلید کے مسائل میں اعتدال سے تھا، ابھی جب ان کے مرنے سے دو ہفتے پہلے میں جونپور انکی عیادت کو گیا، تو زبان سے ٹھیک طور پر بول نہ سکے مگر غیر مفہوم آواز میں دو انگلیوں کو اٹھا کر اپنی طرف اور میری طرف اشارہ کیا، کیسا حسرتناک منظر تھا! چلتے وقت کا سلام! اور فی امان اللہ اور فی حفظ اللہ کا ابدی پیام!

میں نے علما میں ایسا شریف، ایسا نیک باطن، ایسا دور اندیش، ایسا فیاض، ایسا سادہ مزاج اس پر ایسا مستقل مزاج، خوش اخلاق، شیرین گفتار، باغ و بہار، ایسا خشک اور ایسا تر آدمی نہیں دیکھا ایسا متقی و پرہیزگار اور ساتھ ہی ایسا وسیع المشرب اور وسیع اخلاق، وہ مذہبی تھے اور سخت مذہبی، لیکن وہ بھی ان کو مانتے تھے جو مذہب کو نہیں مانتے تھے، وہ بے دینوں میں بھی ایسے ہی پیارے تھے جیسے دینداروں میں، اور یہ اُنکے حسن اخلاق کی بڑی کرامت تھی،

وہ ۱۹۲۵ء سے لیکر ۱۹۴۰ء تک پندرہ برس مسلم یونیورسٹی میں ناظم دینیات رہے، اس عرصہ میں کئی انقلاب آئے مگر وہ اپنی جگہ پر تھے، ساتھ ہی ان کے جبہ و دستار کی شان میں وہ بلندی رہی کہ کوٹ پینٹ اور ہیٹ والے ان کے آگے جھک جھک جاتے تھے، مگر اس میل جول اور نرمی، اور نرم خوئی میں حق کے خلاف کوئی بات سُنکر چپ نہیں رہ سکتے تھے، غرض وہ اپنے علم و عمل میں پہاڑ اور اخلاق و کرم میں بہتے پانی کی طرح تھے،



شذرات

مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری

افسوس ہے کہ مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری نے دو ڈھائی برس کی سخت علالت کے بعد اپنے وطن جونپور میں ۲۳ شعبان ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۴۰ء کی رات کو ۳ بجے اس جہانِ فانی کو الوداع کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،



مرحوم جونپور کے ایک مشہور علمی خاندان کے فرد تھے، اُن کے دادا مولنا سخاوت علی صاحب مولنا شاہ عبدالحیٔ صاحب دہلوی اور مولنا اسمٰعیل شہید کے فیض یافتہ اور پورب میں توحید و سنت کے سب سے بڑے داعی، اور اس دور میں اسلامی علوم و فنون کے بہت بڑے مدرس تھے، جونپور میں بیٹھکر تنہا سیکڑوں علماے دین پیدا کئے اور پورب کے خطہ میں اُن کو جگہ جگہ پھیلا کر اس نازک موقع پر اسلام کی مورچہ بندی کی، وہ ہجرت کرکے بعد کو مدینہ منورہ چلے گئے تھے اور وہیں وفات پائی، راقم کو بھی یہ فخر حاصل ہے کہ اسکے دادا کے حقیقی بھائی انھیں کی مجلسِ درس سے مستفیض تھے،



مولانا کا پورا خاندان اس وقت سے اب تک علماے دین کا خانوادہ ہے، جسکی سعی و کوشش نے پورب کی سرزمین کو بڑا فیض پہنچایا، مولانا مرحوم نے بچپن کی تعلیم گھر میں پاکر مولنا عبداللہ صاحب غازیپوری سے مدرسۂ احمدیہ آرہ جاکر علوم کی تحصیل کی، اور واپس آکر اپنے خاندانی مدرسہ کے اہتمام و انتظام کا اور

مقالات

کیا قرآن رسول کا کلام

اور

انسانی تعلیمات سے ماخوذ ہے

(سید سلیمان ندوی)

اگر کوئی مسلمان نہ ہو، یا خدانخواستہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور راستباز تسلیم نہیں کرتا تو اس کے لئے اپنی غلط فہمی سے بے شبہ یہ کہنے کا موقع ہے کہ قرآن پاک خدا کا نہیں بلکہ رسول کا کلام اور انسانی تعلیم سے ماخوذ ہے لیکن ہمارا تعجب ہے ایک ایسا شخص جو اپنے کو مسلمان کہنے اور مسلمان مانے جانے پر مصر ہو اور ساتھ ہی حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو صادق اور راستباز تسلیم کرتا ہے، اور اس کے باوجود یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ قرآن پاک خدا کا نہیں بلکہ رسول کا کلام ہے، اور انھوں نے یہود و نصاریٰ کی سنی سنائی باتوں کو اپنے قرآن میں درج کر دیا ہے۔

جو شخص اپنے کو مسلمان کہلا کر یہ خیال رکھتا ہو، وہ قطعاً اسلام کے دائرہ سے خارج ہے، کیونکہ وہ ایسے بنیادی اصول کی جڑ کھودنا چاہتا ہے، جس پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے، جو اسلام کا مسلمہ عقیدہ اور یقینی تعلیم اور متفقہ فیصلہ ہے، جس پر جب سے اسلام ہے، تمام امت کا متفقہ مسلک اور ناقابل شک یقین کامل ہے،

نئے تعلیم یافتون، بلکہ نئی تعلیم کے اصل مرکز میں مذہبی وقار کو سلامت رکھنا کوئی آسان کام نہیں انھون نے اس مشکل کام کو آسان کر دکھایا تھا، ان کا فضل و کمال کسی خاص علم و فن میں محدود نہ تھا، یہانتک کہ حدیث و فقہ و تفسیر سے آگے بڑھکر شعر و شاعری اور ریاضیات تک سے ان کو یکسان دلچسپی تھی، انکی سادگی کو دیکھکر کسی کو ان کی اس گہرائی کا یقین نہیں آتا تھا، اور ان کی اس گہرائی کو دیکھکر ان کی اس سادگی پر سب کو تعجب ہوتا تھا، اس قدر سادہ اور اس قدر رنگین!



وہ اکلہ (کینسر) کے مرض میں جس سے ایک طرف کا پورا رخسار اور جبڑا آدھے منہ تک خالی ہو گیا تھا، دو ڈھائی برس تک ہر قسم کی مصیبت اور ہر طرح کی تکلیف جھیلتے رہے، اور اس پوری مدت میں ایک دفعہ بھی بے صبری کی آہ اور تکلیف کی کراہ ان کے منہ سے نہیں نکلی، کوئی نماز ترک نہیں ہوئی، اور صبر و شکر کا دامن ایک لمحہ کے لئے ہاتھ سے نہیں چھوٹا، دیکھنے والے ان کی حالت کو دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر لاتے تھے، اور وہ ہاتھ اور زبان کے اشارون سے صبر و استقلال کی نصیحت کرتے تھے۔



آہ! کہ فضل و کمال کا یہ پیکر، حسن و اخلاق اور شرافت کا یہ پتلا، دینداری اور پرہیزگاری کا یہ مرقع تواضع اور خاکساری کا یہ سراپا، صبر و استقلال کا یہ مجسمہ ساٹھ برس دنیا کی نیرنگی کا تماشہ دیکھکر دنیا سے رنگ و بو سے مٹ گیا،

مرحوم کی یادگار چند اولادیں اور چند کتابیں ہیں، مگر ان سب سے بڑھکر انکی یادگار ان کے حسن اخلاق کی یاد ہے، مرنے والے کا مدفن تو زمین کا ایک گوشہ ہے، مگر اس یاد کا مزار انکے دوستوں کے دل ہیں،

بعد از وفات تربت ما در زمین مجو   در سینہ ہاے مردم عارف مزار ماست

جانے والے جا! رحمت الٰہی تیری منتظر اور مغفرت الٰہی تیرے لئے چشم براہ ہوگی!

یہ ہے ان صاحب کی مشرقی علوم و فنون کی تکمیل، اور تبحر کا سارا افسانہ!

اس کے بعد کچھ انگریزی پڑھکر پولیس کی نوکری کی، اور وہان سے الگ ہوکر یا الگ کئے جانے پر دوسرون کی کمائی کو اپنانے مین اپنے کمال کا اظہار کیا، اور حقائقِ قرآنی اور نکاتِ دینی پر لب کشائی کی جرأت کی،

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت
بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

اگر ایسا شخص علانیہ اسلام سے ارتداد کرے، یا یہودی، عیسائی اور آریہ ہو جائے تو ہم کو کچھ دکھ نہ ہوگا، کیونکہ یہ سمجھ لیا جائے گا، کہ وہ بھی اسلام سے غداری کرکے مخالفون کی صف مین شامل ہو گیا، لیکن غم تو اس کا ہے، کہ وہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے، اور اسلام کے قلعہ میں بیٹھکر دشمنون کے حق مین اسلام کے خلاف تبلیغ مین مصروف ہے، اور اس کے سبب سے مسلمان دو طرفہ حملون مین گھرے ہین ایک دشمنون کے حملے کا جواب اور دوسرا دوست نما دشمنون کے حملوں کی روک تھام، جس فوج کی صف کے اندر یہ خانہ جنگی برپا ہو اسکی کامیابی کا یقین کوئی کیونکر کرے،

شخص مذکور دراصل تو قرآن پاک کو خدا کا کلام اس لئے نہین مانتا، کہ وہ خدا کی ذات و صفات کے یقین سے محروم، نبوت و رسالت کی حقیقت سے بیگانہ، اور وحی و الہام کے عقیدہ سے ناآشنا ہے، مگر ظاہر یہ کرتا ہے، کہ اسکو اسلئے نہین مانتا، کہ

۱- اس سے لازم آئے گا، کہ خدا کی زبان اور منہ ہو،

۲- اگر قرآن پاک محمد رسول اللہ صلعم کی تصنیف نہ ہو تو رسول اللہ صلعم کی دماغی بلندی اور ذہنی کمال کا ثبوت کیا ہوگا، (نعوذ باللہ)

۳- قرآن نے اپنے کو کہین کلام اللہ نہین کہا ہے،

جو چیز ایسی یقینی اور مسلّم ہو، اس پر دلیل قائم کرنا، اور دلیلون کے ذریعہ سے اس پر ایمان کا مطالبہ درحقیقت اُس یقین کی کمزوری کا نشان ہے، آفتاب کے طلوع پر دلیل مانگنا اپنی نابینائی کا آپ اعلان ہے، اسلام کی ساڑھے تیرہ سو برس کی زندگی مین سیکڑون فرقے پیدا ہوئے، مگر اس اصول پر سب کے سب متفق تھے، کیونکہ جو اس اصول پر متفق نہیں وہ اسلام کے دائرہ ہی مین شامل نہیں وہ کسی فرقہ مین کیا شمار پاتا،

کیسے افسوس کی بات ہے کہ آج نام کے مسلمانون مین ایک ایسے بلند خیال محقق پیدا ہوئے ہین جو گو مشرق و مغرب کے ہر علم و فن سے کورے ہین، پھر بھی ہمہ دانی کا یہ دعوی ہے کہ مشرق و مغرب کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جسمیں اجتہاد کا دعوی نہ ہو،

ان صاحب نے شاید سنہ ۱۹ء مین جب وہ چودہ پندرہ برس کے ہونگے اپنے باپ کے ساتھ جو دار العلوم کے مطبخ اور دار الاقامہ مین منشی کی خدمت پر ایک دو مہینے کے لئے نوکر ہوئے تھے دار العلوم کے احاطہ مین داخل ہو کر چند ابتدائی کتابین صرف شروع کی تھین، اسپر اتنا بڑا جھوٹ وہ بولے ہین کہ انھون نے دار العلوم ندوہ مین علوم کی تکمیل کی ہے، (جیسا کہ انھون نے مصنفین اردو کی فہرست مطبوعہ کتاب گھر حالی پبلشنگ ہوس دہلی مین خود اپنے قلم سے لکھکر چھپوایا ہے ص ۱۳۵) کیا اس کے بعد انکی اخلاقی حالت اس قابل سمجھی جا سکتی ہے، کہ وہ حقائقِ اسلام پر گفتگو فرمائین اور مسائل مین مجتہدانہ رائے کے اظہار کی جرأت کرین، ع

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

اپنی اس خود نوشت سوانح عمری مین صاحب مذکور نے اپنی تعلیم کا دوسرا مقام رامپور لکھا ہے جہان اون کے والد نے وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا لیکن وہان بھی ان کی تعلیم ہدیہ سعیدیہ اور مختصر المعانی سے آگے نہیں ہو سکی، اور یہ کتابین بھی ان کی بنیادی کمزوری کے سبب سے اون کی سمجھ سے باہر تھین، جیسا کہ ان کے ساتھیون کا بیان ہے،

سے دوسرون پر ظاہر کرتے ہین، خدا بھی اپنی ان باتون سے دوسرون کو اطلاع بخشتا ہے، اور یہی اوس کا کلام ہے،

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ ان صفات کے اظہار کے جو آلات ہم مین پائے جاتے ہین، انہی نوعیتون کی چیزین اللہ تعالیٰ مین بھی پائی جاتی ہونگی، اور اسی ادنی تعلق سے خدا کے ہاتھ کو ہاتھ آنکھ کو آنکھ، سننے کو سننا، اور بولنے کو بولنا کہتے ہین، اس کے ہاتھ ہین مگر ہماری طرح نہیں، کان ہین، مگر ہماری طرح نہین، وہ کلام کرتا ہے، مگر ہماری طرح نہین، کیونکہ وہ خود اور اس کی ساری صفتیں قرآن کے اس اصول کے تحت مین ہین،

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ، (شوریٰ - ۱) اوس جیسی کوئی چیز نہین،

بہرحال ان مین سے جو پہلو بھی اختیار کیا جائے، صفاتِ الٰہی کا منشا پورا ہوگا، اب جو شخص کسی کو اپنے مافی الضمیر سے متعین اشارون کے ذریعہ یا تحریر کے ذریعہ، یا کسی قاصد کے ذریعہ، یا تار ٹیلیفون اور ریڈیو کے ذریعہ یا مسمرازم مین معمول مین اپنی تاثیر کے ذریعہ جو اطلاع دوسروں کو دیتا ہے، وہ اطلاع یا کلام ذریعہ کا نہین ہوتا، وہ اصل متکلم یا کاتب کا ہوتا ہے، ان درمیانی ذریعوں کا کام صرف ایصال ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اپنے ارادہ، اطلاع اور حکم سے جو اطلاع بخشتا ہے وہ کلام الٰہی ہے کلام رسول نہیں،

انبیاء علیہم السلام میں علم کی دو قسم کی طاقتیں ہوتی ہیں

یہ آلات جن کے ذریعہ سے ہم اظہار مدعا کرتے ہین، بے جان اور بے ارادہ ہین، ہم جس طرح چاہتے ہین، ان کو استعمال کرتے ہین، لیکن انبیاء علیہم السلام کی یہ صورت نہیں، وہ جان اور ارادہ رکھتے ہین، لیکن ان کا یہ ارادہ تمامتر حکم الٰہی کے مطابق ہوتا ہے،

اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام مین جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ میں لکھا ہے

ان خرافات کی تردید کی چندان ضرورت نہ تھی، مگر اس لیے تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ ہمکو جواب نہیں دیا گیا، چند سطرون کے لکھنے کی ضرورت ہو،

صفت کلام | دراصل یہ مسئلہ صفات الٰہی کے مسئلہ کی ایک کڑی ہے۔ دنیا مین کوئی شے صفات سے خالی ہوکر نہیں پائی جاسکتی، عرصۂ ہستی مین اوپر سے نیچے تک جو چیز بھی ہے، وہ چند صفات سے متصف ہی ہوکر پائی جارہی ہے، اسی اصول کے تحت مین وہ ہستی اقدس بھی جس سے ساری دنیا کی ہستی ہو صفات سے خالی نہیں، عام اہل سنت اور غیر اہل سنت مین اختلاف اس میں ہے۔ کہ ان صفات کا منشا خود ذات الٰہی ہے، یا ذات سے علحدہ ہوکر وہ صفات اس مین اسی طرح پائے جاتے ہین، جیسا کہ ممکنات مین ہم کو نظر آتے ہین،

بہر حال جو پہلو بھی اختیار کیا جائے صفات الٰہی کے منشا، اور آثار کے ظہور سے کسی فرقہ بلکہ مطلقاً کسی مذہب کو انکار نہیں، اسی بنا پر ہم خدا کو سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) متکلم (بولنے والا) مُرید (ارادہ کرنے والا) اور قادر (قدرت والا) یقین کرتے ہین، اسلام کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جو یہ کہے کہ جب وہ سنتا ہے، تو اس کے ہمارے جیسے کان بھی ہون گے، وہ دیکھتا ہے، تو ہماری جیسی اس کی آنکھین بھی ہون گی، وہ بولتا ہے، تو ہماری جیسی اس کی زبان بھی ہوگی، اسی طرح دوسری صفات کا فرق ہے،

ان صفات کی تعبیر دو طریقون سے کی گئی ہے،

۱۔ صفات عین ذات ہین، یعنی خود ذات مین ان صفات کا منشا پایا جاتا ہے خدا کو "سمیع" کہنے کا یہ مطلب ہو کہ جن باتون کا علم ہم کو کانون سے سن کر ہوتا ہے، خدا کو ان کا علم ہے "بصیر" اس لئے کہتے ہین، کہ جن چیزون کو ہم دیکھکر محسوس کرتے ہین، ان کو بھی خدا جانتا ہے، اور "متکلم" اس لئے کہتے ہین کہ ہم اپنے جن اندرونی خیالات اور مافی الضمیر کو اپنی زبان کی حرکت اور آواز

کی سُنی سُنائی باتوں کو دہراتے ہیں، وہ خدا سے علم حاصل کرتے ہیں، اور غیب کے خزانہ سے پاتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بتصریح فرمادیا ہے، کہ وہ کیونکر انبیاء علیہم السلام کو اپنے حکم و اطلاع سے باخبر کرتا ہے،

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ	اور کسی آدمی کی تاب نہیں کہ اللہ اوس
اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ	سے رو بدرو کلام کرے، لیکن یہ کہ وہ الہام
يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ	کردے، یا پردہ کے پیچھے سے بات کرے
مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ	یا کوئی قاصد بھیجے، جو اللہ کے حکم سے اللہ
(شوریٰ-۵)	کی مشیت کا پیغام اس کو پہونچادیتا
	ہے، اللہ کی شان بڑی ہے، اور وہ

ان آیتوں میں صاف تصریح ہے، کہ اللہ تعالیٰ کسی بشر سے یوں باتیں نہیں کرتا، بلکہ اپنی باتوں سے دوسروں کو مطلع کرنے کے لئے وہ تین طریقوں سے کام لیتا ہے،

۱۔ الہام اور القا یعنی آواز اور قاصد کے بغیر خود بخود بلا واسطہ وہ قلب میں ڈال دیتا ہے، یا یوں کہئے کہ وہ اُس علم کو قلبِ انسانی میں پیدا کر دیتا ہے، اوس کو احادیث میں نفث فی الروع کہا گیا ہے،

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پردہ کے پیچھے سے یعنی غیب سے کوئی آواز آتی ہے جسکو نبی سنتا ہے لیکن بولنے والا نظر نہیں آتا،

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے، کہ فرشتہ یا قاصدِ الٰہی نبیوں کے پاس خدا کا پیغام لیکر آتا ہے، اور وہ ان کو سکھا اور بتا جاتا ہے، یا قلب میں اُتار جاتا ہے،

نکتہ: آیت بالا کا آخر ٹکڑا جس میں اللہ تعالیٰ کی رفعت شان اور حکمت بینی کا ذکر ہے،

دو قسم کی علمی استعدادیں رکھی ہیں، ایک تو قوانینِ شریعت کا وہ اصولی علم، جس کے ذریعہ سے وہ کلیات کے تحت میں جزئیات پر حکم لگاتے ہیں، قوانینِ الٰہی کا یہ علم ان میں اسی طرح ودیعت رکھا جاتا ہے جس طرح انسان، حیوان، چرند، پرند غرض تمام انواع میں کچھ فطری علم ودیعت رکھدیا جاتا ہے انسان کے بچہ کو دودھ پینا کون سکھاتا ہے، حیوانات کے بچوں کو چرنا اور رینگنا کون بتاتا ہے، پرندوں کے بچوں کو اڑنا، آبی جانوروں کے بچوں کو تیرنا کون تعلیم کرتا ہے، وہی خالقِ فطرت اور حاکمِ خلقت! اسی کو وحی فطری کہتے ہیں، مثال کے لئے انسانوں میں فطری شاعر، فطری موجد، فطری مقنن، فطری ریاضی دان کا وجود کافی ہے،

حضرات انبیاؑ کے اس ذریعۂ علم کو ملکۂ نبوت اور فہم نبوی بھی کہہ سکتے ہیں، اور وحی خفی بھی اس کا نام رکھ سکتے ہیں، اور یہی ذریعۂ علم انبیاؑ کی جلالتِ علم کو ظاہر کرتا ہے،

دوسرا علم وہ ہے، جو وقتاً فوقتاً انبیاؑ کو ان کے کسب ونظر اور عملِ تفکیر کے بغیر بارگاہ الٰہی سے عطا ہوتا ہے، اس ذریعۂ اطلاع میں انبیاؑ اسی طرح بے جان اور بے ارادہ آلات کی طرح ہیں جن کی مثال اوپر دی گئی، یہی وحی جلی ہے، اور یہی کلام الٰہی ہے، اس طریق پر انبیا کو جو علم ہوتا ہے، وہ انبیا کا نہیں، بلکہ خدا کا کلام ہے، کیونکہ اس علم کے پانے میں ان کا عملِ تفکیر یا قوتِ ذہنی یا تجربہ ومشاہدہ کام نہیں کرتا، بلکہ وہی پاتے ہیں، جو اُن کو اوپر سے دیاجاتا ہے اور وہی سنتے ہیں، جو آسمان سے سنایا جاتا ہے[1]، یہ یہود ونصاریٰ کی سنی سنائی باتوں اور رائج الوقت افسانوں کا مجموعہ نہیں ہوتا، (نعوذ باللہ تعالیٰ)

انبیاؑ کے علم کا ماخذ انبیاء علیہم السلام کی یہ دونوں علمی قوتیں انسانوں سے ماخوذ نہیں، اور نہ ؤہ انسانون

---

[1] اس اجمال کی پوری تفصیل سیرۃ النبی صلعم کی تیسری جلد میں ہے، قرآن پاک کی آیتیں، اور ائمہ کے اقوال بھی اس میں درج ہیں،

نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ، (بقرہ) — اس سے قرآن کی صداقت پر حرف نہین آتا) کیونکہ اوس نے (اے محمد) تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس قرآن کو اتارا ہے،

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ، (شعرا) — یہ قرآن سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے، اوس کو روح الامین فرشتہ لیکر تیرے قلب پر اترا تا کہ تو عربی زبان مین خدا کا ڈر سنانے والون مین سے ہو،

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ، (نحل ۱۴) — اور جب ہم ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم رکھتے ہین اور خدا زیادہ جانتا ہے جس کو وہ اتارتا ہے، تو یہ کافر کہتے ہین، کہ تو خدا کے نام سے بنا کر لاتا ہے، (خدا پر افترا کرتا ہے) یہ لوگ جہالت سے ایسا کہتے ہین، ای رسول ان کے جواب مین کہہ کہ روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سے سچائی کے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے:-

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى، (طٰہٰ) — جو وحی کیا جاتا ہے اس کو سن،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ربانی ہے:-

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ — اپنی زبان کو اس غرض سے قرآن کے

اس موقع پر خاص اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی شان کی بلندی اور علو رفعت تو اس کی مقتضی ہے، کہ کسی بشر کی یہ مجال نہ ہو، کہ اللہ تعالیٰ اسکو اپنے کلام کا شرف بخشے، کہ وہ علیّ ہے، لیکن چونکہ وہ حکیم بھی ہے اسلئے اس کی حکمت اور مصلحت کا اقتضاء یہ ہے، کہ بندوں کو اپنے علم کی اطلاع بخشے،

اس لئے اس نے اپنی رفعت اور بلندی کے باوجود بتقضائے حکمت وحی کے یہ تین طریقے پیدا کئے جن کے ذریعہ سے وہ اپنے علم و مشیت سے بندگان خاص کو آگاہ فرماتا ہے،

احکام الٰہی وحی کے ان تینوں طریقوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے ہیں یعنی وحی بلا آواز و واسطہ، اور وحی بآواز غیب، اور وحی بذریعہ قاصد و فرشتہ، چنانچہ قرآن پاک میں انہی اوپر کی آیتوں کے بعد ان سے متصل ہی ارشاد ہے،

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا	اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے
مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ	دین کی روح[۵] (قرآن، وحی کی، تو پہلے)
مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ	جانتا بھی نہ تھا، کہ کتاب کیا ہے، اور
جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ	ایمان کیا چیز ہے، لیکن ہم نے اس کو روشنی
نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا،	بنایا ہے جس سے اپنے بندوں میں سے
(شوریٰ)	جس کو چاہتے ہیں راہ دکھاتے ہیں،

یہ آیت وحی کے اقسام ثلاثہ کو جامع ہے، (تفسیر روح المعانی میں ایک قول) اب خاص قرآن پاک کی نسبت آیتیں ملاحظہ ہوں،

سورۂ بقرہ میں ہے،:-

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ	کہدے کہ جو جبریل کا دشمن ہے (تو ڈا ہو)

---

۵ بعضوں نے رُوحًا کی تفسیر رحمۃً سے کی ہے،

نَادَیْنَا وَلٰکِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ (قصص)

نہ تھا، جب کہ ہم نے پکارا، لیکن تیرے پروردگار کی رحمت سے تاکہ تو اس قوم کو ڈرائے، جس کے پاس ڈرانے والے نہیں آئے، تجھ سے پہلے، تاکہ وہ نصیحت لیں۔

اسی قصہ کے موقع پر خدا فرماتا ہے،

نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ، (قصص)

ہم موسیٰ اور فرعون کا قصہ سچائی کے ساتھ تم کو سناتے ہیں،

حضرت مریمؑ کے قصہ میں ہے :۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (آل عمران - ۵)

یہ غیب کی خبروں میں ہے، ہم اوس کو تمھاری طرف وحی کرتے ہیں، اور تم جب وہ لوگ اپنے قلم (قرعہ کے لئے) ڈال رہے تھے، ان کے پاس نہ تھے،

دیکھا کہ قرآن پاک نے اپنے قصص کا ماخذ انسانی ذرائع کو نہیں، بلکہ ربانی سرچشمۂ علم اور غیب کی طاقت کو بتایا ہے،

آخر میں ہم ایک "مسلمان" کی عبرت کے لئے مولانا شبلی مرحوم کی کتاب سے ایک بیان نقل کرتے ہیں، جس سے یہ معلوم ہوگا، کہ ایک "زبردستی کے مسلمان" نے جو بات کہی ہے، وہ حرف بحرف عیسائیوں سے ماخوذ ہے، اور اس کا جواب ایک "جنم کے مسلمان" سے بہتر ایک نو مسلم فرنچ نے دیا ہے۔

"عیسائیوں نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے بہت کوشش کی کہ آنحضرتؐ پڑھے

بیہ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ،	الفاظ کو (سنکر) مت ہلا کہ اس کو جلد یاد
(قیامۃ)	سے لے لے، ہم پر ہے اس کا یاد کرانا اور

ان تمام آیتون سے ظاہر ہے، کہ قرآن پاک فرشتۂ الٰہی کے ذریعہ سے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک پر اترا، اور گوش مبارک مین بھی آیا، اس کے معلومات کا سرچشمہ انسانی قصص و حکایات اور بشری علم و تجربہ اور سوجھ بوجھ نہیں ہے، اب خاص قصص قرآنی کی نسبت ہم کو دیکھنا ہے، کہ کیا قرآن پاک اس کا ماخذ یہود و نصاریٰ کی سنی سنائی باتون کو قرار دیتا ہے، یا فیضان الٰہی اور تعلیم ربانی کو،

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے شروع مین ہے،

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ	ہم نے قرآن کو عربی مین اُتارا ہے تاکہ
نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ	تم سمجھو، ہم تم کو اچھی طرح بیان کرکے
بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ	ایک قصہ اس لئے سناتے ہین، کہ ہم نے
وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ	تمھاری طرف قرآن کو وحی کیا ہے، اور
(یوسف)	تم اس سے پہلے ناواقف تھے،

آخر میں ہے:۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ	یہ غیب کی باتون مین سے ہے ہم تمھاری
اِلَیْكَ، (یوسف)	طرف اوس کو وحی کرتے ہین،

حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ہے:۔

وَمَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ	اور تو مدین کے رہنے والون مین سے نہ تھا
تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ	اُن پر تو ہماری آیتون کو پڑھتا تھا لیکن
وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ	ہم ہین بھیجنے والے، اور تو طور کے کنارے

یا یہ کہا ہے، کہ وہ حرف بحرف اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہے، جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ انسانون کو ملا ہے، اس بحث کے فیصلہ کے لئے خود قرآن پاک کی طرف رجوع کرنا کافی ہوگا،

قرآن پاک کا دعویٰ | کہ وہ خدا کا کلام ہے، سورۂ بقرہ مین یہود کے تذکرہ مین ہے کہ وہ خدا کا کلام سننے کے بعد اس مین تحریف کرتے تھے،

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ	یہودیون مین ایک گروہ ہے، جو اللہ کے
كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ	کلام کو سن کر پھر اوس مین تحریف کرتے
مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ٥	ہین، اس کے بعد کہ اس کو سمجھ چکے، و
(بقرہ)	وہ جانتے ہین،

کلام اللہ سے مراد ظاہر ہے کہ قرآن پاک ہے، جس کو سن کر اور سمجھ کر یہودیون کا ایک گروہ اس کے لفظون اور معنون مین تحریف کرتا تھا، اور اوس کو یا تو اپنے غلط مقصد کے مطابق بنانا چاہتا تھا، یا اوس سے خلاف مقصود معنی نکال کر اس پر اعتراض کیا کرتا تھا،

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہان کلام اللہ سے مراد تورات ہے، یہود اس کے مطلب مین تحریف کرتے تھے، مگر اس سے مسلمانون کے استدلال مین کوئی فرق نہین آتا، کیونکہ کلام اللہ ہونے مین تورات اور قرآن، اور تمام دوسرے صحف الٰہی برابر کے شریک ہین، جو معنی ایک کے کلام اللہ ہونے کے ہین، وہی سارے صحف الٰہی کے کلام الٰہی ہونے کے ہین،

سورۂ فتح مین اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد مبارک کو جو قرآن پاک مین وعدہ کی صورت مین وارد ہوا تھا، کلام اللہ فرمایا ہے،

يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ	وہ چاہتے ہین کہ اللہ کے کلام کو
اللَّهِ ۔ (فتح)	بدل دین،

لکھے تھے، تورات اور انجیل سے واقف تھے، اور جرجیس نام ایک عیسائی سے تعلیم حاصل کی تھی، اگر یہ صحیح ہے، تو خدا کی نسبت آنحضرتؐ کا یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ محال تھا، کیونکہ اس زمانہ کی تورات و انجیل اور عیسائی علم اسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے، جو خود ان کا خدا تھا، فرانس کا مشہور فاضل کانٹ ہنری دی کاستری اپنی کتاب اسلام میں لکھتا ہے :-

" ان روایات کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ محمد صلعم نے عیسائیون، یہودیون، اور ستارہ پرستون کے عقائد بالمشافہہ حاصل کئے تھے، فائدہ سے خالی نہین، کیونکہ اس سے اُن مقامات کی تشریح ہوتی ہے، جہان قرآن اور تورات کی آیتین ہم مضمون ہین لیکن پھر بھی یہ درجۂ دوم کی بحث ہے، کیونکہ گو یہ فرض کر لیا جائے، کہ قرآن آسمانی کتابون سے ماخوذ ہے، لیکن یہ مشکل حل نہین ہوتی، کہ محمدؐ مین یہ مذہبی روح کیونکر پیدا ہوئی، اور وحدانیت کا ایسا مضبوط اعتقاد کیونکر پیدا ہوا، جو اُن کے جسم و روح پر بالکل چھا گیا "

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے :-

یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد تورات اور انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہوا، اگر محمدؐ نے ان کتابون کو پڑھا ہوتا، تو ان کو اٹھا کر پھینک دیا ہوتا، کیونکہ وہ ان کی فطرت اور وجدان اور مذاق کے مخالف تھیں، اس قسم کے اعتقاد کا محمدؐ کی زبان سے ادا ہونا، ان کی زندگی کا سب سے بڑا مظہر ہے، اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر مامون تھے۔" (الکلام ص ۱۳۲)

آخری سوال یہ ہے کہ خود محمد رسول اللہ صلعم نے جو مخاطب کے نزدیک صادق اور راستباز تھے، اس قرآن کی نسبت کیا دعویٰ کیا ہے، آیا یہ کیا ہے، کہ وہ میری بنائی ہوئی انسانی کتاب ہے؟

کشف المغلقات

از

جناب سید شرف الدین احمد صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل گیا

اس حقیقت سے کم لوگ ناواقف ہون گے، کہ یورپ کے لغویین نے بہت سی کتابین ایک زبان کے دوسری زبان سے صلہ و تعلق پر لکھی ہین لیکن یہ جاننے والے بہت زیادہ نہیں کہ ان کتابون مین سے کن مصنفون کی کتابون کو حسن قبول حاصل ہوا، یونانی زبان اور اس کے ان کلمات مجانستہ پر جو دوسری زبانوں کے ہین سب سے اچھی کتاب امیل بوزاق (Emil Boisacq) کی ہے، لاطینی زبان کے ماخذ، صلات اور دخیل الفاظ کی تحقیق پر مشہور جرمن مصنف اسے والڈی (Walde) کی تصنیف اچھی ہے، جن لوگوں نے اس موضوع پر عربی اور دوسری زبانوں میں کتابیں لکھی ہین، ان مین ہرمان ملر (Hermann Moller) کو سب پر فضیلت حاصل ہے، اس نے ایک لغت تصنیف کی ہے، جس کا نام ہماری زبان میں ہندی جرمانی اور سامی زبان کے مشترک الفاظ[1] ہو سکتا ہے، اس اعتراف کے باوجود کہ ان لوگون نے الفاظ کی تحقیق اور مباحث کی تدوین مین اپنی ساری کوشش صرف کر دی ہے، یہ کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا، کہ ان لوگون نے عدنانی زبان کی تحقیق و استقصا

---

[1] جرمن زبان میں اس کا پورا نام یہ ہے، Vergleichendes indogermanisch-semitisches Worterbuch یہ لغت Gottingen سے Vandenhoeck & Ruprecht [illegible] سے شائع ہوا ہے

یعنی منافقین جو غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے، وہ چاہتے ہین، کہ ارشاد الٰہی کو بدل دین،

۳- کفار جو گرفتار ہو جائین، ان کو قرآن سنا کر تبلیغ کا فرض ادا کرنا چاہیے،

فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ تو تم اس کو پناہ دو یہان تک کہ وہ خدا کا کلام سن لے، (توبہ)

۴- قرآن پاک کی نسبت بار بار اعلان ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اترا ہے،

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ، (واقعہ، حاقہ) پروردگار عالم کا اتارا ہوا،

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (شعراء) یہ قرآن بیشک پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے،

تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (زمر، جاثیہ) غالب و حکمت والے خدا کی اتاری ہوئی کتاب

تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (مومن) غالب و دانا خدا کی اتاری کتاب

تَنزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (یٰسین) اوس غالب رحم والے کا اتارا ہوا،

تَنزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ (فصلت) رحمت والے رحیم کا اتارا ہوا،

تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ، (فصلت) حکمت والے خوبیون سے بھرے ہوئے کا اتارا ہوا،

(باقی)

وَالوادِی نزلہ، وَمن مَوضع الیٰ	کمسور یعنی) فلاں شخص اترا، ہبط الوادی کے
مَوضع انتقل،	معنی ہوئے وادی میں اترا ہبط من موضع
(اقرب الموارد)	الی موضع ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا

لسان العرب میں ہے، :-

الھبُوط نقیض الصعود وھبط	ہبوطا صعود کا نقیض ہے، ہبط، ہبوطاً یا
ھبُوطاً اذا انھبط فی ھبوط مِنْ	انہبط فی ہبوطا کے معنی بلند جگہ سے ڈھلوان
صعود نزل،	زمین میں اترا،

آگے چل کر لکھتے ہیں، :-

والھبوط مِنَ الارض الحدور	ہبوطا کے معنی اونچی زمین سے اُترنا، ازہری
وقال الازھری الفرق ما بین الھبوط	نے ہبوطا اور ہبُوطا کے درمیان فرق یہ بتایا
والھُبوطاتِ الھُبوط اسم للحدور	ہے، کہ ہبوطا علی سبیل الاسمیہ ڈھلوان زمین
ھو الموضع الذی یہبط من اعلی الی	کو کہتے ہیں، اور ہُبوطا مصدر ہے، ہبط برابر
الاسفل والھُبوط المصدر و	زمین کو کہتے ہیں، ھَبطنا ارضَ کذا
الھبطۃ ما تطامن الارض وھبطنا	کے معنی ہوئے ہم اس زمین میں اترے
ارض کذا ای نزلنا ھا،	یا ٹھہرے،

(لسان العرب الجزا التاسع ص ۳۰۰)

ان تشریحوں سے پتہ چلتا ہے، کہ یہ الفاظ انسان کی اس ابتدائی زندگی کی، جب کہ وہ پہاڑوں پر رہتا، اور پانی کم ہونے کے بعد وادی اور سہل زمینوں میں اترتا تھا تعبیر ہے،

اب دیکھئے لاطینی کا ایک لفظ (Habitare) ہے جس کے معنی سکونت پذیر ہونے یا

کی جانب سے آنکھیں بند کر لی ہیں، اور یہ زحمت گوارا نہیں کی کہ دوسری زبانوں کی طرح عربی زبان کی تحقیق و تدقیق میں بھی وہ کاوش سے کام لیتے، اور اس کے چھپے ہوئے خزانوں اور قیمتی موتیوں کو نکال کر منظر عام پر لاتے، اگر وہ دیانت داری او تحقیق سے کام لیتے، تو ان کی زبانیں بھی اس اعتراف میں گونگی نہیں رہ سکتی تھیں، کہ عربی زبان کو تمام دوسری لغتوں پر فوقیت کا درجہ حاصل ہے لیکن ان میں اتنی وسعت قلب کہاں کہ وہ عربی زبان کی لسانی تحقیق کو بھی مرکز توجہ بناتے، یا اس میں دیانت داری سے کام لیتے، اس راہ میں انھوں نے جو دانستہ یا نادانستہ غلطیاں کی ہیں، ان کی تفصیل پیش کرنا دشوار ہے، اس مضمون میں صرف نمونۃً چند مثالیں پیش کیجاتی ہیں، اس سے عربی زبان کے بارہ میں ان کی تحقیق و دیانت کا اندازہ ہوگا،

۱۔ **هَبَطَ و حَطَّ** :۔ علماے تاریخ کا خیال ہو کہ ابتدأً انسان پہاڑ کی چوٹیوں پر کھوہ اور غاروں میں رہتا تھا، کیونکہ پوری زمین پانی سے ڈھکی ہوئی تھی، اور قدم رکھنے کے لئے بھی خشک جگہ نہ ملتی تھی، جب پانی کم ہونے لگا، اور خشک زمین دکھائی دینے لگی، اس وقت وہ اپنے بلند مساکن سے نیچے اُترنے لگا، یہاں تک کہ بنجر اور قابل زراعت زمینوں تک اسکی رسائی ہوئی، اور وہ ان پر آباد ہوگیا،

اسی لئے عرب قدیم زمانہ سے بولتے آئے ہیں،

هَبَطَ الرَّجُلُ مِنَ الجبل	هَبط الرجل الرجل من الجبل کے
يهبطه هَبْطًا مِنْ باب نصر	معنی ہیں، فلاں نے فلاں کو پہاڑ سے نیچے
بمعنى أنزله وهبط فلان كذا	اُتارا (باب نصر سے) ہبط فلاں کذا کے
دَخَلَه او دخلهٗ، لازم ومتعد	معنی ہیں کہ فلاں اس جگہ داخل ہوا یا داخل
وهَبَطَ الرجل يهبط (بالضم)	کیا، اس صورت میں لازم اور متعدی دونوں
ويهبِط (بالكسر) هبوطًا نَزَلَ	ہوگا، ہبط الرجل یہبط (مضموم العین اور

سے اُتر کر زمین پر آئے، وہ آبادی ہونے کے لئے آئے، اور اس وقت کی ضروریات کے لحاظ کر اس یقین کے کسی گوشہ مین یہ شبہہ جگہ نہین پاسکتا، کہ وادی کا اترنا بعد کی ضرورت (یعنی سکونت پذیر ہونے کے لئے ہے) تھی، الفاظ کی الجھی ہوئی گتھیوں میں عربی زبان عقدہ کشائی کا فرض انجام دیتی ہے، اس لئے جن لوگون نے کشف مغلق کے باب مین اس کی طرف رجوع نہیں کیا ہے، ان کو اسی طرح کی گمرہی سے دوچار ہونا پڑا ہے، اس حقیقت سے وہی انکار کرسکتا ہے، جس کی آنکھیں تعصب نے بند کردی ہون، یا وہ یہ نہ تسلیم کرنا چاہتا ہو، کہ عربی زبان ہی مشکلات وغوامض کو کھول سکتی ہے،

اس سلسلہ میں یہ بھی قابلِ ذکر ہے، کہ "ہبط" بھی دراصل "حطّ" ہی تھا، جس کے معنی نیچے اُترنے کے ہین، لسان العرب مین ہے،

الحطّ الوضع، حطّه، یحطّه فانحطّ وا وضع الاحمال من الدواب تقول حططت عنها، وفی حدیث عمر اذا حططتم الرحال فشدّوا السروج، (ص ۲۲۲، لسان العرب ۹ ج ۹)	حطّ کے معنی اُترنا یا اتارنا حطّ یحط فانحط کے معنی یہ ہوئے کہ جانورون کی پیٹھ پر سے بوجھ اتارا، عرب بولتے ہین، حططت عنها یعنی مین نے بوجھ اتار لیا حضرت عمرؓ کی حدیث مین ہے، کہ اذا حططتم الرحال فشدّوا السروج یعنی جب اونٹون کی پشت سے کجاوے اتار لو، تو گھوڑون پر زین کسو،

آگے چل کر لکھتے ہین:-

والیتہ محطوطۃ لاحماکۃ لھاد	الیتہ محطوطہ کے معنی وہ سُرین جس پر گوشت

بود و باش اختیار کرنے کے ہیں، والڈی (Walde جرمن) اور اس کے متبعین کا خیال ہے، کہ یہ اصل میں Habere تھا، جس کے معنی کسی چیز کو حاصل کرنے، فتح پانے اور قابض ہونے کے ہیں، اس رائے کی اکثروں نے تائید کی ہے، ان مویدین میں میشل بریال کا نام سرفہرست ہے، یہ ایک متبحر لغوی تھا، اس نے اپنے لغت "لاطینی الفاظ کے مصادر و اصول"[1] کے گیارہویں اڈیشن کے صفحہ ۱۲۱ میں اس خیال کی تائید کی ہے،

لیکن دونوں لفظوں کے ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ یہ لفظ اس سے مشتق نہیں، انھون نے سراب کو دیکھ کر پانی سمجھا، اگر وہ اس تحقیق میں سیدھی راہ اختیار کرتے، تو یہ فاش غلطی نہ ہوتی، Habitare اور Habere میں آسمان و زمین کا فرق ہے، Habere میں حرف ti کے تلفظ کا کوئی وجود نہیں، جس کی وجہ سے دونوں کی طرز ادا میں نمایاں فرق ہے، اس کے برعکس عربی کے لفظ هبط اور Habitare قریب المخرج ہیں، نیز اس کے معنی بھی وہی ہیں، جو اس لاطینی لفظ کے ہیں، بلکہ عربی لفظ کی معنوی وسعت اسکی دلیل ہے، کہ یہ لفظ وسیع دریا کا ایک قطرہ ہے Habitare کو جس لفظ سے مشتق بتایا جاتا ہے، اس کے معنی کسی چیز کو حاصل کرنے یا فتح کرنے کے ہیں، جو آباد ہونے کے معنی میں اگر لیا بھی جا سکتا ہے، تو چند در چند اضافی معنون کے بعد، ہر مفتوحہ چیز اپنی تنگی مکان کے باعث اتنی وسعت نہیں رکھتی، کہ مسکن بن سکے، پھر محض وسعت سے مسکن ہونا بھی لازم نہیں آتا، اور عربی کے لفظ کے معنی گویا آباد ہونے کے ہیں، اسلئے کہ ابتدائی زندگی میں جو لوگ پہاڑوں

---

[1] اس ڈکشنری کا اصل نام Dictionnaire etymologique latin (فرنچ لغات) ہے۔ اس کا گیارھوان اڈیشن Paris کا مطبوعہ Librairie hachette 76 Boulev S.t Germain میں دیکھا تھا، یہ کتاب Michel Breal اور Anatole Bailly دونوں کی مشترکہ تصنیف ہے ۱۲۰

لیکن کوئی یہ متیقن طریقہ پر نہیں بتا سکا کہ یہ لاطینی زبان میں کہاں سے دخیل ہوا، والڈی اس کو یونانی الاصل بتاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ یونانی لفظ Dirt کے مجانس ہے، جس کے معنی گرنا ہیں، لیکن جس کو مقابلہ لغات اور تحقیق مصادر کا ذرا بھی ذوق ہوگا، وہ اسکی تائید نہیں کرسکتا، اناطول بیلی اور مشیل بریال کا خیال والڈی کے برعکس ہے، وہ لکھتا ہے۔

"ہوسکتا ہو کہ یہ لفظ" Delinquo جس کے معنی سہواً ہمال اور Decco سے جس کے معنی حقیقی اور مجازی بوجھی غلطی کے ہیں، بنایا گیا ہو، اس لفظ کی اصلیت پردۂ خفا میں ہے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا، کہ اس کا ماخذ کون سی زبان ہے، البتہ لغت امبریہ (Umbri) میں ایک لفظ Peccton ملتا ہے، جس کے معنی بالکل وہی ہیں، جو لاطینی میں "Peccaton" کے ہیں، جس سے خیال جاتا ہے، کہ لاطینی میں جو "C" مشدد استعمال ہوا ہے، وہ رسم الخط کے اختلاف کا نتیجہ ہے، اور کوئی دوسری خصوصیت پنہاں نہیں ہے جس طرح Buccina میں ڈبل سی (C C) صرف رسم الخط کی بنا پر ہے،

میرا خیال ہو کہ مشکلات کی یہ گرہیں اگر کھولی جاسکتی ہیں، تو وہ عربی زبان کی رہنمائی سے لفظ Deccare کے آخر سے جو لاطینی زبان کا لفظ ہے، علامت مصدری "e" کو حذف کردو تو Decca رہ جائے گا، اسی طرح اگر "Deccatum" کے آخر سے "tum" کو حذف کردو

---

۱ امبریہ اس زبان کو کہتے ہیں، جو اٹلی کے ایک خطہ امبریہ میں بولی جاتی ہے، جس کے شمال میں بحرا ڈریاٹک ہے، اور مشرق میں پسینم جنوب میں دریائے "ناز" اور مغرب میں "اترو ریا" ہے۔

(ہیٹنس کلاسیکل ڈکشنری)

۲ لاطینی زبان میں "Re"، "are"، "ere"، "ire" اور "ne" ہے، "Deccare" مصدر ہے اس کا ماضی Deccavi ہے "Deccatum" ہے۔ ۱۲

والمحطوط الاکمة الصعبة الا	نہ ہو، حطوط کے معنی وہ ٹیلہ جس سے اترنا مشکل ہو،
تحدارو قال ابن دُرَید الاکمة	ابن دُرید نے اس کے معنی صرف سخت ٹیلہ
الصعبة فلم یذکرا رتفاعًا	کے بتائے ہیں جس میں اونچائی یا نیچائی
ولا انحدارًا والحط الحدر	کا کوئی تذکرہ نہیں، حط کے معنی اوپر سے
من علو حطّہ یحطہ حطًا فانحط و	نیچے اتارنا، حط یحط فانحط، شعر
وانشد، کجلمود صخر حطہ	کجلمود صخر حطہ السیل من
السیل من علٍ و قال الازھری	علٍ[۵] میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے،
الفعل اللازم الانحطاط و	ازہری کا خیال ہے کہ فعل لازم انحطاط
یقال للھبوط حطوط،	ہے، اور ہبوط کے معنی میں بھی آتا ہے،

(لسان العرب ص ۲۷۳، اجزائے تاسع)

ہم "ہبط" کو "حط" سے مشتق اسلئے بتاتے ہیں، کہ ہر فعل ثلاثی کے لئے ضروری ہے، کہ کوئی فعل ثنائی اس کا مرجع ہو، یعنی آسان سے آسان لفظ کی طرف راجع ہو جس کے ادا کرنے اور بولنے میں پوری سہولت ہو، پس ہبط سے پہلے اس معنی میں "حط" استعمال ہوا کہ یہی زیادہ سہل الادا تھا، اس کے بعد عربوں نے اس سے "حبط" کو مجازی معنی اور "ہبط" کا حقیقی معنی میں اشتقاق کیا، "حبط عملہ" کے معنی ہیں، اس کا عمل باطل ہوگیا، یعنی بھلائی کے بلند مرتبہ سے نیچے آگیا، جو "ہبط" کے مشروح معنی کے لحاظ سے یقینًا مجاز ہے۔

۳- فَلَق۔ یہ فق غلطی یا گناہ کرنے کے معنی میں لاطینی میں لفظ "Peccane" ہے۔

---

[۵] یہ امرؤ القیس کے شعر کا مصرعہ ہے، پورا شعر یہ ہے،

مکر مفر مقبل مدبر معا کجلمود صخر حطہ السیل من علٍ

البتہ اس کا ظاہری اثر جسم اور سیرت دونوں پر پڑتا ہے جس سے نفسانی عیوب کا پتہ لگایا جاسکتا ہے، اس مفہوم و معنی کے لئے لاطینی زبان میں لفظ [illegible] مستعمل ہے، جو میرے خیال میں عربی کے "کلف" سے ماخوذ ہے، "فقہائے لغت" کا خیال ہے کہ یہ لفظ مادی ضرر اور شر کے معنی سے مشتق ہے، جیسا کہ ورجیل کے قصائد سے معلوم ہوتا ہے[1] اسے والڈی کی تحقیق بھی اسی کے قریب ہے، لیکن ان خرافات سے بہتر تاویل یہی ہے، کہ اس کو "کلف" سے مشتق قرار دیا جائے، کلف کے معنی صاحب لسان العرب نے ان الفاظ میں بیان کئے ہیں :-

الکلف شیء یعلو الوجه کالسمسم	کلف ان داغوں کو کہتے ہیں، جو تل کی
کلف وجهه یکلف کلفاً	طرح چہرے پر پڑ جاتے ہیں، کَلِفَ
وهو اکلف تغیّر والکلف	وَجْهُهٗ یکلف کُلْفاً کے معنی ہوئے
والکلفة حمرة کدرة تعلو	چہرے کا رنگ بدل گیا، کلفہ اس سُرخ
الوجه وقیل لون بین السّواد	اور خاکستری رنگ کو کہتے ہیں، جو چہرے
والحمرة وقیل هو سواد یکون	پر چھا جاتا ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ
فی الوجه وقد کلف وبعیر	اس رنگ کو کہتے ہیں، جو سیاہی اور سُرخی
اکلف وناقة کلفاء وبه	کے درمیان ہو، کلف بعیر اکلف
کلفة کل هذا فی الوجه	وناقة کلفاء وبه کلفة، یہ
خاصة وهو لون یعلو الجلد	سب چہرے کیلئے خاص ہیں یعنی ایسا اس وقت
فیغیر بشرته .... الخ[2]	کہیں گے، جب یہ رنگ چہرہ پر چڑھ جائے، اور

[1] معجم میشل بریال و اناطول بائلی ص ۳۴۵، کالم ۱، [2] اس لفظ کے سلسلہ میں بھی صاحب اللسان نے بہت طویل بحث کی ہے، میں نے موقع کے مطابق اقتباس کر لیا ہے، جو زیادہ تفصیل کا طالب ہو اس کو چاہئے کہ اصل لغت سے مراجعت کرے

تو Peccaهو رہے گا، اب مقابلہ کرو کہ لاتینی کے Peccaاور عربی کے فک میں کیا فرق ہے، یہ لفظ غلطی کرنے کے معنی میں اس طرح دخیل ہوا، کہ فک الشئ کے معنی ابان بعضہ بعضاً کے ہیں، اور غلطی یا گناہ سے درحقیقت خدا اور معبود کا رشتہ منقطع اور منفک ہو جاتا ہے،

لیکن اگر کوئی "فق" سے مشتق قرار دے، تو اصول قیاس کی خلاف ورزی نہیں ہے، "فق" کے معنی کھولنے کے ہیں، اور خدا کے رشتہ کا معبود سے کھلنا وہی حقیقت ظاہر کرتا ہے، جو "فک" ہی لاتینی میں Peccaاور Peccatumوغیرہ ہو گیا،

میرے دعوی کو مغربی علماء کے اس قول سے بھی تقویت پہونچتی ہے کہ مذہب یا دیانت کیلئے ان کی زبان میں لفظ Religioneاستعمال ہوتا ہے، یہ لفظ کلمہ اور ایک آداۃ سے مرکب ہے، حرف Re کے معنی بار بار دوبارہ، عادہ، تکرار اور باردگر کے ہیں، اور Ligo لفظ Ligano سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ملانے، باندھنے اور سخت اتصال کے ہین، گویا دین کے معنی ان کی زبان میں خدا اور انسان، معبود و عاصی میں گہرے مضبوط و مستحکم تعلق کے ہین، پس اگر دین کے معنی خدا اور بندہ سے قوی اور شدید تعلق کے ہین، تو یقیناً گناہ اس رشتہ کے "فک" یا انفکاک کا نام ہوا، اور جب ایسا ہے، تو دونون صورتون مین Peccareکا اشتقاق "فک" ہی سے صحیح ہے، کہ "فک" کے معنی تعلق کے منقطع ہونے کے ہین، اور Peccareکے معنی گناہ کرنے کے ہین جو ایک نوع کا انقطاع تعلق ہے،

۵ - الکلفۃ :۔ صوفیاے کرام و سالکان طریقت کا خیال ہو کہ نفس جب گناہون کی آلایشوں سے ملوث ہو جاتا ہے، تو اس میں ایک قسم کی گندگی اور میل پیدا ہو جاتا ہے لیکن نفسانی میل اور غبار کا حال وہ نہیں ہے، جو جسمانی گندگیون اور مادی نجاستون کا ہے، جسمانی گندگیاں ہماری ان آنکھوں کو نظر آسکتی ہیں لیکن روحانی گندگیان مادی آنکھون سے دیکھی نہیں جا سکتین،

ڈیل'ال"کے ساتھ متصل ہے، لیکن اسکی اصل کا پتہ نہیں چلتا۔"

بلاشبہ مشیل بریال اور اناطول بایلی کا یہ اعتراف صداقت پر مبنی ہے لیکن باوجود شوق تحقیق فاضل محققین نے عربی زبان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونا پسند نہیں فرمایا، ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ عربی زبان میں اس کے ہم زبان وہم مخرج وہم معنی لفظ محل موجود ہے، جو اس کا مخرج ہے،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ "شر" اس تنگی و خشکی کو کہتے ہیں، جو نفس میں خداوندی فیضان کے منقطع ہونے سے پیدا ہوتی ہے، اور جس میں بھلائی کا کوئی پودا نمو نہیں پاسکتا، "محل" کے معنی بھی یہی ہیں، کہ زمین ایسی خشک اور خراب ہو جائے جس میں کوئی پودا نمو پذیر نہ ہو سکے، جب "محل" کے معنی وہی ہوئے، جو (Malus) کے ہیں، تو کیا وجہ ہے، کہ اس کو عربی سے مشتق قرار نہ دیا جائے،

۷۔ لطا۔ یلطو۔ ابتدائی انسان حادثاتِ طبعیہ سے اس لئے خوفزدہ رہتا تھا، کہ اسکے پاس ان سے بچاؤ کے سامان نہ تھے، چنانچہ جب سخت بارش یا کسی ایسی شے کو دیکھتا جس سے خوف طاری ہوتا تو وہ چٹانوں کے نیچے یا غاروں میں چھپ جاتا تھا،

اس چھپنے اور اختفار کے لئے لاتینی میں لفظ Lateo ہے، یورپ کے تمام محققین السنہ کا یہ فیصلہ ہے، کہ یہ لفظ یونانی الاصل ہے، اناطول نے اپنی کتاب میں اس لفظ کے تحت میں مفصل اور مدلل بحث کی ہے، ہم اوس کو یہاں نقل کرتے ہیں، تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ ایک امر محال کی تاویل میں کتنے محالات تسلیم کرنے پڑتے ہیں، وہ لکھتا ہے :۔

"Lateo معنیٰ" و استعمالاً یونانی لفظ Lethano کا ہم پلہ ہے، لاتینی میں "Id

Youtome lanthanei" کے وہی معنی ہیں جو یونانی میں "me latet"

لہ Lateo لاتینی زبان کا صیغہ واحد غائب ہے اس کا مصدر Latere ہے Lateo واحد متکلم

صاحب اللسان کی تشریح کے اس جملہ کو خاص طور پر سامنے رکھئے، کہ "یہ لفظ چہرہ کے تغیر رنگ کے لئے خاص ہے" صوفیاے کرام اور سالکین طریقت کا بھی یہی خیال ہے، کہ گناہ نفس کے ہر ہر عضو کو بالخصوص وجہ نفس کو خراب کر ڈالتا ہے، گندگیاں اس پر چھا جاتی ہیں، اور چہرے پر بدی کا ایک نشان باقی رہ جاتا ہے، جس کو صرف توبہ واستغفار اور انابة الی اللہ کے ذریعہ دھویا جا سکتا ہے،

اس خیال کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ کہا "ن عرب" ان آثار کو جب سورج میں دیکھتے تھے تو انکو غُرَف کے وزن پر "کلف" سے تعبیر کرتے ہیں، اور چونکہ آثار سورج کے ظاہری حصہ میں دیکھے جاتے ہیں، اسلئے وہی اس کا چہرہ ہوا، جو انسانی چہرہ سے استعارہ ہے، پس اگر "کلفہ" سے "Culpa" رومانی نجاستون کے لئے ماخوذ کر لیا گیا تو کیا بعید ہے،

۲۔ المحل گناہ کا اثر جب نفس پر پڑتا ہے، اور اس کو گندگیوں سے آلودہ کر دیتا ہے اس وقت فطری چمک اور حسن کے علاوہ ایک خاص زنگ نفس پر چھا جاتا ہے، اس کو "کلفہ" سے تعبیر کرتے ہیں، اس کے علاوہ گناہ سے نفس میں بُرائی کا مزاج اور دوسرے گناہوں کے قبول کرنیکی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان گناہ کرنے پر جری بلکہ حریص ہو جاتا ہے[ا] نفس کی اس کیفیت کے لئے لاطینی زبان میں لفظ "Malus" ہے، اگر یہ سوال کیا جائے، کہ یہ لفظ کہاں سے آیا، ؟ تو ایسے جوابات دین گے جس سے تشنۂ تحقیق کو تشفی نہیں ہو سکتی، [۲] البتہ میشل بریال اور اناطول کو حق کا اعتراف کرنا پڑا، وہ اپنے لغت میں لکھتا ہے، کہ لفظ "Malus" جس کے معنی برائی کے ہین، لغت اُسقیہ [۳] (Oscan) میں "Mallus"

[ا] دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ "باب ارتباط الاعمال بالہیات النفسانیۃ، و دیگر کتب تصوف - ۱۲ - [۲] اِرِوالڈ کی لغت ص ۵۴، [۳] متوسط اٹلی مین ایک قوم تھی، اس کی زبان کو "اُسقیہ" یا آدسکی کہتے ہین، یہ زبان وہان بہت دنوں تک بولی گئی، مگر پھر معدوم ہو گئی، اس کو درحقیقت لاطینی زبان کی ایک شاخ سمجھنا چاہئے [۱۲]
(اٹینس کلاسیکل ڈکشنری)

وَنَقَلَہُ الصّاغانی فی التّکملۃ ،	ہے کہ یہ اس وقت کے لئے بولا جاتا ہے جب کوئی چٹان یا غار میں چھپ کر پناہ لے ، صاغانی نے اپنی کتاب تکملہ میں بھی یہی لکھا ہے ،

ظاہر ہے کہ یہ لفظ عربی کے قدیم ترین الفاظ میں سے ہے ، اس لئے کہ اس مادہ کے مشتقات بتاتے ہیں ، کہ یہ ایک قدیم عربی لفظ ہے جس سے بہت سے مادے اخذ کئے گئے ہیں ، صاغانی نے بھی جو لغویین میں بڑے مرتبہ کا شخص ہے ، اس لفظ کے قدیم عربی لفظ ہونے پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ مادہ ل ، ط ، اعربی زبان میں مختلف صورتوں میں استعمال ہوا ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مادہ قدیم ترین مادوں میں سے ہے ، جس سے حسب ضرورت بہت سے دوسرے مادے بھی اخذ کرلئے گئے ہیں ، مادہ ل ، ط ، ا سے " لطا " " لآ ، طا " " لاث " اور " لات " وغیرہ بہت سی قسمیں مشتق ہوئیں ،

" لطا علیہ ستر " کے معنی کسی چیز سے پردہ اٹھانے یا پردہ پیٹنے کے ہیں ، اسی سے " لطا عنہ الخبر " خبر پوشیدہ رکھنے کے معنی پیدا ہوئے ، " لطا الباب " کے معنی ہیں کسی نے دروازہ بند کردیا ، لطا الستر کے معنی فلان نے پردہ گرادیا ، چیزوں کے چھپانے کو بھی " لطا " سے ظاہر کیا جاتا ہے ، اسی طرح " لاط " " یلوط " ، " لوطا " کے معنی چھپانے کے ہیں کلات الرجل الخبر یلوتہ لوتا " کے معنی ہیں کسی شخص نے خبر کو پوشیدہ رکھا ، اس میں بھی چھپانے کے معنی پائے جاتے ہیں ، اسی سے علیٰ سبیل التغلیب " لات " بھی استعمال ہوا ، " ملات فلان ان غلب فلانا " کے معنی ہیں فلان شخص کو تھوڑی دیر بھی نہیں لگی ، کہ فلان پر غالب آگیا ، یہاں بھی لات کے معنی ٹھہرنے یا رکنے کے ہیں ، جو پوشیدہ رہنے یا خبر کو روکے رہنے سے زیادہ قریب ہے ،

۱۰۸ النّحی ۔ ۹ ۔ النائی ، ۱۰ ۔ الناؤق . النّحی . النُّحی . النِّحی ، مسکور النفا ، مفتوح النفا ، اور مضموم النفا

کے ہیں، اگرچہ O کی تبدیلی حسب اصول لاتینی C سو صحیح نہیں، بلکہ صحیح یہ ہی کہ یونانی کے O (اس کا TH, E کا تلفظ کرد) کو S سے جیسے Herz کہ دراصل Oero تھا، بدلا جائے، یا B سے جیسے Rubeo یا D سے جیسے Medius کہ دراصل MEDIUS تھا، لیکن جس طرح بعض شواذ الفاظ کی مثالیں ملتی ہیں، جیسے Pateo جو کے معنی افسوس کرنے کے ہیں، اصل یونانی میں Epatheo تھا، (حالانکہ ان تاویلات رکیکہ کی کوئی ضرورت نہیں، کسی لفظ کو شاذ بنایا نہیں جاتا، بلکہ شواذ الفاظ خود بخود مستعمل ہو جاتے ہیں، اور ان کی حقیقت نقل عموماً شائع ہوتی ہے) ماننا پڑے گا، کہ یہ بھی انہی شواذ کی طرح دخیل ہوا، جیسا کہ اکثروں کا خیال ہے، البتہ کورسن (Corssen) نے اپنی کتاب Beitrage, p. 790 میں Lateo کی تشریح یہ کی ہے، کہ یہ لفظ دراصل Egrettuo تھا، جو قدیم لفظ Lad. Tuo سے مشتق ہی جیسے Lad - teo یا Rad. TiLUS کہ دراصل Rutilus تھا،

فاضل محقق نے اگر اس تحقیق میں عربی کی طرف رجوع کر لیا ہوتا، تو ان کو ان دور از کار تاویلوں کی ضرورت نہ پڑتی، Lateo کے مخرج کے لئے عربی زبان میں **لطا یلطو** موجود ہے، تاج العروس میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں،

لطا یلطو اھملہ الجوھری وقال	لطا یلطو، کو جوہری سہواً چھوڑ گئے
غیرہ اذا التجأ الی صخر او غار	ہیں، ان کے علاوہ اور علماء لغت کا خیال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۹) کا صیغہ ہے جس طرح عربی میں مصدر سے صیغے بنائے جاتے ہیں، لاتینی میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ ڈکشنریوں میں بجائے مصدر کے، واحد متکلم کے صیغہ کو رکھتے ہیں، اور اسی سے صیغہ کا اشتقاق ہوتا ہے - Lateo کے معنی ہیں یہ بات مجھ سے مخفی ہی، اس کا تلفظ ذ ہی جو انگریزی میں TH کا ہے ٥ کا نہیں،

محققین نے اپنی تحقیق کا وہی نمونہ پیش کیا ہے، اور صاف وصریح لفظ کو چھوڑ کر رکیک تاویلوں کا دفتر پیش کر دیا ہے، چنانچہ Navis[1] یعنی نحی کے متعلق اناطول بالی اپنی لغت کے ص ۱۳۱۱ کے کالم اول میں لکھتا ہے کہ

"ابتداءً یہ لفظ Navis تھا، لیکن چونکہ لاتینی میں کسی لفظ کے آخر میں ایسے حرف علت کا آنا، جو دو لفظوں سے مل کر ایک ہوگیا ہو ثقیل ہے، اس لئے Navis کے حرف "u" کو "v" سے بدل دیا، اس طرح کی تبدیلی "Levis" وغیرہ میں بہت ہوئی ہے، اسکو "Nautis" یا Navis سے بھی جو یونانی کا لفظ ہے مشتق قرار دیا جا سکتا ہے، Naute کے آخر جو ta ہے، اس طرح ea یونانی میں بہت استعمال ہوتا ہے، جیسے Poieta وغیرہ اسی قاعدہ کے مطابق لاتینی "Navis" جس کے معنی اس دوران سفر اور چکر کے ہیں، جو پانی میں سفر کرنے سے پیدا ہوتا ہے، تبدیل ہوا ہے، یونانی میں وہ "Nautea" تھا، Navis سنسکرت کا ناؤ اور یونانی کے Naus اور آرلنڈی قدیم[2] کے Navis سب کے معنی کشتی یا ناؤ کے ہیں، یہ لفظ قدیم جرمن میں "Nacho" بولا جاتا تھا، ان تمام الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، کہ پانی کا سفر انسان کی اس ملکی تقسیم سے پہلے ہی سے معروف و عام ہوا، اسی لئے الفاظ کا مخرج بھی تقریباً ایک ہے"۔

مسٹر بالی کا یہ خیال تو صحیح ہے کہ بحری سفر انسان کی ابتدائی ضرورتوں میں سے ہے، جس کیلئے

---

[1] Navis لاتینی زبان کا اسم ہے، اس کا مصدر Navare ہے، واحد متکلم Navo اور جمع متکلم Navamus ہے، واحد مخاطب Navas اور جمع مخاطب Navatis آتا ہے، واحد غائب Navat اور جمع Navant استعمال ہوتا ہے، مصدر کے معنی تیرنا کے ہیں، جس سے تمام صیغوں کے معنی متعین کرنے چاہئیں وقس علی ھذا۔

[2] آئرلینڈ کی قدیم زبان۔

والعین تینوں صورتوں میں اس کے معنی "مشک" کے ہین بعضوں کا خیال ہی کہ صرف اُس مشک کو کہتے ہین، جو گھی رکھنے کے کام مین آتی ہے، ابن منظور نے بھی اس لفظ کی مفصل تشریح کی ہو جس کا ذکر طوالت سے خالی نہین، میرے نزدیک "نحی" ابتداءً تمام مشکون کے لئے بولا جاتا تھا، پھر جب اس مفہوم کے اظہار کے لئے بہت سے الفاظ رائج ہو گئے، تو "نحی" کو صرف گھی رکھنے والی مشک کیلئے خاص کر لیا گیا، کہ فہم مطلب مین التباس نہ پیدا ہو، تخصیص لفظ کا یہ دستور ہر زبان مین رائج ہے،

اسکی تفصیل یہ ہو کہ قدیم عرب جب بحری سفر کرنا یا تیرنا چاہتے، تو اس مقصد کے لئے مشک کو استعمال میں لاتے تھے، اس کا پتہ وہ لکڑیان پتھر اور سنگ مرمر کے ٹکڑے دے سکتے ہین جو کھدائی میں برآمد ہوئے ہین، اور "دار الآثار" میں محفوظ ہین، جب ایک جماعت سفر کرنا چاہتی تھی تو بہت سی مشکون کو جمع کر کے خوب مضبوط باندھ دیتے اور اس پر تختے اور لکڑیان رکھکر اپنی ضرورت کے قابل بنا لیتے، اس میں کھانے پینے سونے اٹھنے بیٹھنے وغیرہ جملہ ضروریات کے لئے جگہین ہوتی تھین اس سودیشی جہاز کا نام اکدی، اشوری اور بابلی زبانون مین "کلک" ہے، اس نام کو رائج ہوئے چھ ہزار سال گذر گئے، اس کے بعد اس معنی کے لئے ایک اور لفظ "طوف" تراشا گیا، ان مشکوں کے جہاز کا سین آج بھی عراق کے قریب کی نہرون کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھا جا سکتا ہی، وہان دیکھو گے کہ اعرابی جب نہر چھوٹی اور نالو نکو عبور کرنا چاہتا ہے، تو مشک کو پانی سے بھر کر اس کے منہ کو خوب مضبوط باندھ دیتا ہے، پھر اس کو پانی پر رکھ کر اسی کے ذریعہ عبور کرتا ہے،

بحری سفر کے لئے انسانی دماغ کی پہلی ایجاد یہی تھی، اس لفظ کو لاطینی مین "Navis" بنا دیا گیا، یہ لفظ اصل مین Nav ہی آخر کا S اعراب کا ہے، جو صیغون کے اختلاف کی حالت میں تبدیلی قبول کرتا رہتا ہے، Nav عربی کا "نحی" ہے اور اس کے معنی لاطینی میں "جہاز" کے ہین اس لفظ کی تحقیق مین بھی

لے Navis Navire ،

او تعرض فی النهر او الجدول یجری فیها الماء من جانب الی جانب معرب ناوة بالفارسیة والجمع ناؤقان۔	کے ذریعہ پانی لیجایا جاتا ہے، یا وہ لکڑی ہے جس سے نہر یا کھیتی کی نالیوں میں رکھکر ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک پانی پہنچاتے ہین، یہ فارسی ناوہ کا معرب ہے اس کی جمع ناؤقان ہے، ۱۲

دوسرے قدیم لغویین نے اس لفظ کا تذکرہ نہیں کیا ہے، البتہ صاحب المنجد نے بھی اس لفظ کو دخیل لکھا ہے، جیسا کہ لکھ چکا ہون کہ سنسکرت کا "ناؤ" بھی نحی تھا، اس لئے کہ سنسکرت میں "ح" نہین ہے تو "ناوۃ" بھی اسی "ناؤ" سے مشتق ہوا، صاحب محیط المحیط نے اس کو فرہنگ کے لغت سے لیا ہے، میرا خیال ہے کہ فرہنگ نے تحفۃ خوان الصفا سے جسمین ایسا ایک لفظ آیا ہے، جس کے معنی کھدی ہوئی لکڑی یا پتھر کے ہین، یہ لفظ اخذ کیا ہوگا،

اس کو کشتی یا ناؤ سے مدد لینی پڑی، جو انسان کی ابتدائی صنعت وایجاد ہے، لیکن انھون نے اس خیال کے قائم کرنے مین کہ ναῦς ναύτης یونانی الاصل ہی سخت غلطی کی ہی،

اس کے متعلق ضمناً عرض ہی کہ یونانی کے لفظ ναύτης کو عربون نے ملاح کے معنی میں دخیل بنایا، اور "نوتی" کر دیا ہے، لیکن یہ عجیب بات ہی کہ انھوں نے حسب قاعدہ زبان عربی نحی "نحاز" یا "ناح" وغیرہ نہیں استعمال کیا، ان کی اس احتیاط سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے، کہ عربی زبان جو دراصل قدیم ترین زبان ہے، جب کسی لفظ کو دوسری زبان سے لیکر اپناتی ہے، تو اس کو اس طرح رکھتی ہے کہ اصل زبان کے الفاظ مین مل کر گڈمڈ نہ ہوجائے، ان کی اس احتیاط اور اصول نقل کی پابندی کو دیکھ کر اس نیتجہ پر پہنچا جا سکتا ہے، کہ سوائے چند الفاظ کے جن کا دخیل ہونا واضح ہی، سب اسی زبان کے الفاظ ہین، جو ابتدائی زندگی سے لیکر آخر تک حسب ضرورت وضع ہوتے رہے، اور جس سے رفتہ رفتہ دوسری زبانین الفاظ ماخوذ کرکے بنتی گئین،

اس سلسلہ مین ان الفاظ کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، جو "نحی" سے مشتق ہوئے ہین، النائی والنوی اور النئی (بتثلیث النون) اور النوی (ضمہ اور فتحہ دونون کے ساتھ) جس کے معنی اس گڈھے کے ہین، جو خیمہ کے ارد گرد سیلاب سے بچنے کے لئے بنایا جاتا تھا، سب اسی سے مشتق ہین، گڈھے کے معنی میں اس مناسبت سے استعمال کیا گیا، کہ جس طرح کشتی پر سوار ہونے والے کو کشتی ہلاکت سے بچاتی ہے، اسی طرح یہ گڈھا بھی جھونپڑے والے کو سیلاب کی ہلاکت سے محفوظ رکھتا ہے، حفاظت دونوں کا جزو مشترک ہی، یہی اشتقاق کا باعث ہی،

اسی مادہ سے ایک لفظ ناوق بھی مشتق ہے، محیط المحیط مین ہے،

الناؤق بفتح الواؤ الخشبة المنقورة	ناوق واو مفتوحہ کے ساتھ اس سوراخ
التی یجری فیھا الماء فی الدولاب	کی ہوئی لکڑی کو کہتے ہین جس سے چرخی

نتائج فکر سب کو جدا جدا ظاہر ہوئے، نہ صرف جدا بلکہ ایک دوسرے کے بالکل مخالف!

ان لوگون مین گفتگو عالم کی حقیقت پر ہوئی، کہ یہ سارا تماشا جو آنکھون کے سامنے ہے کہان سے اور کیسے ہی؟ کسی نے کہا کہ عالم کی ترکیب "پانی" سے ہے، کہین سے آواز آئی کہ نہین تکوین عالم کا سبب "ہوا" ہے، ایک جماعت نے دعویٰ کیا کہ تشکیل عالم دو اجزا سے ہی، وہ دو اجزا کیا ہین؟ اس کے متعلق اس جماعت مین بھی دو گروہ ہوگئے، ایک کہتا تھا کہ عالم دو ہین، عالم مثال، عالم مادی، دوسرا کہتا تھا کہ ہیولیٰ اور صورت سے تشکیل عالم ہوئی ہے، یہ بحث مباحثے ہو ہی رہے تھے کہ عقلیین کا ایک گروہ اور آپہنچا، انھون نے کہا کہ سرے سے یہی غلط ہے، کہ تکوین عالم کے دو اجزا ہین، عالم کی علت تو صرف ایک ہے، پوچھا گیا، کہ وہ علت کیا ہے، اس سوال کے جواب مین یہان سے بھی دو آوازین آئین،!

کائنات کی علت مادہ ہے،؟

کائنات کی علت روح ہے،؟

الغرض مدعیان عقل و دانش فطرت کو بے نقاب کرنے کے لئے عقل کی بھول بھلیان مین اسی طرح چکر کاٹ رہے تھے، اور فلسفہ کا ہر مسئلہ عقدۂ لاینحل بن رہا تھا، ایک پردہ اٹھتا تو دوسرا سامنے آجاتا، علم مین جس قدر ترقی ہوتی، اسرار کائنات اسی قدر پیچیدہ ہوتے جاتے،!

فلسفی سر حقیقت نہ توانست کشود
گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا می کرد

دوسری طرف اہل زمانہ اس کثرت آرا، اور تضاد افکار سے پریشان ہو رہے تھے، یہانتک کہ ڈاکٹر دلہیم نیسل کے الفاظ مین حالت یہ ہوئی کہ

"پانچوین صدی کے آغاز سے بعض ایسے خیالات پھیلنے شروع ہوئے جس کی وجہ سے

حقائقِ اشیاء

از مولوی محمد اویس صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

"حقائقِ اشیار" کا مسئلہ فلاسفہ اور متکلمین دونوں کے یہاں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، مختصر الفاظ مین اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس عالمِ آب و گل مین حواسِ سلیمہ اور عقل کے ذریعہ سے ہم جن چیزوں کو جانتے ہین وہ اپنی کچھ حقیقت بھی رکھتی ہین یا ع

عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

ایسا تو نہیں ہے کہ یہ زمین و آسمان، بحر و بر، شجر و حجر، حیوانات، نباتات، جمادات حتی کہ خود ہمارا اپنا وجود حقائق سے معرّی محض وہم و خیال کا فریب ہو، ؟ اور اگر اس دنیاے رنگ و بو کے پس پردہ واقعی کوئی حقیقت کار فرما ہے تو کیا ہم اس کو معلوم بھی کر سکتے ہین ؟ عام فلاسفہ اور متکلمین کہتے ہیں کہ حقائق اشیار ثابت ہیں اور ہم ان کو جان سکتے ہین، یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ایسی واضح بات کا فلسفہ اور کلام سے تعلق کیا ؟ اسلئے ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کے تاریخی پس منظر کو سامنے لایا جائے!

طاقتِ بشری کے موافق حقائقِ کائنات کا پتہ لگانا اور عقل کی روشنی مین اسرارِ ہستی کو فاش کرنا شروع سے فلسفہ کا کام رہا ہے، رازِ دہر کی جستجو مین انسانی عقل کس کس منزل سے گذری ؟ فلسفہ کے سارے مباحث اسی کی تشریح میں ہین، لیکن عجب تماشا ہے کہ اس سرِ حقیقت کو حل کرنے کیلئے جب دانشور جب بزم آرا ہوئے، تو کبھی ایک بات پر متفق نہ ہو سکے، انھون نے ہمیشہ ایک دوسرے کے نظریہ کا مضحکہ اڑایا، ایک دوسرے کی راے کو غلط ٹھہرایا، جس مسئلہ پر بھی انھون نے غور کیا،

باطل لادلة نفاته او لائبتنا هی	منکرین کے نزدیک باطل ہے، یا تمنا ہی
وهو ایضاً باطل لادلة مثبتیه	ہوگا، یہ بھی اس کے قائلین کے نزدیک باطل
ولو کان شئ ما موجوداً لکان اما	ہے، اور اگر کوئی چیز موجود ہوگی، تو یا واجب
واجباً او ممکناً وکلاهما	ہوگی یا ممکن ہوگی، اور وجوب و امکان کے
باطل للاشکالات القادحة	اشکالات کی وجہ سے یہ دونوں باطل
فی الوجوب والامکان وبالجملة	ہیں، الغرض کوئی قضیہ بدیہیہ ایسا نہیں
ما من قضیة بدیهیة او	ہے کہ اس کے بالکل برعکس اسی قوت
نظریة الا ولها معارضة	کا دوسرا قضیہ موجود نہ ہو،
مثلها فی القوة تقاومها،	

اس رد عمل میں عقلیت کے خلاف تین جماعتیں پیدا ہوئیں، علامہ ابن حزم فصل فی الملل والاهواء والنحل میں سوفسطائیہ کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

ذکر من سلف من المتکلمین	متکلمین سلف نے بیان کیا ہے کہ سوفسطائیہ
انهم ثلاثة اصناف فصنف	کی تین قسمیں ہیں، ایک جماعت تو وہ ہے
منهم نفی الحقائق جملة وصنف	جو حقائق کی بالکل منکر ہے، ایک جماعت
منهم شکوا فیها وصنف منهم	حقائق میں شک کرتی ہے، اور ایک
قالوا هی حق عند من هی حق	جماعت وہ ہے جو کہتی ہے، کہ حقائق
وباطل عند من هی باطل،	جن کے نزدیک حق ہیں، ان کے نزدیک
(ص ۸)	حق ہیں اور جن کے نزدیک باطل ہیں، ان کے
	نزدیک باطل ہیں،

کچھ عرصہ کے بعد مہذب حلقوں کے اندازِ فکر اور علمی زندگی کے میدان میں ایک نمایاں تغیر واقع ہوا، فلسفیانہ نظریات کی باہمی پیکار اور عام اندازِ ادراک سے ان کی کھلی مخالفت سے کائنات کی علمی توجیہات کے خلاف بدگمانی پیدا ہو چکی تھی۔

(مختصر تاریخ فلسفۂ یونان دار الترجمہ ص)

یہ بدگمانی بڑھتی ہی گئی لیکن عقل کے دیوانوں کی ذہنی موشگافیوں میں کوئی کمی نہ ہوئی، آخر وہ وقت آیا، کہ عقلیت کے خلاف پورا ردِ عمل شروع ہوگیا، اور سوفسطائیہ کے نام سے ایک جماعت ظہور پذیر ہوئی، انھوں نے کہا کہ تم طاقتِ بشری کے موافق حقائقِ کائنات کا پتہ لگانے کے مدعی ہو، حقائق کا پتہ لگانا بشر کی طاقت میں ہے کب؟ حقائقِ کائنات کیا ہیں،؟ یہ سوال بعد کا ہے، پہلی چیز تو یہ طے کرنے کی ہے، کہ حقائق کچھ ہیں بھی،؟ اور اگر ہیں تو تم ان کو معلوم بھی کر سکتے ہو، ان لوگوں نے علی الاعلان اپنا یہ نظریہ پیش کیا، کہ

"حقیقت کا دریافت کرنا ناممکن ہے، اور ہمارا علم نفسی مظاہر کے پرے نہیں جا سکتا"

(مختصر تاریخ فلسفۂ یونان دار الترجمہ ص)

علماے اسلام بھی سوفسطائیہ کے ظہور کی وجہ فلاسفہ کی انہی معرکہ آرائیوں کو قرار دیتے ہیں، علامہ سید شریف جرجانی شرح مواقف جلد ا ص میں فرماتے ہیں:-

انما نشاء مذهبهم هذا من	ان کا (سوفسطائیہ) ظہور آپس میں
الاشكالات المتعارضة مثل	مخالف اشکالات کی وجہ سے ہوا مثلاً
ما يقال لو كان الجسم موجوداً	کہا جاتا ہے کہ اگر جسم موجود ہو تو اس کا
لم يخل من ان يتناهى قبوله	قبولِ انقسام متناہی ہوگا، اس سے الجزء
للانقسام فليزم الجزء وهو	الذی لا یتجزیٰ لازم آتا ہے اور یہ اسکے

ردِ عمل میں اعتدال کب قائم رہا ہے ؟ سوفسطائیہ بھی اسی افراط و تفریط کے شکار ہوئے انھوں نے یونان کی سرزمین پر نہ صرف عقلیت کے خلاف زبردست محاذ قائم کر رکھا تھا بلکہ یونان کی اخلاقی اور آئینی زندگی بھی ان کی ہنگامہ آرائیوں سے متزلزل ہو رہی تھی، ڈاکٹر ولیم نیسل کا بیان ہے:-

"عام سوفسطائیوں نے مناظروں میں پیش کیا، کہ حقیقت کا دریافت کرنا ناممکن ہے، اور ہمارا علم نفسی مظاہر کے پرے نہیں جا سکتا، ایسے خیالات کا ردِ عمل اخلاقیات پر لازمی تھا، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا، کہ اس زمانہ میں جھگڑوں میں جو اخلاقی اصول اور ملکی قوانین کے خلاف نافرمانی پیدا ہوئی، اس نے اپنے لئے سوفسطائی نظریات سے ایک علمی جواز حاصل کیا، (مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص۴۲ دار الترجمہ)

ص ۴۲ پر اسی مورخ کے الفاظ یہ ہیں :-

"دوسری طرف سوفسطائی تحقیقات فقط اس نتیجہ پر پہونچی تھی کہ جس طرح کائنات کا کلی علم ناممکن ہو، اسی طرح اخلاقیات کے لئے بنائے حکمت تلاش کرنا بھی فعل عبث ہے جب انسان علم حاصل کرنے کی قابلیت فطرۃً نہیں رکھتا، تو تلاشِ صداقت بیکار ہے، جب اخلاقی عقیدے کی مروجہ بنیاد یعنی انسانی اور الٰہی قوانین کی مطلق فوقیت کا عقیدہ بھی ترک کر دیا گیا، تو یونانی قوم کی علمی زندگی کی طرح اس کی اخلاقی اور آئینی زندگی بھی خطرہ میں پڑتی ہوئی معلوم ہوئی"۔

ان حالات کا طبعی تقاضا تھا، کہ خیالات میں پھر کچھ انقلاب آئے، اور سوفسطائیت کی روک تھام ہو، یہاں تک کہ افلاطون و ارسطو جیسے مشاہیر فلاسفہ پیدا ہونے شروع ہو گئے، ان کے وجود سے عقلیت نے پھر زور پکڑا، اور عنادیہ کی تردید میں حقائقِ اشیاء پر مدعیانہ خیالات

سوفسطائیہ کی ان جماعتوں میں سے پہلی جماعت کا نام متکلمین عنادیہ تبلاتے ہیں، یہ حقائق اشیا کے منکر اور ان کو محض اوہام اور خیالاتِ باطلہ تصور کرتے ہین،

دوسری جماعت کا نام لاادریہ ہے، یہ حقائقِ اشیار کا انکار نہیں کرتے ہین، بلکہ کہتے ہیں کہ ہمارے ذرائعِ علم حقائقِ اشیا معلوم کرنے سے قاصر ہین:!

تیسری جماعت کا نام عندیہ ہے، ان کے نزدیک حقائقِ اشیا تابع خیال ہین، یعنی ہم جس چیز کو جوہر خیال کرین، وہ جوہر ہے، عرض سمجھیں تو عرض ہے، قدیم کہین تو قدیم ہے، حادث کہین تو حادث ہے،!

ان لوگوں کا نام سوفسطائیہ کیون پڑا؟ اسکی وجہ متکلمین یہ تبلاتے ہین، کہ "سوفسطا" کے معنی معقول غیر علم کے ہین، اور چونکہ ان لوگون کی حکمت محض مزخرفات کا مجموعہ تھی، اس لئے یہ اس نام سے شہرت پا گئے،!

لیکن جرمن فاضل ڈاکٹر وِلیم نیسل "سوفسطائی" کو "عقلمند" کا ہم معنی ظاہر کرتا ہے، مختصر تاریخ فلسفۂ یونان صـ۳ (دارالترجمہ) مین ہے:

"اس ضرورت کو ایسے لوگوں نے پورا کرنا شروع کیا جنھین ان کے معاصرین "سوفسطائی" یعنی عقلار کہتے تھے، اور ان لوگون نے خود بھی اپنے تئین اسی لقب سے مشہور کیا"۔

یہی فاضل آگے چل کر لکھتا ہے،:۔

"افلاطون کے زمانہ سے "سوفسطائی" کی اصطلاح فقط انھی لوگون پر عائد کی جاتی ہے جو درس فضیلت کے پیشہ ور معلم تھے، جو اپنے شاگردون کو عمل اور تقریر دونون مین ماہر بنانا چاہتے تھے،

——— ——— ———

صرف ظواہر اشیاء کو بتاتے ہیں، ماہیت سے انھیں سروکار نہیں، پھر کیا عقل کے ذریعہ سے؟ لیکن عقل تمامتر ہماری عادات اور ہماری سوسائٹی کے رسم و رواج کا نتیجہ ہوتی ہے، چنانچہ اختلاف عادات ہی کا نتیجہ ہے، کہ ہر شخص کی عقل دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، پس ماہیت اشیاء کا علم خواہ واسطہ حواس ہو، یا واسطۂ عقل، دونوں واسطوں سے ناممکن ہے، ایسی حالت میں ایک دانشمند کے لئے بہترین صورت یہ ہے، کہ نظری طور پر اشیاء کے حسن و قبح پر حکم لگانے سے سکوت مطلق اختیار کیا جائے، اور عملی زندگی میں ان افعال کے ترک و انتہا دونوں سے احتراز رکھا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ تسکین حاصل رہے گی، جو فلسفۂ ما بعد الطبیعیات کے مناقشات میں پڑ کر بالکل مفقود ہو جاتی ہے!

(مبادی فلسفہ دوم از مولانا عبد الماجد)

یونانیوں کی یہ لاادریت دنیا سے بے تعلقی اور عملی بے حسی کا سبق دیتی تھی، اٹھارہویں صدی میں ڈیوڈ ہیوم نامی ایک متشکک یورپ میں پیدا ہوا، اس نے تشکیک کے دائرہ کو کسی قدر محدود کر دیا، اور واقعات و حوادث، ظواہر اشیاء، اور مسائل طبعیہ کو عالم شک سے نکال کر حقائق اشیاء اور مابعد الطبیعیاتی مسائل کو عقل انسانی کے دائرہ سے خارج کر دیا، ہیوم کہتا ہے،

"گو ہماری عقل کو حقائق اشیاء کا ادراک نہیں ہو سکتا، لیکن اضافیات کا تو کامل علم ہو جاتا ہے، پس ہمیں اس پر قانع ہو کر اپنی پوری توجہ صرف کرنا چاہئے، قانون تعلیل کی بنیاد بے شبہہ صرف ہماری ایک عادت ذہنی پر ہے، اشیاء کے اقتضا طبعی پر نہیں، لیکن اس سے قانون کے وجود پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، وہ جوں کا توں قائم رہتا ہے، اور ہم مجبور ہیں، کہ عملی زندگی میں اس کی اہمیت کو بدستور ملحوظ رکھیں،" (مبادی فلسفہ دوم از مولانا عبد الماجد)

ظاہر کئے جانے لگے، لاادریت کے مقابلہ مین اسرارِ ہستی کے انکشاف کے لئے بڑے دم خم سے دعوے ہوئے،!

اسی وقت سے ثبوت حقائق اشیا، اوران کا علم فلسفہ کا ایک مستقل مسئلہ بن گیا، مسلمان جب فلسفہ سے روشناس ہوئے، تو اُن کو بھی مسئلہ حقائق اشیا پر اپنی رائے ظاہر کرنا پڑی، یہی وجہ ہے کہ علم کلام قدیم کی کتابوں مین "ثبوت حقائق اشیا" کے مسئلہ نے بنیادی حیثیت اختیار کرلی ہے، سوفسطائیہ مین سے عنادیہ اور عندیہ کی تردید تو علماے اسلام کو کرنا ہی چاہئے تھی، اس لئے کہ ان کے مسلک کے رو سے سارا نظام عالم عقائدِ اسلام اور تمام تکلیفات شرعیہ باطل ہوئی جاتی ہیں مثالًا یون سمجھئے کہ مذہب اسلام، خدا، پیغمبر، فرشتہ، جنت، دوزخ وغیرہ پر ایمان کا طالب ہے لیکن جبتک ان چیزون کی ایک معین حقیقت ثابت نہ ہوگی، ان پر ایمان کیسے لایا جاسکتا ہے، ؟ اسی طرح قرآن پاک وجود الٰہی کے استدلال میں کائنات اور اوس کے نظام کو پیش کرتا ہے، لیکن عندیہ اور عنادیہ کے نزدیک موجودات مین کسی چیز کی حقیقت ہی نہیں ثابت ہے، یا ثابت ہے تو ہر شخص کے وہم و گمان کی پابند ہے، ظاہر ہے کہ ایسی چیزیں وجود الٰہی کی دلیل کیسے بن سکتی ہین ؟ علمائے اسلام کے نزدیک لاادریہ البتہ کسی حد تک صاحب عقل و شعور ہین، کہ وہ نفس حقائق کے منکر نہین، بلکہ عدم علم کے قائل ہیں، شرح مواقف اول ص۱۸۶ مین ہے،

(وَامثلهم) ای افضل السوفسطائیة	اور سوفسطائیہ میں سب سے بہتر لاادریہ
(اللاادریة)	ہین،

قدماے لاادریہ میں پرہو (پیرون) صحیح معنون مین تشکیک کا بانی ہے، وہ کہتا ہے،:-

"ہمارے معلومات تمام تر دو چیزین ہین، محسوسات و معقولات، اب دیکھنا یہ ہے، کہ ماہیت اشیاء کا علم کس ذریعہ سے ہونا ممکن ہے، ؟ کیا حواس کے ذریعہ سے ؟ لیکن حواس تو بداہتہً

فلسفۂ مہارت

از

پروفیسر متقصد ولی الرحمٰن صاحب ایم اے

(۱)

چراغ تلے اندھیرا، فلسفی اور منطقی دوسروں کو عقل سکھاتا ہے، اور خود بے عقلی میں بدنام ہے، ان کی بے عقلیوں اور دیوانگیوں کے قصے ہر ملک اور ہر زمانہ میں زبان زد عام وخاص رہے ہیں، نتیجہ یہ ہو کہ جو شخص ایک خاص قسم کی بے عقلی کا اظہار کرتا ہے، اُسے فلسفی کہہ دیا جاتا ہے، خواہ اس کو فلسفہ کے لفظ کے ہجے بھی کرنے نہ آتے ہوں، ان قصوں سے ہر شخص اتنا زیادہ واقف ہے، کہ انکی مثالیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں یہ قصے بعض تو سچے ہوتے ہیں، لیکن بعض تصنیف بھی کئے جاتے ہیں، بہر صورت ہر شخص عالم ہو کہ جاہل انکو بلا چون وچرا سچا تسلیم کر لیتا ہے، ہمارے لئے اس وقت ان قصوں کے سچا یا جھوٹا ہونے کا سوال اہم نہیں، کیونکہ سچے قصے تو خیر سچے ہوتے ہیں لیکن گھڑت قصے بھی سچے قصوں کے اتنے مشابہ ہوتے ہیں، کہ ان میں شبہہ کی گنجایش ہی نہیں ہوتی، اس وقت ہمارے لئے ایک اور سوال خاص اہمیت رکھتا ہے،

فلسفیوں کی بے عقلی کی داستانیں تو ہر عالم وجاہل کی زبان پر ہیں لیکن اور ماہرین کے ایسے ہی ہزاروں قصے جاہل تو ایک طرف پڑھے لکھے بھی بہت کم جانتے ہیں، ریاضی کا ایک ماہر فٹ بال کھیلتا ہو، تو وہ پہلے یہ دیکھتا ہے، کہ اوپر سے نیچے کی طرف گرنے والا فٹ بال کس زاویہ پر اور کس

ہمارے نزدیک لاادریت اور مذہب میں اصولی اختلاف ذرائع کا علم ہے، لاادریت کے نزدیک ذرائع علم صرف دو ہیں (۱) محسوسات (۲) معقولات، اور یہ امر واقعہ ہے، کہ محض ان دو اسباب علم سے حقائق اشیاء، اور مابعد الطبیعیات کے مسائل کا صحیح اور مکمل علم نہیں ہوسکتا ہے، حافظ کا مشورہ ہے:؎

حدیث مطرب و مے گو و راز دہر کم تر جو،
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا،

اہل مذہب کہتے ہیں کہ ان دو ذرائع علم کے ساتھ ہمارا ایک ذریعۂ علم اور ہے، وہ **وحی الٰہی** ہے، یہ علم چونکہ براہ راست خالق حقائق کی طرف سے ہوتا ہے، اس لئے اس کے ذریعہ سے جن حقائق اور الٰہیات کے جن مسائل کا ہم کو علم دیا گیا ہے، ان کے متعلق ہمارا یقین ہے کہ وہ ویسے ہی ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے،!

لاادریت درحقیقت "عقل کا اعلان شکست" ہے، اور عقل کا یہ "اعلان شکست" پس پردہ کسی مافوق ذات کے وجود کی غمازی کر رہا ہے، افَھَلْ مِنْ مُدَّکِر؟

رحمت عالم صلعم

سیرۃ نگار نبوی مولانا سید سلیمان ندوی نے کم استعداد طالب علموں، بچوں اور عورتوں کے لئے نہایت سادہ اور آسان زبان میں یہ سیرت پاک لکھی ہے، اور اس کا کل منافع دارالعلوم ندوہ کے دارالاقامہ کی تعمیر کے لئے وقف کر دیا ہے، اس لئے اسکی خریداری ہم خرما و ہم ثواب ہے، اردو زبان میں بچوں اور عورتوں کے پڑھنے کے لائق اس سے بہتر سیرت نبوی نہیں مل سکتی، اسلئے ہر گھر میں اس کا ہونا ضروری ہے، قیمت ۴؍ ۱۰۰ نسخوں کے خریدار کے لئے ۸؍ فی نسخہ مجلد ۶؍

"مینیجر"

بھی پائی جاتی ہیں، چنانچہ مشہور قدیم یونانی فلسفی فیثا غورث نے فلسفیوں کی تین خصوصیات بیان کی ہیں، اول فلسفی کا منتہائے مقصد مطالعۂ فطرت اور خالص غور و فکر ہونا چاہئے، دوم اس کو عام دنیوی محرکات یعنی لذائذ و خواہش جاہ و شہرت سے متاثر نہ ہونا چاہئے، اور سوم دیگر مشاغل سے قطعاً بے تعلق رہنا چاہئے، جنون کی ایک قسم ہے جسے جنون صنوسنی کہتے ہیں، ڈاکٹر برنارڈ ہارٹ نے اس کی بھی تین خصوصیات بیان کی ہیں، اول مریض کی عجیب و غریب عزلت گزینی، دوم حقیقت سے اس کی علحدگی، اور سوم خود اپنے توہمات میں زندگی بسر کرنے کا میلان، فیثا غورث کی بیان کی ہوئی فلسفیوں کی تین خصوصیات اور ہارٹ کی بیان کردہ جنون صنوسنی کی ان تین خصوصیات کے مقابلے سے ہمارے بیان کی تصدیق و تکذیب ہو سکتی ہے، لیکن ہمارا خیال یہ ہے، کہ فلسفیوں کی جو خصوصیات فیثا غورث نے بیان کی ہیں، وہ صرف فلسفیوں کے لئے مخصوص نہیں، یہ ماہرین کی پوری کی پوری جماعت میں پائی جاتی ہیں، لہذا فلسفی اور منطقی ہی "بے عقل" اور "دیوانے" نہیں ہوتے، بلکہ ہر وہ شخص ایسا ہوتا ہے، جسکو صحیح معنوں میں ماہر کہا جا سکتا ہے،

(۲)

انسان کے جسم میں اعصاب کا ایک جال پھیلا ہوا ہے، ان اعصاب میں سے ہر ایک عصب سے ایک طرف تو باقی تمام اعصاب سے ملی ہوتی ہے، اور دوسری طرف یہ جسم کے کسی نہ کسی حصہ سے تعلق رکھتی ہے، اس طرح ان اعصاب کے ذریعہ سے جسم کا ہر چھوٹے سے چھوٹا حصہ جسم کے باقی تمام حصوں سے تعلق پیدا کر لیتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر جسم کے کسی حصہ میں کسی وجہ سے کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے، تو یہ تغیر ان اعصاب کے ذریعہ سے تمام جسم پر پھیل جا سکتا ہے، ہمارے پاؤں کے انگوٹھے پر کوئی سوئی چبھوئی جاتی ہے تو ہماری ٹانگ کھنچ جاتی ہے، منہ سے سی کی آواز نکلتی ہے، اور آنکھوں

ل Dementia Praecox

شرح رفتار سے گر رہا ہے اس انداز کے بعد ٹھوکر مارنے کے لئے وہ ٹانگ اٹھاتا ہی ظاہر ہو کہ فٹ بال یا اور کھلاڑی اس کے اس حساب کتاب کا انتظار نہیں کرتے، ! کیمیا کا ایک بہت بڑا ماہر الماری میں سے سوٹ نکال کر توبہت احتیاط کے ساتھ کرسی پر رکھ دیتا ہے، اور خود جاکر نہایت اطمینان کے ساتھ الماری کے اندر کھڑا ہو جاتا ہے، گویا خود تو کپڑے بدل کر کرسی پر بیٹھ گیا، اور میلے کپڑے الماری میں ٹانگ دیئے، طبعیات کا ایک ماہر راستہ چلتے ہوئے بجلی کے کھنبے گنتا ہوا چلتا ہے، اگر گنتی میں شبہہ ہوتا ہے، یا بھول جاتا ہے، تو واپس جاکر از سر نو گننا اور راستہ قطع کرنا شروع کرتا ہے، ادبیات کا ایک ماہر سڑک پر اس طرح چلتا ہے کہ اس کا ایک پاؤں تو سڑک پر ہوتا ہے، اور دوسرا اس پٹری پر جو پیدل چلنے والوں کے لئے سڑک کے ایک طرف بنائی جاتی ہے، نباتیات کا ایک ماہر شام کو سیر کر کے خود اپنے گھر واپس آتا ہے، لیکن دروازے پر "آوٹ" کی تختی دیکھ کر وہیں سیڑھیوں پر صاحب خانہ کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے، فلسفی اگر بنک جاکر چک پر دستخط کرتے وقت اپنا نام بھول جاتا ہے، تو وہ پاگل کہلاتا ہے، اور اس کا یہ پاگل پن تھوڑی ہی دیر میں تمام شہر میں مشہور ہو جاتا ہے، لیکن اگر کسی اور علم کا ماہر اس سے بھی بڑھ کر بے وقوفی کرتا ہے، تو زائد سے زائد یہ ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے ہنسنے ہنسانے کا سامان مہیا ہو جاتا ہے، اور بس، لہذا جو سوال اس وقت ہمارے لئے اہم ہے، وہ یہ ہے، کہ کیا وجہ ہو کہ فلسفی کو تو دنیا پاگل کہتی ہے لیکن اسی قماش کے اور ماہروں کو یہ قابل احترام لقب نہیں دیا جاتا، ؟ حالانکہ ایمان کی بات یہ ہو کہ اس لحاظ سے ان تمام ماہرین کے آپس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہوتا، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے ماہرین نے سازش کر کے غریب فلسفیوں کو تو بدنام کر دیا، اور اپنے آپ اچھے بنے رہے، !

لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ فلسفیوں کی بعض خصوصیات ایسی ہیں، جو جنون کی ایک قسم کے ساتھ

یہی ہوا سانپ کی وجہ سے آنکھ میں تہیج پیدا ہو کر اعصاب کے ذریعہ سے جسم کے اندر کی طرف منتقل ہوا، اس کے فوراً بعد ہی وہ خارج ہو کر ٹانگ کے عضلات پر ختم ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ عضلات کھنچے، اور بھاگنے کی حرکت پیدا ہوئی، اصطلاحی زبان میں کہا جائے گا، کہ نظام اعصاب میں بعض اعصاب تو عصبی تہیج کو جسم کے باہر کی طرف سے اندر لیجاتے ہیں، اور بعض اس کو اندر کی طرف سے باہر کی طرف لاتے ہیں، مقدم الذکر کو احساسی اعصاب اور موخر الذکر کو حرکی اعصاب کہتے ہیں، اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، یہ دونوں آپس میں ملے ہوتے ہیں، سانپ کی وجہ سے جو عصبی تہیج آنکھ میں پیدا ہوا، وہ ایک خاص احساسی عصب کے ذریعہ سے جسم کے اندر کی طرف گیا، اور وہاں سے ایک خاص حرکی عصب کے راستے سے خارج ہو کر ٹانگ کی حرکت کا باعث ہوا،

احساسی اعصاب لازماً آلۂ حس سے شروع ہوتے ہیں، اور ان کے تہیج سے احساسات حاصل ہوتے ہیں اسی وجہ سے انکو احساسی عصب کہتے ہیں اور چونکہ یہ جسم کے باہر سے اندر کی طرف جاتے ہیں لہذا انکو درآیندہ یا مرکز جو اعصاب بھی کہا جاتا ہے انکے مقابلہ میں حرکی اعصاب لازماً عضلات پر ختم ہوتے ہیں اور انکے تہیج سے حرکات پیدا ہوتی ہیں اسی لئے یہ حرکی اعصاب کہلاتے ہیں اور چونکہ یہ جسم کے اندر سے باہر کی طرف آتے ہیں لہذا انکو برآیندہ یا مرکز گریز اعصاب بھی کہتے ہیں اب چونکہ ہماری تمام حرکات بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر کسی نہ کسی احساس کا نتیجہ ہوتی ہیں لہذا کہا جا سکتا ہو کہ ایک احساسی اور ایک یا زائد حرکی اعصاب کے تعلق یا اصطلاحاً تعاقب کا نتیجہ ہوتی ہیں

اب سوال یہ ہو کہ احساسی اور حرکی اعصاب کا یہ تعلق جسم کے کس حصہ میں ہوتا ہے؟ اس لحاظ سے جسم کے دو حصے اہم ہیں، ان میں سے ایک حصہ تو کھوپڑی کے اندر دماغ ہے، اور دوسرا گردن سے لیکر چڈھے تک ریڑھ کی ہڈی کے اندر حرام مغز جس کو اصطلاح میں نخاع کہتے ہیں، ان اعصاب کے تعلقات ان ہی دو مقامات میں ہوتے ہیں، ان دونوں مقامات میں جو تعلقات کہ ان اعصاب میں ہوتے ہیں، ان کی نوعیت، اور ان تعلقات سے پیدا ہونے والی حرکات کی ماہیت میں بہت

سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں، آنکھوں سے ہم سانپ دیکھتے ہیں، اور ٹانگوں سے بھاگنا شروع کردیتے ہیں، کانوں میں نفسیات کا لفظ "لکھو" کی آواز آتی ہے، اور ہمارے ہاتھوں میں ایک خاص حرکت شروع ہوجاتی ہے، ناک میں بدبو جاتی ہے، اور ہم ہاتھ اٹھا کر ناک بند کرلیتے ہیں، کمرے میں گرمی ہوتی ہے تو چل کر بجلی کا پنکھا کھول دیتے ہیں، اسی طرح کی اور بے شمار مثالیں بیان کیجا سکتی ہیں، ان سب میں ایک بات مشترک ہے، یعنی جسم کے ایک حصہ کے تغیر سے جسم کے دوسرے حصوں میں تغیر پیدا ہوا، پاؤں کے انگوٹھے کے تغیر نے ٹانگ منہ اور آنکھوں میں، آنکھوں کے تغیر نے ٹانگوں میں، کانوں اور ناک کے تغیر نے ہاتھوں میں، اور گرمی نے ٹانگوں میں تغیر پیدا کیا، تغیر کی یہ اشاعت اعصاب ہی کے ذریعہ سے ہوئی، اعصاب کے اس پورے کے پورے جال کو اصطلاح میں نظامِ اعصاب کہتے ہیں، ان تمام مثالوں کو اصطلاحی زبان میں یوں بیان کیجا جائے گا، کہ ایک خارجی چیز مثلاً سوئی، سانپ، ایک خاص آواز، بدبو، گرمی کی وجہ سے جسم کے ایک خاص حصہ میں عصبی تہیج پیدا ہوا، جو نظامِ اعصاب کے ذریعہ سے تمام جسم پر پھیل گیا، جسم کے ان تہیجات میں سے بعض، مثلاً ٹانگوں کا کھنچنا، ہاتھوں کی حرکت وغیرہ کو تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا، اور جسمانی تہیجات گو اس طرح ہمیں نظر نہ آئے، لیکن مناسب تجربوں اور مشاہدوں کے ذریعہ سے ان کے وجود کو بھی آسانی کے ساتھ ثابت کیا جاسکتا ہے،

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا ہوگا، کہ اعصاب میں عصبی تہیج کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی قابلیت ہوتی ہے، طبیعیات کی اصطلاح میں ان میں موصلیت پائی جاتی ہے، یہ بھی دیکھا گیا ہوگا، کہ پہلے تو یہ تہیج جسم کے باہر کی طرف سے شروع ہوکر جسم کے اندر کی طرف گیا اور پھر فوراً ہی خارج ہوکر جسم کے کسی حصہ کے عضلات پر ختم ہوا، اس کی وجہ سے عضلات میں کھنچن پیدا ہوئی، اور جسم کے اس حصہ میں حرکت ہوئی، سانپ کو دیکھکر بھاگنے میں، مثلاً

ضرورت نہیں لیکن موخرالذکر اس کے بغیر ناممکن ہوتی ہے، اضطراری حرکت پر تجربہ کا صرف یہ اثر ہوتا ہے، کہ اگر پہلے یہ غیر معین ہوتی ہے، تو تجربہ کی وجہ سے یہ معین ہو جاتی ہے لیکن تجربہ کو اس کی پیدائش میں کوئی دخل نہیں ہوتا، اس کے برخلاف اکتسابی حرکت تجربہ سے نہ صرف معین ہوتی ہو بلکہ اس کی پیدائش بھی تجربہ ہی سے ہوتی ہے، ایک نئی مشین شروع میں رُک رک کر چلتی ہے لیکن کچھ دن چل لینے کے بعد اس میں روانی آجاتی ہے، بالکل اسی طرح اضطراری اور ارادی حرکات بھی شروع مین روان نہین ہوتین، لیکن کچھ استعمال کے بعد ان میں روانی پیدا ہو جاتی ہی، اسی کو ہم نے کہا ہو کہ وہ معین ہو جاتی ہین،

اضطراری حرکت کو ہم نے اوپر پیدائشی کہا ہے، فعلیاتی زبان مین اس کا مطلب یہ ہو کہ احساسی اور حرکی اعصاب کے جس تطابق سے یہ حرکت پیدا ہوتی ہے، وہ پیدائش کے وقت موجود ہوتا ہے، اس تطابق کو قائم کرنے کے لئے ہم کو کوئی محنت نہین کرنی پڑتی، لیکن اکتسابی حرکات کی حالت اس سے مختلف ہوتی ہے، ان میں ہم اپنی محنت اور کوشش سے اس تطابق کو قائم کرتے ہین، ہمارا بائیسکل چلانا، ہارمونیم بجانا، چھری کانٹے سے کھانا، غرض تمام سیکھی ہوئی حرکات اسی نوع کی ہوتی ہین، دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے، کہ محنت اور کوشش سے اضطراری حرکات کی عام شکل میں کوئی تبدیلی نہین ہوتی، لیکن ارادی اکتسابی حرکات تو محنت اور کوشش سے پیدا ہی ہوتی ہیں، اور ان کی شکل بالکل بدل جاسکتی ہے،

اضطراری حرکت احساسی اور حرکی اعصاب کے جس تطابق کا نتیجہ ہوتی ہے، وہ حرام مغز یا اصطلاحًا نخاع میں ہوتا ہے لیکن اکتسابی ارادی حرکت کا یہ تطابق دماغ مین ہوتا ہے، نئی حرکات کو سیکھنے کے لئے ہم دماغ کو استعمال کرتے ہین، لیکن پیدائشی حرکات میں ہم کو دماغ کے استعمال کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے، کہ یہ سیکھی ہوئی حرکات شروع مین تو مشکل

فرق ہوتا ہے،

ہمارے پاؤن کے انگوٹھے میں سوئی چبھوئی جاتی ہے، تب بھی ہماری ٹانگ مین حرکت ہوتی ہے، اور سانپ کو دیکھکر ہم بھاگتے ہین، تب بھی ٹانگوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے، دونون حرکات ٹانگوں میں ہوتی ہین، اور سوئی کے چبھنے اور سانپ کو دیکھنے کے بعد فوراً اور آسانی اور صحت کے ساتھ صادر ہوتی ہین، اس لحاظ سے تو ان دونون مین کوئی فرق نہین، بظاہر دونوں ایک ہی ہین لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے، کہ ان دونوں مین بہت فرق ہے، سوئی کے چبھنے سے جو حرکت ٹانگ مین ہوتی ہے، اس کے لئے ہم کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، کہ جو چیز کہ چبھی ہے، وہ سوئی ہے، اور یہ کہ اس کے چبھنے سے تکلیف ہوتی ہے، لہذا اگر یہ چبھے تو ہمکو ٹانگ کھینچ لینی چاہئے، اس کے برخلاف سانپ کو دیکھنے کے بعد جو حرکت ہماری ٹانگ مین ہوتی ہے، اس کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے، کہ جو چیز ہم کو دکھائی دے رہی ہے، وہ سانپ ہے، اور یہ کہ یہ کاٹا کرتا ہے، اور اس کا کاٹا مرجاتا ہے، جس شخص نے کبھی سانپ نہیں دیکھا، یا جو شخص سانپ کو دیکھکر اس کو رسی سمجھتا ہے، اسکی ٹانگ میں کوئی حرکت نہیں ہوتی، یعنی کہ مقدم الذکر حرکت کے لئے سمجھنے کا ذہنی عمل ضروری نہین لیکن موخر الذکر حرکت اس ذہنی عمل کے بغیر ناممکن ہوتی ہے، یا یون کہا جاسکتا ہے، کہ مقدم الذکر حرکت کے صادر ہونے کے لئے سوئی کا گذشتہ تجربہ لازم نہیں لیکن موخر الذکر حرکت سانپ کے گذشتہ تجربہ کے بغیر صادر ہی نہین ہوسکتی، چنانچہ بچے مین پیدایش کے بعد ہی مقدم الذکر حرکت تو موجود ہوتی ہے، اور موخر الذکر حرکت مفقود، اسی کو اصطلاحی زبان مین اس طرح بیان کیا جاتا ہے، کہ مقدم الذکر حرکت پیدایشی یا خلقی ہوتی ہے، اور موخر الذکر حرکت تجربہ کا نتیجہ یا اکتسابی، مقدم الذکر حرکت کو اضطراری کہتے ہین، اور موخر الذکر حرکت کو ارادی یعنی یہ کہ اضطراری حرکت پیدایشی ہوتی ہے، اور ارادی اکتسابی، اضطراری حرکت کے لئے سمجھنے کے ذہنی عمل کی

کا تعاقب کر رہا تھا جس کے منہ میں مچھلی تھی، جب یہ دوسرا پرندہ بالکل زچ ہو گیا، تو اس نے مچھلی کو چھوڑ دیا، اب تعاقب کرنے والے پرندے نے اپنے پر سمیٹ کر اپنے آپ کو نیچے کی طرف گرا دیا اور ابھی وہ مچھلی فضا ہی میں تھی کہ اسکو جا لیا اور منہ میں دبا کر تیزی کیساتھ اڑتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا،

ایک امریکی سیاح، مسٹر جے، لنکاسٹر نے یہ منظر بیان کیا ہے،:-

"ایک ماہی خور باز نے ایک مچھلی پر جھپٹا مارا، اور اس کو پنجوں میں پکڑ کر ہوا میں بلند ہو گیا، اور اپنے گھر کی راہ لی، راستے میں اس کو ایک اور پرندہ ملا، یہ ایک سیاہ جانور تھا جس میں پروں کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا تھا، یہ اوپر سے نیچے کی طرف گرا، اور اس باز کا مقابلہ کرنے لگا، اس باز نے مچھلی کو چھوڑ دیا، اور خوف زدہ ہو کر ایک ایسی چیخ ماری کہ جس کو سنکر پرندے پر رحم آتا تھا، اس باز کو چوٹ نہ لگی تھی، لہٰذا وہ پھرتی سے اڑتا ہوا ساحل کی طرف روانہ ہو گیا، اس غاصب پرندے نے مچھلی کو سمندر کی سطح تک پہونچنے سے پہلے ہی ہوا میں جا لیا، اس کے بعد اس نے نہایت نفاست کے ساتھ ایک لہر لی، اور پروں کو اکڑا کر فضا میں اونچا میل بلند ہو گیا، یہاں پر پہونچ کر اس نے سر موڑ کر مچھلی میں سے ایک لقمہ لیا، اور اس کو پنجوں سے چھوڑ دیا، جب یہ لقمہ حلق سے اتر گیا، تو اوس نے اپنے پروں کو سمیٹ کر اپنے آپ کو اس مچھلی کے پیچھے گرایا، اور اس کو پھر فضا ہی میں پکڑ لیا، اور اونچا اڑنے لگا، اس کے بعد اوس نے پھر یہی کیا، یہاں تک کہ پوری کی پوری مچھلی اس کے پیٹ میں اتر گئی"۔

ایک سدھائے ہوے کتّے کے سامنے ایک گیند پھینکو، ابھی وہ گیند لڑھک ہی رہی ہو گی وہ اس کو جالے گا، اور اس کو منہ میں دبالے گا، یہ تمام مثالیں مہارت کی ہیں، انسان میں اسکی مثال ایک ماہر تلوار یے کی ملتی ہے، یہ اپنے حریف کے مقابلہ میں کھڑا ہے، حریف اس پر تابڑ توڑ وار کرتا ہے، اور یہ ہر مرتبہ اس کا وار خالی دیتا ہے، لیکن اس میں اسکی کامیابی صرف اس بات پر موقوف

سے صادر ہوتی ہین، ان مین صحت بھی نہین ہوتی، اور یہ فوراً بھی صادر نہیں کیجا سکتین، لیکن کچھ دنون کی مشق کے بعد ان میں اضطراری حرکات کی تمام ظاہری خصوصیات پیدا ہو جاتی ہین، یعنی یہ فوراً اور آسانی اور صحت کیساتھ صادر ہونے لگتی ہین، جس طرح اضطراری حرکات بلا محنت و کوشش پیدا ہوتی ہین، اسی طرح یہ بھی صادر کیجا سکتی ہین، جب سیکھی ہوئی حرکات اس درجہ پر پہونچتی ہین، تو ان کو عادی کہا جاتا ہے، اس طرح ظاہری حیثیت سے عادی اور اضطراری حرکات مین مطلقاً کوئی فرق نہیں رہ جاتا، ان مین فرق رہ جاتا ہے، تو صرف یہ کہ عادی حرکات سیکھی ہوئی ہین اور اضطراری حرکات بن سیکھی اور پیدائشی،

بہرحال یہ دونون حرکات ایک ایسے آلہ کے ذریعہ سے صادر ہوتی ہین، جو خلقی ہوتا ہے لہذا موروثی ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آلہ بچے میں پیدائش کے وقت ارتقاکے کسی نہ کسی درجہ پر موجود ہوتا ہے۔ اور یہ اس کو اس کے آبا و اجداد سے ورثہ مین ملتا ہے، اسی آلہ کو نظام اعصاب کہا گیا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "نظام اعصاب کا بنیادی کام یہ ہے، کہ اندر آنیوالے عصبی تہیجات کو ایسے باہر نکلنے والے عصبی تہیجات مین تبدیل کرائے، جن کی وجہ سے حرکات پیدا ہون، اور یہ حرکات اس فرد کی بقا مین مدد دین"،

(۳)

فلسفی اور علوم کے ماہرون مین یہ بات مشترک ہوتی ہے کہ یہ سب ماہر ہوتے ہین، لہذا ظاہر ہے کہ عادت کی وجہ سے پیدا ہونے والی خصوصیات دونون مین پائی جائینگی، لیکن قبل اس کے کہ ان خصوصیات کی تلاش کیجائے، اس سوال کا جواب ضروری ہے، کہ عادت کسے کہتے ہین؟

ایک صاحب نے اپنا ایک مشاہدہ بیان کیا ہے:-

"جب مین کیپ ٹاؤن مین تھا، تو مین نے ایک بحری پرندے کو دیکھا کہ ایک اور بحری پرندے

فرد کو ایک خاص حرکت کی مشق کرنی پڑتی ہے، اور اس مشق کے لئے وہ اس کو بار بار دہراتا ہے، یہان پر یہ غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے، کہ جس طرح ایک نئی مشین کچھ دن چل لینے کے بعد رواں ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر ایک حرکت کو دہراتے رہیں، تو اس مین ایسی ہی روانی پیدا ہو جائیگی، اور یہ کہ عادت مین صرف یہی ہوتا ہے، یہ خیال غلط ہے، عادت اس سے مختلف ہوتی ہے، اس مین رواں حرکات کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے، ایک کتے کو لڑھکتا ہوا گیند پکڑتے ہوئے دیکھو تو اس حالت مین صاف دکھائی دے جاتا ہے، کہ اس میں حرکات کی روانی کے علاوہ حرکات پیدا کرنے والے آلات کا نازک انضباط بھی شامل ہوتا ہے، گیند پکڑنے کے لئے اس کی تیز بھاگن، اور پھر تیز بھاگتے بھاگتے ایسے موقع پر ایک دم رُک جانا کہ لڑھکتی ہوئی گیند اس کے منہ میں آسکے، بغیر اس نازک انضباط کے ناممکن ہے، یہ کرتب اس کو سیکھنے سے آتا ہے، دوسرے لفظون مین کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے گزشتہ تجربون سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس عادتی حرکت کو سیکھنے کے دوران مین اور اس کو سیکھ چکنے کے بعد شعور برابر اس کی حرکات کی رہنمائی کرتا رہتا ہے، لہٰذا کہنا چاہئے کہ عادتی حرکت کی تکمیل شعور کی رہنمائی مین اور اس کے حکم کے مطابق ہوتی ہے،

۲- عادت کی تکمیل کے لئے دو شرطین ضروری ہین، ایک تو یہ کہ جتنے احساسات کہ حاصل ہو رہے ہین، ان مین بہت نازک، دقیق اور عمیق تعلقات پیدا کئے جائین تاکہ یہ یک جان ہو کر تیاری اور تیاری کے بعد حرکات کی رہنمائی کر سکین، دو لڑنے والے تلواریون کی مثال پر پھر غور کرو، ان میں سے ہر ایک دوسرے پر کس طرح نظر جمائے رہتا ہے، اسکی ہر حرکت اور اسکی وضع کی تبدیلی کو کس طرح نگاہ مین رکھتا ہے، یہ سب کیون؟ صرف اسلئے کہ وہ ان ہی کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرنا چاہتا ہے یا یون کہو کہ اپنے عضلات مین خاص خاص انضباط پیدا کرنا چاہتا ہے، عادت کی تکمیل کی یہی دوسری شرط ہے، جسقدر نازک باہمی تعلقات ان احساسات میں پیدا کئے جاتے ہین اسی قدر نازک انضباطات عضلات مین

ہوتی ہو کہ وہ اپنے حریف کے وار کے انداز کا پہلے ہی سے اندازہ کرکے اپنے آپ کو اس کے روکنے یا جواب دینے کے لئے تیار کرلے، مہارتی حرکات کی دوسری مثال ماہر کرکٹ کھیلنے والے کی ہے، یہ کھڑا کھیل رہا ہے، گیند کرنے والا گیند کرتا ہے، اور یہ اس گیند کے انداز کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرتا ہے، اور اپنے بلے سے اس گیند کو مارتا ہے، ان تینون مثالون مین ہم نے تیاری کا ذکر کیا ہے، تیاری کہ ہماری کیا مراد ہے؟ جسمانی حیثیت سے یہ ایک خاص قسم کی حرکت کرنے کے لئے عضلات وغیرہ وغیرہ ایک خاص قسم کے انضباط کا دوسرا نام ہے، تو اب تجربات سے یہ پتہ لگانا ہے کہ ان تینون مثالون میں اس تیاری کے لئے وقت کتنا ملتا ہے، ظاہر ہے کہ وقت اس قدر کم ہوتا ہے، کہ دیکھنے اور غور کرنے والون کو تعجب ہوتا ہے، کہ اس قدر تھوڑے وقت مین یہ تیاری کس طرح ممکن ہوتی ہے، تیسری اور آخری مثال ہم بندوقچی کی لیتے ہین، اگر ہدف ایک ہزار گز کے فاصلے پر ہو تو بندوق کی نال کے $\frac{1}{100}$ انچ سے بھی کم کے انحراف سے گولی ہدف سے چھ انچ ہٹ کر پڑتی ہے، اب اندازہ کرو کہ گولی کو ٹھیک ہدف پر مارنے کے لئے اس کو کندھون کے عضلات میں کسقدر نازک انضباط کرنا پڑتا ہے، کیونکہ ان عضلات کی نسبتہً خفیف حرکت سے ہاتھ اور کلائی کی نسبتہً بڑی حرکت پیدا ہوتی ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا، کہ ماہر نشانہ باز اپنے عضلات مین اگر $\frac{1}{1000}$ انچ نہین، تو $\frac{1}{500}$ انچ تک ضرور انضباط پیدا کرسکتا ہے، یہ حال تو ان عضلات کا ہے، جن مین عام خیال کے مطابق اسقدر نازک تطابق و انضباط پیدا نہین کیا جاسکتا،

مہارت کی جتنی حیوانی اور انسانی مثالین اوپر بیان ہوئی ہین، ان پر غور کرنے سے مہارت کی چند خصوصیات واضح ہوتی ہین :-

۱- مہارت ایک عضوی آلہ (نظام اعصاب) پر موقوف ہوتی ہے، جو موروثی ہوتا ہے، اور اس کی تکمیل ہر فرد بطور خود کرتا ہے، یعنی یہ کہ یہ اکتسابی چیز ہے، نہ کہ پیدایشی، اس تکمیل کے لئے اس

کہ یہ اپنے حریف کی حرکت کے جواب میں کرنے والا ہے، اس کا کچھ حصہ پہلے ہی صادر کر دیتا ہو، اس تمام صورت حال میں اصلی قابل توجہ چیز پرانے انضباط کو ترک کرکے بہت ہی تھوڑی سی دیر میں نئے انضباط کو پیدا کرنے کی قابلیت ہے،

اس سلسلے میں ایک بہت دلچسپ اور حیرت انگیز بات قابل ذکر ہے، جس کی تفصیل آیندہ نمبر میں پیش کیجائے گی،

(باقی)

تابعین رض

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرام کے بعد انہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز رض، حضرت حسن بصری رح، حضرت اویس قرنی رح، حضرت امام زین العابدین، اور حضرت امام جعفر صادق، حضرت محمد بن حنفیہ حضرت سعید بن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن سیرین، حضرت ابن شہاب زہری، امام ربیعہ رائی، امام مکحول شامی، قاضی شریح وغیرہ، چھیانوے اکابر تابعین کے سوانح، ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور علمی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے، از شاہ معین الدین احمد ندوی،

ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت :- للعہ ر

"منیجر"

ممکن ہوتی ہیں، اسکی بہترین مثال نقاشی، سنگ تراشی، ستار نوازی وغیرہ میں ملتی ہے، ان تمام فنون میں صرف یہی نہیں کہ انگلی کے نازک عضلات ہی میں یہ تطابقات اور انضباطات پیدا کئے جاتے ہیں، بلکہ ان عضلات میں بھی پیدا کئے جاتے ہیں جنکو دھڑکے موٹے موٹے عضلات کہا جاتا ہے، ہمیں معلوم ہے کہ کرکٹ کھیلنے والے، بائیسکل چلانے والے اور ورزش کرنیوالے مچھلی کے شکاری، تیرانداز، اور بندوقچی، ان سب کی ماہرانہ حرکات میں بہت سے، اور مختلف مقامات کے عضلات کے نازک تطابق کے مختلف درجون کی مثالین ملتی ہین، پھر اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ یہ تطابقات نہ صرف یہ کہ صحت کے ساتھ، بلکہ بہت جلدی بھی پیدا کئے جاتے ہین، تلوارئیے اور کرکٹ کھیلنے والے کی جو مثالین ہم نے اوپر بیان کی ہین، ان میں ہمارے اس قول کا ثبوت ملتا ہے،

۴۔ تلوارئیے اور کرکٹ کھیلنے والے کی مثالون سے مہارت کی ایک اور خصوصیت نمایان ہوتی ہے، کرکٹ کھیلنے والا گیند کرنے والے کے انداز کے مطابق اپنے آپ کو ایک خاص حرکت کیلئے تیار کرتا ہے لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ گیند، گیند کرنے والے کے ہاتھ سے نکلنے کے بعد اور اس تک پہونچنے سے قبل اپنی وضع اور اپنا انداز بدل لے، ؟ یعنی یہ کہ کھیلنے والے کو چوکنا رہنا پڑتا ہے، اگر یہ صورت پیدا ہوتی ہے، تو اس کو اپنی پہلی تیاری کو ترک کرکے فوراً ہی دوسری تیاری کرنی پڑتی ہے، یا اس کو اپنے عضلات مین ایک نیا تطابق اور انضباط پیدا کرنا پڑتا ہے یہی حال تلوارئیے کا ہے، یہی وجہ ہے کہ جس گیند کرنے والے نے کوئی نیا طریقہ گیند کرنے کا، یا جس تلوارئیے نے کوئی نئی طرز وار کرنے کی ایجاد کی ہے، وہ اپنے حریف کے لئے بہت خطرناک ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے، کہ یہ نئی تیاری اس قدر کم وقت میں کس طرح ممکن ہوتی ہے، جواب ظاہر ہے، یہ ہے کہ یہ تجربے یا تجربے سے فائدہ اٹھانے کی قابلیت کا نتیجہ ہوتی ہے، ایک ماہر دوسرے ماہر کی حرکات کا ابتدا ہی سے اندازہ لگا لیتا ہے، کہ اس حرکت کا انجام کیا ہونے والا ہے، اور اسی لئے جو حرکت

صوبہ کے انتہائی گوشون مین بھی طلبہ مین ایک تہائی لڑکیان ہین، حکومت نے جب مسلمانون کیلئے بھی چینی تعلیم جبری قرار دی تو ان کے آہنگون (لیڈر اور رہنما) نے جدید تعلیم کے خوف سے اپنے مدرسون کو مسجد ون سے متعلق کر دیا، اور جہان تک ہوسکا، ان مین مسلمان معلمین مقرر کئے محکمۂ تعلیم سے اس شرط پر اس کی اجازت ملی، کہ عربی اسکول کے تعلیمی گھنٹون کے بعد پڑھائی جائے۔

ہم نے تبلیغ کے سلسلہ مین تقریباً ستر مسجدون کا دورہ کیا، ہر جگہ آہنگ اخلاق سے پیش آئے اور بعض جگہون پر بحث و گفتگو کے لئے دوبارہ دعوت دی بعضون نے خط و کتابت جاری رکھنے کی خواہش کی، ایک مقام پر ایک آہنگ نے مجھ سے جمعہ کے خطبہ کے لئے اصرار کیا، میں نے اس سے معذوری ظاہر کی، لیکن بشارت کا کافی لٹریچر اس کے حوالہ کر دیا تاکہ وہ انھیں نماز کے بعد لوگون کو سنایا کرین، ستر یا اس سے زیادہ آہنگون سے میری ملاقات ہوئی، ان مین صرف تقریباً دس عربی زبان پڑھ سکتے تھے، اور بیس فیصدی اتنی عربی جانتے تھے، کہ غیر قرآنی ادب بھی پڑھ اور سمجھ سکتے تھے تین حاجی بھی ملے، ان میں ایک پورا تعلیم یافتہ جامع ازہر مصر اور ایک چینی یونیورسٹی کا گریجوایٹ بھی تھا، اور ایک بڑے ضلع کی مسجد کے معزز عہدۂ آہنگ پر سرفراز تھا، احمدی عقائد کی طرف اس کا میلان تھا، اس نے بائبل کبھی نہیں پڑھی تھی، اور نہ اس کا تعصب اسے اسکی تعلیمات پر غور کرنے کی اجازت دیتا تھا، مین نے عیسوی صحیفہ کے متعلق ہر آہنگ کے خیالات معلوم کئے، انھون نے وہی پرانی تین دہرائین، اکثر ان کے ایک ہی بیان مین تضاد پایا جاتا ہے، ایک آہنگ کا اصرار تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام انجیل اپنے ساتھ جنت میں لے گئے، پھر یہ بھی کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ جس گھر سے فرار ہوئے تھے، اسی گھر میں انجیل جلا دی گئی تھی، یہ خیال بھی اس نے ظاہر کیا کہ تمھاری کتاب اصلی حالت مین نہیں ہے، تم لوگون نے اس میں بہت کچھ رد و بدل کیا ہے، اور ہمارا قرآن تمام آسمانی کتابون سے افضل اور برتر ہے،

تلخیص و تبصرہ

موجودہ یونن مین اسلام

ایک مشنری پال اے کونلنٹو نے تبلیغ کے سلسلہ مین چین کے صوبہ یونن کا دورہ کیا تھا، مسلم ورلڈ مین اسکی روداد لکھی ہے، اس مین یہان کے مسلمانون کے متعلق بھی بعض مفید معلومات ہین، وہ لکھتے ہین:

صوبہ یونن جو کبھی چین کا سوئٹزرلینڈ کہلاتا تھا، انتہائی جنوبی مغربی حصہ مین جہان برما اور انڈوچینا کی سرحد ملتی ہے، واقع ہے، یونن مین مسلمانون کی آبادی دس سے بیس لاکھ تک ہے، جب ہمارا مشن اس صوبہ مین اپنے کام مین مشغول تھا، تو یہان کے مسلمانون کی آبادی، اوران کی جغرافیائی تقسیم کی نقشہ نویسی کا کام ہم لوگون کے سپرد ہوا، تبلیغ کے سلسلہ مین چپہ چپہ شہرون اور گاؤن مین ہم لوگون نے دورے کیے، اور بعض جگہون مین کئی کئی دن رہے، ایک زمانہ مین یہان مسلمانون کی بڑی آبادی تھی، اور وہ بااثر تھے لیکن ۱۸۶۰ء کی بغاوت سے ان کی طاقت اور تعداد کو سخت نقصان پہونچا، ہماری تحقیقات کے مطابق یونن کے پورے صوبہ میں مسلمان ۲۵۰۰۰۰ سے زیادہ نہین ہین اور صوبہ کے مغربی اور مشرقی حصون مین ان کی چھوٹی چھوٹی آبادیان پھیلی ہوئی ہین، ان کے گذشتہ مرتبہ کے زوال نے انھین شمالی مغربی مسلمانون سے بہت زیادہ روادار اور ترقی پسند بنادیا ہے،

قریب قریب تمام مسجدون سے متعلق ابتدائی اور ثانوی اسکول ہین جنھین دیکھکر بڑی حیرت ہوتی ہے، ان مین حکومت کے صیغہ تعلیمات کے شرائط کو پورا کرنے کے لئے پورا چینی نصاب بھی داخل کر

جذبات کی رو مین بہ جاتے ہیں، اور اس کے نتائج سے آنکھ بند کرکے اپنے اور دوستون کو دکھ پہنچاتے ہین،
ستم ظریفی یہ ہے کہ جس سے انھین زیادہ محبت ہوتی ہے، وہی ان کی بدمزاجی کے زیادہ
شکار ہوتے ہین، اسکی وجہ یہ ہے کہ غیرون کے مقابلہ مین ان کی دوستی انھیں اصلی رنگ مین ظاہر کردیتی ہے
اور انھیں ریاکاری کا کوئی موقع نہیں ملتا، اس لئے وہ جا اور بیجا اپنے دوستوں پر برس پڑتے ہین، اور
ذرا بھی ضبط سے کام نہین لیتے،

تنک مزاجی پر گہری نفسیاتی نگاہ ڈالنے سے دو باتین سامنے آتی ہین، پہلے رنجش کی وجہ
سطحی معلوم ہوتی ہے، یعنی کسی خاص واقعہ کا فوری یا شعوری اثر مثلاً ایک بیوی اپنے شوہر سے
اس لئے لڑنے لگتی ہے، کہ اس نے دروازہ کیون بند کیا، یا ایک دوست بحث مین معمولی سے اختلاف
رائے پر اپنے دوست سے کشیدہ ہوجاتا ہے، اس قسم کی معمولی وجہین اپنے اندر ایک راز رکھتی ہین،
اور وہ ان کی غیر مطمئن حالت سے بہت زیادہ اہم ہے، پہلی وجہ مین دوسری اصل وجہ کا صرف مظاہرہ ہے،
رنجش کی دوسری اور اصل وجہ تحت شعوری ہے، جو دماغ کے انتہائی گوشون تک سرایت
کر چکی ہوتی ہے، جو معمولی اختلاف میں رنجش کی صورت میں ابھر آتی ہے لیکن ایسے پردون مین
لپٹی ہوتی ہے، کہ اسکی صورت صاف نہین دکھائی دیتی، اکثر ایسے لوگ محض معمولی باتون
مین جھگڑ پڑتے ہین، اور یہ معمولی بات بڑھتے بڑھتے ناخوشگواری، ذاتی حملے، شکوہ شکایت
اور ایک دوسرے پر الزامات تک ...... پہونچ جاتی ہے، ایسی صورتون مین دبی ہوئی چنگاری
پہلے سے موجود ہوتی ہی، جو ذراسی چھیڑ سے فوراً مشتعل ہوجاتی ہے، اور اس کا اثر تحت شعور
تک پہونچ جاتا ہے، ممکن ہو ایسے لوگ اس پر بھی اسکی اہمیت کا صحیح اندازہ نہ لگا سکین، اور
نہ معلوم کرسکین کہ ایک دبی ہوئی نفرت کیون موجود ہے، ؟

خارجی حالات جن پر ان کا کوئی اختیار نہین سطحی رنجش کو بڑھاتے، اور دبی ہوئی نفرت

ایک دن جب ہم ایک بڑے گاؤں کو چھوڑ رہے تھے، کہ ایک مڈل اسکول کا لڑکا ہمارے پاس آیا، اور کہنے لگا، کہ میں عیسائی ہوگیا ہوں، اور اپنی مختصر سرگذشت بتائی کہ کچھ دنوں تک مجھے ایک ایسے شہر میں رہنے کا اتفاق ہوا، جہاں کچھ مسلمان عیسائی ہوگئے تھے، ان کی زندگی انقلاب کو دیکھ کر میں نے بھی عیسوی مذہب قبول کرلیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ نوجوانوں میں تبدیلِ مذہب کی کافی صلاحیت ہے،

ہم نے اس تبلیغی دورے میں پرانے مسلمانوں کو حد سے زیادہ متعصب پایا لیکن نوجوان نسل کے اندر تبلیغ کا پورا موقع ہے، جدید تعلیم اور اپنے ملک کی اصلاح کے شوق نے اسلام کی زنجیر ڈھیلی کردی ہیں لیکن نئے اسلامی پروپیگنڈے سے ضرور خطرہ ہے، جو ممکن ہے، ان پر بھی اپنا اثر کرے، اب یہ عیسائی چرچ کا کام ہے کہ اس سے پہلے وہ انھیں جیت لے،

(مسلم ورلڈ)

تنگ مزاجی

نازک مزاجی یا تنگ مزاجی بہت بڑا عیب ہے، معمولی سی بات ہوئی اور ناک بھوں سکوڑ لیا، ایسے لوگ یہ نہیں سوچتے کہ زود رنجی خوشی اور مسرت کی دشمن ہے، اور وہ عموماً غیر متوازن اور نا... ہوتے ہیں، ان کے رویہ سے پہلے غلط فہمی پھر ایک طویل اور مسلسل ناخوشگواری پیدا ہو جاتی ہے، جس سے دونوں فریق رنج اور ضیق میں مبتلا رہتے ہیں،

اس عادت بد کو روکنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اپنے مزاج کو سمجھنے کی پوری کوشش کی جائے، زندگی میں نظم و ضبط پیدا کیا جائے، جو لوگ بعد میں پچھتاتے ہیں اور شرمندہ ہوتے ہیں، کہ انھوں نے بغیر سوچے سمجھے کیوں ایسی بات کہدی اور وہ کیوں اس قدر جلد خفا ہوگئے، انھیں بات کہنے سے پہلے اسے سمجھنا چاہئے، اس کی بہت بڑی وجہ اپنے مزاج کی ناواقفیت ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ بہت

کو چھوڑ کر رواداری اور تحمل کو اختیار کیا جائے، تو ناخوشگواری اور بے نتیجہ ہیجان سے نجات مل جائیگی،

سب سے زیادہ مضحکہ خیز لیکن اسی قدر قابلِ غور یہ امر ہے کہ ایسے لوگون کی ننانوے فی صدی دلیلین بے مقصد ہوتی ہین، اگر واقعی کوئی گتھی ہے، تو آپس مین سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر سے سلجھ سکتی ہے، اس کے لئے خواہ مخواہ بحث کی کیا ضرورت ہو، لفظی فتح کی بجائے حقیقت کے حصول کی کوشش زیادہ مفید اور موثر ہوتی ہے،

تنک مزاجی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے، کہ اکثر دو گہرے دوست، شادی شدہ جوڑے، ایک گھر کے افراد ایک دوسرے پر بہت زیادہ توجہ رکھتے ہین، اور ان کی معمولی باتون سے بہت زیادہ اثر لیتے ہین، اور اپنے گرد و پیش کی دنیا پر کبھی نگاہ نہیں ڈالتے، ایسی حالت مین دوست، میان بیوی، اور گھر کے افراد کو دوسرے لوگون سے تعلقات بڑھانے چاہئین، اور آپس مین مشورہ کرکے بے کار کی رنجش کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دینا چاہئے،

ممکن ہو بعض لوگ اس وجہ سے بھی تنک مزاج ہو جاتے ہون کہ ان کا ماحول ان کی طبیعت اور مزاج کے موافق نہیں ہوتا، یا ان کے دل مین یہ بات بیٹھ جاتی ہے، کہ زمانہ ان کے ساتھ ناانصافی کر رہا ہے لیکن اس کا غصہ ان بیچارون پر نکالنا جو ان کے پاس رہتے ہین، ایک قسم کی کمزوری ہے، ممکن ہے اس سے فوری طور پر کچھ سکون حاصل ہو جائے، لیکن اس سے اصلی مشکلات کا ازالہ نہیں ہو سکتا، ایسا کرنا اپنے اور دوسرون کو دھوکا دینے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی ایک ناکام کوشش ہے، اس پر غور کرنا چاہئے کہ یہ مشکلات کہان تک خود انکی پیدا کردہ ہین، اور کس حد تک ان کے رویہ سے بڑھی ہین، اپنے ہم جلیسون پر بگڑنے کی بجائے ان سے رائے اور مشورہ لینا زیادہ مناسب ہے، ممکن ہے ان کی رائے ان کے لئے مفید ثابت ہو، ان کی دوستی ان کی دشمنی سے بہرحال بہتر ہے،

"ا - ع"

کو ابھار دیتے ہین، معاش کی تنگی کاروباری تردوات، دماغی تھکن، صحت کی خرابی، ناکامی انکے جذبات کو نازک اور ان کی زندگی کو صبر آزما بنادیتی ہے، اور وہ اپنے اندر ایک بے چینی محسوس کرتے ہین،

ان مین سے کچھ لوگ اعتدال سے زیادہ کھیل یا کام کا بار اپنے اوپر لے لیتے ہین، اور صحت کی خرابی کے باوجود سارے کام کرتے ہین، ممکن ہے یہ بہادری سمجھی جائے لیکن حقیقتہً یہ ایک بڑی غلطی ہے، اگر دماغ تھک گیا ہو تو اسے آرام دینا چاہئے، جس قدر تفریح اور کھلی صاف اور تازہ ہوا میسر ہو، اس سے لطف اٹھانا چاہئے، مزاحیہ اور دلچسپ قصے پڑھنے چاہئیں،، اور بہت مختصر ہلکی ورزش کرنی چاہئے، جب اعضا پر ان کی قوت سے زیادہ زور ڈالا جائے گا، تو وہ جواب دیدین گے، اور فطرت اس کا سخت انتقام لے گی،

اگر وہ اپنی حالت پر خالص نفسیاتی نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالا کرین، تو ان کے مزاج مین کبھی برہمی پیدا نہ ہو، محض سطحی نگاہ سے اصل حقیقت کا پتہ نہین چل سکتا، اس کے لئے اندر گڑے ہوئے تحت شعوری سبب کو ڈھونڈنا چاہئے، اس وقت اس مرض کا علاج ہوسکتا ہے، نازک مزاج لوگ رات کو سوتے وقت اگر اس پر غور کیا کرین کہ کہان اور کیسے ان کا توازن قائم نہ رہا، تو ان کیلئے بہت ہی مفید ثابت ہوگا، اور وہ آیندہ کے لئے محتاط ہوجائین گے،

بعض وقت وہ اس لئے بھڑ جاتے ہین، کہ اپنے عمل اور خیال کی تشفی بخش توضیح نہین کرتے الفرڈ ایڈلر (Alfred Adler) نے اس کو "زعم طاقت" بتایا ہے، یعنی دوسرون کے مقابلہ مین اپنی برتری کی خواہش، لیکن مشکل یہ ہوتی ہے، کہ دوسرے بھی اپنے کو بڑا اور برتر سمجھتے ہین، اس کا لازمی نتیجہ برتری کی جنگ ہوتی ہے، اس لئے اس کمزوری پر ہمیشہ نظر رکھنا چاہئے، اور جیسے ہی یہ نشہ چڑھنے لگے، ہوشیار ہوجانا چاہئے، اگر ضد اور تنگ نظر

میکانکی یا رٹو حافظہ:- بار بار ایک ہی بات کو یاد کرتے رہنے کا نام ہے، یہ طریقہ اس وقت مفید ہو سکتا ہے جب کوئی ایسی نئی بات ہو جس کا منطقی رشتہ ان باتون سے نہیں قائم کیا جا سکتا، جو دماغ میں موجود ہین یہ طریقہ آخری تدبیر ہونی چاہئے، لیکن بدقسمتی سے یہی طریقہ سب سے زیادہ رائج ہے، اور بعض لڑکون کو تو صرف یہی ایک طریقہ معلوم ہوتا ہے، اس مین شک نہیں کہ یہ طریقہ بھی خاص حالتون مین مفید ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہین ہین، کہ یہ حافظہ کی تمام دوسری قسمون پر چھا جائے،

منطقی یا استدلالی حافظہ:- حافظہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ مختلف ٹکڑون مین منطقی اور استدلالی ربط قائم کیا جائے، اس طرح سے ہر ٹکڑا ایک کل کا جز ہو جائیگا، جس کا یاد کر لینا کوئی بڑی بات نہیں ایک مرتبہ منطقی ربط قائم کر لینے کی زحمت ہزار مرتبہ کے رٹنے کی تکلیف سے کہین بہتر ہے، جو طالب علم مختلف باتون مین تھوڑا وقت صرف کرتا ہے، وہ آخر مین بہت وقت بچا لیتا ہے، کیونکہ اس سے ساری باتین اس کے دماغ مین نقش ہو جاتی ہین، جو آسانی سے نہین مٹتین،

مربوط یا تلازمی حافظہ:- جب کسی موضوع کے مختلف حصون مین کوئی ربط قائم کیا جائے، تو اسے مربوط حافظہ کہا جائیگا، یہ رشتہ منطقی یا غیر منطقی دونون ہو سکتا ہے، ممکن ہے یہ ربط اصلی ہو یا مصنوعی، جہان کوئی ربط پہلے سے موجود رہتا ہے وہان تو آسانی ہوتی ہے، لیکن جہان مفقود ہوتا ہے وہان رشتہ قائم کر لینا بھی مفید ہوتا ہے، اگر ایک نئے مضمون کے بعض پہلو کسی دوسرے مضمون کے پہلوون سے جو پہلے سے ہمارے دماغ مین موجود ہیں مشابہ ہو یا ان کے ضد ہو تو یہ مشابہت اور ضد ربط قائم کرنے مین بہت معاون ہوتی ہے،

انکے علاوہ موضوع کے مباحث کی درجہ بندی، انکے حدود اربعہ کا قیام، وقت اور جگہ کی تعیین وغیرہ جملہ پہلوون کی ترتیب و تنظیم مضامین بڑی آسانی پیدا کر دیتی ہے، ایک چیز کو ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد اسے زبانی دہرانا چاہئے، ایسا کرنے سے وہ خلا معلوم ہو جاتا ہے، جہاں ربط ٹوٹ جانے سے یادداشت دماغ کی گرفت سے باہر ہو جاتی ہے، اسے خلاؤن پر خاص توجہ کرنی چاہئے اور شکستہ کڑیون کو جوڑ کر انکا سلسلہ ملا دینا چاہئے، "ا-ع"

حافظہ کو ترقی دینے کا صحیح طریقہ

دنیا مین بہت کم باتین ایسی ہین، جو معنی کی مدد کے بغیر ذہن مین سما اور محفوظ رہ سکین لیکن بدقسمتی سے قوی حافظہ کا مفہوم طوطے کی طرح رٹ لینا سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ قوی اور مستحکم حافظہ کے معنی دماغی صلاحیت کی وہ تربیت ہے، جس سے کام کی باتین محفوظ رہین، اور دماغ فضول اور بیکار یادداشتون کا آماجگاہ نہ بنے،

وہ طالب علم جو اپنی کتابون پر سرسری نظر ڈالتا ہے، یا کلاس مین مٹرگشت لگاتا ہے، اور لیکچر مین اس کا دماغ کہین سیر مین مشغول ہوتا ہے، اس کے کانون مین بھی ادھر ادھر کی کچھ باتین پڑجاتی ہین، ممکن ہے کسی بات کو وہ توجہ سے سنے اور وہ کان مین پڑی رہ جائے، مثلاً اگر اس سے پوچھا جائے، کہ پانی پت کی پہلی لڑائی کب ہوئی، تو اس کا جواب ہوگا، کہ تقریباً پندرہ سو کچھ مین ہوئی، لیکن حافظہ کی یہ قسم حقیقی حافظہ نہین، بلکہ یہ حافظہ کی آنکھ مچولی ہے، حافظہ یہ ہے کہ اس پر پوری قدرت ہو، یعنی حافظہ اس کے تابع ہونا چاہئے، اسے حافظہ کے تابع نہ ہونا چاہئے، حافظہ کی تربیت کی بعض تدبیرین یہ ہین، اس کے چار طریقے ہین،

۱- فوری حافظہ (۲) رٹو یا میکانکی حافظہ (۳) منطقی حافظہ (۴) مربوط یا تلازمی حافظہ، یہ سب طریقے اپنی اپنی جگہ پر کارآمد ہین، لیکن دیکھنا یہ چاہئے، کہ ان مین کون کسکی طبیعت کے موافق ہے، اور کون طریقہ کہان موزون ہوگا، اس لئے ان مین سے ہر ایک پر نگاہ ڈالی جائے،

فوری حافظہ:- بعض باتین ایسی ہوتی ہین جنکی ضرورت محض خاص اوقات پر ہوتی ہے، اس کے بعد وہ بیکار ہوجاتی ہین، جیسے ٹیلیفون کا نمبر ملانا گفتگو کے بعد ٹیلیفون کا نمبر دماغ مین محفوظ رکھنا ایک بیکار سی بات ہے، قوی اور صحیح حافظہ اس صلاحیت کا نام ہے، کہ جس بات کی ضرورت نہ ہو فوراً دماغ ذہن سے باہر کر دے،

تک پہنچا دیا اس عمل سے عضلات کی حرکت سے معمولی برقیاتی لہرین پیدا ہونے لگین، اور نالی کے پردون پر خطون کی شکل مین ظاہر ہوگئین، اور اس پر ان کا فوٹو آگیا، ان کا تجربہ ہو کہ اگر انسان پہلے آرام کرسی پر لیٹ کر کوئی وزنی چیز اٹھائے، اور پھر اُسے رکھدے، تھوڑی دیر کے بعد بغیر کسی حرکت کے یہ سوچے کہ مین وزن اٹھا رہا ہون، تو عضلات کے حرکات کی پہلی تصویر نالی کے پردون پر آجائیگی،

شعاع موت

کلیولینڈ اوہیو (Cleveland ohio) کے ڈاکٹر انٹونیو لنگاریا (Anton neo Longarenia) نے ایک ہلاک کن آلہ ایجاد کیا ہے، اسکی شعاع سے چار میل تک کی اڑتی ہوئی چڑیان موت کا شکار ہو جاتی ہین، اس شعاع کے اثر سے کوئی تکلیف نہین ہوتی، بلکہ وہ خون کو ایسے مادہ میں بدل دیتی ہے، جس کا نتیجہ موت ہوتا ہے، ڈاکٹر مذکور نے بہت سے علماے ہیئت کے سامنے اس شعاع کا کرشمہ دکھایا، اس کے اثر سے بلی چوہے اور خرگوش فوراً مرگئے، اور موٹے لوہے کے پنجرے بھی انکو اس کے اثر سے نہ بچا سکے، ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے، کہ انسان بھی اس کی تاب نہین لاسکتا، وہ خود ایک مرتبہ کینسر کے علاج کے تجربہ مین اسکی زد میں آتے آتے بچ گئے، لیکن انسانی ہمدردی کے جذبہ میں انھون نے اس آلہ کو تلف کردیا،

بے کوک کی فضائی گھڑی

حال ہی مین ایک گھڑی ایجاد ہوئی ہے جس کے لئے کوک کی حاجت نہین، ایک مرتبہ چل جانے کے بعد خود بخود مسلسل چلتی رہتی ہے، اسکی دیکھ بھال کی ضرورت نہیں ہوتی، کبھی اوقات کی صحت کیلئے تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، اسکی نازک مشین ایک اسپرنگ سے چلتی ہے، جو فضا کے تغیرات

اخبارِ علمیہ

مصنوعی گرہن

حال ہی میں طیارہ شکن توپ کی شکل کا ایک فلکی آلہ تیار کیا گیا ہے، جو گرمیون کے موسم مین
کی سب سے بڑی رصدگاہ مین نصب کیا جائے گا، یہ رصدگاہ فرمینٹ پاس کلامکس کولو Fremont
Pass Climax Colo.) مین جو سمندر کی سطح سے ۱۱۰۲۰ فٹ کی بلندی پر واقع
اس آلہ کا نام کورونا گراف (Coronagraph) ہے، یہ نقاب کے خاص پردون
ذریعہ نگاہ مین مصنوعی گرہن دکھاتا ہے، اس کی ایجاد کی غرض حلقہ شعاعی کا مطالعہ ہے، جو صرف
گرہن مین ممکن ہے، توقع ہے، کہ اس تجربہ سے مقناطیسی ہوا کے ان اثرات کے متعلق جن کی و
ریڈیو ٹیلیگراف، ٹیلیفون کے مراسلات مین دقتیں پیدا ہو جاتی ہین، مفید معلومات حاصل ہونگے

کیا سوچنے مین بھی عضلات کام کرتے ہیں

ولیم اے شا پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی کا دعوی ہے کہ یہ ممکن نہین کہ ہم دماغی محنت کرین، او
رگ اور پٹھون کو مکمل سکون حاصل رہے، اور اس کا ان پر کوئی اثر نہ پڑے، انھوں نے حال ہی
عضلات پر غور و فکر کے اثرات کے متعدد دلچسپ برقیاتی تجربے کئے ہین، چنانچہ برقیاتی مو
کو کئی آدمیون کے بازؤں پر باندھا اور انھیں تار کے ذریعہ آلہ سے لگا کر زیر برقیہ شعاع کی نا

طبعی موت بھی مرجاتے ہیں، اس خصوصیت کی وجہ سے اس کے افسانوں میں قتل و خون کا بازار گرم رہتا ہے، وہ ڈاکوؤں جاسوسوں اور وحشیوں کی زندگی کے مرقعے کھینچتا ہے، اس سلسلہ میں اس کی یہ دلچسپ جدت قابلِ ذکر ہے، کہ اس نے اپنے مکان کے احاطہ میں اپنے کرداروں کا ایک فرضی قبرستان بنایا ہے جہاں وہ سب ابدی نیند سو رہے ہیں، اور ان میں ہر فرضی قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے جس میں صاحبِ قبر کے کا نام اور تاریخِ وفات درج ہیں،

امراض شکم کی تشخیص کا نیا آلہ

پیٹ کے امراض کی جانچ کے لئے ایک کیمرہ ایجاد کیا گیا ہے، اس کی جسامت سگریٹ سے کچھ ہی زیادہ ہے، اس کے کنارے ربڑ کی بڑی سی نلکی لگی ہے جس کے آخر میں ایک پمپ ہے، اس کیمرے سے پیٹ کی اندرونی حالت کی تصویر لیجاتی ہے، اسے مریض کے پیٹ کے اندر داخل کر دیا جاتا ہے، اور پمپ کے ذریعہ پیٹ کو پھلا کر کیمرہ میں لگے ہوئے چھوٹے سے ٹارچ سے روشنی کر دی جاتی ہے، اس روشنی کی مدد سے، پیٹ کے تمام اندرونی حصوں کی تصویریں لی جاتی ہیں، اور یہ پورا عمل ایک منٹ کے اندر انجام پاجاتا ہے، اور اسکے لئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی

مصنوعی جوہر حیات

(Deoxyribonucleic Acid) ڈی آکسی رائبو نیوکلیک ایسڈ ایک ضروری اور اہم حیاتین ہے جو انسان کی تمام رگوں میں موجود ہوتی ہے، اسے عام طور سے جوہر حیات کہتے ہیں اب اسکو کیمیاوی طریقہ سے تیار کیا گیا ہے، توقع ہے کہ بہت سے امراض کے علاج میں اس سے بڑی مدد ملے گی،

"ع"

کے ساتھ گھومتی رہتی ہے، یہ عام بے مائع بار پیما کے اصولوں پر بنی ہے، جو فضا کے تغیرات کو مقیاس پر لکھتا ہے، اور اس سے موسم کی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے، اس مشین میں کیمیاوی طور پر ایک چھوٹی سی بند ڈبیہ ہے جس کے ایک طرف لچکدار فلزاتی پردہ ہے، اس پردہ سے ایک نازک سی زنجیر مرکزی اسپرنگ تک جاتی ہے، اور جیسے جیسے فضا میں تغیر ہوتا جاتا ہے، پردہ کی حرکت کی قوت اس ڈبیہ میں جمع ہوتی رہتی ہے، اور اس کو گھڑی کے پرزوں میں منتقل کر دیتی ہے جس سے گھڑی چلتی رہتی ہے،

گیس کی نئی محفوظ ٹنکی

امریکہ میں ہوائی جہازوں کے گیس خزانہ کی حفاظت کے لئے ربڑ کی ٹنکی بنائی گئی ہے، یہ اتنی مضبوط ہے، کہ اس پر فولاد کی چادر توڑنے والی گولیاں چلائی گئیں، لیکن اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، بڑے بڑے سائنس دانوں کے سامنے اسکی نمایش کی گئی، اس ایجاد سے امید ہے کہ آیندہ طیارہ شکن بندوقوں کی گولیوں کا اس ٹنکی پر کوئی اثر نہ ہوگا، اس سے پہلے ہلکی لکڑیوں کی ٹنکیاں بنتی تھیں جنمیں گولی لگنے سے آگ لگ جاتی تھی، اور ہوائی جہاز تباہ ہو جاتا تھا، یہ نئی ٹنکی ایک قسم کے ربر سے بنائی گئی ہے، جس میں سخت سے سخت ضرب سے سوراخ نہیں ہو سکتا، بلکہ گولیاں ٹکرا کر اچٹ جاتی ہیں، مزید حفاظت کیلئے اس پر المونیم اور بعض دوسری دھاتوں کے مرکب کا ایک اور خول چڑھا گیا ہے، اس نئی ایجاد کا امتحان موجودہ جنگ میں لیا جائے گا،

ناول نگار کا قبرستان

چارلس مورس مارٹن (Charles Morris Martin) ایک مشہور افسانہ نگار ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے افسانوں میں کرداروں کی جان بہت لیتا ہے، اور ان میں کم

حشرِ جذبات

از جناب ثاقب کانپوری

اگرچہ جلوہ ترا خوگرِ حجاب نہین   مگر یہ میری نظر ہے جو کامیاب نہین
رہینِ ضبط و سکون میرا اضطراب نہین   کہ یہ اِعہدِ تمنا خیال و خواب نہین
تو اپنے عشق مین اتنا تو جذب پیدا کر   کہ جلوہ خود ہی پکارے کوئی حجاب نہین
رہے گی حسرتِ نظارہ عمر بھر تجھکو   تری نظر کو خود اندازۂ حجاب نہین
امید تجھ سے بھلا کیا ہوا سے فریبِ نمود   مری نگاہ ابھی تک تو کامیاب نہین
نہیں ہے اب مرا دل شکوہ سنجِ مستوری   کہ دیکھتا ہوں جہانتک کوئی حجاب نہین
گزر گئی ہین تری بے نیاز یان حد سے   کہ میرا گریۂ شب تک بھی مستجاب نہین
فریبِ حسن ہے یا ہے سکون ہی مجھکو   میں کہہ رہا ہوں میرے دل کو اضطراب نہین
ادھر بھی کاش ہو تیری نگاہِ لطف نواز   کہ میرے شوق کی دنیا مین انقلاب نہین
رہِ مراد مین جس نے کہ جان تک دیدی   تو اس کو کس لئے کہتا ہے کامیاب نہین

عجیب عشق کی مجبوریان ہین اے ثاقب
وہ سامنے ہین، مگر دیکھنے کی تاب نہین

ادبیات

داغِ جگر

از

جناب جگر مراد آبادی،

یہی حسن و عشق کا راز ہے، کوئی راز اسکے سوا نہین
کہ خدا نہین تو خودی نہین، جو خودی نہین تو خدا نہین

جو ستم تون مین خلش نہین، جو اذیتون مین مزا نہین
ترے حسن کا بھی قصور ہے، مرے عشق ہی کی خطا نہین

مرے جذبِ عشق پہ تہمتین، مجھے بے بسی کا گلہ نہین
ترے جبرِ حسن کی خیر ہو، مرے اختیار مین کیا نہین

مرا ذوق بھی مرا شوق بھی ہے بلند سطحِ عوام سے
ترا ہجر بھی ترا وصل بھی مرے دردِ دل کی دوا نہین

جسے مین بھی خود نہ بتا سکون مرا رازِ دل ہے وہ رازِ دل
جسے غیرِ دوست سمجھ سکے مرے ساز مین وہ صدا نہین

یہ طریقِ جدہ ہے خوب تر، مگر اے واعظِ بے خبر
اسے ساز گار ہو زہد کیا جسے معصیت بھی روا نہین

وہی ربطِ عشق و جمال ہے، ترا اور کچھ جو خیال ہے
یہ سمجھ تجھی مین ہے کچھ کمی، یہ نہ کہہ کہ جنسِ وفا نہین

وہی بزم ہے، وہی اہلِ بزم مگر آج ہے وہ احال کیا
یہ گمان ہے کہ حقیقۃً کوئی اور تیرے سوا نہین

مرے درد مین یہ خلش کہان، مرے سوز مین یہ تپش کہان
کسی اور ہی کی پکار ہے، مری زندگی کی صدا نہین

وہ ہزار دشمنِ جان سہی، مجھے پھر بھی غیر عزیز ہے
جسے خاکِ پا تری چھو گئی وہ برا بھی ہو تو برا نہین

مرے شعر مین بھی نزاکتین، مری نظم مین بھی لطافتین
مری فکر مین کہین اے جگر ادبِ لطیف کی جا نہین

شروع مین ۱۹۰ صفحون کا مقدمہ ہے، جس میں پہلے مصنف اور اس کی اس تصنیف کا پورا حال ہے، اور پھر اس نسخۂ خاص کی کیفیت کا بیان اور اس کے پڑھنے کے مشکلات اور اس کے اغلاط اور تحریفات کے نمونے ہین جسکو مصحح نے دوسرے نسخون، مصنف کی دوسری کتابون اور علم ہیئت کی دوسری تصنیفات کی مطابقت سے حل کیا ہے، اس کے بعد ان ۲۰ کتابون اور رسالون کی فہرست دی ہے جن مین اکثر قدیم و نایاب ہین، جن سے مصحح نے اپنے اس کام میں مدد لی ہے،

بعد ازین ان فارسی الفاظ و اصطلاحات کا ایک فرہنگ ہے، جو کتاب مین استعمال ہوگئے ہین، اور جو اب عام طور سے سمجھے نہیں جا سکتے، اسی کے ساتھ ان ہندی و سنسکرت الفاظ کا مختصر فرہنگ ہے، جو بیرونی کی اس کتاب مین آئے ہین،

اب اصل کتاب آتی ہے، کتاب کا اصل مقصد تو علم نجوم کے احکام کا بیان ہے، مگر اس کے سمجھنے کے لئے ریاضی و ہیئت کے بہت سے مسائل کی تمہید ہے، اس لئے مصنف نے مقدمہ میں تصریح کی ہے، کہ اسکی یہ کتاب چار حصّوں میں ہے، پہلا ہندسہ مین، دوسرا حساب مین، تیسرا صورتِ عالم میں، اور چوتھا احکام نجوم مین ہندسہ اور حساب کے حصّے تو مختصر ہین، لیکن صورتِ عالم یعنی آسمان و زمین کے حالاتِ طبعی، اور دوسرے فلکی اشکال کی توضیح کا حصّہ اچھا خاصہ بڑا ہے، اور آخری بحث پر کتاب کا خاتمہ ہے،

حکماے اسلام مین بیرونی وہ شخص ہے، جس نے کبھی مسائل میں اگلوں کی تحقیقات کی مقلدانہ پیروی نہیں کی ہے، بلکہ ہمیشہ اپنی ذاتی تحقیق سے کام لیا ہے، اسی لئے علوم و فنون کی تاریخ مین اس کا خاص پایہ ہے،

عام طور سے قدیم طب اور فلسفہ کی کتابون میں یہ لکھا ہے، کہ زمین کا معتدل ترین حصّہ وہ ہے، جو خطِ استوا کے مقابل واقع ہے۔ طب میں اس مسئلہ نے یون دخل پایا، کہ چونکہ یہ معتدل

باب التقریظ والانتقاد

کتاب التفہیم ابی ریحان بیرونی

یہ مشہور حکیم ابوریحان بیرونی کی اہم تصنیف ہے، جس کو اس نے ۴۲۰ھ میں ایک علم دوست خاتون ریحانہ بنت حسین خوارزمی کی درخواست پر تالیف کیا تھا، اس کتاب کے دو نسخے ہیں، ایک عربی اور فارسی ہیں، یہ دونوں نسخے کئی دفعہ کتبخانوں میں نظر سے گذرے اور کبھی خیال بھی نہیں ہوسکتا تھا، یورپ کے سوا اس زمانہ میں کوئی اور تکلیف کرکے اور مصارف برداشت کرکے ان کو طبع کرنے کی جرأت کرے گا، لیکن خدا کا شکر ہے، کہ اب خود اسلامی ملکوں میں ایسے باہمت اہلِ علم پیدا ہوگئے ہیں، اس قسم کے علمی کاموں سے دلچسپی لینے لگے ہیں،

مصر و شام اور ہندوستان میں تو مدت سے علمی کتابوں کی اشاعت کا کام انجام پارہا ہے، مگر اب ایران نے بھی اپنی پوری عظمت کے مطابق انقلابِ حال کے بعد ادھر توجہ کی ہے، اور ہر سال متعدد قدیم تصنیفات کی اشاعت کا فخر حاصل کر رہا ہے، پیش نظر کتاب التفہیم لاوائل صناعۃ التنجیم اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، آقائی جلال ہمائی نے بڑی محنت کد و کاوش اور تحقیق و تنقید کے ساتھ اس کتاب کے قدیم فارسی نسخہ کو صحیح کرکے چھپوایا ہے، اور سارے اہلِ علم کے شکریہ کے مستحق ہوئے ہیں،

مصحح کی محنتوں، کاوشوں، اور تحقیق کی مثالوں کو دیکھکر یہ بات بلامبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ اگر یورپ کا کوئی عالم بھی اسکی تصحیح و اشاعت کا فرض انجام دیتا، تو اس سے زیادہ نہیں کرسکتا

مطبوعات جدیدہ

تفسیر سورہ عبس مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی ضخامت ۵ ، صفحے ، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت :- ۶ر پتہ :-
مکتبہ حمیدیہ سرائے میر ضلع اعظم گڈھ ،

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تفسیر ندرت خیال سے خالی نہیں ہوتی سورہ عبس کی شان نزول کے متعلق روایتوں میں باختلاف الفاظ یہ واقعہ ملتا ہے، کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم بعض سرداران قریش کے ساتھ تبلیغ اسلام کی گفتگو میں مشغول تھے، کہ ایک غریب اور نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم آگئے، اور آپ سے تعلیم کی درخواست کی، یا کوئی اور بات کہی، آنحضرت صلعم کو انکا یہ بے محل آنا ناگوار ہوا، اور آپ نے ان سے اعراض فرمایا، اس پر یہ تنبیہ نازل ہوئی اس روایت کو بجنسہ صحیح مان لینے سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق نبوی پر یہ حرف آتا ہے کہ آپ نے سرداران قریش کے مقابلہ میں ایک طالب حق غریب اور نابینا صحابی کو ناقابل التفات تصور فرمایا لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے، مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی تفسیر میں اسی حقیقی پہلو کو پیش نظر رکھا ہے اور اسکو ایسے دلنشین طرز سے ادا کیا ہے جس سے روایتوں کا بھی انکار نہیں ہوتا، اور اسکی ظاہری برائی بھی باقی نہیں رہتی ان کے نزدیک یہ سورہ منذرات میں یعنی ان سورتوں میں ہے، جو کفار و منافقین کی تہدید و سرزنش کے لئے نازل ہوئی ہیں اور اس کا پیرایہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ انھیں براہ راست

حصہ ہو، اس لئے یہاں کے رہنے والوں کا مزاج انسانی بھی معتدل ترین ہوگا، مگر یہ تمامتر افسانہ ہو؟ ظاہر ہو کہ یہ خطِ استوا افریقیہ کے سیاہستان سے گذرتا ہے، اوس کو اعتدالِ طبع سے کیا سروکار ہو سکتا ہے، علامہ بیرونی اسی کو لکھتے ہین،

"فاما بعضے مردمان گمانے برند برو کہ طبیعت و مزاج او معتدل است ان خط ست و گوی برخلاف این گمانے آنست کہ ہمی بینی از سوختگی مردمانش و آنکہ بایشان نزدیک است ہم بلون وہم بموے و ہم بخلقت ناہموار و ہم بخرد کوتاہ، و کسے تواند بودن، اعتدال بجائے کہ آفتاب مغز سر مردمانش را از زبر ہمی جوشاند تا چون از سمت الراس میل کند بدان دو وقت کہ ما آنرا تابستان و زمستان خوانیم پختگی خشکی، یابند و بیابانید، (ص ۱۶۱)

کتاب ۵۰۵ صفحون پر تمام ہوئی ہو اس کے بعد مصحح نے بڑی دقتِ نظر سے متعدد فہرستین لگائی ہین، پہلی فہرست اشخاص کے نامون کی ہے، اور جہان جہان وہ نام آئے ہین، ان کے صفحون کا حوالہ ہے، اسی طرح کی دوسری شہرون اور قصبیون کی ہے، تیسری کتابون کے نامونکی ہے، چوتھی مضامین کتاب کی فہرست ہے، آخر مین نسخون کے اختلافات کی فہرست ہو، سب سے آخر میں غلط نامہ ہے جس کے داغ سے افسوس ہو کہ کم کتابین خالی رہتی ہین،

متن کتاب کے نیچے مصحح نے مسائل اشخاص، اعلام، اور دوسرے ضروری امور پر کثرت سے حاشیے لکھے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصحح ان علوم میں کامل دستگاہ رکھتے ہین، اور اپنے فرض کو بڑی محنت اور خوبی سے انجام دیا ہے،

کتاب چاپ خانہ مجلس طہران مین طبع ہوئی ہے، اور کتاب خانہ دانش کلکتہ سے مل سکتی ہے

"س"

نیو مارکٹ بنگلور سٹی،

ہندوستان کی تاریخ مین جنوبی ہند کی اہمیت کچھ کم نہین، شمال سے ہندو حکومتون کے خاتمہ کے بعد جنوبی ہندوستان ہی ہندو تہذیب و تمدن کا محافظ تھا، لیکن اس کا تعلق شمالی ہند کی مرکزی حکومتون سے بہت کم رہا ہے، اسلئے اردو اور فارسی میں اسکی کوئی مستقل تاریخ نہین لکھی گئی، سیاحون کے بیانات اور بعض فارسی تاریخون مین ضمناً کچھ حالات مل جاتے ہین، اس لئے اردو مین اس کی مستقل تاریخ کی ضرورت تھی، محمود خان صاحب مولف "سلطنت خداداد" شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے بڑی محنت و تلاش سے اردو مین جنوبی ہند کی یہ ضخیم تاریخ مرتب کر دی، اس مین عہد قدیم سے لیکر انگریزون کے قبضہ تک پوری تاریخ ہے، قدیم دور کی تاریخ بڑی حد تک تاریکی مین ہے، اسلئے اس دور مین صرف ڈریویڈین اور جنوب کے قدیم آرین کی تہذیب و معاشرت ان کے حکمران خاندانون، طرز حکومت، جنوبی ہند کی زبانون، اور اس سے مسلمانون کے قدیم تعلق کا مختصر ذکر ہے، اس کا تاریخی دور مسلمانون کے حملہ کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے چنانچہ اس کے پہلے دور مین سلطان علاء الدین خلجی کے ابتدائی حملون سے لیکر جنوبی ہند کی تسخیر اور حکومت دہلی سے اس کے الحاق، پھر علاء الدین کے زمانہ کے سیاسی انقلابات محمد تغلق کے دوبارہ قبضہ، پھر اسکے امراء کے اختلاف، خود غرضی، اور ہندوئنکے اتحاد سے جنوبی ہند سے اس خاندان کی حکومت کے خاتمہ کے مفصل حالات ہین، دوسرے دور مین دکن مین اسلامی حکومتون کے قیام جنوبی ہند سے اُن کے تعلق، ریاست وجیانگر اور دوسری ہندو ریاستون سے ان کی لڑائیون کی تفصیل ہے، تیسرے دور مین دکن پر مغل سلطنت کے حملون، مرہٹون سے جنگ اور اورنگ زیب کی فتوحات، اور جنوبی ہند پر اس کے قبضہ کی تاریخ، پھر اس کے جانشینون کی نااہلی سے جنوبی ہند مین مسلمان امراء کی آزاد ریاستون کے قیام پھر ان کے خاتمہ کی پوری تفصیل ہے، اس عام تاریخ کے بعد آخر مین چند ضمیمے ہین، اس مین جنوبی ہند کی ہندو مسلمان

وعید کے بجائے رسول اللہ صلعم کو ایسے لوگوں کے پیچھے وقت ضائع کرنے سے روکا گیا ہے، جو تمرد و سرکشی کی وجہ سے حق کی آواز کو سننا نہیں چاہتے، اور ان کے بجائے طالبین حق پر توجہ صرف کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، اس پہلو کی وضاحت کے بعد یہ صاف ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو ابن ام مکتومؓ کا آنا اس لئے ناگوار نہیں ہوا تھا، کہ آپ سرداران قریش کے مقابلہ میں ان کو ناقابل توجہ تصور فرماتے تھے، بلکہ اسلئے ناپسند ہوا کہ غریب اور خستہ حال مسلمانوں کو دیکھ کر صنادید قریش کی خودی اور سرکشی اور بڑھتی تھی، اس لئے آپ کو یہ خطرہ تھا، کہ ابن ام مکتومؓ کو دیکھ کر ان کے پندار کو ٹھیس نہ لگے، اور وہ یہ نہ کہیں کہ ہم اسپر ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی سطح پر نہیں اتر سکتے، دوسرا خطرہ یہ تھا کہ یہ متکبر ابن ام مکتومؓ کی ظاہری حالت کو دیکھ کر ان کے ساتھ کوئی توہین آمیز برتاؤ نہ کریں، ان اسباب کی بنا پر آنحضرت صلعم نے ان کا آنا ناپسند فرمایا،

پھر عتاب کا ظاہری رُخ گو آنحضرت صلعم کی جانب ہے لیکن اسکے اصل مخاطب درحقیقت کفار و منافقین ہیں، جو ایک بلیغ طریقہ ادا ہے : اسی پہلو سے پوری سورہ کی دلنشین تفسیر ہے، سورہ کے مضمون کا انذار سے تعلق پھر اس کے تمام اجزار کا ایک دوسرے سے ربط و علاقہ بتایا گیا ہے، مؤلف کے دوسرے تفسیری رسالوں کی طرح یہ رسالہ بھی شاخ در شاخ گوناگون مباحث، تحقیق و تنقید آیات قرآنی سے استدلال، دلنشین عقلی دلائل اور وجدانی لطائف و نکات وغیرہ مؤلف کی تمام تفسیری خصوصیات کا حامل ہے، ترجمہ بہت سلیس ہے، ص ۱۹ میں جو خیالات نقل کئے گئے ہیں، وہ اگرچہ کفار کے ہیں، لیکن سوے ادب کے خیال سے انھیں دوسرے الفاظ میں ادا کیا جا سکتا تھا، حسن نیت سے اتنا تغیر کر دینا ترجمہ کی دیانت کے خلاف بھی نہ ہوتا،

تاریخ جنوبی ہند مؤلفہ جناب محمود خان صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سے ر، پتہ :- مولوی محمد اسحاق مالک مسلم بک ڈپو

ڈرامے کا خلاصہ یہ ہے کہ نشا ایک ممتاز اور کامیاب وکیل کی تعلیم یافتہ لڑکی ہے، اس کا باپ لڑکی کی سوتیلی ماں کے بھڑکانے سے محض دولت کی طمع میں نشا کی مرضی کے خلاف اسکی شادی ایک بوڑھے اور شرابی سیٹھ سے کر دیتا ہے، سیٹھ صاحب شادی کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد چل بستے ہیں، اور نشا عین نوجوانی کے عالم میں بیوہ ہو جاتی ہے، کچھ دنوں تک وہ سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے، پھر ایک نوجوان عزیز ہرنش چندر کے فریب میں آکر اپنی زندگی برباد کر دیتی ہے، ہرنش اس سے بدعہدی کرکے اسکی لاعلمی میں اس کے بجائے ایک دولت مند لڑکی سے شادی کر لیتا ہے، اور اپنی بداعمالی کے نتیجہ کو چھپانے کے لئے نشا کو ٹھکرا دیتا ہے، یہاں اس پر اصل حقیقت منکشف ہوتی ہے، اور وہ مایوسی کے عالم میں مع اپنی نوزائیدہ بچی کے دریا میں پھاند پڑتی ہے، ہرنش اس کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد رنگ رلیوں میں مصروف ہو جاتا ہے، لیکن بدقسمتی سے نشا کسی طرح دریا سے نکل آتی ہے، لیکن اب سوسائٹی اُسے قبول نہیں کرسکتی اس لئے وہ بازاری عورت کا لباس اختیار کرتی ہے، اور اس لباس میں وہ ہرنش سے انتقام لینے کی کوشش کرتی ہے، اس میں اُسے ناکامی ہوتی ہے، اور وہ پاکبازی کی زندگی بسر کرنے کے لئے ایک اسکول کی معلم بن جاتی ہے، لیکن اسکی گذشتہ زندگی کا داغ ساتھ ساتھ ہے، اسلئے تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ اسکول سے الگ کر دیجاتی ہے، اور اسکی پروردہ لڑکی کا شوہر بھی اسے اپنے یہاں ٹھہرانے کا روادار نہیں ہوتا، اس لئے نشا قومی تحریک میں شریک ہوجاتی ہے، لیکن سوسائٹی اسے یہاں بھی نہیں ٹکنے دیتی، اور وہ غریبوں کی جھونپڑیوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور ان کے لڑکوں کی تعلیم و تربیت پر بسر اوقات کرتے ہوئے نہایت بیکسی کے عالم میں جان دیتی ہے، اس کے برعکس اصل مجرم ہرنش سے سوسائٹی کوئی مواخذہ نہیں کرتی اپنی پرفریب اور شرمناک زندگی کے باوجود محض اپنی دولت کی قوت پر سوسائٹی میں دیانت

ریاستون بیسور، ٹرانکور، اور کوچین کی تاریخ، ہندوستان کے لئے یورپین قومون کی کشمکش اور انگریزون کے قبضہ کی داستان، مدورا کی اسلامی ریاست کی تاریخ جنوبی ہند کے مسلمانون کی نسلون کی تحقیق وتقسیم ان مین ہندؤن کے اثرات جنوبی ہند کا محرم اس کے ہندوانہ مراسم، سرار کی صوبہ داری، اور یہان کے آثار قدیمہ وغیرہ کا ذکر ہے، اس کتاب کی ایک لائق ذکر خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف نے ہر جگہ ہندو مسلمانون کے درمیان تاریخی غلط فہمیون کے ازالہ اور ان مین اتحاد و یگانگت کے قیام کی کوشش ہے جنوبی ہند کے آثار قدیمہ کے متعدد فوٹو ہین، اردو مین جنوبی ہند کی یہ پہلی مبسوط تاریخ ہے، اسلئے یقیناً وہ قدر افزائی کی مستحق ہے، نوائط کی تاریخ اور ان کی نسلی تحقیق کی روایتین بہت کچھ بحث طلب ہین، جنوبی ہند مین بلاشبہہ عرب نسلیں آباد ہین، نوائط بھی انہی میں سے ہون گے لیکن ان کی قرشیت خصوصاً سیادت کی روایتین تو مختلف حیثیتون سے ناقابلِ اعتبار ہین، جیساکہ خود مصنف کا بھی خیال ہے، ان کی قرشیت کی بنیاد اس پر قائم کیجاتی ہے، کہ وہ نائط بن نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہین، اولاً نضر بن کنانہ کے لڑکوں مین نائط کوئی نام نظر نہین آتا، اگر ہوگا بھی تو کوئی غیر معروف شخص ہے، پھر قریش کا خاندان تو نضر بن کنانہ کے دو پشت نیچے فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ سے قائم ہوتا ہے، اسلئے اگر اوپر کی نسل مین کوئی شخص نائط ہو بھی تو اسکی اولاد قریشی نہین کہلائیگی، اسی پر سیادت کو بھی قیاس کرنا چاہئے،

نشاد، مؤلفہ پنڈت کشن پرشاد کول تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ، پتہ:۔ لیڈر پریس الہ آباد،

اردو زبان کے کہنہ مشق ادیب پنڈت کشن پرشاد کول کا یہ تازہ اصلاحی ڈرامہ ہے، اس مین نوجوان عورتون اور بوڑھے مردون کی بےجوڑ شادی نوجوان بیواؤن کے عقد ثانی نہ ہونے کے بُرے نتائج، پھر ان کی لغزش پر ان کے ساتھ سوسائٹی کی ناانصافی کو موثر انداز مین پیش کیا گیا ہے

سیر الصحابہ

سیرۃ النبیؐ کے بعد مسلمانوں کے لئے جن مقدس ہستیوں کے کارنامے اور سوانح حیات مشعلِ راہ بن سکتے ہیں، وہ حضرات صحابۂ کرام ہیں، دارالمصنفین نے پندرہ برس کی جانفشانی و کوشش سے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو میں صحابۂ کرام کے حالات و سوانح اور اخلاق و حسنات کی دس ضخیم جلدیں احادیث و سیر کے ہزاروں صفحات سے چنکر مرتب کیں اور بحسن و خوبی شائع کیں، ضرورت ہے کہ حق طلب اور ہدایت و رہنمائی کے جویاں مسلمان ان صحیفوں کو پڑھیں، اور اس شمعِ ہدایت کی روشنی میں چلیں، جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدوں کی علٰحدہ علٰحدہ قیمتیں حسب ذیل ہیں، جن کا مجموعہ [illegible] ہوتا ہے لیکن پورے سٹ کے خریدار کو صرف [illegible] میں یہ دس جلدیں کامل نذر کیجاتی ہیں، پیکنگ ذمہ دارالمصنفین، محصول ذمہ خریدار،

جلد اوّل	خلفائے راشدین،	[illegible]	جلد ششم	سیر الصحابہ ششم،	[illegible]
جلد دوم	مہاجرین اول،	[illegible]	جلد ہفتم	سیر الصحابہ ہفتم،	[illegible]
جلد سوم	مہاجرین دوم،	[illegible]	جلد ہشتم	سیر الصحابیات،	[illegible]
جلد چہارم	سیر الانصار،	[illegible]	جلد نہم	اسوۂ صحابہ اوّل،	[illegible]
جلد پنجم	سیر انصار دوم،	[illegible]	جلد دہم	اسوۂ صحابہ دوم،	[illegible]

منیجر دارالمصنفین اعظم گڈھ

مقبول رہتا ہے، پنڈت جی ایک کہنہ مشق ادیب ہیں اسلئے اس ڈرامہ کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، یہ ظاہری اور معنوی دونوں اعتبار سے بہت کامیاب ہو،

پس پردہ مؤلفہ جناب چندر بھوشن سنگھ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ر پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ امین آباد لکھنؤ،

نئے افسانہ نگاروں میں مؤلف کا نام اجنبی نہیں ہے، رسالوں میں ان کے افسانے نکلتے رہتے ہیں پس پردہ ان کے سات منتخب افسانوں کا مجموعہ ہے، یہ افسانے محض تفریحی نہیں ہیں بلکہ ان میں فطرت انسانی کی بعض کمزوریوں ہماری معاشرت کے بعض قابل اصلاح پہلوؤں، اور ترقی یافتہ اور دیہاتی زندگی کے بعض رخوں کو پیش کیا گیا ہے، سب افسانے دلچسپ، مفید اور سبق آموز اور پلاٹ اور زبان کے اعتبار سے بہت کامیاب ہیں، ان کی کامیابی کی یہ دلیل ہے، کہ ان پر پریم چند کی تحریر کا دھوکا ہوتا ہے،

ارمغان جذب (حصہ دوم) از جناب رگھونندن راؤ جذب عالمپوری تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۱۶ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر ہے، قیمت مجلد:- ۱۲ر پتہ:- ادارۂ ادبیات اردو، رفعت منزل خیرات آباد، حیدرآباد،

یہ کتاب رگھونندن راؤ صاحب وکیل حیدرآباد کی رباعیات کا مجموعہ ہے، ان کا کلام ہمیں پہلی مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا، اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے، کہ جناب جذب کا فطری رجحان اخلاق و حکمت، پند و موعظت کی جانب ہے اسی لئے انھوں نے اپنے خیالات کے اظہار کیلئے رباعی کو اختیار کیا ہے، یہ تمام رباعیاں اخلاقی اور حکیمانہ ہیں، اس کی زبان سادہ اور بے تکلف اور معنی موثر اور سبق آموز ہیں،

(م)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ — نومبر سنہ ۱۹۴۰ء

معارف

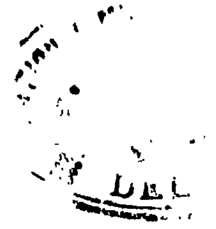
مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت : پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ



دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جسمیں قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات انقلابات کی تفصیل کیگئی ہی، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۴۵ صفحے،
قیمت: ہے، از مولنا عبد السلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہی، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۰۹ صفحے، قیمت: ہے،

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جسمیں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہی ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۲۰ صفحے،
قیمت: للعہ، از مولنا سید عبد الحیٔ صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور عربی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہی، طبع دوم
حصہ اول ضخامت ۴۴۲ صفحے، قیمت: ع،
حصہ دوم " ۳۶۱ " " ع

موازنہ انیس و دبیر، (از مولنا شبلی) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہی، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت: ع،

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت: عہ،

افادات مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈہ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ہے،

نقوش سلیمانی: یہ مولنا سید سلیمان ندوی کی ہندوستانی اور اردو زبان و ادب سے متعلق تقریروں، تحریروں اور مقدموں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے بعض ادبی کتابوں پر لکھے، قیمت: ع، ضخامت ۵۰۰ صفحے۔

دروس الادب، عربی کی پہلی اور دوسری ریڈریں، جنکا مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کیلئے اس طرح لکھا ہی کہ طالب علم کو ادب اور نحو کے ساتھ ساتھ تعلیم اور مشق ہو سکے، اکثر مدارس میں یہ داخل نصاب ہے، قیمت ۲، ۲،

مسعود علی ندوی　　منیجر دار المصنفین　　اعظم گڈہ

مطبع معارف، ابن محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا

جلد ۴۶ ماہ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۰ء عدد ۵

مضامین

سیرۃ النبی

رسول اللہ صلعم کے حالات وغزوات، اخلاق وعادات اور تعلیم وارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبیؐ عام طور سے مشہور ہی مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت واہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے،

اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہی جس میں فن سیرت کی تنقید وتاریخ ہے دوسرے حصہ میں تکمیلِ دین، تاسیس حکومت الٰہی، وفات، اخلاق وعادات، اعمال وعبادات اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہی، تیسرے حصہ میں آپکے معجزات وخصائصِ نبوت پر بحث ہی، اسمیں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کیگئی ہیں، پھران معجزات کی تفصیل ہی جو بروایات صحیحہ ثابت ہیں اسکے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید وتفصیل کیگئی ہی، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہی جو آپکے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، کوشش کی گئی ہی کہ اس میں قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے عقائد لکھے جائیں، پانچویں حصہ میں عبادت کی حقیقت، عبادات کی تفصیل وتشریح اور ان کے مصالح وحکم کا بیان ہی اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ وموازنہ ہی، چھٹے حصہ میں حقوق، فضائل، اور آداب کے عنوانوں اور اسکی ذیلی سرخیوں کے تحت، اخلاقی تعلیمات کی تفصیل ہے، حجم ۶۱۲ صفحے،

قیمت باختلاف کاغذ حصہ اوّل تقطیع خورد للعہ، حصہ دوم تقطیع کلاں سے، تقطیع خورد ضہ روپیہ، حصہ سوم تقطیع کلاں سے، للعہ، تقطیع خورد معہ، وصہ، حصہ چہارم تقطیع کلاں ھے، روپیہ، تقطیع خورد معہ، حصہ پنجم تقطیع کلاں صہ، للعہ، تقطیع خورد صہ روپیہ، حصہ ششم تقطیع کلاں قسم اوّل صہ، قسم دوم للعہ،

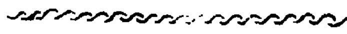
(منیجر دار المصنفین - اعظم گڈہ)

ہے، اور اس سنت الٰہی مین کبھی فرق پیدا نہ ہوگا،



شرع کی اصطلاح مین چند حقیقتون پر اس مستحکم یقین کا نام ایمان ہے، اور علم اجتماع (سُشیولوجی) مین اسی کو جامعیت اور عصبیت کہتے ہین،

خالقِ فطرت نے تو ازل سے ان حقیقتون کو جن کا یقین قومون کی زندگی کی رُوح ہونی چاہئے اسی طرح متعین کر دیا ہے، جس طرح آغازِ خلقت مین دنیا کے جسمانی اور مادی قوانین کو جن پر اس دُنیا کی بنیا دڈالی گئی ہے متعین فرمایا ہے، انبیاء علیہم السّلام شروع سے آخر تک جب بھی اس دنیا مین آئے ان ہی حقیقتون کی دعوت دی، اور ان ہی پر کامل یقین کا مطالبہ کیا جن مین سے ایک تمام آسمانی کتابون کو صادق اور خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی ماننا ہے،



ہماری آج کی سب سے بڑی بدقسمتی یہی ہے کہ ہم سے ہمارے یقین کی یہ سب سے بڑی دولت چھیننے کی کوشش کیجا رہی ہے، ہماری سعادتون اور ہدایتون کے سب سے قیمتی خزانہ کا نام قرآن پاک ہے جس پر باختلافِ فرق تمام مسلمانون کا اتفاق تام، اور اجماعِ عام تھا اور ہے کہ یہ انسانی اوہام خیالات اور خیالی قصص وحکایات سے بلند تر خدا کی طرف سے آئی ہوئی صداقت کا نام ہے، اور اسی لئے وہ ہر خطا سے پاک اور ہر غلطی سے مبرّا ہو، پس ہر وہ ہاتھ جو اس کی اس عصمت کو داغدار بنانے کی کوشش کرے گا اس کا کاٹ ڈالنا ہمارا فرض ہے،



بہرحال اس گئے گذرے زمانہ مین بھی خدا کا شکر ہے کہ فتنہ نگار کے جواب مین ہر کلمہ گو مسلمان نے یکسان حصہ لیا، اور یہ دکھا دیا کہ ہر قسم کے اختلافون کے باوجود ہماری وحدت کی یہ شہ رگ آسانی سے نہیں کٹ سکتی سنّی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد، دیوبندی، بریلوی، ندوی، امّت مسلمہ یا اہلِ قرآن یہان تک کہ قادیانی احمدی وا

شذرات

قوموں کی زندگی کی اصل روح چند حقیقتوں پر یقین ہے، یہ یقین جس شدت اور استحکام کیساتھ ہوگا، اسی قدر اس قوم کی زندگی کی روح تازہ، زندہ، تابندہ، پایندہ اور سرگرم عمل ہوگی، یہی ایک روح جب متعدد افراد انسانی میں جلوہ گر ہو تو وہ کل مل کر ایک حقیقی جماعت کی شکل پیدا کرتی ہے، اور جب ایسے افراد کی تعداد قابل لحاظ حد تک پہنچ جاتی ہے تو ایک بڑی قوم یا بڑی ملت کا وجود ہو جاتا ہے، اور ان کے درمیان ان چند حقیقتوں پر یقین اتصال کا وہ نقطہ اور اجتماع کا وہ مرکز بن جاتا ہے جس پر آکر اس قوم و ملت کے کاروبار کے سارے دائرے ختم ہوتے ہیں، جس حد تک ان حقیقتوں کا یقین ان افراد میں پایا جائے گا اسی قدر ان افراد کی اجتماعی طاقت اور متحدہ قوت ناقابل شکست ہوگی،

زوال پذیر قوم میں یقین کی یہی گرہ کھل جاتی ہے، وہ یقین جس نسبت سے زائل ہونے یا سست پڑنے لگتا ہے، اسی نسبت سے اسکے افراد کی اجتماعی اور مرکزی طاقت کمزور ہونے لگتی ہے یہانتک کہ وہ مٹتے مٹتے بالکل مٹ جاتی ہے اور وہ قوم فنا ہو جاتی ہے،

قوموں کی ترقی و تنزل کا یہی راز ہے، اسی اصول کے مطابق ازل سے ابد تک قومیں بنتی اور بگڑتی جیتی اور مرتی ہیں، جب کبھی کوئی قوم بڑھیگی تو اسی اصول سے اور مریگی تو اسی اصول کے مطابق، یہ سنت اللہ

مقالات

وحی از روے قرآن
اور
مدعی کا تضاد بیان

از سید سلیمان ندوی

(۲)

شخص مذکور نے بکمال تفاخر قرآن پاک کی اُن چند آیتون سے جن مین بعض جانور اور بعض غیر پیغمبرون کی طرف وحی کی نسبت ہی، یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ وحی "برمحل سوجھ بوجھ" اور "نفسانی تاثرات" کا نام ہے، حالانکہ برمحل سوجھ بوجھ سے مقصود وہ علم ہے، جو انسان کو غور و فکر و استدلال اور ذاتی تجربہ و مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے، اور وہ کسب و نظر اور حواس کا فیض ہے، اور صحت اور خطا دونون کا مورد ہے، اور وحی اس علم کا نام ہے، جو خدا کی جانب سے بندہ کو بندہ کے غور و فکر اور تجربہ و مشاہدہ کے بغیر عطا ہوتا ہے، اور وہ سراپا یقین اور یکسر صحیح ہوتا ہے جس مین خطا کا امکان ہی نہیں اور اسکو ہر خطا سے محفوظ رکھا جاتا ہے،

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ	اور یہ وہ زبردست کتاب ہی کہ باطل جس
الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا	کے نہ سامنے سے اوس کے پاس پہونچ سکتا
مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ	ہے، اور نہ پیچھے سے، ایک حکمت والے

ہر ایک نے شخص مذکور کے ہفوات پر لعنت بھیجی، اور اپنے اپنے خیال کے مطابق اُنکی پر زور تردید کی۔

بہار کے ممتاز فاضل و ادیب مولوی ریاض حسن خان صاحب خیال رئیس مظفرپور اپنے ایک عنایت نامہ مین لکھتے ہین کہ "پچھلے پرچہ سے کلام اللہ پاک کی وحی پر جو مضمون شروع ہوا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کو علحدہ رسالہ کی صورت مین چھاپا جائے" اگر اور دوسرے احباب بھی ان کی اس تجویز کو پسند فرمائین تو اسکی تعمیل اس طرح کیجائے کہ نیاز نامہ کے نام سے ان تمام مستند تحریرون کو یکجا کر دیا جائے جو اس کافر بے ادب کی تردید مین اہل علم کے قلم سے نکلی ہین،

آجکل کی بیرونی ڈاک کی بے نظمی سے دوسرے اسلامی ملکون کا حال بہت کم ملتا ہے، تاہم اس اثنا مین مصر کی ایک ڈاک آئی جس سے یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر عبدالحمید سعید کی وفات سے مرکزی جمعیۃ شبان المسلمین مصر کی صدارت کی جو جگہ خالی ہو گئی تھی اس کے لئے ہز ایکسلنسی محمد صالح حرب پاشا سابق وزیر دفاع حکومت مصر کا انتخاب ہوا ہے، اس انتخاب کے جلسہ مین مصر کے علاوہ چین، سوماٹرا، البانیا، فلسطین، یمن، الجزائر وغیرہ دوسرے ملکون کے نمایندون نے بھی حصہ لیا، امید ہے کہ جس طرح وزیر موصوف سیاسی و ملکی دفاع مین کامیاب ہوئے ہین اسی طرح دینی و اسلامی دفاع مین بھی کامیاب رہین گے،

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مدیر معارف نے جو ۰۰ ۱صفحون کی مختصر اور آسان سیرت طالب علمون اور مبتدیون کے لئے لکھکر دارالعلوم ندوہ کی امداد کے لئے وقف کی ہے وہ بحمداللہ کہ مسلمانون مین مقبول ہو رہی ہے ایک مہینہ کے اندر اس کے ایک ہزار نسخے فروخت ہو چکے ہین، بہت سے اہل خیر حضرات نے اسکے کئی کئی نسخے خرید کر عام لوگون مین تقسیم کئے ہین، اور ابتک یہ سلسلہ جاری ہے، ایک مخدوم نے جنکا ہاتھ ہر نیکی کی طرف سب سے پہلے بڑھتا ہے، اور جو تعیبہ کے نکرہ ہونے کے باوجود بھی اہل نظر کی نگاہون مین معروف ہین، یہ قدر فرمائی ہے کہ سو نسخے ایک ایک نسخہ پانچ پانچ روپیہ کو خرید کر مفت تقسیم فرمایا ہے، اُمید ہے کہ دوسرے اہل خیر بھی اسی قدردانی اور فیاضی کا ثبوت دینگے،

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ، (مائدہ-۷)	اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری،
اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (زمر ۱)	ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کیساتھ اتاری
اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ (زمر ۴)	ہم نے تجھ پر یہ کتاب لوگوں کیلئے سچائی کیساتھ اتاری

اسی معنی کی اور بہت سی آیتیں قرآن پاک میں ہیں، اُن سے واضح ہوگا، کہ قرآن پاک کا یہ عمومی دعوی ہے، کہ اس میں جو کچھ ہے، وہ یکسر حق، تمامتر صداقت اور سراپا یقین ہے یہ انسانی سمجھ بوجھ" نفسانی تاثر اور یہود و نصاری کے "مسروقہ مضامین" نہیں ہیں،

سورۂ ہود میں ایک آیت ہے، جو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ خاص اسی قسم کے خرافات نگار کی تردید میں ہے ارشاد ہے،:-

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ	تو اس کتاب کے اللہ کی طرف سے ہونے
مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا	میں شک نہ کر، وہ بالکل ہی حق ہے لیکن
يُؤْمِنُوْنَ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى	اکثر لوگوں کو ایمان نہیں، اور اس شخص سے
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ	بڑھکر ظالم کون ہوگا، جو خدا پر جھوٹ باندھے
عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ	ایسے لوگ اپنے پروردگار کے روبرو پیش
هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ	کئے جائیں گے، اور گواہ کہیں گے کہ یہی
اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ الَّذِيْنَ	وہ ہیں جو اپنے پروردگار پر جھوٹ جوڑتے
يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا	تھے، ہاں ان ظالموں پر اللہ کی لعنت

لے یعنی یہ کہے کہ خدا نے مجھ پر کتاب اتاری، حالانکہ خدا نے نہیں اتاری، بلکہ خود گھڑ کر بنائی ہے، جیسا کہ مضمون نگار کا افترا زعم باطل ہے،

حَمِيْدٍ ۵ (حم سجدہ ۵-۵)	خوبیوں والے (خدا) کی طرف سے اتری ہی
عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى	خدا غیب کا دانا ہے، وہ اپنے غیب کی
غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ	بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن رسولوں
رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ	میں سے جس کو پسند کرے، تو وہ چلاتا ہے اس
وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ	کے سامنے اور اس کے پیچھے سے نگہبان،
اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ	تاکہ ظاہر کرے کہ ان رسولوں نے اپنے
بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ	پروردگار کے پیغاموں کو پہنچا دیا، اور اس
عَدَدًا ،	نے اُس کے پاس جو ہے اس کو گھیر رکھا ہے
(جن - ۲)	اور ہر چیز کو گن لیا ہے،

اور اسی لئے وہ اَلْحَق ہے یعنی یقینی اور سچی،

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ	یہ سچی بات تیرے پروردگار کی طرف سے
الْمُمْتَرِيْنَ (آل عمران ۶)	ہے، تو تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو،

خاص قرآن پاک کی نسبت ہے،

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ	یہ ہیں آیتیں کتاب کی، اور وہ چیز جو اتاری
اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	گئی ہے تیری طرف تیرے رب کی طرف سے
لَا يُؤْمِنُوْنَ (رعد ۱)	سچ اور یقینی ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے
وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ	اور جن کو علم دیا گیا ہے، وہ جانتے ہیں
اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ،	کہ جو تیری طرف تیرے پروردگار کی
(سبا - ۱)	طرف سے اترا ہے، وہی حق ہے،

اس صورت مین الہام یا وحی سے مراد صرف وہ تاثرات ہون گے، جو ایک انسان یا رسول کے دل و دماغ مین پیدا ہوتے ہین، اور جنھیں وہ مروجہ زبان مین نہایت کامیابی وخوش اسلوبی سے ادا کر دیتا ہے..... قرآن مجید مین اسرائیلیات کا حصہ کوئی تاریخی حیثیت نہین رکھتا، اور نہ اسے کلام مجید مین درج ہونے سے صحیح کہا جا سکتا ہے، عہد نبوی میں اس قسم کی روایتین تورات و انجیل کے حوالہ سے یہود و نصاریٰ کی طرف سے عام طور پر بیان کیجاتی تھین اور چونکہ تورات انجیل کے الہامی ہونیکا غلط خیال پہلے ہی سے قائم تھا اسلئے رسول اللہ نے بھی ان کو محض اعتبار و بصیرت کے لئے بیان کر دیا، اس سے کوئی بحث نہین کہ وہ صحیح ہے یا غلط"

سچائی کا کوئی ذرہ نصیب ہو سکتا ہے،

مشرکین کا تو دعویٰ ہی یہ تھا کہ قرآن خدا کا کلام نہین، اور نہ اسکو فرشتہ لاتا ہے، بلکہ محمد اپنے جی سے گھڑ کر اور پرانے قصوں (اساطیر الاولین) کو سن کر بنا لیتے ہین، اور جھوٹ خدا کی نسبت کر دیتے ہین، اب اگر یہی بات ایک نام کا مسلمان کہتا ہے، تو اس میں اور ابو لہب اور ابوجہل وغیرہ مین فرق کیا ہے، قرآن مجید نے ان کے اسی اعتراض کو افترا علی اللہ (خدا پر جھوٹ باندھنا) کہکر ادا کیا ہے، اور اسکی جا بجا تردید کی ہے، کفار کہتے تھے :-

ان ھو الا رجل افتریٰ علی اللہ کذبا (مومنون) — محمد ایک ایسا شخص ہے جو خدا پر جھوٹ باندھتا ہے

ام یقولون افتریٰ علی اللہ کذبا (شوریٰ) — کیا یہ کافر کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے

اسکے جواب مین خدا فرماتا ہے اے پیغمبر!

قل ان افتریتہ فعلیّ اجرامی (ھود ۳) — کہدو اگر مین نے اس قرآن کو خدا پر جھوٹ باندھا ہے تو میرے ارتکاب جرم کا وبال مجھ پر ہے

قل ان افتریتہ فلا تملکون لی من اللہ شیئا (احقاف) — کہدے کہ اگر مین نے اس قرآن کو خدا پر جھوٹ باندھا ہو تو تم اللہ کی طرف سے میرے بچانے کا اختیار نہین رکھتے

عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كٰفِرُوْنَ۔ جو اللہ کے راستہ سے لوگون کو روکتے ہین
(ھود ۲) اور اس راہ کو وہ کج بنانا چاہتے ہین، اور
وہی آخرت کے منکر ہین،

اوس شخص سے بڑھکر دروغگو اور کون ہوسکتا ہے، جو یہ دعوی کرے کہ خدا نے فرشتہ کے ذریعہ مجھ پر کتاب نازل کی ہے، حالانکہ وہ خود اسکی "ذاتی سمجھ بوجھ" اور "نفسانی تاثرات" کا نتیجہ ہے،

اسی سورہ میں خاص نقصِ قرآنی کے سلسلہ مین حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد ارشاد ہے،

تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ یہ غیبی اطلاعون مین سے ہی، جن کو ہم تجھ
اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَ پر وحی کرتے ہین، تو نہ تو خود ان کو اس
لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ط سے پہلے جانتا تھا، اور نہ تیری قوم
(ھود ۴) جانتی تھی،

آپنے دیکھا کہ قصصِ قرآنی اون غیبی اطلاعات مین سے ہین جن سے نہ صرف یہ کہ اس وحی سے پہلے آپ کو واقفیت نہ تھی، بلکہ ساری قوم عرب اُن سے ناواقف تھی، **غیبی اطلاعات** یہود ونصاریٰ کے مسموعات اور مسروقات نہیں، اعرب کی گذشتہ قومون کے حالات سنانے کے بعد ارشاد ہے،

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ ان آبادیون کا تھوڑا حال ہم تم کو
اَنْبَآئِهَا (اعراف ۱۳) سُناتے ہین،

یہ سُنانے والا اور بتانے والا کون ہے؟ کیا خود خدا نہیں،

کیا اب بھی اس باطل نگار کے اس دعویٰ کی:۔

سے اوس کے قلم سے نکلا تھا، ذرا اس "عذر گناہ" کو اصل گناہ سے ملا کر دیکھئے، کہ مسلمانون کی گرفت سے گھبرا کر کہان سے کہان پہونچا ہے، اس کا اصل دعوی تو یہ تھا:

"کلام مجید کو نہ مین کلام خداوندی سمجھتا ہون، نہ الہام ربانی، بلکہ انسان کا کلام جانتا ہون، اس صورت میں الہام یا وحی سے مراد وہ تاثرات ہون گے، جو ایک انسان یا رسول کے دل و دماغ مین پیدا ہوتے ہین، اور جنھیں وہ مروّجہ زبان مین نہایت کامیابی سے ادا کر دیتا ہے"

آپ نے دیکھا پہلے اوس نے وحی و الہام کے معنی **انسانی تاثرات** کے بتائے تھے، اور اب ترقی کر کے قرآن پاک کی اُن آیتون سے جن مین وحی کا لفظ ایک خاص معنی مین استعمال ہوا ہے، یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ وحی کے معنی برمحل **سوجھ بوجھ** کے ہیں، حالانکہ ان دونون کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہے، تاثرات غور و فکر کے بغیر واقعات کے انفعالی نتائج کا نام ہے، جو شاعر کے کام کی چیز ہے، اور جس کی قرآن نے اپنے سے نفی کی ہے، مَاهُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ یعنی قرآن شاعر کا کلام نہیں، یا یون کہئے، کہ تاثرات شاعرانہ کا نتیجہ نہیں، اور "سمجھ بوجھ" انسانی غور و فکر کا ارادی نتیجہ ہے، اگر قرآن پاک سمجھ بوجھ اور انسانی غور و فکر کا ارادی نتیجہ ہوتا تو اسکی نسبت خدا کی طرف کر کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کیا اوسی افترا علی اللہ کے مرتکب نہین ہوئے، جس کا الزام کفار آپ پر لگاتے تھے،

بہرحال اپنے مضمون کی دوسری منزل مین مدعی نے یہان تک تو ترقی کی، کہ کسی نہ کسی معنی مین وہ قرآن پاک کو وحی و الہام ماننے پر اتر آیا، اور جس کے قلم سے ایک مہینہ پہلے یہ نکلا تھا کہ

"کلام مجید کو نہ مین کلام خداوندی سمجھتا ہون اور نہ الہام ربانی"

اس کے قلم سے ایک ہی مہینہ کے بعد یہ نکلا:-

سورۂ انعام مین ہے :۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ	اور اس سے بڑھکر کون ظالم ہوگا جو
کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ	اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے، اور جو کہتا ہے
اِلَیْہِ شَیْءٌ،	کہ مجھ پر وحی بھیجی گئی ہے، حالانکہ اس پر
(انعام ۱۱)	کوئی وحی نہیں آئی،

کیا عجیب بات ہے کہ قرآن پاک تو اس افترا کی نفی کرتا ہے، اور نام کا مسلمان اوس کو رسول کے لئے ثابت کرنے کی جرأت کرتا ہے، کفار کے اس دعوائے افترا علی اللہ کے جواب مین بے شمار آیتین ہین جن کا یہان نقل کرنا بھی مشکل ہے،

قرآن پاک مین لفظ وحی آسمان وزمین اور بعض جانورون اور دوغیر نبی انسانون کی شان مین بھی آیا ہے، اس سے اس غلط نگار نے یہ نتیجہ نکالا ہے :۔

> "وحی کے لغوی معنی اشارۂ سریع یا الہام بالسرعت کے ہین، اردو مین اس کا صحیح مفہوم "برمحل سوجھ بوجھ" کے فقرہ سے ظاہر کیا جا سکتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ قوت کسب و اکتساب سے تعلق نہین رکھتی، بلکہ فطری ودیعت ہے، اس لئے ہم کہہ سکتے ہین، کہ وحی "خدا کی دین" اور نتیجہ ہے اس ذہنی قوت کا جو فطرۃً انسان مین ودیعت کی گئی ہے، اور چونکہ یہ قوت انبیاء مین زیادہ پائی جاتی تھی، اور ان کا ہر قول وفعل صرف نوع انسانی کی خدمت کے لئے ہوتا تھا اس لئے یہ کہنا نادرست نہین کہ ان کی ہر بات وحی کا نتیجہ تھی، اور ان کے منہ سے جو کچھ نکلتا تھا، وہ اسی اشارۂ خداوندی کے ماتحت ہوتا تھا"

(جولائی ص ۵۹)

کیا ان سطرون مین جو کچھ کہا گیا ہے، وہ وہی ہے، جو گذشتہ پرچہ مین بڑے عالمانہ نازو

کاش اوس نے یہی کہا ہوتا، یہ کون نہین کہتا کہ خدا نطق و کلام کی اُس صفت سے مبرّا ہے، جو تمام انسانون مین پائی جاتی ہے، اور قرآن مجید کو کلام خدا کہنا ان معنون مین نہین لیکن سوال یہ ہے کہ کلام کے ساتھ "نطق" کا لفظ اس منزل مین پہونچکر کہان سے شامل ہو گیا، نطق کا لفظ تو اب تک کہین نہین آیا ہے، اور نہ اس کا کسی کو دعویٰ ہے،

لیکن اسی کے ساتھ یہ راے باطل بھی ہے :-

"مین کہتا ہون کہ رسول کی عظمت اسی مین ہے، کہ قرآن کو اشارۂ خداوندی کے ماتحت رسول کے ذہن و دماغ کا نتیجہ سمجھا جائے" (ص ۴۳)

"اشارۂ خداوندی" جب مسلّم ہے، اور یہ کوئی موثر چیز بھی ہو تو پھر رسول کے ذہن و دماغ کا کارنامہ کہان رہا،

مدعی اگر واقعی رسول کی عظمت کے لئے بے چین ہے، تو رسول کی اس عظمت کیلئے وہ کیون بے چین نہین، کہ اوس کو اس دعوی مین کہ جو کچھ وہ پیش کرتا ہے وہ حرف حرف اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہے صادق اور راستباز یقین کرے، اور اسکو اسکے اس دعوی مین مفتری و کاذب نہ ٹھہرائے،

تاہم اس مقام پر اتنی ترقی اور ہوئی، کہ گویا وہ شخص جس نے یہ اعلان کیا تھا، کہ مین قرآن کو خدا کا کلام نہین مانتا، اب یہ کہنے لگا، کہ

"مین نے جون مین "آتشِ نمرود" پر بحث کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ قرآن مجید اس معنی مین کلام ربانی نہین ہے، جو عام طور پر سمجھے جاتے ہین، (صفحہ ۵)

جون کے الفاظ اور اب اگست مین اس بیان کے الفاظ کو ملاحظہ فرمائیے، کیا یہ ایک ہی شخص کے غیر متبدل عقیدہ کی تصریح ہے، بہرحال اس اگست کے عقیدہ سے معلوم ہوا، کہ ہمارا مدعی اب کسی نہ کسی نوع مین قرآن مجید کو کلام ربانی ماننے کیلئے آمادہ ہو،

"اس لئے یہ کہنا درست نہیں، کہ ان کی ہر بات وحی کا نتیجہ تھی، اور ان کے منہ سے جو کچھ نکلتا تھا، وہ اسی اشارۂ خداوندی کے ماتحت ہوتا تھا" (جولائی ص ۵۹)

اشارۂ خداوندی کے ماتحت جو چیز ہے کیا وہ غلط ہو سکتی ہے،

آگے چلئے اگست کے پرچہ مین کسی صاحب نے پوچھا کہ جب قرآن پاک انسانی کلام ہے تو اوس کے دعوی اعجاز کے پھر کیا معنی ہون گے، اوس سلسلہ مین ارشاد ہوتا ہے :۔

"یہ درست ہے کہ قرآن مین یہ بھی کہا گیا ہے، کہ رسول اللہ نے قرآن نہیں بنایا، (أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ) لیکن اس کے معنی صرف یہ ہین، کہ رسول نے جو کچھ کہا ہے، وہ ہوائی باتین نہین، مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، بلکہ وہ نتیجہ ہے اوس وحی یا اُس تائید غیبی کا جو ذہنی بلندی کی صورت مین رسول اللہ کی فطرت مین خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے"۔

(صفحہ ۶۳)

لیجئے اب تو معاملہ یہان تک آگیا، کہ اوس نے جس کے قلم سے یہ نکلا تھا، کہ مین قرآن کو الہام خداوندی نہیں سمجھتا، اوس نے برمحل سوجھ بوجھ سے ترقی کرکے وحی یا تائید غیبی کی منزل تک رسائی حاصل کر لی، یہ غیب کی تائید اور غیب کی قوت کیا چیز ہے، کیا خدا ہی کی تعبیر نہیں، معاملہ آگے بڑھتا ہے، مولوی عبد الماجد صاحب کے جواب مین اُسی مہینہ کے پرچہ مین ص ۲، پر اوسکو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا :۔

"مین کہتا ہون کہ خدا "نطق وکلام" کی اس صفت سے مبرا ہے، جو تمام انسانون مین پائی جاتی ہے، اور قرآن مجید کو اوس معنی مین خدا کا کلام کہنا خدا کی توہین ہے، اور یہ تصور وحدانیت کے سراسر منافی"۔

---

[1] معارف :۔ عربی جاننے والے اس مدعی باطل کے فضل وکمال کا ماتم کرین،

محض اعتبار و بصیرت کے لئے بیان کر دیا۔" (نگار ماہ جون)

جب مدعی کے نزدیک پہلے قرآن کا تعلق وحی و الہام سے نہین تھا، تو اوس کے قصص کے حصّہ کا بھی ظاہر ہے، کہ وحی و الہام سے کیونکر تعلق ہو سکتا ہے، کیا فاضل مدعی کا خیال اس تضاد بیان کی طرف منتقل ہوا، ؟ آخر اس عدم حافظہ کی وجہ کیا؟

پھر اس نمبر مین اس سے چند صفحے آگے بڑھکر ص ۱۷ مین پروفیسر نواب علی صاحب کے جواب مین ارشاد ہوتا ہے:

" میرے ان کے درمیان کلام اللہ کے عقیدہ مین بظاہر بہت کم اختلاف ہے۔ مین بھی قرآن مجید کو وحی و الہام کا نتیجہ سمجھتا ہون لیکن صرف مطالب قرآن کی حد تک، اور ہرچند الفاظ قرآنی انسانی کلام ہین لیکن چونکہ وہ نتیجہ ہین ایک مخصوص "وجدان" کا، اسلئے لفظی حیثیت سے بھی میں ان کا مرتبہ بہت بلند سمجھتا ہون"۔

اس مین شک نہیں کہ قرآن میں جو قصص بیان کئے گئے ہین وہ اسرائیلیات سے مختلف ہین لیکن بحیثیت مجموعی ان کو صحیح باور کرنے مین ہمین عقل کو نظر انداز کرنا ضروری ہوجاتا ہے، اور یہی پہلو ہمیشہ میری نگاہ مین کھٹکتا ہے۔"

وہ شخص جو چند ماہ پہلے کلام مجید کو نہ کلام الٰہی مانتا تھا، نہ الہام خداوندی، وہ یہان تک تو خدا خدا کرکے پہنچا کہ معانی و مطالب کی حد تک وہ اوس کو وحی و الہام کا نتیجہ سمجھنے لگا، ہرچند کہ الفاظ مین اس کو شک ہے،

تاہم وہی قصص قرآنی جن کی نسبت اسی پرچہ مین ابھی چند صفحے پہلے یہ کہہ چکا ہے۔

ف معارف:۔ کیا ہمارے مخدوم پروفیسر نواب علی صاحب کو بھی اس سے اتفاق ہے،

کلٌّ یدّعی وصلاً بلیلی ولیلی لا تقرّ لھم بذاک

کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے

اب ستمبر کا نمبر آتا ہے، اس مین کوئی طالب صفوی صاحب آتے ہین، (غنیمت ہے کہ "قمر زمانی" نہین[1]) اس مضمون مین ایک عجیب وغریب حدیث کا حوالہ ہے جس کا صحاح میں تو پتہ نہین، بہرحال جو کچھ بھی کہا ہے، اوس سے مدعی اپنا اتفاق ان الفاظ مین ظاہر کرتا ہے،

"وہ بعض متکلمین کی طرح قرآن کے مضمون ومعانی کو اصل قرآن قرار دیتے ہین، اور الفاظ کو حادث سمجھ کر رسول اللہ سے منسوب کرتے ہین، بالکل یہی خیال میرا ہے"۔ (ص ۵۹)

بہت مناسب! آگے وہ صاحبِ قلم جو قصصِ قرآنی کو یہود ونصاری کی سنی سنائی باتون سے ماخوذ بتا رہا تھا، اب یہ کہتا ہے کہ

"اب رہا قصص قرآنی کا مسئلہ سو مین نے یہ کبھی نہین کہا کہ ان کا تعلق وحی والہام سے نہین ہے، لیکن یہ ضرور کہتا ہون کہ ان کو تاریخی اہمیت نہین دینی چاہیئے، بلکہ ان کی اس روایتی اہمیت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے، جس کا تعلق درس اعتبار وبصیرت سے ہے"۔

(اگست ص ۵۹)

کیا ان سطرون کا لکھنے والا اپنے قول مین صادق ہے، ؟ کیا اوس نے یہ نہین لکھا تھا :۔

"کلام مجید کو نہ مین کلام خداوندی سمجھتا ہون، نہ الہام ربانی، بلکہ انسان کا کلام جانتا ہون ...... کلام مجید مین اسرائیلیات کا حصہ کوئی تاریخی حیثیت نہین رکھتا، اور نہ اُسے کلام مجید مین درج ہونے سے صحیح کہا جاسکتا ہے، عہد نبوی مین اس قسم کی روایتین تورات وانجیل کے حوالہ سے یہود ونصاری کی طرف سے عام طور پر بیان کیجاتی تھین، اور چونکہ توریت وانجیل کے الہامی ہونے کا غلط خیال پہلے ہی سے قائم تھا، اسلئے رسول اللہ صلعم نے بھی ان کو

---

[1] کہتے ہین کہ پہلے نقاد آگرہ مین مدیر نگار اس شکل مین ظاہر ہوتے تھے،

نسبت اپنی طرف کی ہے، اور کسی زبان مین کوئی چیز ہو نہین سکتی، جب تک اوس کلام کے الفاظ خود اوس زبان کے نہ ہون، اوس کے معنی یہ ہوے کہ اوس کے تمام الفاظ بھی اللہ کی طرف سے وحی اور نازل ہین، اس باب مین اب ایک آخری آیت پیش ہے، جو اس مسئلہ کے لئے قطعی فیصلہ کن ہے،

ارشادِ الٰہی ہے :-

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥	اور یہ قرآن پروردگار عالم کی طرف سے
نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ٥ عَلٰى	اتارا گیا ہے، اوس کو لیکر روح الامین
قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ٥	تیرے دل کے اوپر اترا ہے تاکہ تو ہو ڈر
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ،	سُنانے والون مین سے، بیان کرنے والی
(شعراء ۱۱)	عربی زبان مین،

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کو خدا نے اتارا ہے، روح الامین اوس کو لیکر قلب نبوی پر اترا اور فصیح وبلیغ عربی زبان مین،

یہ تو قرآن پاک کی آیتون سے استشہاد تھا، لیکن چونکہ ہمارے مدعی کو "عقل" بہت پسند ہے اور اوسی سے مذہبیات مین بہت ڈرتا ہے، اس لئے اوس سے یہ سوال دلچسپ ہوگا کہ کیا اُس نے یہ غور کیا ہے، کہ "تبہ علمیہ" یا کلام فی النفس کے علاوہ جسکو کلام نفسی کہتے ہین، معانی ومطالب جب ذہن انسانی مین خطور کرین گے، تو کیا وہ الفاظ کے لباس کے بغیر عریان خیال مین بھی آسکتے ہین کیا یہ صحیح نہیں کہ جس طرح مادیات شکل وصورت کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہو سکتے، اوسی طرح معنویات الفاظ کے پردہ کے بغیر خطور نہین کر سکتے ؟

یاد ہوگا کہ مدعی نے یہ سارا جھگڑا[۱] اسلئے مول لیا تھا کہ کسی صاحب حسین مراد آبادی نے جو غالباً

---

[۱] اور اگر حقیقت مین مراد آباد مین کوئی صاحب اس نام کے ہین جنھون نے مدیر نگار سے یہ سوال کیا تھا تو ان کا

اب رہا قصص قرآنی کا مسئلہ سو مین نے یہ کبھی نہین کہا، کہ ان کا تعلق وحی والہام سے نہین، (ص ۵۹)
اب چند صفحون کے بعد ان کی صحت اوس کو پھر کھٹکنے لگی،

اچھا تو کیا اب مدعی یہ کہتا ہے کہ قصص قرآنی کا تعلق وحی والہام سے ہے، ؟ اگر یہ کہتا ہے تو پھر وحی والہام کی باتون مین اوس کو شک کیون ہے، ؟ اور پھر ان قصص کو یہود ونصاریٰ کے مسموعات سے ماخوذ دو ماہ پہلے کیون بتایا تھا،

بہر حال اب جب مدعی نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ قرآن پاک کو معانی ومطالب کی حد تک وحی والہام سمجھتا ہے، تو کیا ان معانی ومطالب مین قصص قرآنی بھی داخل ہین یا نہین، ؟ اگر داخل ہین تو پھر وہ بھی وحی والہام کی اطلاع کا نتیجہ ہین،

اب رہا یہ سوال کہ آیا قرآن کا دعویٰ منزل من اللہ ہونے کا مع اپنے الفاظ اور زبان کے ہے، یا صرف معانی ومطالب کی حد تک ؟ اس بارہ مین قرآن پاک کے یہ الفاظ غور کے قابل ہین

ارشاد خداوندی ہے :-

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (یوسف)	ہم نے اوس کو عربی قرآن بنا کر اتارا،
وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (رعد ۵)	اور اسی طرح ہم نے اوس کو عربی زبان مین حکم بنا کر اتارا،
وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (طٰہٰ)	اور اسی طرح ہم نے اوس کو عربی قرآن
إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ، (زخرف)	بیشک ہم نے اسکو عربی قرآن بنایا تاکہ تم سمجھو
وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا، (شوریٰ)	اور اسی طرح ہم نے عربی زبان مین قرآن تم پر اتارا،

ان تمام آیتون مین غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو عربی زبان مین نازل فرمانے کی

عقلیت پرستی پر ایک نظر

از

جناب مولوی محمد مظہر الدین صاحب صدیقی بی اے حیدرآباد دکن

اس سے[1] قبل ایک مضمون مین بتا چکا ہون، کہ مغربی تمدن نے عقل کے جائز حدود کو پہچاننے مین بڑی سخت ٹھوکر کھائی، جس کی وجہ سے اس تمدن مین طرح طرح کے لامرکزی میلانات پیدا ہوگئے، اور فکر کی بے قید آزادی نے اخلاقی زندگی کو تباہ و برباد کر ڈالا، مغربی تمدن کا جب مشرقی اقوام سے تصادم ہوا، توان قومون مین بھی رفتہ رفتہ یہ عقیدہ زور پکڑ گیا، کہ تمدنی اور معاشرتی امور مین مذہب واخلاق کے لئے کوئی جگہ نہین ہے، کیونکہ انسانی عقل اب اتنی کافی ترقی کر گئی ہے کہ دنیا کے تمام معاملات وامور مین عقل کی ہدایت سے کام چلایا جا سکتا ہے، نظریۂ ارتقا جس کی صداقت پر مغرب کے زیر اثر مشرق بھی ایمان لا چکا ہے، مذہب پر بھی چسپان کر دیا گیا اور یہ ثابت کیا گیا، کہ دنیا کے تمام مذاہب انسانی عقل کی نشو ونما کے مختلف مدارج ہین، اور ان کی ضرورت اسی وقت تک تھی، جب تک انسانی فکر اُس مرتبہ کمال تک نہین پہونچی تھی، جہان وہ آج جلوہ فرما نظر آتی ہے، غرضیکہ مختلف اسباب کی بنا پر عقل کی ہمہ گیری اور ہمہ بینی کا خیال دلون مین جاگزین ہوگیا، اور الہامی ہدایت کی ضرورت سے انکار کیا جانے لگا،

---

[1] یہ مضمون جس کا عنوان "نیا نظم عالم" تھا، جامعہ کے جولائی اور اگست ۱۹۴۰ء نمبر مین باقساط شائع ہوچکا ہے،

فرضی نام ہی، حضرت ابراہیمؑ کے آگ مین جلائے جانے کے قصہ کی نسبت یہ سوال کیا تھا، کہ جب یہ قصہ قرآن پاک مین ہی تو ہمکو اس کی واقعیت پر یقین لانا چاہئے، اسکے جواب میں مدعی نے یہ کہا کہ قرآن پاک نہ کلام الٰہی ہے نہ الہام ربانی اور نہ اوس قصہ کے درج قرآن ہونے سے اوسکی صداقت لازم آتی ہی کیونکہ رسول اللہ نے توراۃ و انجیل کے قصوں کو سنکر اوران کو الہامی جان کر درج قرآن کر دیا ہے،

اب جب کہ مدعی معانی و مطالب کی حد تک قرآن پاک کو وحی والہام مان چکا ہی، تو یہ قصہ بھی جن لفظون مین قرآن پاک مین ہی، وہ مطلب و معنی ہی کی حد تک سہی الہامی ٹھہرا اور جب الہامی ہوا تو پھر اوسکی تصدیق سے اب کیونکر چارہ ہے ؟ کیونکہ ظاہر ہی کہ واقعیت و عدم واقعیت کا تعلق مطالب و معانی سے ہی نہ کہ الفاظ و عبارات سے، تو جب قرآن پاک مطالب و معانی کی حد تک وحی والہام اور قوت علمی کا نتیجہ ہوا، تو اب اس منزل مین اس مینہ پہونچکر قرآن پاک کا ہر واقعہ مطلب و معنی کی حد تک یقینی قطعی ریب و شک سے بالاتر، اور اوس کا ذریعۂ علم وحی الٰہی، تنزیل ربانی، فرمودہ خداوندی، انسانی سمجھ بوجھ سے بری، اور مسموعات انسانی سے پاک و منزہ قرار پاگیا یا نہین، اور اگر نہین تو مدعی کتنی ہی تاویلون کے پردے ڈالے وہ اب بھی ایمان بالقرآن سے محروم ہے،

مدعی نے ستمبر مین لکھا ہی کہ چند علما ء انکی تائید مین ہین، جو الفاظ قرآنی کو محمد رسول اللہ صلعم کی تالیف بتاتے ہین، کیا مہربانی کرکے اُن علماء کی تصنیفات کے حوالون سے مطلع کیا جائے گا، وہ بھی صاحب مراد ابادی کی طرح کی ہستیان تو نہین ہین،

بہرحال اب ہماری درخواست ہے کہ مدعی جس منزل تک اس مینہ مین پہنچ چکا ہے اب آیندہ اس مین آگے کو اپنی ترقی وہ جاری رکھے یا نہین، مگر خدا کے لئے وہ اب پیچھے نہ ہٹے، اور وہین نہ پہونچ جائے جہان وہ جون ۱۹۴۰ء مین تھا، (باقی)

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۰) فرض ہے، کہ وہ اپنے نام و نشان کو ظاہر کرین،

اور صرف حواس کے فراہم کردہ مواد یا تجربہ پر اکتفا نہیں کرتا ہے، تو پھر یہ دعوی کرنے سے پہلے کہ عقل انسانی معاملات کے ہر گوشہ پر حاوی ہے، اور اس کی رہبری ہر طرح کے نقص سے پاک اور عیب سے بری ہے، ہمین فکری اعمال اور عقلی استدلال کی اساس و بنیاد پر ایک نظر ڈال کر یہ دیکھ لینا چاہئے کہ کہیں اس بنیاد مین تو کوئی نقص یا کمزوری ایسی نہین رہگئی ہے جس کی وجہ سے اس پوری تعمیر کا استحکام مشکوک ہو جائے، اگر غور کیا جائے، تو ہمارے تمام فکری اعمال اور علمی موشگافیاں اس عقیدہ کی منت کش ہین، کہ کائناتِ فطرت ایک عالم اسباب ہے، جہان ہر واقعہ علت و معلول کی زنجیرون مین جکڑا ہوا ہے، علت و معلول کا یہ تصور ہر علم کی اساس ہے، اور اگر کسی وجہ سے یہ اساس متزلزل ہو جائے تو ہمارے علم کی صداقت ہی سرے سے مشکوک ہو جاتی ہے زندگی کے معمولی تجربات سے لیکر سائنس کی اعلیٰ سے اعلیٰ تحقیقات اور تمدنی علوم کے بڑے سے بڑے استدلال مین یہ مفروضہ بطور بنیاد کے صحیح تسلیم کر لیا جاتا ہے، کہ اشیا کے خواص مین کبھی تبدیلی نہیں ہوتی ہے، اور کسی شے کے خواص اور اسکی تاثیر جو کچھ آج ہے پہلے بھی وہی تھی، اور آیندہ بھی رہے گی، دوسرے الفاظ مین کسی خاص علت کا ہمیشہ ایک ہی معلول ہوگا، آگ کی خاصیت ہے کہ وہ جلائے اور اس ایک علت سے ہمیشہ یہی معلول ظاہر ہوگا، اگر علت و معلول کا یہ لزوم اور خواص اشیاء کی ناتغیر پذیری کا یہ مفروضہ جو ہمارے استدلال کی جان اور عمل فکری کی روح ہے، کسی طرح غلط ثابت ہو جائے یا اسکی صداقت مشتبہ ہو جائے تو ہمارا علم بے بنیاد، ہمارے تجربات کی اصلیت مشکوک اور ہمارے اعمال و افکار کی اساس متزلزل ہو جاتی ہے،

لیکن جیسا کہ ہیوم نے اپنے رسالہ فہم انسانی مین ثابت کیا ہے کہ علت و معلول کے لزوم کا یہ تصور ہماری جبلت کا ایک کرشمہ ہے، اور عقل استدلالی کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ایک نرا مفروضہ ہے، جس کی صداقت مشتبہ اور ناقص نظر آتی ہے، علت و معلول کا تصور پیدا کس طرح سے ہوتا ہے،

جو لوگ تمدن و معاشرت کے دائرہ مین الہامی ہدایت اور مذہب کی رہنمائی کے منکر ہین،
انھین پہلے اس امر کی وضاحت کرنی چاہئے کہ عقل سے ان کی مراد کیا ہے، آیا یہ وہ روشنی ہے، جو
ہمارے حواس کے فراہم کردہ مواد کی ایک مرتب و منظم شکل سے پیدا ہوتی ہے، یا اوس سے مراد وہ قوت
ہے، جو اس مواد کو کام مین لاکر اس پر استدلال و تصورات کا سلسلہ قائم کرتی ہے، یا عامۃ الناس کی
وہ قابلیت مراد ہے جس کی وجہ سے وہ تجربات کا ذخیرہ فراہم کرتے ہین، اور گذشتہ تجربات کو آئندہ
پیش آنے والے حالات و واقعات مین اپنا رہبر بناتے ہین، اور اشیار کی علل قریبہ کا پتہ لگاتے ہین، یا اس
لفظ کا اطلاق فلاسفہ اور مفکرین کے منطقیانہ استدلال پر ہوتا ہے جس کی مدد سے وہ ہر واقعہ
کی علت بعیدہ تک پہونچتے ہین، اور ظاہری اسباب کی نظر فریبی سے بچکر حقیقی اسباب کا علم حاصل
کرتے ہین، اگر اوّل الذکر قوت مراد ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا، کہ ایسی عقل تمدن کے بنیادی معاملات
و امور کے لئے اور معاشرت کے پیچیدہ مسائل کے حل کے واسطے بالکل بے سود ہے، کیونکہ عقل تجربی
ہمارے فوری عملی اغراض کا ساتھ دیسکتی ہے لیکن تمدن کے پیچیدہ مسائل کے لئے اس کا وجود
بے کار ہے، اگر اس عقل پر بھروسہ کیا جائے، تو فلسفہ منطق سائنس اور عمرانی علوم کی ضرورت باقی نہین
رہتی ہے، کیونکہ ان سب علوم مین ہم محض حواس کے فراہم کردہ مواد سے کام نہین لیتے ہین، بلکہ
اپنی قوتِ استدلال سے اس مواد کو دشوار تر نتائج تک پہونچنے کے لئے کام مین لاتے ہین، اگر اس
عقل کی رہنمائی کافی سمجھی جاتی، تو جماعت کا ہر فرد اعلیٰ سے اعلیٰ فرائض کی انجام دہی کا مساوی
طور سے اہل قرار دیا جاتا، اور اس کے لئے عالم و جاہل، عقلمند اور بے وقوف کی تفریق غیر ضروری
سمجھی جاتی،

اگر ایسا نہیں ہے بلکہ عقل سے وہ ملکہ مراد ہے، جس کے ذریعہ انسان علت و معلول کا
نتیجہ در نتیجہ سلسلہ قائم کرکے اشیار کی ماہیت اور واقعات کے علل بعیدہ تک رسائی حاصل کرتا
ہے

معلول کے تصور تک انسانی ذہن کسی پیچیدہ استدلال یا فکری عمل کے ذریعہ نہیں پہونچتا ہے، بلکہ یہ اس کی عادت یا جبلت ہے جس کو عقل و استدلال کی کوئی قوت بدل نہیں سکتی ہے، بڑا سے بڑا فلسفی جب پہلی مرتبہ دو واقعات کو یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہوتے دیکھتا ہے، تو ان کے درمیان باہمی ربط کا تصور نہیں کر سکتا ہے، پھر جب وہ دوسری یا تیسری مرتبہ انہی دو واقعات کو یکے بعد دیگرے پیش آتا ہوا پاتا ہے، تو اوس کے ذہن مین اونکے باہمی ربط کا تصور اس پختگی کے ساتھ راسخ ہو جاتا ہے، کہ ان ہزاروں مثالوں کی بہ نسبت جو ابھی بطنِ مستقبل میں پوشیدہ ہیں، وہ بلا کسی استدلال اور بلا کسی شک و تذبذب کے یقین رکھتا ہے، کہ ہمیشہ جب ایک واقعہ ظاہر ہوگا، تو دوسرا بھی اسکے ساتھ ضرور ظاہر ہوگا، یہ کیا ہے استدلال کی کارفرمائی ہے یا عقل کی دانائی یا ان دونوں سے ماوری فطرت کا کوئی ایسا اصول اور جبلت کا کوئی ایسا تقاضا ہے جس پر جاہل انسان سے لیکر عالم فلسفی اور پیغمبر سب مجبور ہیں، جب یہ ثابت ہو گیا کہ علت و معلول کا تصور جو ہمارے فکری استدلال کی اساس و بنیاد ہے، عقل سے نہیں بلکہ جبلت سے پیدا ہوتا ہے، جو عقل سے ماوراء ایک جداگانہ قوت ہے، تو پھر عقل کی ہمہ گیری کا دعویٰ بھی غلط ثابت ہو جاتا ہے، اور اسکی محدودیت کا قائل ہونا پڑتا ہے، جتنا زیادہ غور کیجئے، یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اولیات اور اساسی تصورات کا ماخذ فکر و استدلال نہیں بلکہ انسان کے وجدانات ہیں اور حقیقت کی زمین کو فکر و تعقل کے آلات سے جتنا زیادہ گہرا کھودیئے گا سطح کے چند پردوں کو ہٹا لینے کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا، کانٹ نے اس بارے مین جو استدلال پیش کیا ہے وہ اتنا مضبوط اور فیصلہ کن ہے، کہ اوس کے بعد عقل پرستوں کو سپر ڈالدینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ ہمارا کوئی فکری عمل یا عقلی استدلال زمان و مکان کے تصور سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے لیکن خود زمان و مکان کا تخیل عقل سے نہین پیدا ہوتا ہے، بلکہ وجدان سے، وہ بچہ کی مثال دیتا ہے، بچہ کو فاصلہ کا کوئی تصور نہین ہوتا ہے تاہم وہ ناگوار اشیا سے اپنے اعضا کو ہٹا لیتا ہے

یہی نہ کہ جب ہم دو واقعات کو یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتے دیکھتے ہین، اور پھر متعدد مثالوں ین تجربہ کرتے ہین، کہ ہمیشہ جب ایک واقعہ ظاہر ہوتا ہے، تو اُس کے بعد وہ دوسرا واقعہ ضرور پیش آتا ہے جس کا تجربہ ہم نے اوّل بار کیا تھا، تو معًا ان دو واقعات ین ایک ضروری ربط یا لزوم کا تصور پیدا ہو جاتا ہے، اور ہم پہلے واقعہ کو علت اور بعد کے واقعہ کو معلول قرار دے لیتے ہین، اسکے بعد ہمارے دل ین یقین بھی پیدا ہو جاتا ہے، کہ آیندہ جب کبھی وہ ایک واقعہ ہوگا، تو دوسرا واقعہ ضرور ظاہر ہوگا، اس یقین تک ہم کس استدلال سے پہونچے ؟ کیا یہ نہین ہو سکتا، کہ ہمارے گذشتہ تجربات کے باوجود آیندہ ان دو واقعات ین کوئی لزوم نہ پایا جائے، اگر خالص عقل کی نگاہ سے دیکھا جائے، تو زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ دو مخصوص واقعات گذشتہ زمانہ ین ہمیشہ ایک دوسرے کے بعد ظاہر ہوئے اور بس، یہ فرض کر لینے کے لئے ہمارے پاس کیا دلیل ہے، کہ آیندہ بھی ایسا ہی ہوگا، جس وقت یہ واقعات اوّل مرتبہ ظہور پذیر ہوئے تھے، تو ہم ان کے درمیان کسی لازمی ربط کو نہین معلوم کر سکے، پھر جب دو تین بار یا کئی ایک مرتبہ ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ پیش آیا تو ہم نے یہ خیال قائم کر لیا کہ ان دونون ین ایک اندرونی ربط ہے، یہ خیال محض مثالون کی کثرت سے پیدا ہوا، اگر ایک ہی مثال ین یہ دو واقعات یکے بعد دیگرے پیش آتے تو بڑی سے بڑی عقل اور اعلیٰ سے اعلیٰ ذہانت ان دونون کے باہمی ربط کا تصور نہ پیدا کر سکتی، جب کئی ایک مثالون ین ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ پیش آیا، تب ذہن نے علت و معلول کا تصور پیدا کیا، یہ مثا ین ہم نے گذشتہ تجربات سے حاصل کین، لیکن مستقبل کا وسیع ترمیدان ابھی ہمارے سامنے ہے، اور بہت ممکن ہے، کہ جو مثالین ہم نے گذشتہ تجربات سے جمع کی ہین، ان کے برعکس مثالین کئی گنا زیادہ تعداد ین مستقبل ہمارے لئے فراہم کر دے پھر اس تیقن کی کیا وجہ ہے کہ جو مثالین ماضی نے تجربہ کو عطا کی ہین، بالکل وہی مثالین مستقبل بھی عطا کرے گا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علت و

تنازعات کا خاتمہ کر دے،

اس مسئلہ کا حل طبعی علوم کے دائرۂ فکر سے خارج ہے، کیونکہ ان علوم کا موضوعِ فکر مادہ اور اسکے مختلف خواص واشکال ہین، انسانی فطرت اور تمدن کے گوناگون مسائل کا ان علوم سے کوئی قریبی تعلق نہیں ہے، اگرچہ کبھی کبھی ان کی تحقیقات کی روشنی سے انسانی زندگی کے بعض گوشے جگمگا اٹھتے ہین، پھر بھی بحیثیت مجموعی ان علوم کے نتائجِ فکر انسانی زندگی کے لئے غیر موثر ہین، اوس کے بعد تمدنی اور عمرانی علوم کا درجہ ہے، اور یہی علوم ہین، جو انسان اور اسکی زندگی کے متنوع اور بوقلمون مسائل سے بحث کرتے ہین، لیکن یہان مشکل یہ آن پڑتی ہے، کہ اُن کے نتائج کی صداقت اتنی قابلِ اعتماد نہین ہے جتنی کہ علوم طبعی کے نتائج کی صداقت غیر مشکوک ہے، انسان کے متعلق کلیات وتعمیمات قائم کرنا اتنا ہی دشوار ہے جتنا مادہ کے لئے آسان ہے، مادی اشیاء کے خواص وعمل کو قوانین کی گرفت مین لایا جا سکتا ہے، مگر انسان کی پیچیدہ فطرت کسی تعمیم یا کلیہ کی متحمل نہیں ہے، جو ہمیشہ اور ہر حالت مین صحیح ثابت ہو، پھر انسان ایک آزاد ارادہ کا مالک ہے، جس کی وجہ سے اسکی فطرت ہر اوس قانون کو توڑ سکتی ہے، جو اوسکے افعال ومحرکات کی نسبت مشاہدہ، تجربہ یا قیاس سے وضع کیا جائے، اسی لئے ان علوم کے نتائج مین نہ تو وہ قطعیت ہے جو طبعی علوم کے نتائج مین پائی جاتی ہے، اور نہ ان نتائج کی صحت یقینی ہے، پھر یہ علوم مشاہدہ اور تجربہ کی ٹھوس بنیاد پر نہین قائم ہین، مادی اشیاء کو آپ دار التجربہ (معمل) مین رکھکر ان کی تحلیل کر سکتے ہین، دوسری اشیاء سے ان کے تعامل کا جسقدر چاہے تجربہ کر سکتے ہین، ان کی حرکت، اُن کے افعال وخواص کے اندازہ کے لئے طرح طرح کے آلات ایجاد کر سکتے ہین، لیکن انسان، زندگی سے معمور اور جذبات وحسیات کی لطافتون کا پیکر مجسم عمل کے تجربون کا شکار نہین ہو سکتا اور نہ وہ کسی تحلیلی عمل کا بار اٹھا سکتا ہے، اوس کے اعمال ومحرکات کسی حد تک مشاہدہ اور تجربہ کی گرفت مین آ سکتے ہین، لیکن اوّل تو مادہ کے برخلاف ان مشاہدات کے لئے عمرین درکار ہین، دوم اوسکی

اور خوشگوار اشیاء کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، لہذا بغیر کسی تجربہ کے اسکو اس بات کا علم ہے کہ چیزیں اس کے سامنے یا ادھر اُودھر ہیں، تمام تصورات سے پہلے آگے پیچھے دائین بائین یعنی مکان کا تصور اس کے ذہن مین پایا جاتا ہے، وقت کے متعلق بھی یہی بات صحیح ہے، ہر قسم کے ادراک سے پہلے قبل اور بعد کا تصور بچے مین موجود ہوتا ہے، کیونکہ بغیر اوسکے اوس کے تمام ادراکات مبہم، بے ربط اور بے ترتیب ہوتے، ہم نے دیکھ لیا کہ علت و معلول اور زمان و مکان کے تصورات جو علم و استدلال کے لئے بمنزلۂ اساس و بنیاد کے ہین، عقل کے نہین، بلکہ وجدانات اور جبلتون کے پیدا کردہ ہین، اس کے بعد اس دعویٰ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے، کہ انسانی زندگی پر بس عقل ہی کی فرمانروائی ہے اور عقل ہی سے تمام پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے، یہاں پر ایک عقل پرست فوراً کہہ اٹھے گا، کہ تمدنی مسائل کو ان بنیادی تصورات سے کیا تعلق ہے، یہ ممکن ہو کہ ہمارے اساسی تصورات عقل و فہم کے حدود سے بالاتر ہون لیکن انسانی مسائل پھر بھی عقل کے دائرہ عمل میں رہتے ہین، جیسا کہ آگے ثابت کیا جائے گا، یہ مفروضہ بھی سراسر غلط ہے،

تمدن کا بنیادی مسئلہ کیا ہے، جتنا زیادہ غور کیجئے گا، معلوم ہوگا کہ زندگی کی ساری مشکلات اور تمدن کے جملہ مسائل جس ایک بنیادی مسئلہ کے گرد گردش کرتے ہین، وہ انسانون کے باہمی تعلقات کی صحیح بنیاد معلوم کرنے کا مسئلہ ہو، اگر یہ ایک مسئلہ حل ہو جائے، تو تمدن کے تمام دوسرے مسائل بڑی آسانی کے ساتھ حل کئے جا سکتے ہین، اور انسان کی فکری کاوشون کو سکون کا ایک آغوش میسر آسکتا ہی، تمدنی اور عمرانی علوم کی ساری کوششون کا محور یہ معلوم کرنے کی جستجو ہے کہ انسانون کے اخلاقی، تمدنی، معاشی اور معاشرتی تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہئے، اور ان تعلقات کی صحیح بنیاد کیا ہے، دنیا کے تمام انقلابات، زندگی کی ساری کشمکش اور تاریخ کی سب لڑائیان دراصل اسی نقطہ تک پہونچنے کی کوششین ہین، جہان جا کر انسانی تعلقات کی کوئی ایسی صحیح اور مستحکم بنیاد دریافت ہو جائے جو سارے

اسی رُخ پر لئے جا رہا تھا۔

جب تمدنی اور عمرانی علوم میں انسانی عقل کا یہ حال ہے کہ وہ حالات وضروریات کی تابع و محکوم ہے، اور ضروریاتِ انسانی کی تکمیل مین امداد کا ایک آلہ ہے، تو پھر عقل و فکر کی آزادی کا دعوی بے بنیاد اور اس کے نتائج کی صحت سراسر مشکوک ہے،

انیسوین صدی کا سب سے زیادہ معرکۃ الآرا علمی مسئلہ نظریۂ ارتقا ہے، جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے، کہ ڈارون اور دیگر مفکرین نے اس کو ایک ناقابلِ تردید حقیقت بنا دیا ہے، اوّل تو اس علمی نظریہ کے جو ثبوت فراہم کئے گئے ہین، وہ نقائص اور کمزوریون سے بالکل بری نہیں ہین مثلاً ارتقا کے حامیون نے ادنی موجودات و حیوانات سے لیکر اعلیٰ تر انسانی وجود تک جو ارتقائی سلسلہ قائم کیا ہے، اُس مین بہت سے خلا ہین، جن کو قیاس کی ناکافی شہادت سے پُر کیا گیا ہے، ارتقا کی مختلف کڑ یان ایک دوسرے سے بالکل پیوست نہین ہین، بلکہ کہین کہین غائب بھی ہین، حیوانات کے ارتقائی عمل مین ابھی تک بعض ایسے حیوانات کا پتہ نہیں چل سکا ہے، جن کے متعلق قیاس سے یہ کہا جاتا ہے، کہ وہ ایک ادنی تر نوع اور اس کے بعد کی اعلیٰ تر نوع کے درمیان وجود مین آئے اور اس طرح سے مٹ گئے، کہ ان کا نشان بھی ملنا اب مشکل ہے، دوسرے ارتقا کے عوامل کی نسبت ڈارون اور بعض دوسرے فلسفیون کے درمیان گہرے اختلاف ہین، مثلاً ڈارون ارتقائی عمل کو بالکلیہ ماحول پر موقوف بتاتا ہے، اس کے برخلاف لامارک کے نزدیک عملِ ارتقا مین فیصلہ کن عنصر خود کسی نوع کا ارادہ اور خواہش ہے ان سب چیزون کے علاوہ مسئلہ ارتقا سے جو اخلاقی اور معاشرتی نتائج اخذ کئے گئے ہین، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوگا، کہ اُن نتائج تک پہونچنے مین اجتماعی ضروریات اور قومی مزاج کو بڑا دخل تھا، نظریۂ ارتقا نے تنازع للبقاء کے تصوّر کو پیدا کیا، چونکہ انیسوین صدی مین سرمایہ داری کا دور دورہ تھا، صنعتی ترقی کے سیلاب مین چھوٹے چھوٹے زمینداروں اور صناعون

پیچیدہ فطرت اور خارجی حالات مین تعامل کا ایسا غیر منقطع سلسلہ جاری ہے جس کی وجہ سے یہ نہین کہا جا سکتا ہے، کہ اوس کے اعمال مین کہان تک اسکی اپنی فطرت اور کسی حد تک خارج کی قوتین کارفرما ہین، پھر اسکی اپنی فطرت بھی تبدیلی اور ارتقار کے مراحل طے کر رہی ہے، اور اسکی اصل خواہ غیر متبدل ہو، لیکن اوسکے مظاہر و اشکال یقیناً بدلتے رہتے ہین، ایک اور دقت یہ ہے، کہ تمدنی علوم مین نتائج تک پہونچنے کے لئے خالص معروضی نقطۂ نظر اختیار کرنا تقریباً ناممکن ہے، کیسی ہی غیر جانب داری اور بے تعصبی کا دعوی کیا جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نفس انسانی کے پوشیدہ میلانات مفکرین کی عقلی مزاج ماحول کی موثرات اور دیگر عوامل نتائج کی صحت کو مشکوک کر دیتے ہین، معاشرت و تمدن اور سیاست و معیشت سے متعلق ہمارے تمام عقیدے اور تصورات وقت کے تقاضے اور اجتماعی ضروریات کے تابع ہوتے ہین، اور انسانی ضروریات عقل و فکر کی کاوشون سے بے نیاز ہین، ایسی حالت مین تمدنی علوم مین صداقتِ فکر کی تلاش بے سود ہے، سیاسیات ہی کو لیجئے، طرزِ حکومت کا سوال ہمیشہ سے سیاسی مفکرین کی بحث و نظر کا موضوع رہا ہے، روم کے تمدن کے عروج اور کلیسائی اقتدار کے زمانے تک سیاست دانون کی نظر مین عالمگیر سلطنت کا قیام انسانی شیرازہ بندی کا واحد ذریعہ تھا، اور انسانی فلاح کی صورت انھین بس اسی مین نظر آتی تھی، کہ چھوٹی چھوٹی سلطنتون کو مٹا کر ایک عالمگیر سلطنت مین ضم کر دیا جائے، اس کے ثبوت مین ذہن کی جتنی قوتین صرف کی گئین، اور عقل نے جس قدر موشگافیان کین، وہ سب کی سب زمانہ کی ضروریات اور ماحول کے اقتضار کا نتیجہ تھین، اسی سے ظاہر ہے کہ اس خالص عقلی مسئلہ مین غیر عقلی عناصر کی آمیزش کتنی زبردست تھی، پھر رومی تمدن کی تباہی اور کلیسا کے زوال کے بعد جو دور شروع ہوا، اس مین یہی عقلی کاوشین اور فکری اجتہادات جو عالمگیر سلطنت کی حمایت مین سینہ سپر تھے، قومی حکومتون کے قیام کے مددگار بن گئے، اسکی وجہ یہ تھی کہ انسانی ضروریات و حاجات مین تبدیلی رونما ہو چکی تھی، سیاسی زندگی کا نقشہ بگڑ چکا تھا، اور زمانہ کا اقتضا رانکار کو

انسانون کے باہمی تعلقات کی ابتدا، اور ان کی درجہ بدرجہ تبدیلیون کے متعلق معلومات کا مواد فراہم کرتے ہین، تاریخ ہمارے لئے قومون اور مملکتون کے تعلقات کا علم بہم پہنچاتی ہے، سیاسیات ہمین بتاتی ہے، کہ اجتماعی زندگی کی تنظیم کن بنیادون پر ہوتی رہی ہے، اور ریاست بحیثیت ایک ہمہ گیر ادارہ کے کن کن انقلابی تصورات سے گذر کر اپنی موجودہ حالت مین صورت پذیر ہوئی ہے، معاشیات سے ہمین معلوم ہوتا ہے، کہ انسان کے مادی اغراض کی تکمیل کس طرح ہوتی چلی آئی ہے، اور معاشی ضروریات نے انسانون کے تعلقات کو کیونکر متاثر کیا ہے، یہی حال دیگر تمدنی علوم کا ہے، لیکن ان علوم کے فراہم کردہ مواد سے مدد لینے کے بعد بھی اصل سوال ویسا ہی حل طلب رہتا ہے، کیونکہ ہماری جستجو کا ماحصل یہ معلوم کرنا ہے، کہ انسانون کے باہمی تعلقات کی نوعیت و بنیاد کیا ہونی چاہئے، نہ یہ کہ اب تک کیا ہوتی آئی ہے، یہ صحیح ہے، کہ ان علوم کے دریافت کردہ حقائق اور تجربات کے اس وسیع ذخیرہ سے جو یہ ہمارے لئے فراہم کرتے ہین، ہمین حصولِ مقصد مین مدد ضرور ملتی ہے، لیکن یہ کہنا تو یقیناً غلط ہے، کہ ان کے نتائجِ فکر اس بنیادی مسئلہ کا کوئی مکمل حل پیش کرتے ہین، اگر مستقبل بالکلیہ ماضی کا اعادہ ہوا کرتا، تو تمدنی اور عمرانی علوم کے پیش کردہ حقائق ہماری ہدایت کے لئے کافی ہوتے، لیکن ہمین معلوم ہے کہ مستقبل نامعلوم حالات و واقعات کا حامل ہوتا ہے، اور اکثر اوقات ماضی کے تمام تجربات کو یکسر بے سود بنا دیتا ہے، عمرانی علوم کے فراہم کردہ معلومات اصل مسئلہ کے حل تک رہنمائی ضرور کرتے ہین، لیکن اول تو ان کی رہنمائی پر پورا پورا اعتبار نہین کیا جا سکتا ہے، دوسرے رہنمائی کرنا اور منزل تک پہونچا دینا دونون ایک ہی چیزین نہین ہین، علم کی اس تنویر کے باوجود اس بنیادی مسئلہ کے تصفیہ کی منزل دور ہے، پھر مسئلہ کی نوعیت ایسی ہے، کہ انسانی زندگی کی فلاح و مسرت بالکلیہ اسی پر موقوف ہے، کہ یہ مسئلہ صحیح طور پر جلد سے جلد حل کر دیا جائے، اس کے لئے عمرانی علوم کے طویل المدت مشاہدات کا انتظار نہین کیا جا سکتا ہے، اور اس کے حل کو اس وقت تک

کے پیر اکھڑے جارہے تھے، اور سرمایہ دار طبقہ اپنی مادی منفعت کی دھن مین اخلاقی پابندیون کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا، اس نے تنازع للبقاء کے علمی نظریہ کو برأت کے ثبوت مین پیش کر دیا، اور تمام عقلی دلیلون سے ثابت کر دیا گیا، کہ سرمایہ داری کے مظالم مظالم نہیں بلکہ فطری ضروریات کے لازمی نتائج ہین، اوران کے خلاف آواز بلند کرنا خود فطرت سے لڑائی مول لینا ہے، زندگی ایک کشمکش ہے، جس مین کمزور کی خستہ حالی ایک یقینی امر ہے، اس کے لئے وہ کسی ہمدردی کا مستحق نہیں ہے، اسی طرح نظریۂ ارتقاء نے ان لوگون کے لئے جو اخلاقی پابندیون اور مذہبی قیود سے بیزار بیٹھے تھے، نجات کی ایک راہ کھولدی، اور یہ بات علی الاعلان کہی جانے لگی، کہ فطرت اور کائنات اپنی تخلیق کے لئے اپنے سے ماوراء اور کسی بالاتر قوت کی محتاج نہین ہے، کائنات کا نہ کوئی خالق ہے، اور نہ حیات بعد الممات اور جزاء و سزا کی کوئی حقیقت ہے، غرضکہ اخلاق و تمدن او معیشت و سیاست کے دائرہ مین جتنے علمی نظریات قائم کئے جاتے ہین، ان کے متعلق خواہ کتنا ہی دعوی کیا جائے، کہ وہ ہر قسم کے تعصب اور ہر طرح کی جانب داری سے پاک ہین، حقیقت یہ ہے کہ وہ نفس کی خواہشات وجذبات اور قومی یا جماعتی مزاج کے غیر عقلی عناصر سے آلودہ ہین، ان کی صحت دو پہلوؤن سے ناقابلِ اعتبار ہے، ایک یہ کہ وہ ناکافی مشاہدات و تجربات پر مبنی اور قطعیت سے خالی ہین، دوسرے یہ کہ ان مین مفکرین کے سابقہ تصورات اور ماحول و وقت کے ضروری مطالبات کا عنصر شامل ہے جس کی موجودگی انکی صداقت کو مشتبہ کر دیتی ہے، یہین سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ جب ہمارے فکری اعمال کی صحت اتنی مشکوک ہے، تو تمدن کا سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ (یعنی انسانی تعلقات کی حقیقی اور فطری بنیاد) جس کے حل پر دیگر تمام مسائل کے صحیح حل کا دار و مدار ہے، کس طرح ایسی ناقابلِ اعتبار قوت کے سپرد کیا جا سکتا ہے،

بحث کا ایک اور پہلو جس پر غور کرنے سے گریز کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ تمدنی اور عمرانی علوم صرف

کرتا ہے کہ ان بنیادی سوالات کی نسبت انسانی عقل کوئی تصفیہ نہیں کر سکتی ہے، ان کے نزدیک عقل کی نگاہ حقیقت کی جلوہ نمائی کی تاب نہین لاسکتی ہے، ان مین سے بعض تو اس حد سے گذر کر یہ کہنے لگتے ہین کہ "ہم یہ بھی نہین جانتے ہین، کہ ہم نہیں جانتے ہین" یہ تشکیک کا درجۂ کمال ہے لیکن تشکیک علمی حیثیت سے کتنی ہی حقیقت سے نزدیک ہو، عملی زندگی کے لئے قطعاً بے سود ہے، واقعات وحوادث کا سیل اور زندگی کے اہم مسائل کا حل اس لئے نہیں روکا جا سکتا ہے، کہ ہمارا علم محدود ہے، اور کائنات کی حقیقت تک پہونچنا ہمارے لئے ناممکن ہے، فطرت اپنے حقوق کی سب سے بڑی محافظ ہے، خواہ ہم اس امر کا تصفیہ کرین یا نہ کرین کہ کھانا کھانا کہان تک ہمارے لئے مفید ہے، یا زندہ رہنا کس حد تک ضروری ہے، ہمین کھانا کھانا ہی پڑے گا، اور زندگی کاٹنا ہی پڑے گی، خالی تشکیک سے نہ کبھی کام چلا ہے، او نہ چل سکتا ہے، ان بنیادی سوالات کے جوابات دینا ہی پڑتے ہین، ورنہ ہم زندگی کا ایک لمحہ بھی گذار نہیں سکتے ہین، کسی نہ کسی شکل مین شعوری طور سے یا غیر شعوری طور سے ہمیں دو باتون مین سے ایک بات پر یقین کرنا ضروری ہے، یا تو ہم یہ سمجھتے ہین کہ زندگی ایک اتفاقی حادثہ ہے جس کا انجام عدم محض ہوگا، اور کائنات و خلقت پر کسی ذی فہم ارادے کی حکمرانی نہیں ہے، یا ہمین یقین کرنا پڑتا ہے، کہ عالم کائنات کے جملہ مظاہر و حوادث ایک فعّال ارادے کی کرشمہ سازیان ہین، اور اس زندگی کا انجام ایک اعلیٰ تر اور وسیع تر زندگی کی ابتدا ہے یعنی یا تو ہم کائنات کی مقصدیت کے قائل ہون گے یا بے مقصدیت کے، کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی انکار کرے، کہ وہ ان دونون مین سے کسی پر بھی یقین نہیں رکھتا ہے، اور صرف لاعلمی پر قانع ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ان دونون عقیدون مین سے کسی ایک پر ضرور عامل ہے، کیونکہ زندگی کے تمام ضروری اقدامات اور اخلاق کے سارے اہم افعال کی تہ مین ان دونون مین سے کوئی ایک عقیدہ ضرور مخفی ہوتا ہے، اور اخلاقی زندگی کی ساری کشمکش کائنات کے انہی دو نظریون کے تصادم کا نام ہے،

ملتوی نہیں کیا جا سکتا ہی جبتک تمدنی علوم اس مرتبۂ کمال تک نہ پہونچ جائیں، جہاں انکے نتائج مین غلطی اور نقائص کی کم سے کم آمیزش ہو،

ہماری اس وقت تک کی بحث کا نتیجہ یہ نکلا، کہ تمدن کے بنیادی مسائل کو حل کرنے مین طبعی علوم کا کوئی حصہ نہین کیونکہ ان کا موضوع فکر مادہ ہے نہ کہ انسان، اور نہ انھین ان مسائل کے حل کی ضرورت ہے، اب رہے تمدنی علوم تو اُن سے مذکورۂ بالا مسائل کے حل مین مدد تو ضرور ملتی ہے، لیکن ان کی مدد پر بالکلیۃ اعتماد نہین کیا جا سکتا، کیونکہ ان کے نتائج میں غیر عقلی عناصر کی آمیزش ہوتی ہے، اور اگر اس کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو یہ علوم قطعیت سے خالی ہین، خالص مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی نہ ہونے کی وجہ سے اپنے نتائج کی نسبت یہ علوم یقین و اذعان کی کیفیت پیدا کرنے سے قاصر ہین،

حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو انسانی تعلقات کی صحیح بنیاد دریافت کرنے کا مسئلہ خود اپنے سے زیادہ بنیادی سوالات کے حل پر موقوف ہے، اور ان سوالات کا تعلق نہ تمدنی علوم سے ہے اور نہ طبعی علوم سے، یہ سوال کہ انسانون کے باہمی تعلقات کن بنیادون پر استوار کئے جائین، کہ دنیا زیادہ سے زیادہ امن و فارغ البالی کا مسکن بن جائے، اس علم پر موقوف ہے، کہ انسان کی صحیح فطرت کیا ہے، کائناتِ خلقت مین اس کا کیا مرتبہ اور حیثیت ہے، اور خود اس کائنات کی ابتدا کیا تھی، اور انتہا کیا ہوگی، نیز یہ کہ انسانی تخلیق کی غرض و غایت کیا ہے، ان سوالات کا جواب اگر کہین مل سکتا ہے تو فلسفہ مین، لیکن فلسفہ کی ابتدا سے لیکر آجتک ان سوالات کے متعلق کوئی تشفی بخش جواب نہین دیا جا سکا ہے، اور انسان کی ساری علمی اور فکری کاوشین اعتراف لاعلمی کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکین، بعض فلسفی تو یہ کہکر خاموش ہو گئے، کہ ان مسائل کے متعلق زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کائنات کی کُنہ تک پہونچ ہی نہیں سکتے ہین، فلاسفہ کا ایک کثیر گروہ جسے متشککین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے: صاف طور سے اس حقیقت کا اعلان

پیدا کرتی ہے، اور یہ مسئلہ ایسا ہے جس مین ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف بھی گوارا نہین کیا جا سکتا ہے، کیونکہ تمدنی زندگی کے بنیادی مسائل مین اختلافات کا پیدا ہونا خود تمدن کے لئے مہلک ہے، ایک پائدار تمدن کے تمام بنیادی مسائل کا حل متفق علیہ ہونا چاہئے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان کا تصفیہ انسانی ذہن پر نہ چھوڑا جائے، بلکہ ایک ایسی طاقت ان کا فیصلہ کرے جس کے آگے قبولیت کی گردنین بے چون وچرا جھک جائین، اور کسی کو مجال انکار نہ ہو، اس مقصد کو صرف الہامی ہدایت ہی پورا کر سکتی ہے،

جسمانیات کی مثال سے اس حقیقت کا ایک مزید ثبوت حاصل ہوتا ہے، جسمانی افعال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن افعال پر بقاے حیات کا دار و مدار ہے، وہ انسانی عقل وفہم اور انسانی ارادہ واختیار کی رسائی سے ماوری ہین، اور جن افعال کو انسانی عقل وارادہ پر چھوڑ دیا گیا ہے، وہ بقاے حیات کے لئے ضروری نہیں ہین، ہم ہاتھ اسی وقت ہلاتے ہین، جب اسکی ضرورت سمجھتے ہین، پیرون کو اسی وقت حرکت دیتے ہین، جب ہمارے خیال مین ایسا کرنا فائدہ مند ہوگا، اور ضروریات وحاجات کی تکمیل مین مدد دے گا، یہ افعال بالکلیہ ہماری فہم و عقل اور ہمارے ارادہ کے سپرد کر دیے گئے ہین، اور ہمین اختیار دیدیا گیا ہے، کہ جب چاہین ان کا صدور کرین اور جب چاہین نہ کرین، لیکن دل کی حرکت خون کی روانی اور سانس کی آمد شد، ہمارے ارادہ اور اختیار کی سرحد سے خارج ہین، یہ جسمانی اعمال بقاے حیات کے لئے اتنے ضروری اور اہم ہین، کہ ان کو ہماری عقل واستدلال کی ناقابل اعتماد قوتون پر نہین چھوڑا جا سکتا تھا، انسان سانس اس ارادہ سے نہین لیتا ہے، کہ ایسا نہ کریگا، تو اسکی زندگی قائم نہ رہ سکے گی، دل کی حرکت اوس کے قابو مین نہین ہے، کہ جب چاہے اُسے حرکت دے، اور جب چاہے نہ دے، ہمارے یہ جسمانی اعمال فکر واستدلال کے محتاج نہین ہین، اگر ان افعال کو انسان کی عقلی قوتون

ہم دیکھ چکے ہین، کہ سائنس کو انسانی تمدن کے مسائل سے کوئی قریبی تعلق نہین ہے، جو علوم ان مسائل سے بحث کرتے ہین، ان مین قطعیت کا فقدان ہے، ان کے نتائج کی صحت مشکوک ہے، اور ان مین نفسی میلانات اور قومی مزاج کو بڑا دخل ہے، اور یہ عناصر صریحاً غیر عقلی ہین، اب رہا فلسفہ تو وہ ان مسائل کے متعلق آج تک کوئی متفقہ فیصلہ نہ کر سکا، اور اوس کے ماننے والون کا ایک بڑا گروہ حقیقت کی سراغرسانی کے امکان ہی سے منکر ہے، حالانکہ ان مسائل کا حل حقیقت ہی کے کسی نہ کسی مخصوص تصور پر موقوف ہے، پھر اب انسان کے لئے کیا باقی رہ جاتا ہے، بجز اس کے کہ وہ الہامی ہدایت کو قبول کرے، اور جہان تک بنیادی حقائق کا تعلق ہے، اپنے ذہن و عقل کو اس بھول بھلیان مین نہ پھنسنے دے،

واقعہ یہ ہے کہ جہان جہان انسانی عقل کو بار ملتا ہے، اختلافات کا دروازہ کھل جاتا ہے، سائنس اور علوم طبعی کے مسائل کو چھوڑ کر دنیا کا کوئی مسئلہ لیجئے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ ہمیشہ سے مفکرین کے اختلافات کا آماجگاہ بنا ہوا ہے، کیونکہ عقل مشاہدات، تجربہ اور قیاس و استدلال سے کام لیتی ہے، اور ان سب مین غلطی کا قوی امکان رہتا ہے، یہ اختلاف اگر سطح کی نسبت ہوتا، تو نہ صرف قابل برداشت بلکہ عین رحمت کا باعث ہوتا، ضمنی اور فروعی مسائل مین اختلافات سے نہ صرف یہ کہ کوئی برا نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ہے، بلکہ عقلی زندگی کے لئے ایسے اختلافات کا رہنا ضروری ہے، لیکن یہی اختلافات جب بنیادی امور اور اساسی حقائق سے متعلق ہون تو سوسائٹی کا استحکام رخصت ہو جاتا ہے، اور انتشار و اضمحلال کے امکانات قوی ہو جاتے ہین، جس تمدن کے بنیادی مسائل مختلف فیہ ہون، اسکی عمر یقیناً بہت مختصر ہوگی، اب چونکہ تمدن کا بنیادی مسئلہ یعنی انسانی تعلقات کی صحیح بنیاد ایک ایسا مسئلہ ہے، جو اپنے حل کے لئے کائنات اور اوس کے مبدء و منتہا کی صحیح توجیہ کا محتاج ہے، اس لئے اس مسئلہ کو عقل کے سپرد نہین کیا جا سکتا ہے، کیونکہ عقل اختلاف

ایک حد تک بالکل ضروری ہے، زندگی کی بنیادیں استوار ہوجائیں گی اختلافات نہ اتنے گہرے ہونگے، اور اتنے تباہ کن، کیونکہ اختلافات اسی وقت مخالفت اور تصادم کی شکل اختیار کرتے ہیں، جب وہ کسی اہم اور ضروری مسئلہ سے متعلق ہوں، چھوٹے چھوٹے معاملات میں وہ نہ تو دشمنی اور عداوت پیدا کرتے ہیں اور نہ افراد کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے زندگی کی عام رفتار میں کوئی فرق نہیں ظاہر ہوتا ہے، لیکن کسی بنیادی مسئلہ کی نسبت اختلافات پیدا ہونے دیجئے پھر دیکھئے ناروا داری، نفرت، بغض اور قتل و فساد کس طرح رونما ہوتے ہیں، فرقے بن جاتے ہیں، پارٹیاں پیدا ہوجاتی ہیں اور اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے،

مغربی تمدن کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ اس میں جزئیات سے لیکر اولیات وغایات اور اصول و بنیاد تک کوئی شے متفق علیہ نہیں ہے، جزئیات کی حد تک تو اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، لیکن اصول و مقاصد پر اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے اس تمدن میں آجتک استحکام نہ پیدا ہوسکا، اور ہوسکتا ہی، کی بنیاد کے متعلق کوئی گروہ دوسرے گروہ سے متفق نہ ہوسکا، ایسے سماج میں بڑے بڑے انقلابات کا پیدا ہونا ناگزیر ہے، یہی وجہ ہے کہ مغربی تمدن کی پیدائش سے آجتک اس تمدن کے تحت زندگی بسر کرنیوالے افراد ہیجان سے کبھی خالی نہیں رہے، فرانس کے انقلاب نے بادشاہت اور چند سری حکومت کا تختہ الٹ دیا، اور جمہوریت کی بنیاد ڈالی، یہ انفرادیت کی کامل فتح تھی، فرد کی ضرورت سے زیادہ آزادی کی وجہ سے جمہوریت کے زیر پرستی سرمایہ داری نے سر اٹھایا، اور اپنے مظالم و مفاسد سے ایک دنیا کو تنگ کر دیا، جب اس انفرادیت اور اس کے مولود نامسعود کے خلاف ردّ عمل شروع ہوا تو اشتراکیت اور اشتمالیت کی دوسری شکل نمودار ہوئی، اور روس میں زار کی حکومت کو ڈھا کر خون کی ندیوں اور قتل و غارت کی ہولناکیوں پر ایک نئی عمارت بنائی گئی، شخصی آزادی اور فرد کے حقوق پر یہ آخری ضرب تھی جو لگائی گئی، اسکے بعد جماعت نے فرد کے سب حقوق غصب کر لئے اور اوسکو مشین کا ایک پرزہ بنا کر مقام انسانیت سے گرا دیا جب

کے سپرد کیا جاتا، تو ان قوتون کا بیشتر حصہ انہی افعال کے صدور مین صرف ہو جاتا، اور اسے اتنا وقت نہ ملتا کہ وہ اپنی ضروریات و حوائج کی تکمیل کر سکے، جب کسی وجہ سے نظام جسمانی مین کوئی خلل واقع ہو جاتا ہے، اور سانس کی آمد و شد یا دل کی حرکت مین کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے، تو یہ اضطراری افعال ہماری توجہ اور فکر و استدلال کو پوری طرح اپنی جانب کھینچ لیتے ہین، اور ہم دنیا کا اور کوئی کام بمشکل انجام دے سکتے ہین، زندگی کے بیشتر اوقات ان ضروری افعال کے صدور مین صرف ہو جاتے ہین اور تمدنی زندگی کا کاروبار ملتوی ہو جاتا ہے، اگر فطرت اس چیز کا لحاظ نہ کرتی، اور ان جسمانی اعمال کو بھی دیگر اعمال کی طرح ہمارے فہم و ارادہ کی صلاحیتون پر چھوڑ دیتی، تو زندگی کی ہماہمی تمدن کی چہل پہل اور مدنیت و حضارت کے اشغال مین سے کوئی ایک چیز بھی نظر نہ آتی،

جب جسمانیات مین یہ حال ہے تو عقلیات مین اس امر کو فطرت نے بدرجۂ اولیٰ ملحوظ رکھا ہوگا تمدن کے وہ اہم امور و مسائل جن پر عمرانی زندگی کے قیام و بقار کا انحصار ہے، انسان کی فکری کاوشون کی نذر نہین کئے جا سکتے ہین، اگر انسان کا سارا وقت ان بنیادی مسائل کے طے کرنے مین صرف ہو جائے، اور ذہنی کوششون اور فکری اعمال کا بڑا حصہ اسی لڑائی جھگڑے مین گذر جائے، کہ سوسائٹی کی دیوار کن بنیادون پر چنی جائے، اخلاق کے اساسی اصول کیا ہون اور سماجی زندگی کے معیار و اقدار کس طرح متعین ہون، تو ایسا تمدن بمشکل اپنی زندگی برقرار رکھ سکتا ہے، کیونکہ افراد کی ذہنی قوتین انہی مسائل کے حل مین صرف ہو جائین گی، اور دوسرے نسبتہً غیر اہم امور کے تصفیہ کے لئے وقت کہان سے آئیگا، اسکے بجائے اگر ایک اٹل اخلاقی نظام قائم کر دیا جائے تمدن کے بنیادی اصول متفق علیہ ہون، اور سماجی زندگی کے اقدار و معیار متعین ہون تو ایسے تمدن کے تحت زندگی بسر کرنے والے افراد اپنی طاقتون اور ذہن و فکر کی صلاحیتون کو دوسرے امور کی طرف موڑ سکین گے جنھین اختلافات کا پیدا ہونا نہ تو مہلک ہے، اور نہ کسی حیثیت سے مضرت رسان ہے بلکہ

بائبل قرآن اور حدیث مین

از

جناب مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دارالمصنفین

قرآن مجید نے دوسرے آسمانی صحیفون کے متعلق اپنا طرز عمل یہ رکھا ہو کہ اولاً ان کو صحیفۂ الٰہی تسلیم کیا ہے اور اپنے ماننے والون پر ان کا ماننا ضروری قرار دیا ہے، فرمایا:۔

قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ، وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ، (بقرہ ۱۶)

(اے مسلمانو!) تم کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اتارا گیا اُس پر، اور جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور یعقوب اور خاندانِ یعقوب کی طرف اتارا گیا، اس پر، اور جو کچھ موسیٰ وعیسیٰ کو دیا گیا اس پر، اور جو کچھ سب پیغمبرون کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا، ہم ان سب پر ایمان لائے

اس کے بعد قرآن کا دعویٰ ہے کہ ان آسمانی صحیفون مین تبدیل و تحریف ہوئی ہے، اور یہ اپنی اصلی حالت پر باقی نہین رہے، ارشاد ہوا،

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (مائدہ ۶)

وہ لفظون کو اپنی (مناسب) جگہ سے ہٹا دیتے ہین،

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ

تو پھٹکار ہو ان پر جو اپنے ہاتھون سے

اس انتہا پسند تحریک نے متوسط طبقات کے اثر و اقتدار کو مٹانا چاہا، تو اوس کے خلاف فاسطیت کی وہ تحریک اٹھی جس کے سیلاب آتش و آہن سے آج مادرگیتی کو غسل خونین دیا جارہا ہے، اور علم و تہذیب کی ابلیسیت کو عالم آشکارا کیا جارہا ہے، غرضکہ مغربی تمدن کے ہر دور میں یورپین سوسائٹی ایک انتہا سے دوسری انتہا تک جھولتی رہی، اور کبھی عدل کے اُس نقطہ سے قریب تک آسکی، جہان انسانیت کیلئے امن و عافیت اور سکون و ثبات ہو، یہان پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ انسانی زندگی مین سکون و ثبات کی توقع بیکار ہے، زندگی حرکت ہے اور حرکت انقلاب، اس بیان مین کچھ صحت ضرور ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ ایک سوسائٹی چند مستحکم اخلاقی اصولون پر قائم ہو، اور انقلابات و تغیرات کا زبردست ہاتھ اُسے اُس نقطہ سے ہٹا دے اور افراط و تفریط کی مختلف شکلین پیدا ہو جائین، لیکن یہ صورت نوعیت مین سابقہ صورت سے بالکل جدا ہے، یہان ایک واضح اور روشن نقطہ موجود ہے، چند مستحکم اخلاقی معیار متعین ہین، تمدنی زندگی کے بنیادی اصول ثابت و قائم ہین، جو کچھ ہوسکتا ہے، وہ اس نقطہ سے انحراف ہے، خواہ اس کا رُخ افراط کی طرف ہو یا تفریط کی جانب، سوسائٹی مین ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے جو تمدن کو اُس نقطہ عدل تک پھر کھینچ لاتا ہے، یا کم از کم اوسکے قریب لے آتا ہے، لیکن ایک ایسے تمدن مین جیسا کہ مغربی تمدن ہے، سرے سے کوئی بنیادی اصول معین نہین ہوتے ہین، جن پر رائے عامہ کا اتفاق ہو، نہ کوئی نقطہ عدل ہے، جس کا واضح تصور افراد کے ذہن سے پیوست ہوسکے اور ان کو اس کوشش پر آمادہ کرے کہ تمدن کو پھر اُس نقطہ عدل سے قریب لے آئین، یہان ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ زندگی کے جن اصولون پر چاہے عمل پیرا ہو، صرف شرط اتنی ہے، کہ وہ دوسرون کے کسی حق مین مزاحم نہ ہو، ایسے تمدن مین انقلابات کا نمودار ہونا، تصادم کا رونما ہونا، اور قتل و خونریزی کا پھیلنا قطعاً ناگزیر

(باقی)

عَلَیْھِمْ (مائدہ) پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہوا اور اس پر شاہد حامی ہو۔

وَاِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (شعراء) اور بے شبہہ یہ پہلے کی کتابون مین مذکور ہے،

بعض آیات مین مضامین کی بھی صراحت کر دی گئی ہے، کہ یہ چیزین کتب سابقہ مین بیان ہو چکی ہین، ارشاد ہوا،

اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی	کیا اس کو خبر نہین پہونچی اس کی جو ہے
وَاِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی اَلَّا تَزِرُ	صحیفون مین موسیٰ کے، اور ابراہیم کے.
وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، الآیہ	جس نے کہ اپنا قول پورا اتارا، کہ اٹھاتا
(نجم)	نہ کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا،
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ	بیشک بھلا ہوا اس کا جو سنورا، اور لیا
رَبِّہٖ فَصَلّٰی بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ	اوس نے نام اپنے رب کا، پھر نماز پڑھی،
الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی	کوئی نہین، تم بڑھاتے ہو دنیا کے جینے کو
اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی	اور پچھلا گھر بہتر ہے، اور باقی رہنے والا،
صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی،	یہ لکھا ہوا ہے پہلے صحیفون مین ابراہیم اور
(اعلیٰ)	موسیٰ کے صحیفون مین،
وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ	اور ہم نے لکھ دیا ہے، زبور مین نصیحت
بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا	کے بعد کہ آخر زمین پر مالک ہون گے
عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء)	ہمارے صالح بندے!

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان (النوع الخامس عشر) مین بعض وہ آیتین نقل کی ہین جن مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ارشاد فرمایا ہے کہ فلان آیت تورات

بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ، (بقرہ - ۹) کتاب لکھتے ہین، پھر کہتے ہین یہ خدا کی طرف سے ہے،

قرآن پاک نے تحریف و تبدیل کا راز فاش کرکے اکثر اسکی تردید و تصحیح بھی کی ہے، مثلاً بائبل مین حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہے،

"اور اس کی جورؤن نے اس کے دل کو پھیرا، کیونکہ ایسا ہوا، کہ جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی جورؤں نے اس کے دل کو غیر معبودون کی طرف مائل کیا" (سلاطین باب ۱۱)

قرآن نے اسکی تردید کی، اور فرمایا :-

وَمَا کَفَرَ سُلَیْمَانُ (بقرہ) اور کفر نہین کیا سلیمان نے،

بائبل اشارۃً کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طرزِ عمل اپنی ماں کے ساتھ اچھا نہ تھا مرقس باب ۳ مین ہے،

"انھون نے اس سے کہا کہ دیکھو تیری ماں اور تیرے بھائی باہر تجھے طلب کرتے ہین، اس نے انھیں جواب دیا، کون ہو میری ماں یا میرے بھائی،؟"

قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کہتا ہے،

بَرًّا بِوَالِدَتِیْ، (مریم) اور سلوک کرنے والا اپنی ماں کے ساتھ،

تیسری بات قرآن یہ کہتا ہو کہ ان خداوندی نوشتوں میں جو صداقتین اور صحیح تعلیمات تھین، وہ قرآن مین بیان کردی گئی ہین، قرآن ان سب کا امین اور شاہد ہے، ارشاد ہوا،

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتَابِ وَمُھَیْمِنًا اور ہم نے (اے محمد) تیری طرف سچائی کے ساتھ یہ کتاب اتاری ہے، جو اپنے سے

بِیْ مَالَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا،	بات پر کہ شریک مان میرا، اس چیز کو جو تجھکو معلوم نہیں، تو ان کا کہنا مت مان
(لقمان)	(قرآن)

"اگر تیرا بھائی جو تیری ماں کا بیٹا ہے، یا تیرا ہی بیٹا، یا تیری ہمکنار جورو، یا تیرا دوست جو تجھے تیری جان کے برابر عزیز ہو، تجھے پوشیدہ میں پھسلائے، اور کہے کہ آؤ غیر معبودوں کی بندگی کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادا واقف نہیں تھے یعنی ان لوگوں کے معبودوں سے جو تمھارے گرداگرد تمھارے نزدیک یا تم سے دور زمین کے اس سرے سے اس سرے تک رہتے ہیں تو تو اس سے موافق نہ ہونا اور نہ اسکی بات ماننا"

(استثناء ۱۳)

۲- وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ	اور پوجنے کی لاٹ اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو
(مائدہ)	(قرآن)

"تم اپنے لئے بتوں کو یا کسی تراشی ہوئی مورت کو نہ بناؤ اور نہ پوجنے کی لاٹ کو کھڑا کرو، اور نہ اپنے لئے کوئی صورت: ار پتھر وار اپنے ملک میں قائم کرو کہ اسکے آگے سجدہ کرو۔"

(احبار ۲۶)

۳- جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ	جس نے ٹھہرایا فرشتوں کو پیغام لانیوالے جنکے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار
(فاطر)	(قرآن)

"اسکے اس پاس اسرافیم کھڑے تھے جن میں سے ہر ایک کے چھ چھ پر تھے" (یسعیاہ ۶)

مین موجود تھی، مثلاً حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ یہ پوری سورہ صحف ابراہیم وموسیٰ مین ہے، (حاکم) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے ارشاد فرمایا، کہ قرآن مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات آیت اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا مین بیان کی گئی ہین، انہین سے بعض تورات مین موجود ہین، (بخاری) کعب سے روایت ہی، کہ تورات کی ابتدا اس آیت سے تھی:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ

ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ"

علامہ راغب مفردات میں قرآن کی وجہ تسمیہ بتلاتے ہین،

اِنَّمَا سُمِّيَ قُرْاٰنًا لِكَوْنِهٖ جَمَعَ ثَمَرَاتِ	قرآن کو قرآن اسلئے کہتے ہین کہ وہ
الْكُتُبِ السَّابِقَةِ،	سابقہ کتابون کے مضامین کا جامع ہے

ان تصریحات سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی، کہ قرآن مین دوسرے خداوندی نوشتون کے صحیح مضامین پائے جاتے ہین، آج ہم بائبل اور قرآن کی بعض آیات کی باہمی تطبیق سے ثابت کرنا چاہتے ہین، کہ تحریف وتبدیل کے باوجود موجودہ بائبل بھی قرآن کے اس تیسرے دعویٰ کی پوری تصدیق کرتی ہے،!

عقائد

۱۔ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ، (ذاریات) — خدا کے ساتھ دوسرا معبود نہ بناؤ، (قرآن)

"میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہو" (خروج ۲۰)

۲۔ وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ — اور اگر وہ دونون تجھ سے اڑین اس

نہ کانوں نے سنیں، اور نہ آدمی کے دل میں آئیں،" (قرنیتون ۲)

اخلاق

۸۔ فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ، (بنی اسرائیل) تو ان کو (ماں باپ) اف تک نہ کہو، (قرآن)

"تم میں سے ہر ایک اپنی ماں اور باپ سے ڈرتا ہے،" (احبار ۱۹)

۹۔ أَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ، (ضحیٰ) یتیم کو مت دباؤ، (قرآن)

"تم کسی بیوہ یا یتیم لڑکے کو مت دکھ دو،" (خروج ۲۲)

۱۰۔ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ، (نور) اور نہ زبردستی کرو اپنی چھوکریوں پر بدکاری کے لئے، (قرآن)

"تو اپنی بیٹی کو کسبی بنانے کے لئے بے حرمت مت کرو،" (احبار ۱۹)

۱۱۔ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (نجم) اٹھاتا نہیں کوئی اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا، (قرآن)

"ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے گا،" (پیدائش ۱۸)

۱۲۔ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ، (رحمن) اور سیدھی ترازو تولو، (قرآن)

۵۔ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ، (الحاقہ)

اور اگر یہ (نبی) بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ، پھر کاٹ ڈالتے اس کی گردن،

(قرآن)

"لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے، کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا، اور معبودون کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔"

(استثنار ۔ ۱۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا :۔

۶۔ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ، اور تجھکو اٹھا لونگا اپنی طرف،

(آل عمران) (قرآن)

"اور وہ یہ کہہ کے اُن کے دیکھتے ہوے اوپر اٹھا یا گیا۔"

(اعمال ۱)

۷۔ حدیث میں جنت کی نعمتون کا نقشہ ان الفاظ مین کھینچا گیا ہے :

قَالَ اللّٰهُ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ،

خدا فرماتا ہے کہ مین نے اپنے نیک بندون کے لئے وہ مہیا کیا ہے، جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی انسان کے دل مین اس کا خیال آیا،

(بخاری)

"خدا نے اپنے پیار کرنے والون کے لئے وہ چیزین تیار کی ہین، جو نہ آنکھون نے دیکھین

ساتھ نہ کیا، تو میرے ساتھ بھی نہ کیا۔"

(متی ۲۵)

فقہ

۱۵۔ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ یا بہتا ہوا خون، یا گوشت سور کا کہ وہ
(انعام) ناپاک ہے، (قرآن)

"لیکن خبردار کہ لہو مت کھاؤ،" (استثنار ۱۲)

۱۶۔ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ یا ناجائز ذبیحہ جس پر نام پکارا جائے، اللہ
(انعام) کے سوا کسی اور کا،

(قرآن)

"سو اُن چیزوں کے کھانے کی بابت جو بتوں پر قربان کی جاتی ہیں، ہم جانتے ہیں کہ
بُت مطلق کوئی چیز دنیا میں نہیں،" (اقرنتیون ۸)

۱۷۔ وَالْمُنْخَنِقَةُ، اور (حرام ہوا تم پر) جو مر گیا ہو گلا گھونٹنے
(مائدہ) سے، (قرآن)

"تم بتوں کو چڑھاووں اور گلا گھونٹی ہوئی چیزوں اور حرام کاری سے پرہیز کرو،"
(اعمال ۱۵)

۱۸۔ لَا تَأْخُذُوا الرِّبٰوا، تم لوگ سود نہ لو، (قرآن)

"اگر تو میرے لوگوں میں سے جس کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے، کچھ قرض دے، تو اس
سے مہاجنوں کی طرح سلوک مت کر اور سود مت لے" (خروج ۲۲)

۱۹۔ الزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر عورت بدکار سے

"تو اپنے گھر میں مختلف پیمانے ایک بڑا، ایک چھوٹا مت رکھیو

(استثناء ۲۵)

۱۳- اِنَّ اللہَ خَلَقَ آدَمَ علیٰ صُورتہٖ		خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا،

(حدیث)		(بخاری)

"خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے،"		(پیدائش ۹)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسان میں اپنی صفات کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے اور اُن کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے!

۱۴- "صحیح مسلم میں ہے، کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، اے ابن آدم میں بیمار پڑا، تو میری عیادت تونے نہ کی، وہ کہے گا اے میرے پروردگار، تو تو سارے جہان کا پروردگار تھا، میں تیری عیادت کیونکر کرتا، ؟ فرمائے گا، کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا بندہ بیمار ہوا، مگر تونے اس کی عیادت نہ کی، اگر کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا"

(حدیث)

"تب وہ بائیں والوں سے کہے گا، اے ملعونو، میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں جاؤ، جو شیطان اور اس کے فرشتوں کیلئے تیار کی گئی ہے، کیونکہ میں بھوکا تھا، پر تم نے مجھے کھانے کو نہ دیا، پیاسا تھا، تم نے مجھے پانی نہ پلایا، پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں نہ اتارا، ننگا تھا، تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا، بیمار اور قید تھا، تم نے میری خبر نہ لی، تب وہ بھی جواب میں اس سے کہیں گے، اے خداوند کب ہم نے بھوکا پیاسا، یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قیدی دیکھا، اور تیری خدمت نہ کی؟ تب وہ انھیں جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب چھوٹے بھائیوں میں سے ایک

" اور وہ جو انسان کو مار ڈالے گا، سو مار ڈالا جائے گا، اور جو کوئی حیوان کو مار ڈالیگا تو وہ اس کا عوض حیوان دے گا، اور اگر کوئی اپنے ہمسایے کو چوٹ لگائے، سو جیسا کرے گا، ویسا ہی پائے گا، توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے گا، ویسا ہی کیا جائے گا، "

(احبار۔ ۲۴) (باقی)

رحمت عالم

مبتدی طالب علمون، کم پڑھے لکھے لوگون، بچّون اور عورتون کے لئے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی مختصر سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی، جس کے بیان مین کوئی الجھاؤ اور عبارت مین کوئی دقت نہ ہو، پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہون، اسی ضرورت کو سامنے رکھکر سیرت نگار نبوی **سید سلیمان ندوی** نے یہ مختصر سیرت لکھ کر شائع کی، اور اس کا سارا منافع دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مین چھوٹے بچّون کے دار الاقامہ کے لئے وقف کر دیا ہے، یہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد مین چھپی ہے، ضرورت ہے، کہ ہر مسلمان بچہ کے ہاتھ مین اس کا ایک نسخہ ہو، اہل خیر کو اس کی خریداری سے انشاء اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب حاصل ہوگا،

قیمت فی نسخہ ۸؍ ہے، لیکن ۲۰ نسخون کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا، مجلد کی قیمت ۲؍ فی نسخہ زائد ہوگی،

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ، | یا شرک والی سے، اور بدکار عورت سے نہیں نکاح کرتا، مگر بدکار مرد، یا مشرک!
(نور) (قرآن)

" وہ اُس عورت کو جو فاحشہ یا بے حرمت ہے، جورو نہ کرین، "

(احبار - ب۲۱)

وہ زانی اور زانیہ جو آزاد، عاقل، بالغ ہون، اور نکاح نہ کئے ہوئے ہون، یا نکاح کرنے کے بعد ہم بستر نہ ہو چکے ہون اُن کی سزا قرآن یہ تجویز کرتا ہے!

۲۰- اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ، | بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو، درے،!
(نور) (قرآن)

" جو کوئی اس عورت سے جو لونڈی، اور کسی شخص کی منگیتر ہے، اور نہ فدیہ دی گئی ہے، اور نہ آزاد کی گئی ہے، ہم بستر ہو، ان کو کوڑے مارے جائین، "

(احبار - ب۱۹)

۲۱- وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ، وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ، | اور لکھ دیا ہم نے اُن پر اُس کتاب مین کہ جی کے بدلے جی، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت، اور زخمون کا بدلہ ان کے برابر
(مائدہ) (قرآن)

ان صحیح تطابقات کو قائم کرنے کے لئے جو طریقہ ہم استعمال کرتے ہین، وہ اصطلاح مین طریقۂ سعی[1] و خطا کہلاتا ہے، ایک مثال سے اس کی توضیح ہو گی، بندوقچی کی مثال پر غور کرو، وہ عضلات مین ایک ایسا انضباط پیدا کرنا چاہتا ہے جس کی مدد سے ایک خاص نتیجہ حاصل ہو یعنی اس کی گولی ٹھیک ہدف پر بیٹھے، وہ ایک انضباط کو آزماتا ہے، اگر ناکام رہتا ہے، تو دوسرے انضباط کی اسی طرح آزمایش کرتا ہے، اگر اس مین کامیاب ہو جاتا ہے، تو مشق کے ذریعہ سے اس کو مستقل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اگر پھر ناکام رہتا ہے، تو تیسرا انضباط قائم کرتا ہے، وقس علیٰ ہذا،[2]

اب یہ بات کہ حرکی انضباطات کا صرف نقد نتیجہ ہمارے شعور مین آتا ہے، نہ کہ اس کی تفصیلات ایک اور چھوٹے سے تجربہ سے بخوبی ثابت کیجا سکتی ہے، پستول ہاتھ مین لیکر ہدف کے سامنے کھڑے ہو جاؤ، ہدف کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد آنکھین بند کر لو، اور اگر گولی چلاؤ، اب آنکھ کھول کر دیکھو گے، تو تم کو خود تعجب ہو گا، کہ تمھارا نشانہ کس قدر صحیح تھا، لیکن اگر گولی نشانہ پر نہ بیٹھے، تو پھر یہی کرو، آخر ایک وقت ایسا آئے گا، کہ گولی عین نشانہ پر بیٹھے گی، ظاہر ہے کہ یہ کیتب اس وقت

---

[1] پروفیسر فری من اس کو طریقۂ سعی و کامیابی کہتا ہے،

[2] اس بیان سے مترشح ہوتا ہے، کہ مہارتی حرکات اندھا دھند طریقہ سے سیکھی جاتی ہین، اس مین سوچ بچار کو دخل نہین، مہارت کے متعلق یہ خیال عام ہے، لیکن ڈی ایچ بیر ([illegible]) اس سے متفق نہین، افسوس کہ اس وقت ہم اس بحث مین شریک نہیں ہو سکتے تفصیل کے لئے دیکھو اس کی کتاب (Skill in work and Play) صفحہ ۳۷ و ما بعد لیکن قابل غور بات یہ ہے، کہ بیر بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ "اکتساب مہارت کے اس اندھے طریقہ سے انکار بھی نفسیات کے اصول کے خلاف ہو گا کیونکہ اس کے متعلق ہمارا علم بہت تھوڑا ہے، یقینی ہے کہ آج کل اسی اندھے طریقہ سے مہارت اکتساب کیجاتی ہے" (صفحہ ۸۱) بہر حال یہ بحث بہت دلچسپ ہے، (مترجم)

فلسفۂ مہارت

از

جناب معتقد ولی الرحمٰن صاحب ایم اے

(۲)

اوپر بیان ہوا ہے کہ مہارت کی تکمیل شعور کی رہنمائی مین اور اسکے حکم کے مطابق ہوتی ہے، لہذا ظاہر ہے کہ جب تک حرکی تطابقات شعور مین نہین آتے، اس وقت تک شعور رہنمائی نہین کر سکتا، لیکن عجیب بات یہ ہے، کہ ان تطابقات کی تفصیلات شعور مین نہین آتین، شعور مین صرف یہ بات آتی ہے، کہ نیا تطابق قائم ہو گیا، لیکن یہ بات کہ اس تطابق مین کون کون سے کہان کہان کے اور کتنے عضلات شامل ہین، شعور سے باہر رہتی ہے، تلوار یے یا کرکٹ کھیلنے والے سے دریافت کرو کہ فلان وار یا فلان حرکت کی جو تیاری تم نے کی تھی، وہ جسم کے کس مقام پر ہوئی تھی، اس مین کون کون سے عضلات شامل تھے، اور انضباط کی شکل کیا تھی، تو سوا اس کے کہ وہ حیرت زدہ ہو کر تمھارا منہ تکے، اور کوئی جواب نہین دیسکتا، زائد سے زائد وہ کہے گا، کہ "مجھے صرف اتنا معلوم ہے، کہ میرا ہاتھ ایک خاص طریقہ سے ہلا، یا مین نے ایک خاص طرح سے اپنا بلا اٹھایا، لیکن یہ سب کس طرح سے ہوا، مجھے اسکا مطلق علم نہین" یہ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہین، کہ اگرچہ ہم ان تفصیلات سے ناواقف رہتے ہین، تاہم انہی تفصیلات کی بدولت ہمارے انضباطات و تطابقات میں صحت پیدا ہوتی ہے، اس ظاہری استبعاد کی توجیہ نفسیات کا خاص کام ہونا چاہئے،

(۴)

مہارت کے متعلق مندرجۂ بالا طویل بحث کا خلاصہ یہ ہی، کہ

(الف) مہارتی حرکت خلقی اور موروثی آلے پر موقوف ہوتی ہے،

(ب) مہارتی حرکت اکتسابی ہوتی ہے، نہ کہ خلقی،

(ج) یہ صحت اور آسانی کے ساتھ اور فوراً صادر ہوتی ہے،

(د) اس کے صادر ہونے کے لئے جن حرکی انضباطات کی ضرورت ہوتی ہے، وہ شعور مین نہین آتے، اسی وجہ سے

(ھ) ان انضباطات کا بیان کرنا، یا ان کو کسی اور شخص کو سمجھانا دشوار ہوتا ہے،

(و) صحیح انضباطات سعی وخطا کے طریقہ سے قائم کئے جاتے ہین،[۱]

لیکن اوپر ہم دیکھ چکے ہین، کہ بالکل یہی خصوصیات عادت مین بھی پائی جاتی ہین، اس سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مہارت اور عادت مین بہت قریب کا تعلق ہے، چنانچہ پروفیسر ٹی ایچ پیر نے مہارت کی تعریف کی ہے، کہ "یہ جسمانی عادات کی تنظیم وتکمیل کا دوسرا نام ہے" اس لحاظ سے مہارت گویا مرکب عادت ہے لیکن یہ تعریف صحیح نہین، اگر صرف مرکب ہونے ہی کو مہارت اور عادت کا مابہ الامتیاز مان لیا جائے تو پھر مہارت اور عادت مین فرق محال ہو جاتا ہے، ایک بائسکل چلانے والا شخص تو دور ہی سے موٹر آتی دیکھ کر سٹی پٹی بھول جاتا ہے، دوسرا شخص موٹرون کی دھکا پیل میں اس اطمینان سے بائیسکل چلاتا ہے، جیسے کہ خالی اور صاف سڑک پر، اور تیسرا سرکس میں بائیسکل چلانے کے کرتب دکھاتا ہے، ان تینون مین سے کس کو بائیسکل چلانے کا ماہر کہا جائیگا؟

---

[۱] مہارت کا یہ سارا بیان پروفیسر لائڈ مارگن کی کتاب Comparative Psychology ص ۱۶۱ و بعد ماخوذ ہے دیکھو Skill in work and Play، ص ۲۹،

تک نہیں ہو سکتا، جب تک کہ حرکی انضباط کے نقد نتائج صحت کے ساتھ ہمارے شعور میں آ نہ
مختصراً اسی کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے، کہ مہارت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے، کہ ماہر
شخص دوسرے شخص کو کسی طرح بھی نہیں سمجھا سکتا کہ صحیح حرکی انضباط کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے
وہ کرکے تو دکھا سکتا ہے لیکن سمجھا نہیں سکتا، اس صحیح حرکی انضباط کو سیکھنے والے اسے بطور خود دریافت
کرنا پڑتا ہے، وجہ ظاہر ہے جو یہ ہو کہ یہ تو خود سکھانے والے کو بھی معلوم نہیں کہ یہ انضباط کسطرح
اور کہاں قائم ہوتا ہے، اسی سبب سے کسی دوسرے شخص میں ایک خاص مہارت پیدا کرنے کیلئے
پانچ گھنٹے کی تقریر سے بہتر یہ ہے کہ پانچ منٹ میں یہ حرکت کرکے دکھا دی جائے، اگر
سمجھانا ہی پڑتا ہے، تو وہ ماہر اپنے شاگرد کو حرکی انضباط کا طریقہ نہیں سمجھاتا، بلکہ اس انضباط
کا جو نتیجہ ہونے والا ہے، وہ بتاتا ہے، مثلاً ایک شخص کو ہم بلیرڈ کھیلنا سکھاتے ہیں تو ہم کچھ باتیں
تو زبانی سمجھاتے ہیں، اور کچھ کرکے دکھاتے ہیں، ہم کہتے ہیں" اپنے گیند کو اس اس جگہ مارو لیکن
نہ تو بہت زور سے مارو، نہ بہت آہستہ، لیکن کوشش کرو کہ تمہارا گیند سُرخ گیند سے وہاں
جا کر ٹکرائے، جہاں میں نے کھریا سے نشان بنایا ہے" ہمارا شاگرد کوشش کرتا ہے لیکن
ناکام رہتا ہے، ہم سمجھاتے ہیں، کہ یہ ناکامی اس بات کا نتیجہ ہے، کہ تم نے اپنے گیند کو بہت زور سے
مارا، لہذا ہم اس سے پھر کوشش کرنے کو کہتے ہیں، اس طرح ناکامیوں کے بعد کوششوں سے
وہ ماہر بنجاتا ہے، ہمارے لئے قابلِ ذکر بات یہ ہو کہ ان تمام کوششوں میں سیکھنے والے کی توجہ حرکی
انضباط کی طرف نہیں، بلکہ اس انضباط سے پیدا ہونے والے نتیجوں کی طرف رہی، دلچسپ بات
یہ ہے کہ اگر وہ نفس حرکی انضباط کی طرف توجہ کرتا ہے، تو صحیح حرکت کبھی صادر نہیں ہوتی، اب
ظاہر ہو کہ چونکہ وہ حرکی انضباط کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا، لہذا وہ اس کو بیان بھی نہیں کر سکتا
بعض اوقات تو وہ اس کے وجود ہی سے صاف انکار کر جاتا ہے،

تنظیم کے علاوہ دقیق اور باریک حرکات کی تنظیم (۲) نئے تطابقات کو آنکھ جھپکنے میں پیدا کرنے کی قابلیت اور (۳) موٹے موٹے تطابقات کو بالعموم اور فوری تطابقات کو بالخصوص صحت کے ساتھ قائم کرنے کی اہمیت بھی داخلِ فرض کیجانی چاہئے، یہ کہنے کی غالبًا ضرورت نہیں، کہ ہر شخص اپنی عادات کو اس درجہ تک ترقی نہیں دیگا، یعنی ہر شخص ماہر نہیں بن سکتا،

(۵)

اوپر ہم نے مہارت کی عام خصوصیات پر نظر ڈالی ہے، لیکن یہ تمام بیان جسمانی یا حرکی مہارت سے تعلق رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ فلسفی یا ماہر کیمیا، حرکات کا ماہر نہیں ہوتا، اس کی مہارت ذہنی یا عقلی ہوتی ہے، وہ ایک خاص علم کا ماہر ہوتا ہے، لہٰذا اب ہم کو علمی، ذہنی، یا عقلی مہارت پر غور کرنا ہے،

جسمانی یا حرکی مہارت کے متعلق جو کچھ کہا جا چکا ہے، اس کے بعد ذہنی یا عقلی مہارت کے متعلق بہت زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مہارت کے قیام اور اسکی تکمیل کا اصول دونوں صورتوں میں بالکل ایک ہی ہوتے ہیں، مہارت پیدا ہو جانے کے بعد نتیجے بھی ایک ہی مترتب ہوتے ہیں، فرق ان دونوں میں اس مواد کا ہوتا ہے، جس پر یہ اصول عمل کرتے ہیں، پہلی صورت میں جن اصول کا عمل حرکات پر ہوتا ہے، دوسری صورت میں انہی کا عمل خیالات اور ذہنی اعمال پر ہوا کرتا ہے،

مہارت کو عادات کی تنظیم کہا گیا ہے، اس تعریف میں لفظ "عادت" محدود معنوں میں استعمال ہوا ہے، یہ صرف جسمانی عادت کا مترادف ہے لیکن عادت کی اصطلاح کا یہ مفہوم عرصہ ہوا کہ نفسیات میں متروک ہو چکا ہے، اب آج کل عادت کے لفظ کا اطلاق جس طرح اور جن معنوں میں حرکات پر ہوتا ہے، اسی طرح اور اُن ہی معنوں میں ذہنی اعمال پر بھی ہوتا ہے، چنانچہ جس طرح خاص خاص حرکات کو دُہرانے سے وہ حرکات مستقل ہو جاتی ہیں یعنی عادت بن جاتی ہیں اور ان میں عادت کی تمام خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں، بالکل اسی طرح خاص خاص ذہنی اعمال

ظاہر ہے کہ دوسرا شخص پہلے کے مقابلہ مین، اور تیسرا دوسرے کے مقابلہ مین زیادہ بڑا ماہر ہے
لیکن کیا ان کی مہارتون مین صرف ترکیب کے درجہ ہی کا، یا پیر کی اصطلاح مین "جسمانی عادات کی
تنظیم و تکمیل" ہی کا فرق ہے، ؟ مرکب تو تینون ہی کی حرکات ہین، یا یون کہو کہ تینون کی مہارت
مین "جسمانی عادات کی تنظیم و تکمیل" ہوئی ہے، پھر کیا سبب ہے، کہ تیسرے شخص کے مقابلہ میں پہلا شخص ماہر
نہین کہلاتا، ؟ ان تینون کی حرکات پر غور کیا جائے، تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان تینون میں
ایک طرف تو ترکیب کے درجہ کا فرق ہے، یعنی دوسرے کی حرکات پہلے کی حرکات کے مقابلہ
میں، اور تیسرے کی دوسرے کی بہ نسبت زیادہ مرکب ہین، ان مین بہت زیادہ "جسمانی عادات کی
تنظیم و تکمیل" ہوئی ہے لیکن اس کے ساتھ سب سے بڑا، اور ہمارے نزدیک بنیادی فرق مختلف حرکی
انضباطات کے تطابق کی نزاکت کا ہے، چنانچہ تیسرے شخص کو جو ہم ماہر کہتے ہین، اس کی بنا یہی
ہے، یہ شخص بائیسکل چلانے کی اتنی مختلف، اور ایسی نازک حرکات کرتا ہے کہ پہلا شخص نہیں کرسکتا
پہلے شخص کو مثلاً بائیسکل دیکر تار پر چڑھاؤ، اور دیکھو کہ وہ کتنی دور جاسکتا ہے، تیسرا شخص بڑے
مزے سے گزوں چل دیتا ہے، اور نہ صرف چل لیتا ہے، بلکہ طرح طرح کی قلابازیاں بھی کھاتا
ہے، وغیرہ، یہان پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ تیسرے شخص نے یہ کمال کس طرح پیدا کیا، ؟ ظاہر ہے
کہ مشق سے یعنی کامیاب حرکت کو دہرانے سے، دوسرے لفظون مین سعی وخطا کے طریقہ سے، ہم
پہلے کہہ چکے ہین کہ یہ طریقہ عادت کا ہے، تو گویا مہارت عادت ہے لیکن یہ خیال رکھنا چاہئے کہ
ہر عادت مہارت نہیں، پہلا بائیسکل چلانے والا، بائیسکل چلانے کا عادی ہے لیکن ماہر نہین، اسکے
مقابلہ مین تیسرا عادی بھی ہے، اور ماہر بھی، لہذا ہمارے نزدیک مہارت کی صحیح تر تعریف یہ ہے، کہ "ترقی
یافتہ عادت" ہے، ترقی یافتہ کے مفہوم مین جسمانی عادات کی "تنظیم و تکمیل" کا درجہ اور اس تنظیم و تکمیل کی نزاکت
دونون شامل سمجھے جانے چاہئین، اسی طرح "نزاکت" کے مفہوم مین (۱) موٹی موٹی حرکات کی

تیار رہ سکتے ہون، اور ایک ہی نظر مین کسی بات یا واقعہ کی تہ تک پہنچ سکتے ہون، مختصر یہ کہ جو خصوصیات حرکات کے ماہرین، حرکات کے تعلق سے ہوتی ہین، وہی تمام خصوصیات عقلی ماہرین عقلی اعمال کے تعلق سے ہونی چاہئین، اگر ان دونون خصوصیات مین فرق واقع ہوگا، تو حرکی اعمال اور عقلی اعمال کو فرق کا نتیجہ ہوگا۔

ایک صاحب ایک بنوٹ باز کے سامنے ایک دوسرے بنوٹ باز کی تعریف کر رہے تھے، کہ اگر اس کے ہاتھ مین ایک پنسل دیدی جائے، تو وہ دشمن کے ہر وار کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہے، یہ سن کر پہلا بنوٹ باز ہنسا، اور کہنے لگا "تو اسکو صرف اپنی حفاظت کرنی آتی ہے، دوسرے پر حملہ کرنا نہین آتا،" مطلب اس کا یہ تھا کہ اصلی ماہر وہ ہے جو نہ صرف اپنی حفاظت کر سکے، بلکہ دوسرون پر حملہ بھی کر سکے، اس سے مہارت کی ہمہ گیری کا اندازہ ہو سکتا ہے، بعینہٖ یہی حال عقلی مہارت کا ہے، اس کے لئے بھی صرف یہی کافی نہین کہ اس کی بنا پر ماہر اوروں کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دے سکے، بلکہ اس مین دوسرون پر ناقابلِ جواب اعتراض کرنے کی قابلیت بھی ہونی چاہئے،

مختصر یہ کہ عقلی مہارت کی توضیح کے لئے حرکی مہارت کے بیان پر کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہین، ضرورت ہے تو صرف اس کی کہ حرکت اور عقل کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے، اور اسی فرق کے مطابق حرکی مہارت کے اصول و قوانین کا اطلاق عقلی مہارت پر کیا جائے،

(۶)

مہارت جسمانی اور عقلی کے متعلق جو کچھ اوپر کہا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا ہوگا، کہ ہر ماہر ایک بہت وسیع میدان کے صرف ایک چھوٹے سے حصہ کو اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے، وہ بقول انگریزون [illegible] ہوتا ہے، چنانچہ بنوٹ باز بازوؤن کی ایک خاص حرکت کا ماہر ہوتا ہے، اور کرکٹ کھیلنے والا انہی بازوؤن کی دوسری قسم کی حرکت کا، بنوٹ باز کرکٹ نہین کھیل سکتا، اور کرکٹ کھیلنے والا بنوٹ بازی نہین کر سکتا، اگر کوئی بنوٹ باز کرکٹ کھیلتا ہے، تو ظاہر ہے کہ کرکٹ کھیلنے مین اسکے بازوؤن

کو دہرانے سے بھی وہ ذہنی اعمال عادت بن جاتے ہیں، اور ان میں بھی وہی تمام خصوصیات پائی جانے لگ جاتی ہیں، جو عام طور پر جسمانی عادت میں موجود فرض کیجاتی ہیں، یعنی یہ ذہنی اعمال بھی ذرا سے اشارے سے صحت، کامیابی، اور آسانی کے ساتھ فوراً پیدا ہو جاتے ہیں "عادتِ فکر" اسی کا دوسرا نام ہے، فلسفی کے سامنے مادہ کا لفظ بولو تو اس کے ذہن میں فوراً خیالات کا ایک مخصوص سلسلہ پیدا ہو جاتا ہے، یہی لفظ طبیعیات کے ماہر کے سامنے دہراؤ تو اسکے ذہن میں بھی اسی طرح فوراً خیالات کا ایک مختلف سلسلہ قائم ہو جاتا ہے، ان سلسلوں کا یہ اختلاف ان کی ذہنی یا عقلی عادات کے اختلاف کا نتیجہ ہے، مختصر یہ کہ عادات کی ان دونوں قسموں پر جس پہلو سے بھی غور کیا جائے، نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، فرق اگر کوئی بیان کیا جا سکتا ہے، تو صرف یہ کہ جسمانی عادات کا اظہار حرکات کی صورت میں ہوتا ہے، اور ذہنی عادات کا اس طرح اظہار نہیں ہوتا، گو ہو سکتا ہے کہ یہ بالواسطہ طور پر حرکات کی صورت میں ظاہر ہو جائیں، مثلاً اس حالت میں جب ہم اپنے غور و فکر کے نتیجہ کو ہاتھ کی حرکات کے ذریعہ سے، یعنی لکھ کر بیان کرنے کی کوشش کریں، لیکن یہاں یہ حرکات مقصود بالذات نہیں ہوتیں، جیسا کہ جسمانی عادات میں ہوا کرتی ہیں، فعلیاتی حیثیت سے بھی اُن کی یہ مشابہت اتنی ہی مکمل ہے،

جسمانی اور ذہنی عادت کی اس کلی مشابہت کو سمجھ لینے کے بعد اب اس بات کو سمجھنے میں دقت نہ ہونی چاہئے، کہ جسمانی مہارت اور عقلی یا ذہنی مہارت میں سوائے نام اور ظاہری شکل و صورت کے اور کوئی فرق نہیں، دوسرے لفظوں میں ذہنی یا عقلی مہارت کے لئے بھی ضروری ہے، کہ ماہر فن میں نئے نئے اور نازک ذہنی تطابقات صحت اور آسانی کے ساتھ اور فوراً قائم کرنے کی قابلیت ہو، حالات میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ، اور نئے حالات کے مطابق، ذہنی تطابقات قائم کر سکتے ہوں، حریف پر وار کرنے اور اس کے غیر متوقع وار کا فوراً جواب دینے کیلئے ہر وقت

سلسلۂ کلام مین ہم کہان سے کہان پہونچ گئے، ہم دیکھنا یہ چاہتے تھے، کہ ماہرین کی مہارت ن کی تخصیص کا ان کی زندگیون پر کیا اثر پڑتا ہے،

ابھی کہا گیا ہے کہ ہر ماہر ایک وسیع میدان کے بہت چھوٹے سے حصہ کو اپنے لئے مخصوص کر لیتا ے، اصطلاحی زبان مین کہا جائے گا کہ وہ ایک خاص قسم کے ہیجانات کے لئے بہت زیادہ اثر پذیر بن جاتا ہے، اور اس طرح اس مین مخصوص قسم کے ہیجانات پیدا ہو جاتے ہین، اس کی مہارت جس قدر ترقی تی جاتی ہے، اسی قدر زیادہ حساس وہ اُن خاص ہیجانات کے لئے ہو جاتا ہے، اور اُسی قدر شدت س کے ان مخصوص قسم کے ہیجانات مین پیدا ہو جاتی ہے، نتیجہ اس کا یہ ہونا ہی چاہئے، کہ اس کا ماغ (یا عقل) کے مختلف حصون کی ترقی متوازن اور متوازی نہین رہتی، یعنی ایک حصہ تو ت زیادہ ترقی پا جاتا ہے، اور باقی ماندہ حصے اتنے ہی کم ترقی پاتے ہین، دوسرے لفظون ن جس قدر زیادہ حساس وہ ایک خاص قسم کے ہیجانات کے لئے ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی بے کار و ر ہیجانات کے لئے ہو جاتا ہے جب یہ دوسرے ہیجانات اس پر اثر کرتے ہین، تو اس کے مخصوص ہیجانات ن رنگ کر اسی طرح جس قدر زیادہ شدید اس کے مخصوص ہیجانات ہوتے چلے جاتے ہین، اتنے ی کمزور باقی ماندہ ہیجانات ہو جاتے ہین، اس طرح ماہر کی زندگی مین وسعت کی تو تنگی ہوتی جاتی ہے لیکن گہرائی مین اضافہ ہوتا جاتا ہے، علم، فن، یا حرکت، کے جس مخصوص حصے کا وہ ماہر ہے س مین تو وہ اتنا بڑا صاحب کمال ہو جاتا ہے کہ جو ہر فرد بنجاتا ہے، لیکن اس خاص حصہ سے جس قدر دور وہ ہٹتا جاتا ہے، اسی قدر زیادہ اُس کی بے بسی اور بے کاری ہوتی جاتی ہے، ان حصون مین اسکی ہر حرکت ناکامی کی طرف لیجاتی ہے، اس کی ہر بات اَن مل اور بے جوڑ ہوتی ہے س کا ہر عقیدہ نکما ہوتا ہے، مختصر یہ کہ ان حصون مین وہ "دیوانہ" بن جاتا ہے، لیکن جب وہ ان حصون مین دیوانہ بنتا ہے، بالکل اسی وجہ سے علم یا فن کے اپنے مخصوص حصون مین اُس کی

کی وہ حرکات نہین ہوتین، جو بنوٹ بازی مین ہوتی ہین یہی حال کرکٹ کھیلنے والے کا بنوٹ بازی کے وقت ہوتا ہے، عقل کا استعمال فلسفی بھی کرتا ہے، اور مورخ بھی، لیکن سب جانتے ہیں، کہ ان دونون کے استعمال مین فرق ہوتا ہے، یعنی فلسفی اور مورخ اپنے لئے ایک چھوٹا سا میدان تحقیق اور استدلال کے لئے انتخاب کرلیتے ہین، پھر ہر فلسفی پورے کے پورے فلسفہ کا ماہر نہین ہوتا، کوئی منطق کا ماہر ہوتا ہے، تو کوئی نفسیات کا، وقس علیٰ ہذا یہی حال ہر علم اور ہر فن کا ہے، اس تخصیص کا نتیجہ ظاہر ہے، کہ یہ ہوتا ہے کہ مہارت کا دائرۂ عمل تنگ تر ہوتا جاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس تنگ تر دائرے مین ماہر ایسے ایسے نئے نئے اور نازک نازک تطابقات قائم کرسکتے ہین، کہ دوسرون کے ذہن مین بھی نہین آتے، مادی یا ذہنی دنیا کے خفیف سے خفیف اور معمولی سے معمولی تغیرات ان ماہرین مین عظیم الشان انقلابات پیدا کرتے ہین، ان ماہرین کے ان عظیم الشان انقلابات سے پھر مادی یا ذہنی دنیا کی کایا پلٹ ہوجاتی ہے یہ نئی مادی یا ذہنی دنیا ماہرین مین مزید انقلابات پیدا کرتی ہے، غرض یہ چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے، اسی چکر کا نام علم یا فن کی ترقی ہے، چونکہ یہ چکر کسی حالت مین بھی ختم نہین ہوسکتا، لہذا کہا جاتا ہے، کہ کوئی علم یا فن کسی وقت بھی مکمل نہین ہوسکتا، نیوٹن نے سیب گرتا دیکھا، اور واٹس نے بھاپ کے زور سے ہانڈی کے ڈھکنے کو اٹھتا دیکھا، ان معمولی مشاہدون سے ایک طرف تو طبیعیات، ریاضی، فلکیات اور فلسفہ وغیرہ کا حلیہ بدل گیا، اور دوسری طرف میکانکیات نے دوسری صورت اختیار کرلی، پھر یہ معاملہ یہین ختم نہین ہوگیا، چنانچہ سب جانتے ہین، کہ آئن سٹائن کی ریاضی اور طبیعیات نیوٹن کی ریاضی اور طبیعیات سے بہت آگے نکل چکی ہے، اور آج کل کے ریلوے انجنون کے سامنے واٹس کا ریلوے انجن کھلونے سے بھی بدتر ہے نہایت اطمینان اور وثوق کیساتھ کہا جاسکتا ہے کہ کبھی دونگے بعد آئن سٹائن کی ریاضی اور نئے ریلوے انجن بھی اسی طرح پیچھے رہجائین گے اور ان کی جگہ نئی نئی باتین اور چیزین لے لین گی،

کہ ماہر ہو جانے سے ایک شخص "بے کار" ہو جاتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ مہارت سے کیا کیا ذہنی تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں، جو "بے کاری" کا باعث ہوتے ہیں، گذشتہ اوراق میں ہم اس تفصیل میں نہیں پڑے، اس لئے کہ ہم کو اسکی ضرورت نہ تھی، یہی تفصیل اس رسالہ کا موضوع ہے، پروفیسر ہرتز برگ نے یہ واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، کہ مہارت سے ایک خاص قسم کی دلچسپی پیدا ہوتی ہے، یہ دلچسپی اس قدر شدید ہوتی ہے کہ اور دلچسپیاں رک جاتی ہیں، اور دوسری طرف اس شدید دلچسپی کی وجہ سے خاص قسم کے شدید ہیجانات پیدا ہوتے ہیں، لہذا باقی اور تمام ہیجانات کمزور پڑ جاتے ہیں دوسرے لفظوں میں مہارت سے جو ذہنی تغیرات پیدا ہوتے ہیں، اور ان تغیرات کا جو اثر ماہر کی زندگی پر پڑتا ہے، اس کو پروفیسر موصوف نے خوب کھول کر اور بہت دلنشیں طریقہ سے بیان کیا ہے، انھوں نے اپنی کتاب کا نام تو رکھا ہے "نفسیاتِ فلاسفہ" لیکن جو تحلیل انھوں نے فلسفیوں کی نفسیات کی کی ہے، اور اس تحلیل سے جن نتیجوں پر وہ پہونچے ہیں، اُن کا اطلاق نہایت آسانی اور صحت کے ساتھ اور ماہرین کی نفسیات پر بھی ہو سکتا ہے، بہر حال اس رسالہ میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ فلسفیوں کے متعلق لکھا ہے، اس طرح ایک فلسفی نے یہ اعتراف کرکے کہ تمام فلسفی "دیوانے" ہوتے ہیں، فلسفیوں کے متعلق عام خیال کی نہایت مدلل اور سائنٹفک تصدیق کر دی ہے، لیکن مہارت اور ماہر کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، اس کے بعد یہ کہنے کی غالباً ضرورت نہیں، کہ پروفیسر ہرتز برگ کی موجودہ تحقیق سے دیگر ماہرین مستثنیٰ نہیں ہو جاتے![۱]

---

[۱] میں نے پروفیسر ہرتز برگ کی کتاب دی سائیکالوجی آف فلاسفرز کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، مندرجۂ بالا مضمون اس ترجمہ کا مقدمہ ہے، یہ ترجمہ کتابی شکل میں عنقریب شائع ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ؛

(المعتضد)

فرزانگی اور ون کو دیوانہ بناتی ہے فلسفی کھانا کھانا بھول سکتا ہے، آرام کرنا بھول سکتا ہے، اپنا نام بھول سکتا ہے، راستہ بھول سکتا ہے، غرض ہر بڑی یا چھوٹی بات بھول جاسکتا ہے، لیکن فلسفہ کی چھوٹی سی چھوٹی بات بھی نہین بھول سکتا، سیاسیات پر اسکے خیالات مضحکہ خیز ہون تو ہون لیکن فلسفہ مین اس کا ہر لفظ آیت و حدیث ہوتا ہے، وہ اپنی اس چھوٹی سی دنیا میں اس بری طرح مقید ہوتا ہے، کہ جب وہ باہر کی دنیا مین قدم رکھنے کی کوشش کرتا ہے، تو اس کی سمجھ مین نہین آتا، کہ کیا کرے، اور کہان جائے، اس کی حالت اس پرندے کی سی ہوتی ہے، جو عمر بھر پنجرے مین رہنے کے بعد ایک دم آزاد کر دیا جاتا ہے، یہ پرندہ قید کی وجہ سے طاقتِ پرواز کھو بیٹھتا ہے، لہذا اسکی یہ آزادی اکثر اوقات اس کی موت کا پیغام بن جاتی ہے، ماہرین بھی اگر اپنی دنیا سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہین، تو بعض صورتون مین حقیقۃً اور اکثر صورتون مین استعارۃً موت کے منہ مین پہونچ جاتے ہین، اُن کی ماہرانہ زندگی کے دوران مین اتنے پردے اُن کی آنکھون پر پڑ جاتے ہین، کہ دوسری دنیا مین آکر اُن کی آنکھین چوندھیانے لگ جاتی ہین، لہذا یہ قدم قدم پر ٹھوکرین کھاتے ہین، مختصر یہ کہ ماہر اپنی مخصوص چھوٹی سی دنیا کے علاوہ ہر دنیا کے لئے بے کار ہو جاتا ہے، اس ازکاررفتگی، دیوانگی، ماحول کے ساتھ عدم مطابقت اور مضحکہ خیزی کو فلسفیون اور منطقیون کے لئے مخصوص کرنا سخت ترین ناانصافی اور ظلم ہے، لہذا یہ کہنے اور سمجھنے کے بجائے کہ فلسفی "دیوانے" ہوتے ہین، یہ کہنا اور سمجھنا چاہئے کہ ہر ماہر "دیوانہ" ہوتا ہے، یہ ماہر فلسفی ہو یا لوہار،

اپنی دنیا سے باہر ماہرون کی ناکامی کو ہم نے اس بات کا نتیجہ کہا ہے، کہ وہ ماہر ہوتے ہین، ماہرون کے مرض کی یہ تشخیص ایسی ہی ہے، جیسے یہ کہہ دیا کہ پانی مین بھیگنے سے زکام ہو جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ پانی مین بھیگنے سے تمام جسم مین، یا جسم کے ایک مخصوص حصہ مین کیا کیا تغیرات ہوتے ہین جن کا نتیجہ زکام کی صورت مین ہمارے سامنے آتا ہے، اسی طرح عام شکل مین تو یہ کہنا صحیح ہو سکتا

۳- سراج الدین علی خان آرزو کا ایک رسالہ ہے، اس رسالہ کا نام کہین نہین ملا، مین نے اس کا
ہ رکھا ہے "تنقید بر کلام حزین" حجم ۴۳ صفحات تقطیع کلان، خط نستعلیق، کاغذ احمد آبادی، منقولہ سنہ ۱۲۵۹ھ
نکہ ماقبل کی کتابونکا اور اسکا خط ایک ہی ہے، اس رسالہ مین مشہور شاعر حزین کی غلطیان دکھائی
ن بلکہ بعض مقامات پر اصلاح بھی دی ہے، آخر مین عظیم آباد کے ایک ہندو شاعر.. چند کی غزل پر اصلاح دی ہے،
۴- رسالہ دادِ سخن، حاجی جان محمد (یا محمد جان) قدسی کے کلام پر ملا شیدا نے اعتراضات کئے
، اس کا محاکمہ ابو البرکات منیر لاہوری نے کیا تھا، اس کے جواب مین سراج الدین علی خان
رو نے یہ رسالہ لکھا ہے، ص ۳۴ تقطیع کلان، خط نستعلیق، بخط کاتب سابق ہے اسلئے سنہ
ادہی ہوگا،

۵- نگارنامہ = اس رسالہ مین ابوالبرکات محمد نذیر منیر لاہوری نے چار متاخرین شعرا، (عرفی
تب، زلالی، ظہوری) کے کلام پر اعتراضات کئے ہین، ص ۱۴، کاغذ احمد آبادی، خط نستعلیق،
طع کلان، بخط کاتب سابق،

۶- رسالہ سراج منیر = سراج علی خان آرزو نے اس کے جواب مین یہ رسالہ لکھا ہے صفحات ۳۰۔
۷- رسالہ ناقص از آخر = افسوس ہے کہ یہ رسالہ آخر سے ناقص ہے، اور مؤلف کا نام بھی نہین
لوم ہو سکا، یہ رسالہ درحقیقت سراج منیر کے جواب مین ہے،

فارسی ادبی مناظرون کے چند رسائل

از

مولنا سید ابوظفر صاحب ندوی ریسرچ اسکالر گجرات سوسائٹی احمد آباد

ان دونون چند دلچسپ رسالے ہاتھ آئے ہین، ان کا تذکرہ اہل علم کی دلچسپی کا باعث ہوگا

۱- تحقیق السداد فی منزلۃ آزاد مؤلفہ محمد صدیق سخنور بن قاضی محمد احسان اللہ عثمانی بلگرامی یہ وہی رسالہ ہے جس کا ذکر صمدانی[۱] صاحب نے معارف مین ایک دفعہ کیا تھا، سرو آزاد اور مآثر الکرام مصنفہ آزاد بلگرامی پر متعدد اعتراضات کئے ہین، اور بہ خیال خود انکی غلطیون کی تصحیح بھی کی ہے، ۱۲۶۱ھ کی تصنیف ہے صفحات ۵۱ تقطیع کلان، خط نستعلیق، ابتدا، الحمد للہ الذی نبّہ عن نوم الغافلین آخر" لکل اھل بصر وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین،

۲- اس کا جواب ۱۲۶۱ھ مین میر عبد القادر سمرقندی دہلوی نے دیا ہے، اس کا نام تادیب الزندیق فی تکذیب الصدیق" ہے تقطیع کلان خط نستعلیق صفحات ۵۰ کاغذ دونون کا احمد آبادی ہے، مجھے یاد نہیں ہے، کہ صمدانی صاحب نے اس رسالہ کا بھی ذکر کیا ہے یا نہیں، ابتدا" سپاس ایزدی کہ از ہمہ عیبہا مبرا است" انتہا، و فردائے قیامت برکردار خود شرمندگی نکشد والسلام علی من اتبع الہدیٰ"، کاتب کا نام نہین ہے، مگر یہ لکھا ہے کہ ۱۲۵۹ھ مین اسکی نقل ختم ہوئی،

---

[۱] مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدانی (الہ آباد)

وہی امرا داخل ہوسکتے تھے جن کو بادشاہ کسی ضروری اور اہم مسئلہ میں خاص طور سے مشورہ کے لئے طلب کرتا تھا، دکن میں فوجی معاملات کی اہمیت کی وجہ سے دیوان عام اور خاص کا مخلوط دربار ہوتا تھا، جو اسی لحاظ سے دیوان عام وخاص کہلاتا تھا، اجلاس میں داخلہ کے لئے بادشاہ کے اجازت نامے جاری ہوتے تھے، بعض امرا کو مستقل پروانہ ملتا تھا، ان میں سے اگر کوئی بغیر اطلاع کے کچھ دنوں غیر حاضر رہتا تو اسے از سر نو اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا، ہر منصب دار کو پروانہ کے حصول کے لئے درخواست دینے کی اجازت تھی، جو تقریباً ہر ایک امیر کو اس کے تقرر، تبادلہ اور ترقی کے وقت مل جاتا تھا، جو امرا کسی ملکی یا ذاتی جرم کی بنا پر معتوب ہوجاتے تھے، وہ دربار کی حاضری سے محروم کردیئے جاتے تھے، دیوان خاص وعام کوئی جمہوری اسمبلی نہیں تھی، اس کی شرکت کے لئے خاص قوانین اور پابندیاں تھیں، بادشاہ اور دربار مل کر حکومت کرتے تھے، امرا وحکام، یا ان کے نمائندے جو دارالسلطنت سے دور رہتے تھے، بادشاہ کے حکم سے باریاب ہوتے تھے، اور اپنے محکموں کے متعلق فرمان شاہی حاصل کرتے تھے، غیر سرکاری اشخاص کا کہیں ذکر نہیں ملتا، البتہ ملکی معاملات کے سلسلہ میں شاہی حکام کے ساتھ بادشاہ کی اجازت سے کبھی کبھی کوئی غیر سرکاری آدمی بھی نظر آجاتا ہے، جشن کے موقعوں پر البتہ ایک تماشائی کی حیثیت سے گذر ممکن تھا،

دربار سے متعلق چند خاص حکام مقرر تھے، جن کا کام شاہی احکام کو جاری کرانا تھا، ان کا افسر اعلیٰ میر تزک کہلاتا تھا، جو آداب شاہی کا نگہبان ہوتا تھا، "عرض مقرر" معتمد خاص کی حیثیت رکھتا تھا، شاہی اخبار نویس اول کے ماتحت بہت سے اخبار نویس اور داروغہ ڈاک چوکی اپنے کثیر مخبروں کے ساتھ دربار میں حاضر رہتے تھے، جو ہر وقت احکام شاہی لے جانے کے لئے پابہ رکاب رہتے تھے، ان کے علاوہ خدام خاص مثلاً محافظ جان (باڈی گارڈ) میر شکار، محافظ خیمہ شاہی، بادشاہ کے خاص خدم وحشم میں شمار ہوتے تھے، جن کا کام بادشاہ کی جان کی حفاظت اور اسکی راحت رسانی تھی،

تلخیص و تبصرہ

ملکی انتظام مین اورنگزیب کا حصہ

ریاست جے پور مین اورنگزیب کے درباری اخبارات کے جو فائل نکلے ہین، ان کے مواد سے پروفیسر سری رام شرما نے اسلامک کلچر مین "ملکی انتظام مین اورنگ زیب کا حصہ" کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، اسکی تلخیص پیش کیجاتی ہے، وہ لکھتے ہین، کہ

..... صفحون کے اخبارات سے اورنگزیب کے ایسے سچے اور صحیح حالات معلوم ہوتے ہین جن مین کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں،

ان اخبارات پر نظر ڈالنے سے اورنگزیب کی ایک بڑی اور نمایاں خوبی یہ سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے معمولات مین کبھی تساہلی کو دخل نہ دیتا تھا، اس کے دورِ حکومت کے اڑتیسوین سال مین دس مہینے تک کے جو اخبارات ہین، ان مین صرف گیارہ دن فرصت کا ذکر ہے، اگر وہ دیوان عام کے دربار مین نہ آسکتا تھا، تو غسل خانہ (حمام) یا اس سے بھی پوشیدہ گوشہ "خلوت خانہ" مین کام کرتا تھا،

دکن مین اس کے کام کے چار طریقے تھے، عموماً وہ دیوان عام یا خاص مین بیٹھ کر ملکی معاملات طے کیا کرتا تھا، اور عدل وانصاف کے لئے ایک دیوان عدالت خاص طور پر منعقد ہوتی تھی، اس کے بعد غسل خانہ مین اجلاس ہوتا تھا، اس مین داخلہ کے خاص قوانین تھے، یہان صرف حکومت کے ذی اقتدار امرار کو باریابی کا شرف حاصل ہوتا تھا، خلوت خانہ مین فوری یا ہنگامی اجلاس ہوتے تھے، یہان

کسی کو یہ شکایت ہوتی، کہ اخبار نویس یا افسر اعلیٰ نے دربار میں اسکی درخواست پیش نہیں کی،

تمام منصب دارون کا تقرر، ان کی ترقی، تنزل، برطرفی، عطیہ، جاگیر اور محکمون کے تعین پر نہ صرف شاہی حکم ہوتا تھا، بلکہ اسکی مفصل ہدایات بھی ہوتی تھین، اور اس مین بڑے چھوٹے کی کوئی تخصیص نہیں تھی، البتہ صوبہ دار، سردار مہم، سالار شہر پناہ، اور فوجدار اپنے ماتحتون کے تقرر کے لئے سفارش کرسکتے تھے، لیکن فوجدار یا ضلع دار کا تقرر اس سے مستثنیٰ تھا، اس سے مرکز کا بار کچھ کم ہوجاتا تھا، کابل اور بنگال کے صوبہ دارون کو اس بارے مین زیادہ اختیارات تھے لیکن نہ اتنے کہ وہ اپنے کو خود مختار سمجھنے لگین، اسی لئے اکثر سرحد کے صوبہ دارون کی سفارشین رد بھی کردی گئی ہین، جب کسی مہم کی سرکردگی پر کوئی امیر مقرر کیا جاتا، (جیسے جے سنگھ مرہٹوں کے خلاف بھیجا گیا تھا) تو اُسے غیر معمولی اختیارات دیئے جاتے تھے تاکہ اس مہم مین کوئی دشواری نہ پیدا ہو،

محکمۂ مال کی حیثیت کسی قدر جداگانہ تھی، ۲۱ر جولائی ۱۶۶۹ء کو ایک فرمان جاری ہوا جس مین یہ ہدایت تھی، کہ مال کے وہ کاغذات جو صوبہ کے افسرون نے بھیجے ہین، دفتر شاہی مین داخل نہ کئے جائین، بلکہ اپنے مرکزی دیوان کے محکمہ مین پیش کئے جائین، اور غالباً برابر یہ اصول جاری رہا، کیونکہ پھر اخبارات مین اس کا ذکر نہیں ہے، لیکن صوبائی دیوان کی عرضداشتیں بادشاہ کے حضور مین پیش کیجاتی تھین، چنانچہ ۱ر جولائی ۱۶۹۴ء کو دیوان تالکوکن کے معروضات دربار عام مین پیش کئے گئے تھے، ۱ر مئی ۱۷۰۳ء کے فرمان سے واضح ہوجاتا ہے، کہ کس طرح مالیات کے کاغذات کا تصفیہ کیا جاتا تھا، دیوان خالصہ اور دیوان دکن کو حکم تھا کہ وہ اپنی رپورٹ اور تجاویز سربمہر شاہی دیوان کے پاس بھیجا کرین، جو بادشاہ کو ضروری اقتباسات سنادیا کرے گا،

اخبار نویسوں کی رپورٹ پر بھی اکثر احکام صادر ہوا کرتے تھے، چنانچہ ۹ر اپریل ۱۶۹۰ء کو بیدار بخش کی فوج سے یہ اطلاع آئی کہ پرتھوی سنگھ اور دوسرے منصب دارون نے اپنے

ہرون کی کارروائی عموماً گذشتہ دن کے احکام سنانیکے بعد شروع کیجاتی تھی، پھران احکام پر مہرِ تصدیق ثبت کرکے ان کو مختلف محکمون مین عمل درآمد کے لئے بھیجدیا جاتا تھا، اس کے بعد دیوان یا بخشی ان سرکاری خطوط کو پڑھکر جو صوبہ دار، ضلع دار، سالار شہر پناہ، سردار ہم اور جنگی افسرون کے یہان سے آتے تھے، ان کا خلاصہ سنا دیتا تھا، اور بادشاہ وہین ان پر احکام صادر کردیتا تھا، اس کے بعد بعض حکام اعلیٰ ان خطوط کو سناتے تھے جنھیں بیرونی حکام دار السلطنت کے باہر سے خفیہ بھیجتے تھے، ان پر بھی فوراً شاہی حکم صادر ہوجاتا تھا، کبھی کبھی حکام اعلیٰ کے کارندے مفصلات کے حاکموں کی وہ گذارشات پیش کرتے، جو سرکاری ذریعہ سے پیش نہ ہوسکی تھین، اس کے بعد شاہی اخبار نویس مختلف جگہون کے مقامی اخبار نویسوں کے بیانات کا خلاصہ سناتا تھا، اس کے بعد حکامِ اعلیٰ اپنے ان ماتحت افسرون کی جن پر ان کی خاص نظر توجہ ہوتی تھی، مناسب الفاظ مین سفارش کرتے تھے، بعض محافظ شاہی یا معزز درباری اپنی طرف سے بھی تجویز پیش کرنے کا حق رکھتے تھے، جاسوس اور مخبر براہ راست بادشاہ کو اپنی کارگذاری کی خبر دیتے تھے، میر توپ خانہ کو بھی یہ عزت حاصل تھی،

درخواستوں اور ان پر احکام شاہی کی مختلف صورتین ہوتی تھین، اکثر عرضی پرواز اپنی کارگذاریون اور خدمات کا ذکر کرکے شاہی لطف وکرم کے امیدوار ہوتے تھے، بادشاہ وہین پر جزراً یا کلاً قبول یا مسترد کردیتا تھا، بعض اوقات نامنظوری نرم اور دلچسپ الفاظ مین ہوتی تھی جیسے "امیدوار باشند" بعض وہ درخواستین جو عام مسلوں کے ساتھ نہیں آتی تھین، مختلف محکمون کے افسر جیسے دیوان یا بخشی، خانِ سامان کے پاس رپورٹ کے لئے بھیج دی جاتی تھین، بعض اوقات درخواست کنندہ کو حصولِ سفارش کے لئے اس کے افسر اعلیٰ کے پاس بھیجا جاتا تھا، جب بادشاہ کی توجہ اوراس کے تجسس کی وجہ سے کسی معاملہ کی اہمیت بڑھ جاتی، تو اسکی تحقیقات کے لئے ایک مقامی کمشنر مقرر کیا جاتا، لیکن یہ صورت انہی حالات مین پیش آتی تھی، جب ماتحت حکام مین سے

نوکرون نے مغل کو مار ڈالا، گوالیار مین مغلون کے چار گھوڑے گم ہوگئے، وہان کے فوجدار فدائی خان کو حکم ہوا کہ اس نقصان کی تلافی کرے، ایک مرتبہ کشمیر کے صوبہ دار نے معروضہ پیش کیا، کہ کشمیر کی آب وہوا اس کو راس نہین آتی ہے، اس پر ۱۱ رجون ۱۶۶۱ء کو حکم ہوا کہ وہ سرما لاہور مین گذارا کرے، ۱۰ ۲ رمئی ۱۶۶۱ء کو حکم ہوا کہ بخشی شامیانہ کے زیر سایہ کام کیا کرین جب کبھی کسی حاکم کے ظلم اور جبری ٹیکس وصول کرنے کی خبر پہونچتی تھی، توان کی پوری پوری خبر لیجاتی تھی، ۱۲ ر نومبر ۱۶۶۹ء اور مارچ ۱۶۶۱ء کو سرکاری نوکرون کو مختلف خدمات کے پروانے اور عام لوگون کے بے خطر سفر کے اجازت نامے ملے ۱۴ راپریل ۱۶۶۵ء کو ایک ڈکیتی کی خبرآئی، فوجدار کو حکم ہوا کہ مقدمہ کی تحقیقات کرکے مفسدون کو قانون شریعت کے مطابق سخت سزائین دیجائین

آداب عالمگیری مین جو خطوط ملتے ہین، ان سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے، کہ اس کے سارے کامون مین کس قدر مرکزیت تھی، وہ اجمیر مین بیٹھکر جودھپور اور میواڑ کی فوجون کو تفصیلی ہدایات اور نقل وحرکت کے متعلق تجویزین بھیجا کرتا تھا، اور مقامی سالارون کی رپورٹ دیکھکر ان کی ہمت بڑھاتا تھا، اور جوش عمل کی تلقین کرتا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ان سالارون کو خود کسی کام کی آزادی نہ تھی، گو بعض بہانہ ڈھونڈ کر شاہی حکم کی نافرمانی کرجاتے تھے، بادشاہ کا سب سے زیادہ وقت محکمۂ خانسامان پر صرف ہوتا تھا، کارخانون، عمارتون، سڑکون خیمون، باغ کھیل اور دوسرے تفریحی مشاغل کے متعلق جتنے سوالات پیدا ہوتے تھے، بادشاہ اپنے مذاق کے مطابق ان کو حل کرتا تھا،

اخبارات سے پتہ چلتا ہے کہ صدر کے فرائض مین وہ دخل نہیں دیتا تھا، قاضی محتسب مفتی کے معاملات کی رؤداد اخبارات مین کم ملتی ہے، یہ لوگ اپنے حدود مین بہت کچھ آزاد تھے، اور کبھی حکام دیوانی کی مداخلت کے شاکی نظر نہیں آتے، البتہ ایک قاضی کے خلاف جبر و تعدی کی شکایت پیش ہوئی تھی،

اب تک جو کچھ لکھا گیا، وہ زیادہ تر دیوان عام کے متعلق تھا، جہان تک کام کا تعلق ہے، دیوان

فرائض سے غفلت کی، اس پر حکم ہوا کہ وہ قابلِ تعزیر قرار دئے گئے، اسی طرح ۲۳ راگست ۱۶۸۹ء کو حیدرآباد کے اخبار نویس نے اطلاع دی کہ بخشی کی علالت اور گھر چلے جانے کی وجہ سے آج کل یہ عہدہ خالی ہے، اس رپورٹ پر فوراً دوسرے بخشی کا تقرر ہو گیا، اگرچہ منصب داروں کو یہ حق حاصل تھا، کہ وہ اپنی تجویزیں اور سفارشیں بادشاہ کے حضور میں بھیجا کریں، اگر وہ قابلِ سماعت ہوں گی، تو انھیں قبول حاصل ہوگا، لیکن واقعہ یہ ہو کہ چالیس سپاہیوں کے افسر کا تقرر بھی وہ خود کرتا تھا، گویا کوئی کام خواہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اس کے حکم اور مرضی کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا، دربار کے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات بھی اس کے علم میں آجاتی تھی، خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، اسے کبھی نظر انداز نہیں کرتا تھا، اور فوراً اسکی طرف توجہ کرتا تھا گو اس سے مرکز کا کام بہت بڑھ گیا تھا، لیکن اس سے اس کی غیر معمولی محنت اور انہماک کا پتہ چلتا ہے اسی طرح ۲۳ رجولائی ۱۶۸۹ء کو دیوان حیدرآباد کے خلاف شکایت پہونچی، وہاں کے مقامی اخبار نویس کو حکم ہوا کہ اس بارے میں وہ اپنی رپورٹ بھیجے، ۱۵ راپریل ۱۶۹۳ء کو اہلِ حصار کے مقامی فوجدار کے خلاف شکایت موصول ہوئی، کہ وہ ناواجب ٹکس وصول کرتا ہے، اور بہت سے باشندوں کو بلاوجہ قید کر دیتا ہے، اس پر صوبہ دار دہلی کو تحقیقات کرکے رپورٹ پیش کرنے کا حکم ہوا، اسی طرح ایک منصب دار کے خلاف اس کے خادم کی شکایت سے یہ ظاہر ہوا کہ اس کے پاس مختلف مہریں ہیں جن سے وہ جعل بنایا کرتا ہے، اُسے گرفتار کرکے ۱۹ راپریل ۱۶۹۳ء کو دربار میں لایا گیا، اور قید سخت کی سزا ملی، ایک مرتبہ فوج کے صراف نے اپنے چودھری کے خلاف شکایت کی، ۲۵ راپریل ۱۶۹۳ء کو منصب دار کو اس شکایت کی تحقیقات کا حکم ملا، ایک چوری کا واقعہ پیش ہوا، صوبہ دار کو حکم ہوا کہ نائب فوجدار کو تحقیقات اور چور کے پتہ چلانے کا حکم دیا جائے، ۲۵ رجون ۱۶۹۴ء کو یہ اطلاع ملی، کہ ادگیر کا فوجدار سارے مقدمات حتی کہ شرعی معاملات کو خود ہی فیصل کرتا ہے، حکم ہوا کہ آئندہ سے ایسا نہ کرے، ۲۴ راپریل ۱۶۹۴ء کو ایک مغل سود خوار نے قرض کی وصولی میں اپنے مقروض کی جان لے لی، اس کے بدلے میں اسکے

اپنے ساتھ واپس لائیں، اس کا پتہ چلانا مشکل ہے، کہ دیوان مظالم میں کس قسم کے مقدمات فیصل ہوتے تھے، کیونکہ مجرمین کو کبھی عدالت کا یہ حکم بھی ملتا تھا، کہ ان کا مقدمہ شاہی دربار میں فیصل ہونیکے بجاے قاضی کے اجلاس میں شریعت کے مطابق فیصل ہوگا، غالبًا بادشاہ اپنے ماتحتوں کی بدعنوانیوں کی شکایت خود سنتا تھا، اور سختی کے ساتھ ان کا تدارک کرتا تھا، مقدمات میں عدل و انصاف ملحوظ رکھتا تھا، اس میں کسی کی رورعایت نہین کرتا تھا، اسی لئے لوگ اس سے گھبراتے تھے، ایسی حالت مین کوئی تعجب کی بات نہین ہے، کہ سب مقدمات شاہی دربار سے فیصل نہیں ہوسکتے تھے، ۳ اپریل ۱۶۹۶ء کو حکم ہوا تھا، کہ پچپن مدعیون کے مقدمے شاہی دربار مین پیش کئے جائین، لیکن بعد کے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے، کہ بارہ سے زیادہ فیصل نہ ہوسکے،

ان تمام امور سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگزیب کی حکومت مین کس قدر استحکام اور کتنی مرکزیت تھی، صوبہ دارون کو ضلع کے حکام کے متعلق جو اختیارات بھی ہون لیکن فوجدار اکثر ان کے متعلق مرکزی دفتر سے براہ راست مراسلت کرکے شاہی فرمان حاصل کرتا تھا، سردار حرم اور فوج کے دوسرے ماتحت حکام کو بھی شاہی اعتماد کی عزت حاصل تھی، خان سامان کے ماتحت جو افسر کام کرتے تھے وہ دراصل شاہی خدام ہوتے تھے، اور انھیں براہ راست بادشاہ سے ہدایات اور احکام ملتے تھے، یہ صحیح ہے کہ ماتحتون کی وہ درخواستین جو شاہی لطف و کرم کیلئے پیش ہوتی تھین زیادہ تر محکمون کے مقامی افسراعلیٰ کے پاس رپورٹ کیلئے بھیجی جاتی تھین لیکن ملکی انتظام کے بارہ مین جو درخواستین آتی تھین ان پر براہ راست ہدایات بھیجی جاتی تھین، ایسی صورت مین مرکز کا کام بہت بڑھ جاتا تھا، اس مین سہولت کیلئے دیوان اور بخشیون کو یہ اختیار دیدیا جاتا تھا کہ وہ اپنے محکمون کے معاملات کی مسلون پر اپنی راے لکھدیا کرین، اگرچہ اورنگزیب نے اس پر کبھی فخر نہین کیا کہ وہ انصاف و عدل کا سرچشمہ ہو لیکن وہ ہمیشہ حکام کے خلاف بھی شکایات سنتا تھا، اور مظلومین کی دادرسی کرتا تھا، " ا - ع "

اور غسل خانہ مین کوئی فرق نہین تھا جب وہ دربار عام مین جانا نہیں چاہتا تھا، تو غسل خانہ مین اجلاس کرتا تھا، اس مین داخلہ کے شرائط کا مختصر بیان اوپر گذر چکا ہے، بعض سرداران بہم سے پوشیدہ اور رازدارانہ مشورہ ہوتا تھا، داخلہ کا پروانہ نقیب کو بھی دیا جاتا تھا تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ کن لوگون کو داخلہ کی اجازت ہے، ایک محافظ غسل خانہ اس خدمت پر مامور تھا، کہ یہان بھی آداب دربار پورے پورے برتے جائین، اگر کسی آداب دربار مین کسی منصب دار کی بے عنوانی پر جرمانہ ہو جاتا تھا، تو وہ بغیر ادا کئے ہوئے اپنی جگہ سے نہین جا سکتا تھا،

خلوت خانہ کسی مخصوص جگہ کا نام نہیں تھا بلکہ جہان کہین بادشاہ کسی گوشہ مین اجلاس کرتا تھا، وہ خلوت خانہ کہلاتا تھا، یہ گویا بے ضابطہ اجلاس ہوتا تھا، جہان صرف ایک حاکم یا ایک شاہزادہ یا ایک عالم بلایا جا سکتا تھا، یہان رسوم کی پابندی کی کوئی قید نہین تھی، اکثر بہان امرار کو بھی یہان جگہ ملتی تھی، اور اگر وہ بادشاہ کی پیش کردہ کسی تجویز سے اختلاف کرتے تھے، تو وہ ان سے زبردستی نہین منواتا تھا بلکہ دلیل سے انھین قائل کرنے کی کوشش کرتا تھا، ایک مرتبہ اوس نے دلاور خان کو خلوت مین ملاقات کے لئے بلایا، روح اللہ خان اسد اللہ خان اور دو شہزادے بھی بلائے گئے تھے، اورنگزیب جب دکن کے سفر مین تھا، تو دربار نہین ہوتے تھے، لیکن دیوان، خان سامان، صدر، امیر توپخانہ کو حکم تھا، کہ وہ بادشاہ کے حضور مین حاضر ہو کر احکام حاصل کیا کرین،

جب وہ کسی مقدمہ کی رو داد سنتا تھا، تو دیوان عام، دیوان مظالم مین تبدیل ہو جاتا تھا، بدقسمتی سے اس کا پتہ نہین چلتا ہے کہ کس طرح مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ ہوتا تھا، اخبارات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دیوان مظالم یا عدالت منعقد ہوتی تھی، اکثر محافظ مظلومین، اُنکی جماعت کو بادشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا، بعض اوقات مقدمات مقامی تحقیقات کے لئے بھیجدئے جاتے تھے، اکثر مظلومین کے ساتھ عصا بردار یا مخبر بھیجے جاتے تھے، تاکہ وہ ان کے سامنے تحقیقات کر کے ان کی

اس حسن خوبی سے لکھنا اسی کا حصہ تھا، وہ مسلم الثبوت نثر نویس اور انشا پرداز تھا، لینن کی موت پر اس نے جو تیرہ الفاظ کہے تھے، وہ روسی ادب کے موتی تصور کئے جاتے ہین،

چکنی مٹی سے کاغذ

ادارۂ صنعت وحرفت مساچوسٹ (Massachusetts Institute of Technology) نے چکنی مٹی سے کاغذ بنانا شروع کیا ہے، اسکی یہ ایجاد موجودہ صنعت و حرفت کا شاندار کارنامہ تصور کیا جاتا ہے، یہ کاغذ گھریلو کاموں، کارخانوں اور جنگ کی ضرورتون کے لئے بہت اچھا ہے، اسکی مختلف قسمیں مختلف مصرف مین آسکتی ہین، اس کے شفاف اور چمکدار کاغذ، کپڑون اور دودھ کے برتنون کو ڈھکنے کے لئے لکڑی اور سن کے کاغذون سے کہین بہتر ثابت ہوئے، امید ہے کہ اچھی طباعت کے لئے یہ غیر معمولی چکنے اور نفیس کاغذ چھاپہ خانون میں بھی کثرت سے استعمال ہونے لگین گے، اس پر تصویرین بھی خوب آتی ہین، سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس پر زمانہ کے امتداد اور موسم کا کوئی اثر نہین ہوتا، اور بہت دیرپا ہوتا ہے،

ریڈیائی تارپیڈو

ممالک متحدہ امریکہ کی بحری فوج کے ایک افسر ہنری ڈبلو وکس (Henry W. Wicks) نے دشمنون کے جہازون کو غرق کرنے کے لئے ایسی تیز رفتار کشتیان ایجاد کی ہین، جن کے لئے ناخدا کی ضرورت نہیں، وہ ریڈیو کی مشین کی مدد سے چلین گی، اس پر خطرناک بارود اور بم رکھے جائین گے، توقع ہو کہ بڑا سے بڑا جہاز اوس کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکے گا، نیویارک مین اوس کا نمونہ نمایش مین دکھایا گیا تھا، یہ نوفٹ لانبی ہے، وہ شہتیر جس پر پورا عرشہ قائم ہو صرف ٹھارہ اینچ موٹا ہے، اس مین چھ دوٹ

اخبارِ علمیہ

لیون ٹراسکی صاحبِ قلم بھی تھا

دنیا لیون ٹراسکی (Leon Trotsky) کو صرف مزدوروں اور کسانوں مین انقلاب پیدا کرنے والے کی حیثیت سے جانتی تھی، حالانکہ انقلابی کے ساتھ وہ ایک ممتاز صاحبِ قلم بھی تھا، گذشتہ ۲۰ راگست ۴۰ء کو اسٹلین (Stalin) کے اشارہ سے جکسن (Jackson) کے ہاتھون وہ قتل کیا گیا، اسکی موت انقلابی دنیا کے لئے تو بڑا حادثہ ہے ہی، لیکن ادبی دنیا کیلئے بھی کچھ کم دردناک سانحہ نہین، گو اسکی یہ حیثیت ہندوستان مین بہت کم لوگون کو معلوم ہے، سیاسی مشاغل کیساتھ ساتھ اسکے ساتھ ہمیشہ ادبی مشاغل بھی جاری رہے، چنانچہ ۱۹۰۵ء کے انقلاب مین جب اسے سائبیریا جلا وطن کر دیا گیا تھا، اور وہ وہان سے فرار ہو کر وائنا پہونچا، تو یہان برابر پروڈا (Pravda) مین مضامین لکھتا رہا، ۱۹۱۳ء مین جنگِ بلقان کے سلسلہ مین اوس نے جو خط و کتابت کی تھی، ادبی حیثیت سے اوسکی خاص اہمیت ہے، کچھ دنون تک امریکہ مین ایک اخبار کی ادارت بھی کی، غالباً یہ کسی کو معلوم نہ ہوگا، کہ وہ اسٹالن کی سوانح لکھ رہا تھا جس کا نصف حصہ انگریزی مین ترجمہ بھی ہو چکا تھا، باقی حصہ نظرِ ثانی کی وجہ سے ابتک پریس مین نہ جا سکا، یون تو اس کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ادبی کام ہین، لیکن تاریخِ انقلابِ روس کی تین ضخیم مجلدات اس کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ ہین، اس کتاب نے دنیا کے ادیبون اور مصنفون مین اس کا پایہ بہت بلند کر دیا ہے، اس موضوع

جاپان مین صنعتِ پارچہ بافی

صنعت پارچہ بافی مین جاپان دنیا مین اوّل درجہ رکھتا ہے، جاپانی ریشم، یہان کے ریشمی کپڑے سوت اور سوتی کپڑے، دنیا کے ہر ملک مین بکتے ہین، چند سال سے سٹیپل فائبر انڈسٹری نے بھی بڑی ترقی کی ہے، ۱۹۳۳ء مین اسکی مصنوعات کی مقدار دس لاکھ سیر کے قریب تھی، ۱۹۳۸ء کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہو کہ دس لاکھ سے بڑھکر اٹھارہ کروڑ اسی لاکھ سیر کے قریب پہونچ گئی ہے، ....

اس کی یہ ترقی حیرت انگیز ہے، اور دنیا بھر کی پیداوار کا چالیس فی صدی ہے،

ڈاکوؤن کی گرفتاری کا برقی طریقہ

بنکون، گوداموں، بساطخانون، اور دوسری کاروباری جگہون مین چورون اور ڈاکوؤن سے حفاظت کے لئے ایک پوشیدہ پنجرہ بنایا گیا ہے، یہ بجلی کے اشارون پر چلتا ہے، اس سے چودہ طریقون سے مجرم کو بے بس کیا جا سکتا ہے، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ جب کوئی مسلح ڈاکو مجرمانہ ارادہ سے آئے تو اوس وقت جو آدمی موجود ہو، اسے خاموشی کے ساتھ اسکی بات مان لینی چاہئے، لیکن آہستہ سے ایک بٹن جو عموماً ٹیبل کو خوبصورت بنانے کے لئے لگایا جاتا ہے، دبا دے، اس کے دباتے ہی ہر جگہ شور ہو جائے گا، اور ڈاکو بھاگ نہ سکے گا، "ا - ع"

نفسیاتِ ترغیب

کسی انسان کو کسی کام یا چیز یا تحریک کے لئے ہم کیونکر آمادہ کر سکتے ہین، اور اسکو شوق و ترغیب دلا سکتے ہین، اسکے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب مین انہی اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات، تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، ضخامت ۲۱۱ صفحے قیمت ۱۲؍ منیجر

کی بیڑی ہے، اسکی ساری مشین مضبوط ریڈیائی ٹرنسمٹر سے چلتی ہے، اس کے حملہ کے حدود گیارہ میل تک ہین، پوری بیڑی کے ساتھ پندرہ میل تک جہاز کا تعاقب کرسکتی ہے،

پھیپھڑون کو قوی بنانے کا نیا طریقہ

نیویارک کی مشہور مغنیہ مس ہلدا برک (Mrs. Hilda Burke) نے آواز کو ترقی دینے کا ایک نیا تجربہ کیا ہے، اس کا خیال ہو کہ ربر کے غبارون کو پھونکنے سے پھیپھڑوں کی طاقت مین غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے، اور وہ اتنے مضبوط ہو جاتے ہین، کہ انتہائی بلند آواز کے ساتھ گانے سے بھی ان پر کوئی اثر نہین پڑتا، مس موصوفہ نے موسیقی کی مشقون کے ساتھ اس مشق کو بھی اپنے معمولات مین داخل کر لیا ہو، ان کا تجربہ ہو کہ یہ طریقہ صرف پھیپھڑون ہی کو مضبوط نہیں بناتا ہے، بلکہ آواز مین بھی غیر معمولی کشش اور لوچ پیدا کر دیتا ہے،

معمون کے ذریعہ ابتدائی تعلیم

روکس بری ماس (Roxbury Mass.) کے ایک اسکول مارٹن کے نصاب مین معمون کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہو، اس اسکول کا تعلیمی تجربہ ظاہر کرتا ہو، کہ معمون سے الفاظ کے ذخیرہ کو بڑھانے، ہجے، اور قواعد کی تعلیم دینے مین بہت آسانی ہوتی ہے، لڑکے ہر مضمون کے متعلق معمے تیار کرتے ہین، ہر لڑکا اپنا معمہ تختہ سیاہ پر لکھ کر دوسرے طلبہ سے اوس کا حل دریافت کرتا ہے اس طرح جب تیس معمے جمع ہو جاتے ہین، تو انھیں اسکول کی جانب سے کتاب کی شکل مین شائع کر دیا جاتا ہے، اور اس کا منافع بھی اسکول ہی کا حق ہوتا ہے،

حُسن کے انتساب میں ایک عجیب شان ہے
ایک ہی عشق بھی مرا ایک نہیں ہزار میں

رحمتِ حق کی بجلیاں آگے ہوئیں نظر نواز
اشکِ گناہگار میں ساغرِ بادہ خوار میں

شاہ کی شان چاہے بھی کتنی بڑھی ہوئی نہ ہو
ایک عجیب آن ہے اُن کے خرابِ خوار میں

پھر نمود ہی سہی پھر نشہ و دہی سہی
میری خزاں بھی ساتھ ہے آپکی ہر بہار میں

خاص خدا کی دین ہے سب کے نصیب میں کہاں
یہ جو دوانہ پن سا ہے احسن بے قرار میں

ساقی

از جناب یحییٰ اعظمی

ادھر بھی بخشدے اک جرعۂ کیف آفریں ساقی
تری مخمور آنکھوں پر فدا دنیا و دیں ساقی

اٹھا تو بھی اسی عالم میں جام و ساتگیں ساقی
گھٹاؤں سے برستی ہے شرابِ آتشیں ساقی

ہر اک موجِ صبا اب موجِ صہبا بنکے آتی ہے
فضائیں بنگئی ہیں میکدہ کی سرزمیں ساقی

برستا ہے زمیں پر آبِ حیواں ابرِ باراں سے
بہا دے تو بھی اٹھکر جوئے شیر و انگبیں ساقی

گھٹائیں جھوم کر اٹھیں تو میکش یہ پکار اٹھے
بکھرتی جا رہی ہے تیری زلفِ عنبریں ساقی

تخیل تیرے جلووں کا، تصور تیری آنکھوں کا
یہ عالم ہے کہ ہے اب رقص میں جانِ حزیں ساقی

تجلی ہر طرف ہے، بزم میں یہ جامِ رنگیں کی
فروغ انگیز ہے یا تیری تابندہ جبیں ساقی

ترے ساغر سے جس دم ریزشِ انوار ہوتی ہے
فلک کیا جھومتا ہے کیف میں عرشِ بریں ساقی

تجلی کا وہ عالم اور وہ دستِ ناز میں ساغر
کہاں یہ تاب رندوں میں کہ ہوں تیرے قریں ساقی

ادبیات

احسن الکلام

از جناب احسن صاحب مگرامی ایڈوکیٹ پرتابگڈھ

کوئی کسر ضرور ہے اب کے برس بہار مین ۔۔۔ سیکڑون پرزے بچ رہے دامنِ تار تار مین
گل پہ کبھی مٹا ہوا الجھا کبھی ہے خار مین ۔۔۔ دل کا عجیب حال ہے آپ کے انتظار مین
دُر جو بھرے ہوئے ہین یہ دیدۂ اشکبار مین ۔۔۔ جاکے اُنھین بکھیر دون دامنِ پاے یار مین
اور تو کیا بیان کرون مختصراً یہ حال ہو ۔۔۔ شہر ہے اک بسا ہوا قلبِ امیدوار مین
بنتے ہین بس دل و نظر جاکے وہین دل و نظر ۔۔۔ فیضِ نسیمِ یار ہے، بزمِ جمالِ یار مین
آپ کی چیز ہے حضور آپ کے اختیار کی ۔۔۔ دل ہو خدا نخواستہ کیون مرے اختیار مین
پھر مرے ساتھ لوٹ کر قلب و نظر نہ آئینگے ۔۔۔ بار کبھی جو پاگئے بزمِ جمیلِ یار مین
کس کا ہے اور کس لئے انکو نہ جانے انتظار ۔۔۔ دل بھی ہے انتظار مین آنکھ بھی انتظار مین
آدمی ہوش جائے بھی تڑپے بھی مست بھی ہو دل ۔۔۔ سیکڑون فتنے اور ایک گردشِ چشمِ یار مین
تیری جو رنگتیں نہیں تیری جو نکہتین نہین ۔۔۔ آتی ہو کیون بہار پھر مجکو نظر بہار مین
دل ہو کہ فرطِ کیف سے جھوم رہا ہی مست ہے ۔۔۔ پھول ہین ان کی یاد کے دامنِ انتظار مین
جس کو تلاشِ یار ہو میری نظر سے سیکھ لے ۔۔۔ جلوۂ یار دیکھنا پردۂ انتظار مین

سیر الصحابہ

سیرۃ النبیؐ کے بعد مسلمانوں کے لئے جن مقدس ہستیوں کے کارنامے اور سوانح حیات مشعلِ راہ ہوسکتے ہیں، وہ حضرات صحابہ کرام ہیں، دار المصنفین نے پندرہ برس کی جانفشانی و کوشش سے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو میں صحابہ کرام کے حالات و سوانح اور اخلاق و حسنات کی دس ضخیم جلدیں احادیث و سیر کے ہزاروں صفحات سے چنکر مرتب کیں اور بحسن و خوبی شائع کیں، ضرورت ہے کہ حق طلب اور ہدایت و رہنمائی کے جویاں مسلمان ان صحیفوں کو پڑھیں، اور اس شمعِ ہدایت کی روشنی میں چلیں، جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدوں کی علحدہ علحدہ قیمتیں حسب ذیل ہیں، جن کا مجموعہ عسٓ؎ ر ہوتا ہے، لیکن پورے سٹ کے خریدار کو صرف عسٓ ر میں یہ دس جلدیں کامل نذر کیجاتی ہیں، پیکنگ ذمہ دار المصنفین، محصول ذمہ خریدار،

جلد اوّل	خلفائے راشدین،	ے ر	جلد ششم	سیر الصحابہ ششم،	عہ ر
جلد دوم	مہاجرین اول،	سہ ر	جلد ہفتم	سیر الصحابہ ہفتم،	عہ ر
جلد سوم	مہاجرین دوم،	ے ر	جلد ہشتم	سیر الصحابیات،	عہ ر
جلد چہارم	سیر الانصار،	ے ر	جلد نہم	اسوۂ صحابہ اوّل،	عہ ر
جلد پنجم	سیر انصار دوم،	عا ر	جلد دہم	اسوۂ صحابہ دوم،	سہ ر

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

تصانیف جدید دور کے تغیرات و رجحانات اور انفرادی و اجتماعی کوششوں، علمی اداروں اور اکابر ادبا و مصنفین کے خدمات کی تفصیل ہے، اس موضوع پر کئی مختصر کتابیں لکھی جاچکی ہیں، یہ کتاب ان میں اچھا اضافہ ہے،

دستور الاصلاح، مرتبہ جناب سیماب اکبرآبادی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۳۸ صفحے، کاغذ سپید، کتابت و طباعت بہتر، قیمت :- ۱۲؍، مکتبہ قصر الادب دفتر شاعر آگرہ،

اساتذہ کی اصلاحوں پر ایک سے زیادہ کتابیں موجود ہیں، متفرق اصلاحوں کے نمونے بھی نایاب نہیں، اس موضوع پر صفدر مرزاپوری مرحوم کی مشاطۂ سخن اور شوق سندیلوی کی اصلاح سخن مستقل کتابیں ہیں، جناب سیماب نے ان میں کچھ اور اضافے کرکے جس میں زیادہ تر خود ان کی اصلاحیں ہیں، انھیں جمع کر دیا ہے، کتاب کے شروع میں موجودہ شاعری، شعرا، اور مشاعروں کی اصلاح سے متعلق بعض مفید اور اچھی تجویزیں اور نفس اصلاح کے اصول اور طریقوں کے متعلق مفید ہدایات ہیں، جن میں اساتذہ کے حقوق اور تلامذہ کے فرائض کی جانب خاص طور سے توجہ دلائی گئی ہے لیکن شعرا، اور شاعری کی مبالغہ آمیز عظمت نے ان سنجیدہ تجویزوں کو بھی مضحک بنا دیا ہے، مرتب نے جا بجا اساتذہ کی اصلاحوں پر بھی اصلاحیں دی ہیں، معاصر شعرا کی اصلاحوں پر خاص طور پر توجہ کی ہے، در انحالیکہ خود ان کی اصلاحوں میں بھی اس قسم کی گنجایش موجود ہے، موازنہ کے لئے چند غزلوں پر مختلف اساتذہ کی اصلاحیں نقل کی ہیں جن میں ایک وہ خود بھی ہیں لیکن اتنا غنیمت ہے کہ اس کے حسن و قبح کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑ دیا ہے، کتاب میں جا بجا اگرہ اسکول کی یعنی "آپ اپنی" مداحی کرکے حظ نفسانی اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے، ایک مقام پر شعرا کے فرائض کی وسعت و ہمہ گیری پر کلام اللہ کی ایک آیت کے ٹکڑے سے نہایت دلچسپ استدلال کیا گیا ہے، فرماتے ہیں "شاہد شراب تک اس (شاعر) کی رسائی محدود (؟) نہ ہو، بلکہ فی کل واد (مطابق اصل) یھیمون کا الٰہی

رجسٹرڈ نمبر اے ۸۱

دسمبر ۱۹۴۰ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جسمیں قدماء کے دور سے لیکر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کیگئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۴۰ صفحے، قیمت : ؎ از مولنا عبد السلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۰۴ صفحے، قیمت : ؎

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جسمیں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت : ؎ از مولنا سید عبد الحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور عربی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم

حصہ اول ضخامت ۳۴۴ صفحے، قیمت : ؏،

حصہ دوم " ۲۷۶ " " ؎

موازنہ انیس و دبیر، (از مولنا شبلی) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۳۰۴ صفحے، قیمت : ؎

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۲۰ صفحے، قیمت : ؏،

افادات مہدی، ملک کے نامور انشا پرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت : ؎

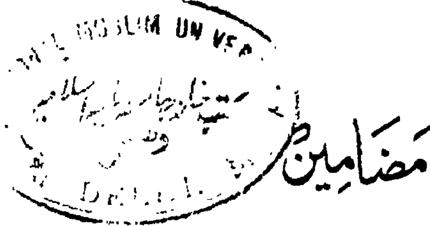
نقوش سلیمانی، یہ مولنا سید سلیمان ندوی کی ہندوستانی اور اردو زبان و ادب سے متعلق تقریروں، تحریروں اور مقدموں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے بعض ادبی کتابوں پر لکھے، قیمت : ؎ ضخامت ۵۰۰ صفحے،

دروس الادب، عربی کی پہلی اور دوسری ریڈرین، جنکو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کیلئے اس طرح لکھا ہے کہ طالب علم کو ادب اور نحو کے ساتھ ساتھ تعلیم اور مشق ہو سکے، اکثر مدارس میں یہ داخل نصاب ہے، قیمت ۲/، ۲/،

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا

"جلد ۴۶" ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۰ء "عدد ۶"



مضامین

سیرۃ النبیؐ

رسول اللہ صلعم کے حالات و غزوات، اخلاق و عادات اور تعلیم و ارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبیؐ عام طور سے مشہور ہے، مسلمانوں کی موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت و اہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔

اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے، جس میں فن سیرت کی تنقید و تاریخ ہے، دوسرے حصہ میں تکمیلِ دین، تاسیس حکومتِ الٰہی، وفات، اخلاق و عادات، اعمال و عبادات اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے، تیسرے حصہ میں آپکے معجزات و خصائصِ نبوت پر بحث ہے، اسمیں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کیگئی ہیں، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بروایات صحیح ثابت ہیں، اسکے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کیگئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے جو آپکے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ اس میں قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے عقائد لکھے جائیں، پانچویں حصہ میں عبادت کی حقیقت، عبادت کی تفصیل و تشریح اور ان کے مصالح و حکم کا بیان ہے اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ و موازنہ ہے، چھٹے حصہ میں حقوق، فضائل، اور آداب کے عنوانوں اور اسکی ذیلی سرخیوں کے تحت اخلاقی تعلیمات کی تفصیل ہے، حجم ۶۱۲ صفحے۔

قیمت باختلاف کاغذ حصہ اوّل تقطیع خورد للعہ، حصہ دوم تقطیع کلاں ۶ تقطیع خورد ۵ روپیہ، حصہ سوم تقطیع کلاں ۶ روللعہ، تقطیع خورد معہ روصہ، حصہ چہارم تقطیع کلاں ۶ روپیہ، تقطیع خورد معہ دہ، حصہ پنجم تقطیع کلاں صہ روللعہ، تقطیع خورد صہ روپیہ، حصہ ششم تقطیع کلاں قسم اوّل صہ، قسم دوم للعہ۔

(منیجر دار المصنفین۔ اعظم گڈھ)

کہ وہ مقبول خاص و عام ہو رہی ہے مختلف شہروں میں اس کے سینکڑوں نسخے بھیجے جا رہے ہیں اور فروخت ہو رہے ہیں، سب سے بڑی بات یہ کہ سرکار نظام کے محکمۂ تعلیم نے اپنے اسکولوں اور کتب خانوں کے لئے اس کے سات سو نسخے خرید فرمائے ہیں، یہ قدردانی اور دین پروری سرکار نظام کے ان خصوصیات میں ہے جن کی بنا پر وہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ محبوب اور پشت و پناہ علوم دین سمجھی جاتی ہے،



فتنہ نگار نے عام مسلمانوں کے دلوں میں خواہ آگ ہی کیوں نہ لگا دی ہو، مگر پوچھنا یہ ہے کہ بجز خواص کو اس کی خبر بھی ہوئی اور ان مسلمانوں کے کانوں تک جو کسی ریاست کی مسند یا سلطنت کے تخت پر بیٹھے ہیں، یہ صدا پہنچی بھی،



ہندوستان کے اسلامی تخت پر ایک ہی فرمانروا ہے جس کے کانوں میں یہ آواز اکثر عوام مسلمانوں سے بھی پہلے پہنچی، اور اس کے دل کو بے چین کر گئی، یہ اعلیٰحضرت فرمانروائے کشور دکن ہیں، آج اکثر ریاستوں میں حکومت کی باگ جن ہاتھوں میں ہے، وہ اپنے دل کا سرمایہ زمانہ کے سوداگر کے ہاتھوں فروخت کر چکے ہیں، وہ سیاست کے باب میں بیحد فرض شناس لیکن دین کے معاملہ میں حد درجہ بے تعصب لیکن سرزمین دکن پر ابھی تک بحمد اللہ ایسے وزراء کے ہاتھوں میں حکومت ہے جو اپنی مختلف قوموں والی رعایا کے ساتھ حد درجہ روادار ہونے کے باوجود اپنے مذہبی فرض سے غافل نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے اپنے حدود مملکت کو اس فتنہ سے پاک رکھنا ضروری سمجھا اور ایک سال کے لیے اس بدنام رسالہ کو تمام محروسۂ سرکار عالی میں داخلہ کی ممانعت کر دی، یہ وہ فرض شناسی ہے جس کے لئے ہر کلمہ گو اعلیٰحضرت شہریار دکن کی حکومت کا شکرگذار رہوگا،



شذرات

۲۲ر نومبر ۱۹۴۰ء اور ۲۱ر شوال ۱۳۵۹ھ کی سہ پہر تھی کہ پھلواری سے مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نائب امیر شریعت بہار کی وفات کی خبر آئی، دل کو یارائے ضبط نہ رہا، آنسوؤں کے چند قطرے زمین پر گرے، وہ زمین جو اب اس مرنے والے کی خوابگاہ ہے ابھی قلب میں یہ ہمت بھی نہیں کہ جی بھر کر ماتم کروں، اور دل کے شیون کو سپرد قلم

دریں آشوبِ غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم

جہانے را جگر خوں شد، ہمیں تنہا نہ من گریم

دو ماہ ہوئے کہ مولانا عبدالعزیز صاحب خطیب و امام جامع مسجد گوجرانوالہ نے جو دیوبند کے علم اور وقت کے بڑے محدث تھے، وفات پائی، انھوں نے صحاح و مسانید کی مختلف کتابوں کی فہرستیں بطور اطراف بڑی محنت سے لکھی تھیں، جنمیں صرف بخاری کی فہرست نبراس الساری فی اطراف البخاری کے نام سے چھپی ہے، مرحوم نے مجھے لکھا تھا کہ مسند ابن حنبل کی بھی ایک فہرست بنائی ہے، اور وہ اس کے چھپوانے کی فکر میں تھے، کیا اچھا ہو اگر ان کی یادگار میں ان کی یہ کتاب گوجرانوالہ کے قدردان چھپوا سکیں، یا وہ اس نسخہ کو کسی قدرشناس کے سپرد کریں، کہ وہ اس کو چھپوا کر اس فیض کو عام کرے

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جو مختصر سیرت لکھی گئی تھی، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے

مقالات

وحی کے اقسام

سید سلیمان ندوی

(۴)

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ یہ مدعی دلائل کی گرفت سے گھبرا کر جس منزل پر آکر رکا ہے کیا یہان بھی اسکے ٹکپاؤن ٹیکنے کی جگہ ہے؟ اوپر بتایا گیا ہے کہ مدعی کی غلطی کا منشا جیسا کہ وہ ظاہر کرتا ہے وہ آیتین ہین جن مین جانورون اور عام انسانون، بلکہ شیطانون تک وحی کی نسبت کی گئی ہے، اب ہم ان مین سے ایک ایک قسم کی آیت کو لیکر اس پر بحث کرتے ہین، اور بتاتے ہین کہ حقیقت کیا ہے؟

وحی ربانی کی حقیقت سب سے پہلے معلوم ہونا چاہئے کہ وحی ربانی کے یعنی اوس وحی کے جو خدا کی طرف سے ہوتی ہے معنی کیا ہین، سو معلوم ہونا چاہیے کہ وحی ربانی اس طریقۂ غیبی یا ذریعۂ غیبی کا نام ہے، جس کے واسطہ سے انسان کے غور و فکر کسب و نظر، اور تجربہ و استدلال کے بغیر خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض اوسکے فضل و عطا سے کوئی علم آتا ہے، اور آیاتِ قرآنی اس پر گواہ ہین، ہم یہان پر انہی آیتون کو پیش کرتے ہین، جن مین قصصِ قرآنی کی نسبت سے وحی کا ذکر ہے،

حضرت مریمؑ کے قصہ کے بعد ہے :-

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ — یہ غیب کی خبرون مین سے جس کو ہم تیری

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدگی عام طور سے کی جارہی ہے، مختلف شہروں میں اب تک اس کے جو نسخے بھیجے گئے ہیں، ان کی فہرست حسب ذیل ہے، حیدرآباد دکن ۲۵، ۷۔ لکھنو ۲۰۰۔ علیگڈھ ۱۵۰۔ پٹنہ ۱۰۰۔ اعظم گڈہ ۵۰، مئو ۵۰، کراچی ۵۰، جون پور ۵۰، گوجرانوالہ (پنجاب) ۲۵، احمد آباد ۲۵، شاہ گنج ۲۵، رام پور ۲۰، بھوپال ۲۰، شملہ ۲۰، لاہور ۲۰، رانچی ۲۰، مظفر پور ۲۰، ان کے علاوہ متفرق خریداریاں ہیں، امید ہے کہ نیا سال شروع ہوتے ہوتے یہ اڈیشن ختم ہو جائے،

اہل نظر نے بھی اس کے متعلق اچھی رائیں ظاہر کی ہیں۔ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی نے لکھا، "یہ اچھا کام ہوا۔ اس کو پڑھ کر آنکھیں پُرآب ہوئیں"۔ شملہ سے مولوی محمد عمر صاحب نعمانی لکھتے ہیں:

"سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح یہ کتاب بھی یقیناً مقبول بارگاہ نبوت ہوئی، کہ دل اس کی طرف کھنچے جاتے ہیں، کتاب بچوں کے لئے لکھی گئی ہے مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ جوان اور بڑھے بچوں کو بھی وہ محقق معلومات نہ ہونگی جو اس میں مذکور ہیں"۔

جسٹس مولوی معین الدین صاحب انصاری فرنگی محلی بیرسٹر ایٹ لا جج عدالت عالیہ ریاست رامپور لکھتے ہیں:

"محسوس ہو رہا ہے کہ یہ کتاب حسب امید مقبول ہو رہی ہے، آپ کی یہ سعی مشکور ہوئی، اور آپ مبارکباد قبول فرمائیں، آخری روزہ میرا اسی کتاب نے بہلایا، کسی نوبت پر کتاب ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا

ع کرم کردی الٰہی زندہ باشی

اسی سلسلہ میں انھوں نے ایک اور مفید تجویز پیش کی ہے جو ذکر کے قابل ہے، لکھتے ہیں:۔

"اس کی سلاست کو دیکھکر ایک عجیب خیال مجھے دامنگیر ہو رہا ہے یعنی یہ کہ کتاب ہندی رسم الخط میں بھی شائع ہو جائے مگر تھوڑے سے حذف و اضافہ کی حاجت ہوگی، اس کو ہندی خط میں لکھنے کا کام میں کرونگا، معلوم نہیں اس تجویز کی عملی تائید بھی کرنے کے لئے کوئی آمادہ ہے یا نہیں،

اب رہا یہود و نصاریٰ سے سُن کر ان واقعات کا علم، تو دوست و دشمن سب کو معلوم ہے کہ مکہ کی زندگی میں یہود و نصاریٰ سے آپ کی صحبت کسی طرح ثابت نہیں، اور نہ مکہ معظمہ میں ان کی آبادی تھی، لے دے کر ایک بحیرا راہب کا افسانہ عیسائیوں کے پاس ہے جس سے جیسا کہ کہا جاتا ہے، سفر شام میں اپنے چچا کے ساتھ آپ کی ملاقات چند منٹ کے لئے ہوئی تھی، اور جس نے آپ کو دیکھکر آپ کے چچا کو بھتیجے کی پیغمبری کی خوشخبری سنائی تھی، اگر دس بارہ برس کا یہ بچہ ان چند لمحوں کی ملاقات میں ایک شخص سے وہ سب کچھ سُن سکا، اور ان کو سمجھ سکا، جو قرآن پاک کی دو دفتیوں کے درمیان ہے، تو یہ ما فوق بشری طاقت بجائے خود آپ کی نبوت کی دلیل ہے،

بہرحال اب عیسائی مناظرین سے معلومات حاصل کرکے مسلمان نیاز مندانہ بتائیں کہ آنحضرت صلعم کن یہودیوں اور عیسائیوں سے کہاں اور کب قصص قرآنی کے یہ معلومات حاصل کئے، (نعوذ باللہ تعالیٰ)

وحی کے معنی کی تعیین کے بعد جو کہ غیبی تعلیم کا نام ہے، آئیے وحی کے بعض اقسام پر غور کریں مدعی نے قرآن پاک کی ان اکثر آیتوں کو یکجا کر کے جن میں وحی کا لفظ ہے، یہ نتیجہ نکالا کہ وحی کے معنی ہیں "برمحل سوجھ بوجھ" اور یہ نتیجہ ہے اوس ذہنی قوت کا جو فطرۃً انسان میں ودیعت رکھی گئی ہے" (جولائی ص ۵۹)

اب آیئے دیکھیں کہ وحی کے یہ معنی کہاں کہاں صادق آتے ہیں، اس سلسلہ میں مدعی نے یہ خوب لکھا ہے، :-

"سب سے پہلی غلطی جو وحی کا مفہوم متعین کرنے میں، وارد کی گئی ہے یہ ہے کہ وحی کو انبیاء و رسل کے لئے مخصوص سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ یہ حقیقت نہیں ...... غیر انبیاء بلکہ حیوانات و جمادات پر بھی وحی کا نازل ہونا قرآن سے ثابت ہے، (جولائی ص ۶۰)

اِلَیۡکَ ط (آل عمران ۵) طرف وحی کرتے ہیں،

حضرت نوحؑ کے قصہ کے بعد ہے :-

تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم

مَا کُنۡتَ تَعۡلَمُہَاۤ اَنۡتَ وَ لَا قَوۡمُکَ ان کو تیری طرف وحی کرتے ہیں، تجھکو اور

مِنۡ قَبۡلِ ہٰذَا (ھود ۴) تیری قوم کو اس سے پہلے ان کا علم تھا،

حضرت یوسفؑ کے قصہ کے بعد ہے :-

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم تیری طرف

اِلَیۡکَ، (یوسف ۱۱) اسکو وحی کرتے ہیں،

وحی کی حقیقت کی جو تشریح مدعی نے اب تک کی ہے، وہ یہ ہے، "برمحل سوجھ بوجھ" نفسانی تاثر اور وجدان، ہر شخص سے جس میں عقل کا کوئی ذرہ ہے، یہ سوال ہے کہ دنیا کے تاریخی واقعات کا علم کسی شخص میں برمحل سوجھ بوجھ، نفسانی تاثر اور وجدان سے پیدا ہو سکتا ہے ؟ یہ تو جب ہی معلوم ہو سکتے ہیں، کہ یا تو وہ کسی سے سُنے جائیں، یا کسی کتاب میں پڑھے جائیں، قرآن پاک نے ان دونوں طریقوں کی نفی کر دی ہے اور یہاں پر ظاہر بھی کر دیا ہے کہ ان واقعات کا علم انسانی ذرائع سے نہیں، بلکہ غیب سے بذریعہ وحی ہوا ہے،

انسانی ذریعۂ علم کے ان دونوں طریقوں کی نفی قرآن پاک کی حسب ذیل آیت میں ہے،

وَمَا کُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِہٖ مِنۡ اس دعوائے نبوت یا نزول قرآن)

کِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیۡنِکَ سے پہلے نہ تو کوئی کتاب ہی پڑھتا تھا، اور

اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ، نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا، ایسا ہوتا تو ان

(عنکبوت ۵) باطل پرستوں کیلئے شبہہ کی کوئی گنجائش

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۔ (نحل)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ تو پہاڑوں درختوں ، اور چھتون مین اپنے لئے گھر بنا ، پھر ہر قسم کے میوون سے کھا ، سو اپنے پروردگار کے (مقرر) راستون مین تابعدار ہو کر چل اس کے پیٹ سے پینے کی چیز ، مختلف رنگون کی جس مین انسانون کے لئے شفا نکلتی ہے اس واقعہ مین سوچنے والون کے لئے (اللہ کی) نشانی ہے ۔

آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فطری حکم کو وحی کے لفظ سے ادا فرمایا ہے جسکی تابعداری شہد کی مکھی کے ہر فرد پر واجب ہے ، یہ شہد کی مکھی پر حکم نوعی ہے جس کو خدا نے آغاز خلقت ہی میں اس پر واجب ٹھہرا دیا ہے جس سے نافرمانی شہد کی مکھیوں کے بس کی بات نہیں ، لیکن یہ علم شہد کی مکھی کو "برمحل سوجھ بوجھ" "نفسانی تاثرات" یا غور و فکر اور تجربہ و استدلال سے حاصل نہیں ہوا ہے ،

انسانون مین پیدایش کے آغاز ہی مین نیکی و بدی ، خیر و شر ، فجور اور تقویٰ دونوں کی صلاحیتیں خالق فطرت کی طرف سے ودیعت رکھدی گئی ہین اور یہ حکم ہر جا اول روز انکو ہو چکا ہے اسلئے خدا نے اسکو اپنا الہام فرمایا ہے ،

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ، (شمس)

پھر ہر ایک کے جی مین ڈال دیا ، اسکی بدکاری ، اور اسکی پرہیزگاری ،

دیکھئے کہ انسان کے اس حصول استعداد مین "برمحل سوجھ بوجھ" ، اور غور و فکر اور تجربہ و استدلال کو کوئی دخل نہیں ،

آگے چلئے اللہ تعالیٰ کی یہ وحی بے جانون کو بھی پہونچی ہے ، زمین کو وحی ہے کہ اوسکی

اے کاش یہ معلوم ہوتا کہ یہ غلطی کس نے روا رکھی ہے، کیا علماے اسلام میں سے کسی نے یہ کہا ہو کہ وحی بمعنی عام صرف انبیاء علیہم السلام کیلئے مخصوص ہے، جس اختصاص کا ان کو دعویٰ ہے وہ اس قسم کی وحی کے متعلق ہے جو صرف انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے،

قرآن پاک کی آیتوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ از روے قرآن وحی کی تین قسمیں ہیں، وحی نوعی یا فطری، وحی شخصی یا جزئی، اور وحی نبوی، اور تینوں کے الگ صفات اور لوازم ہیں، سب سے پہلے وحی نوعی یا فطری کو لیجئے، جس سے مدعی کو سب سے زیادہ مغالطہ پیش آیا ہے یا مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

وحی نوعی یا فطری یہ وہ وحی ہے جو آسمان و زمین اور جانور اور جمادات بلکہ ہر نوعِ مخلوق کو ملی ہے، اور جس کو اہل علم اصطلاح میں جبلت، یا بعض لوگ تسامح کرکے فطرت کے احکام نوعی کہہ دیتے ہیں، اس وحی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس نوع کے تمام افراد کو یکساں ملتی ہے، مثلاً جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے، کہ پرندوں کے بچوں کا اڑنا، آبی جانوروں کا تیرنا، جانوروں کا چرنا، اور چگنا، انسان کے بچوں کا دودھ پینا، بلی کے بچوں کا شکار کرنا، شہد کی مکھیوں کا پھولوں، اور پھلوں کا رس چوسنا، اور اونچے اونچے درختوں اور پہاڑوں میں چھتے بنانا، اور شہد پیدا کرنا، یہ سب ان کے احکام نوعی کا اقتضا ہے، جو اول پیدایش میں خدا نے ان کی طبیعتوں میں وحی کر دیا جس کے ماننے پر وہ مجبور ہیں، اور جو عجائب قدرت میں ہیں، اور جن کو دیکھکر عادی ہوجانے کی بنا پر آپ ان کو احکام فطرت کہتے ہیں، اور شوق سے کہئے، مگر یہ سمجھئے کہ احکام فطرت خود نہیں پیدا ہوئے ہیں، بلکہ خالقِ فطرت کے وہ وحی و احکام ہیں، جو ان کی نوع کی پیدایش کے پہلے ہی دن سے انکو دے دئے گئے ہیں،

اس معنی کو پیش نظر رکھکر اس آیت کو پڑھئے جو ہمارے مدعی کے لئے غلطی کا سرچشمہ بن گئی ہے،

فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ	اس بچہ کو دودھ پلائے جا، پھر جب تجھکو
وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ	اس بچہ پر ڈر لگے، تو اوس کو تو دریا مین
اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ	ڈالدے، اور خوف نہ کھا، غم نہ کر، ہم
(قصص - ۱)	اس کو پھر تیری طرف لوٹا کرلے آئین گے
	اور ہم اوس کو پیغمبر بنانے والے ہین،

ہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہین، کہ یہان حضرت موسیٰؑ کی مان کی وحی، ان کی "برمحل سوجھ بوجھ" تھی، لیکن کیا "برمحل سوجھ بوجھ" سے یہ بھی اپنے بچہ کے متعلق ان کو معلوم ہوسکتا تھا، کہ یہ لڑکا دریا مین ڈوب نہین جائے گا، اور پھر میرے پاس آجائے گا، اور ایک دن پیغمبر ہوگا، یہ غیب کی خبر تو غیب کی اطلاع ہی سے معلوم ہوسکتی تھی، اس لئے یہ "برمحل سوجھ بوجھ" یا "نفسانی تاثرات" یہان بھی وحی کا ترجمان نہین، یہان مقصود وحی کی وہ قسم ہے، جس کو اصطلاح مین الہام کہتے ہین، خواہ وہ رویائے حق کے ذریعہ سے ہو، یا بیداری مین القا فی القلب کی صورت مین ہو، یا اور کوئی شکل ہو،

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا الہام حواریون کو ہوا، ارشاد ہے:-

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ	اور جب مین نے حواریون کی طرف وحی
اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ قَالُوْا اٰمَنَّا	بھیجی، کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان
وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ،	لے آؤ، انھون نے کہا ہم ایمان لائے اور
(مائدہ ۱۵)	تو گواہ رہ کہ ہم مسلم (فرمانبردار) ہین،

یہان بھی اسی شخصی وحی کا ذکر ہے، جو الہام و القا یا رویائے حق کی شکل مین حواریون کو ملی، حدیثون مین بھی آتا ہو کہ رویائے حقہ نبوت کے بہت سے اجزا مین سے ایک جزء ہے، جو ایک مرد مومن کو عطا ہوتا ہے، یہ بھی آتا ہے کہ منصب نبوت کے بغیر کچھ خواص امت مین، جو بعض معاملات کے متعلق

پیٹھ پر قیامت تک جو کچھ ہوگا، وہ اپنی زبانِ قال یا زبانِ حال سے اوس کا سارا افسانہ ایک دن دہرا دے،

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ	اس دن زمین اپنا سب احوال بتائیگی
رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا،	کیونکہ اوس کے پروردگار نے اوس کو
(زلزال)	وحی کر دیا،

بیوقوف بھی جانتا ہے کہ یہ شہادت زمین کی "برمحل سوجھ بوجھ" "نفسانی تاثرات" "غور و فکر اور نظر استدلال" کا نتیجہ نہ ہوگی،

آسمان کو بھی وحی ہوئی، کہ وہ اپنے کاروبار کو اس طرح انجام دیتا رہے، جس طرح خدا نے اس کو حکم دیا ہے، آفتاب اوسی طرح نکلتا اور ڈوبتا رہے، چاند اوسی طرح چمکتا اور چھپتا رہے، اور ستارے اوسی طرح چلتے رہین، جس طرح خدا نے آغازِ خلقت میں ان کو حکم دیدیا ہے، فرمایا

وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا	اور خدا نے ہر آسمان میں اوس کے کام
(فُصِّلَت - ۲)	کو وحی کر دیا،

اب اوسی حکم ازلی کے مطابق ہر آسمان اپنے کام کو انجام دے رہا ہے، اس مین آسمان کے "برمحل سوجھ بوجھ" "نفسانی تاثرات" "غور و فکر" اور تجربہ و استدلال کا کوئی محل نہین،

وحی شخصی یا جزئی | وحی کی دوسری قسم وہ ہے جو خواصِ اُمت کو اور وہ بھی از روے قرآن انبیا علیہم السلام ہی کے سلسلہ مین ملی ہے، اور اس کا دوسرا اصطلاحی نام القاء، الہام (اصطلاحی معنون مین) اور محدثیت اور مکلمیت ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو وحی ہوئی، کہ بچہ کو صندوق مین رکھکر دریا مین ڈالدو اور تم باطمینان رہو، دشمن اس کو ضرر نہیں پہنچا سکین گے، اور ایک دن مین اس کو پیغمبر بناؤن گا، فرمایا

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ	اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ ۱۲)		اس سے قرآن کی صداقت پر حرف نہیں آتا کیونکہ اسنے (اے محمد) تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس قرآن
وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ، (شعراء)		یہ قرآن سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے، اس کو روح الامین فرشتہ لیکر ترے قلب پر اترا ۱
قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ، (نحل)		(اے رسول ان کے جواب میں) کہہ روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سے سچائی کیساتھ اسکو
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ہ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ہ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (نجم)		یہ رسول اپنی خواہش سے یہ نہیں بولتا، بلکہ وہ تو وحی ہے، جو اسکو کیجاتی ہے، اوسکو بڑی قوت والے نے سکھایا ہے،
اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ہ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ہ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ہ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (حاقہ)		بیشک یہ قرآن ایک بزرگ پیغام رساں کا بولا ہوا ہے، وہ کسی شاعر کا بولا نہیں، تم کم ایمان رکھتے ہو، اور نہ وہ کسی کاہن کا بولا ہے، تم کم نصیحت پکڑتے ہو، پروردگار عالم کا اتارا ہے، اور اگر یہ رسول ہم پر (یعنی خدا پر) کچھ باتیں اپنی طرف سے بنا کر گھڑ لے، تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیں، پھر اوس کی رگ گردن کو کاٹ دیں، پھر تم میں سے کوئی اوس کو بچا نہ سکے،

غیب سے خبر پاتے ہیں، یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء،

غرض رویائے حقہ بھی اس قسم میں داخل ہے، شرح صدر بھی اس کا ایک کارنامہ ہے، اور اسکی اعلیٰ قسم یہ ہے کہ ملائکہ کا تمثل اوس کے سامنے ہوتا ہے، اور منادی غیب کی آواز اوسکو سنائی دیتی ہے جیسا کہ حضرت مریمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی بیوی اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کے تذکروں میں قرآن میں ہے، مگر قرآن پاک میں اس وحی کا ذکر صرف انبیا کے تعلق سے ہے یعنی ان کی خاطر یہ اطلاع ان کو دی گئی، اسلئے اس کا تعلق کسی خاص جزئی واقعہ سے ہے، نہ کہ عموم تبلیغ امت سے، اور اسی لئے ہم نے اوس کا نام وحی شخصی اور وحی جزئی رکھا ہے،

مگر آپ پھر بھی یہ دیکھ لیں، کہ "بر محل سوجھ بوجھ" اور "نفسانی تاثرات" کا بیان بھی کوسوں پتہ نہیں

وحی نبوی | اب آیئے اس وحی نبوی پر غور کریں جو کتاب الٰہی کے نزول کا ذریعہ ہے، کہ اسکی نسبت قرآن کا فیصلہ کیا ہے، ہرچند کہ یہ بحث پہلے نمبر میں گذر چکی ہے، مگر اقتضائے مقام کی وجہ سے اس کا اعادہ موزون ہے، قرآن پاک نے وحی نبوی اور کلام الٰہی کے اقسام کا ذکر اس آیت میں کیا ہے،

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ	اور کسی بشر کی تاب نہیں کہ اللہ اوس سے
اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ	دوبدو کلام کرے، لیکن یہ کہ وہ الہام کرے
يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ	یا پردہ کے پیچھے سے بات کرے، یا کوئی
(شوری ۵)	قاصد بھیجے، جو اللہ کے حکم سے اللہ جو چاہتا ہے، اس کا پیام اس کو پہنچا دے،

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ کلام اللہ پاک نے ان میں سے اپنے نزول اور وحی کی صورت کیا بتائی ہے، چنانچہ قرآن پاک کا دعویٰ ہے،

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ	کہدے کہ جو جبریل کا دشمن ہو (تو وہ ہو

اس سے زیادہ تصریح کیا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے جبریل کے دل مین اس کو ڈالا، اور جبریل نے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک پر نازل کیا، اور محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اس کو بندون تک پہنچایا، نہ یہ وحی فطری و نوعی ہے، ورنہ شہد کی مکھیون کی طرح نوع انسانی کے تمام افراد اس مین شریک ہوتے، نہ وحی شخصی ہے، ورنہ تمام انسانون کے لئے قابلِ تسلیم نہ ہوتی، بلکہ وحی نبوی ہے جو روح القدس کے ذریعہ نبی پر اتری، اور اسکے واسطہ سے سب کیلئے واجب العمل ٹھہری۔

وحی شیطانی | اب ایک چیز وحی شیطانی رہ گئی جس کا اس مدعی کے سوا کوئی اور قائل نہین، قرآن پاک مین بطور طنز بے شبہ ایک دو جگہ ہے، :-

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ	اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے واسطے
عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَ	کچھ دشمن بنائے، انسانون اور جنون
الْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ	کے شیطان ان مین کے بعض بعض کے اندر
زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا (انعام)	ملمع کی ہوئی بات فریب دینے کیلئے وحی کرتے ہین

آگے چل کر پھر اسی سورہ مین ہے، :-

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ	اور شیطان لوگ البتہ وحی کرتے ہین،
أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ	اپنے دوستون کی طرف تاکہ وہ تم
أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ	سے جھگڑین، اور اگر تم نے ان کا کہا
(انعام ۱۴)	مان لیا، تو بیشک تم بھی مشرک ہو

جس کو کسی زبان کے ادب کا ذرا بھی ذوق سلیم ہے، وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہان وحی کا لفظ وسوسۂ شیطانی کے لئے بطور طنز کے آیا ہے، اس قسم کے محاورے ہر زبان مین ہین، ذات شریف" سے کون واقف نہین، لفظ کتنا خوبصورت اور معنی کتنے کریہ ہین، غرض اس کے یہ معنی نہین کہ وحی کی

ان آیتون مین ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اسی قسم کے باطل خیال لوگون کی تردید کی گئی ہے، جو پیغمبر کے سامنے بھی گذرے ہین، جو قرآن پاک کے "نفسانی تاثرات" اور "سمجھ بوجھ" کے ہونے کے قائل تھے [illegible] فرمایا گیا کہ یہ شاعر کا کلام نہیں، کیونکہ وہ سراسر نفسانی تاثرات کا نتیجہ ہوتا ہے، اور نہ کسی سیانے کاہن کا کلام ہے، جو خوب سمجھ بوجھکر اپنے کلام کو جوڑ توڑ کر سناتا ہے، بلکہ ایک بزرگ پیغام رسان کی زبان سے ادا ہوا ہے جو پروردگارِ عالم کا اتارا ہوا ہے، ساتھ ہی یہ دھمکی ہے کہ اگر یہ رسول اپنے نفسانی تاثر اور ذاتی سمجھ بوجھ سے کچھ کلام گھڑے تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ لین اور اسکو سزا دین کہ کوئی اسکو بچا نہ سکے،

اللہ اکبر جس کلام کی یہ شان ہے، وہ ایک مدعی اسلام کی نظر مین محمد (صلعم) کا نفسانی تاثر اور انسانی سمجھ بوجھ قرار پائے، العیاذ باللہ!

ایک دوسری آیت مین ارشاد ہے،:-

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي	بےشبہ یہ ایک بزرگ پیغام رسان کا کلام
قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ	ہے، جو قوت والا ہے، عرش والے خدا
مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ، وَمَا صَاحِبُكُمْ	کے یہان ذی مرتبہ ہے، اس کا کہا مانا جاتا
بِمَجْنُونٍ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ	ہے، وہان وہ امانت دار ہے، تمھارا
الْمُبِينِ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ	یہ رفیق (یعنی رسول اللہ صلعم) دیوانہ نہین،
بِضَنِينٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ	اس نے اس پیغام رسان کو آسمان کے
رَجِيمٍ (تکویر)	کھلے کنارہ پر دیکھا، وہ غیب کی باتون
	کو (جو اس کو بتائی جاتی ہین) چھپاتا
	نہین، اور نہ یہ شیطان مردود کا کلام

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا، (طٰہٰ - ۶)

اور جلدی مت کر، قرآن مین اس سے پہلے کہ اسکی وحی تیری طرف پوری کردی جایا کرے اور کہہ اے میرے پروردگار، اور

لفظ قرآناً عربیاً یہان بھی اور دوسری آیتون مین بھی حال ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی عربیت خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، جس کے دوسرے معنی یہ ہین، کہ قرآن کے الفاظ بھی خدائے پاک کے ہین،

دوسری بات جو اس موقع کے مطابق ہے، یہ ہے کہ اس آیت مین رسولؐ کو یہ حکم ہے کہ نزول قرآن کے وقت جلدی نہ کیجئے، جب تک اسکی وحی پوری نہ کردیجایا کرے، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی وحی وہ وحی فطری نہیں جو طبیعتِ انسانی مین ودیعت دائمی ہوتی ہے، بلکہ وہ وحی نبوی ہے، جو وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے آتی رہی،

کلامی مباحث باقی مدعی نے جو کلامی مباحث چھیڑے ہین، اور جن خطرناک علمی خدشوں مین وہ گرفتار ہے، ان کا جواب اپنے اپنے اصول پر البیان امرتسر نے مختصراً اور الفرقان بریلی نے مفصل دیدیا ہے جو امید ہے، کہ تشفی بخش ثابت ہوگا، اس سے معلوم ہوچکا ہوگا، کہ قرآن کی نسبتِ قولی خدا کی طرف رسول کی طرف اور عام انسانون کی طرف کن کن معنون مین ہوتی ہے،

جعلی کاغذی سکہ! مدیر نگار کی خدمت مین آخری گذارش یہ ہے کہ دنیا بہت آگے نکل چکی ہے علم بہت کچھ پھیل چکا ہے، ان کو تجربہ ہوچکا ہے، کہ کاغذ کا جعلی سکہ بنانا آسان ہے مگر اسکا چلانا بہت مشکل ہے، ان تجربوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے،

والسّلام

نسبت قرآن نے شیطان کی طرف کی ہے، قرآن نے کئی جگہ یہ کہا ہے،

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، ان کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے،
(آل عمران، توبہ، انشقاق)

عذاب کی خوشخبری، کیا شیطان کی وحی سے زیادہ عجیب نہیں! قرآن مین کافر دوزخی کو خطاب ہے، کہ اسکو عذاب کے وقت کہا جائے گا،

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ اس کا مزا چکھ تو تو بڑا غالب اور عزت والا ہے،
(دخان)

ایک دوزخی کو معزز و محترم و غالب کا خطاب ظاہر ہے، کہ محض طعن و تقریع کے لئے ہے، کیونکہ وہ دنیا مین اپنے کو ایسا ہی سمجھتا تھا،

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے لئے وسوسہ کے بجائے وحی کا لفظ بولنا محض طعن و توبیخ و تقریع کے لئے ہے، نہ کہ واقعہ!

قرآن انسان کی فطری قوت کا نتیجہ نہین

اب ایک ایسی آیت پیش کیجاتی ہے جس سے یہ ثابت ہوگا، کہ قرآن پاک ودیعت شدہ فطری انسانی قوت کا نتیجہ نہین، بلکہ غیب کی طرف سے وقتاً فوقتاً آئے ہوے سچے خدائی پیغامون کا نام ہے، ارشاد ہے:-

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ

اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن کرکے اتارا، اور اس مین طرح طرح کے ڈر کی باتین بیان کین، تاکہ وہ پرہیز گار ہون، یا ان کے لئے یاد پیدا کرئے تو بلند رتبہ ہے وہ بادشاہ برحق اور جلدی

اس وقت تک استوار نہیں رہ سکتا ہے، جب تک کہ اسکی بنیاد ان غایتی مسائل کے صحیح حل پر نہ ہو مگر اس چیز کو عقل کی موشگافیوں کے حوالہ نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ عقل و استدلال اختلاف پیدا کرتے ہیں، اور اس دائرہ میں اختلاف رائے کا پیدا ہونا تمدن کے لئے موت و ہلاکت کا پیام ہے، عقل کا کام یہ نہیں ہے، کہ وہ ان مقاصد و غایات کا علم بہم پہونچائے، یہ کام ربانی ہدایت اور الہام کی روشنی کا ہے، عقل کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ ان مقاصد و غایات کے لئے وسائل بہم پہونچائے، اور ان اصولوں کو روبعمل لانے کے لئے الہامی ہدایت کی روشنی میں قوانین ترتیب دے، اس کا کام نہیں ہے، کہ وہ راہ عمل کا تعین کرے، بلکہ اس کا حقیقی منصب مشکلات راہ کو دور کرنا ہے،

مذکورہ بالا بیان پر ایک اعتراض یہ وارد ہو سکتا ہے، کہ اگر مغربی تمدن میں کوئی اصول زندگی اور معیار اخلاق متفق علیہ نہ ہو سکا، تو یہ تمدن اتنے دنوں باقی کیونکر رہا، اس کا ایک جواب تو یہ ہے، کہ اس تمدن نے مذکورہ بالا اسباب ہی کی بنا پر اتنی مختصر عمر پائی، کہ ابھی اسکی پیدائش کو مشکل سے دو سو سال ہوئے ہیں، لیکن اسکی تباہی اور بربادی کے آثار نمایاں ہیں، دوسرے اس مختصر عرصہ کے لئے اس نے ایک متفقہ اصول ضرور وضع کیا تھا، اگرچہ اسکی تعبیرات اتنی مختلف تھیں، کہ اتفاق رائے کا ہونا نہ ہونا برابر تھا، یہ اصول عملی افادیت کا اصول تھا جس کا سب سے بڑا داعی اور مبلغ بنتھم گذرا ہے، زیادہ سے زیادہ انسانوں کی زیادہ سے زیادہ مسرت کا حصول مغربی تمدن کا اصل اصول رہا ہے، اگرچہ اس اصول میں اتنی لچک ہے، کہ جس نظام زندگی کے متعلق چاہئے ثابت کر دیجئے کہ اسی میں زیادہ سے زیادہ انسانوں کی زیادہ سے زیادہ مسرت ہے، مغربی حکومتوں کا ہر عمل اسی ایک معیار پر جانچا جاتا ہے، افادیین کا دعویٰ ہے، کہ اس سے بہتر اصول زندگی عقل نے اس سے پہلے کبھی دریافت نہیں کیا تھا، اور یہی اصول انسانی زندگی کی بیشتر مشکلات کا حل ہے، لیکن خود عقل کی رو سے اس اصول کو دیکھئے تو یہ سراسر تناقض سے پر ہے، انفرادی

عقلیت پرستی پر ایک نظر

از

جناب مولوی محمد مظہر الدین صاحب صدیقی بی اے حیدر آباد دکن،

(۲)

تمدن کے جن بنیادی مسائل کے حل پر انسانی زندگی کی فلاح وبہبود کا دارومدار ہے، ان کا صحیح تصفیہ اس وقت تک نہین کیا جا سکتا ہے، جب تک کہ کائنات خلقت مین انسان کا مرتبہ اور اسکی ابتدا و انتہا کے متعلق صحیح علم نہ حاصل ہو جائے، لیکن ان کا علم عقل و استدلال کے ذریعہ کبھی حاصل نہین ہو سکتا ہے، کائنات کی ابتدا و انتہا، اور اسکی غایت تخلیق کے متعلق بڑے سے بڑے نظامات فلسفہ کوئی تشفی بخش جواب نہین دیسکے ہین، عقل وفکر کی تمام جولانیان ان امور کا صحیح حل پیش کرنے سے ہمیشہ قاصر رہین گی، جون جون انسان اس راہ مین قدم بڑھاتا ہے، مشکلات اور الجھنون کے خارزار مین پھنس جاتا ہے، اور منزل کا سُراغ اُس پر گم ہو جاتا ہے؛ ؎

فلسفی رازِ حقیقت نتوانست کشود
گشت رازِ دگران راز کہ افشا می کرد

لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، اس معاملہ مین تشکیک وارتیاب بھی ممکن نہین ہے، ان سوالات کا کوئی نہ کوئی حل ذہن وشعور کے مخفی گوشون مین ضرور موجود رہتا ہے، لیکن اس کے صحیح غلط ہونے کا تصفیہ عقل کا کام نہین ہے، بلکہ وحی والہام کی رہنمائی پر موقوف ہے، زندگی کا کوئی نظام

دوسری اقوام کے اغراض و مفاد سے یک قلم قطع نظر نہ کرے، اگر ایک ملک مثلاً جرمنی اپنی قوم کے لئے مسرت کی کثیر ترین مقدار مہیا کرنا چاہے، تو یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ دوسری تمام قومون اور ملکون کے نفع اور نقصان سے بے پروا ہو کر جس قدر وسائل دولت و ثروت پر اپنے زور و اقتدار سے قبضہ جما سکے جمائے گویا مسرت کی مقدار کا تعین قوم کے زور و طاقت پر منحصر ہے، اور وہی قوم مسرت کی کثیر ترین مقدار حاصل کر سکتی ہے جو اپنی تنظیم، اپنے علم اور سب سے بڑھ کر اپنی فوجی طاقت کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتی ہو، اگر یہ کہا جائے، کہ کسی قوم کو زیادہ سے زیادہ مسرت کے حصول کی اسی حد تک کوشش کرنی چاہئے جس حد تک کہ دوسری قومون کی کثیر ترین مقدار مسرت مین اس سے کمی نہ واقع ہو تو پھر کوئی جماعت یا قوم مسرت کی جو کچھ مقدار حاصل کرے گی، وہ کثیر ترین نہ ہوگی، کیونکہ اسکی مقدار مسرت کا اضافہ اس شرط سے مشروط اور اسی لئے محدود بھی ہے، کہ اس سے دوسری قومون اور جماعتون کے مفاد و اغراض کو صدمہ نہ پہونچنے پائے، ظاہر ہے کہ اگر مقدار مسرت کے اضافہ پر اس قسم کی کوئی پابندی لگائی گئی، تو پھر یہ مقدار کثیر ترین نہ ہوگی، بلکہ ایک حد کے اندر محدود ہوگی، اس کے جواب مین یہ کہا جا سکتا ہے، کہ کثیر ترین مقدار مسرت سے مراد وہ مقدار ہے، جو کوئی قوم یا جماعت ان اسباب و وسائل سے حاصل کرتی ہے، جو قدرت کی طرف سے اُسے عطا کئے گئے ہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ قومون کو اس شرط کا پابند کون بنائے گا، کہ وہ اپنی مسرت کی کثیر ترین مقدار کے حصول مین دوسری قومون اور جماعتون کے وسائل پر دست درازی نہ کرین، اور اپنے تمام اعمال مین ان کے مفاد و اغراض کا خیال کرین، جب ایک مرتبہ کثیر ترین مقدار مسرت کا اصول قومون اور جماعتون کی حد تک تسلیم کر لیا گیا، تو پھر ان پر کسی قسم کی شرائط عائد کرنا اور پابندیان لگانا ناممکن ہے، جب تک کہ ایک بین الاقوامی طاقت نہ پیدا ہو جائے، جو سب کو ان شرائط کی پابندی پر مجبور کر دے، اٹھارہوین صدی سے لیکر اس وقت تک یورپ میں جتنی ترا[نیان]

زندگی کے لئے یہ اصول قطعاً بے سود ہے، کیونکہ اس کا مقصد جماعت کی زیادہ سے زیادہ مسرت ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب افراد اپنی زیادہ سے زیادہ مسرت کا خیال ترک کر دین، کیونکہ اگر ہر فرد زیادہ سے زیادہ مسرت کے حصول کا طالب ہو، تو پھر اجتماعی زندگی کا قیام ہی مشکل ہو جائے گا، فرد اسی وقت زیادہ سے زیادہ مسرت حاصل کر سکتا ہے، جب اسکی تمام ممکن خواہشات تسکین پا جائیں اور دوسرے افراد کے نفع یا نقصان کا خیال اسکی راہ مین حائل نہ ہو، اور یہ چیز اجتماعی زندگی مین ناممکن ہے، یہین سے اس اصول عمل کا ایک بڑا نقص ظاہر ہو جاتا ہے، اور وہ یہ کہ اس اصول کی رو سے فرد و جماعت کے اغراض مین ایک دائمی اختلاف ہے، کیونکہ یہ اصول جماعت کو تو زیادہ سے زیادہ مسرت کا حقدار قرار دیتا ہے لیکن اگر فرد اسی اصول زندگی کو اختیار کرنا چاہے اور زیادہ سے زیادہ مسرت کے حصول کی کوشش کرے، تو اس پر طرح طرح کے قیود عائد کرکے اس کو مسرت کی کثیر ترین ممکن مقدار سے محروم کر دیا جاتا ہے، ایک ایسا نصب العین جس پر عمل کرنا فرد کے لئے جرم قرار دیا جائے، اور جماعت کے لئے اعلیٰ ترین خیر یقیناً نادرست ہے، کیونکہ افراد کے اخلاقی اور عملی اصول جماعت ہی کے اصولون سے ماخوذ ہوتے ہین، جماعت کی ذہنیت ہی افراد کی ذہنیت بناتی ہے، اور فرد چھوٹے پیمانہ پر وہی کام انجام دیتا ہے، جو جماعت بڑے پیمانہ پر کرتی ہے، زندگی کی اصلاح کسی ایسے یک طرفہ نصب العین سے نہیں کیجا سکتی ہے، جو جماعت کے لئے ایک معیار اور فرد کے لئے دوسرا معیار تجویز کرتا ہو، اس اعتراض کو بھی نظر انداز کر دیا جائے، تو سوال یہ ہے کہ جماعت کی کثیر ترین مقدار مسرت سے کیا مراد ہے، دنیا مین بے شمار جماعتین ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو زندگی بسر کرتی ہین، اور زمین پر بسنے والی قومون کی تعداد بھی ایک دو نہین ہے، اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ہر قوم ایک جماعت ہے گو ہر قوم متعدد جماعتون پر مشتمل ہوتی ہے. تو بھی یہ سمجھ مین نہین آتا ہے کہ کوئی قوم اس اصول پر کس طرح عمل پیرا ہو سکتی ہے، جب تک کہ د

کی شہادت شہیدان کربلا کی جانکنی اور عیسیٰ علیہ السلام کی بیکسی آج بھی ایک زندہ طاقت ہی، جو افراد اور جماعتوں کو سخت سے سخت آزمایش میں ثابت قدم رکھتی ہے، اور اعلیٰ تر مقاصد کے حصول مین ان کے لئے عمل کا تازیانہ بن جاتی ہے،

روزمرہ کی زندگی مین بھی ہم اسی حقیقت کا مشاہدہ کرتے رہتے ہین، عزت و احترام کی نظرون سے صرف انہی لوگون کو دیکھا جاتا ہے، جو اپنے لطف و مسرت سے بے پروا ہو کر دوسرون کی بھلائی اور فائدہ کے لئے سرگرم کار رہتے ہین، ایک ایسے انسان کی زندگی جو صرف اپنی راحت و آرام اور لطف و مسرت کے خیال مین سرگردان ہو، ہمارے دل مین کوئی اخلاقی تحریک نہیں پیدا کرتی ہے، اس کے برخلاف ایک انصاف پسند حق گو اور راستباز انسان جو اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے طرح طرح کی مصیبتون مین گرفتار رہتا ہے، ہمارے دل مین عزت کا گھر بنا لیتا ہے، اسکی شخصیت ہمارے دل مین یہ آرزو اور حوصلہ پیدا کرتی ہے، کہ ہمین بھی وہی اخلاقی فضائل حاصل ہو جائین، جو اس شخص کو حاصل ہین، یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے، کہ نیکی اور فضیلت انسانی فطرت کے لئے ایک ایسی کشش رکھتی ہے جس سے محض مسرت طلبی کا نصب العین خالی ہے، اگر عقل کی دوربینی اور استدلال کی موشگافی کو اس مین ذرا بھی دخل ہوتا، تو انسان کبھی ایسی شخصیت سے متاثر نہ ہوتا، جس کے اخلاقی فضائل اس کے لئے مصیبتون کا بوجھ اور مخالفتون اور عداوتون کا پشتارہ بن جاتے ہین، اور زندگی مین ناکامی اور محرومی کے سوا اسکے ہاتھ اور کچھ نہین آتا ہے، عقل کی رو سے تو انسان کو انہی لوگون کو عزت و احترام کے قابل اور لائق تقلید خیال کرنا چاہیئے، جن کی زندگی کا مدعا مسرت کا حصول اور جن کی کوششون کا ماحصل راحت و لذت کی زیادہ سے زیادہ مقدار ہے، پھر کیا ہے کہ ہم اپنے اندر تکالیف و مصائب، ناکامیون اور محرومیون مخالفتون اور عداوتون کے لئے ایک بے پناہ

ہوئی ہین، ان کا حقیقی سبب اجتماعی زندگی کا یہی نصب العین تھا، ہر قوم اس بات کے لئے کوشان تھی کہ دنیا کے بڑے بڑے زرخیز ملکون پر قابض ہوجائے، اور اپنے ملک کے لئے جتنی زیادہ منفعت ممکن ہو حاصل کرے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے تو دنیا کے غیر ترقی یافتہ ملکون کو غلام بنایا گیا، اور ان کے خون اور پسینے سے اپنی اپنی قوم کی دولت و ثروت مین اضافہ کیا گیا، لیکن یہ طریقہ کار زیادہ عرصہ تک کام نہ دے سکا، اور بعض قومین اس دوڑ مین پیچھے رہ گئین، نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ و جدل کی آگ بھڑک اٹھی اور دنیا کے امن کا شیرازہ پارہ پارہ ہوگیا،

فرد کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو زیادہ سے زیادہ مسرت کے نصب العین مین کوئی جاذبیت نظر نہین آتی ہے، نہ اس نصب العین مین انسانی جدوجہد کے لئے کوئی بڑی تحریک ہے، تاریخ کے صفحات ان لوگون کے تذکرہ سے خالی ہین، جن کی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی مسرت کا حصول اور لذت طلبی کی تکمیل تھی، وہ لوگ جنھون نے دنیا مین مسرت کی کثیر ترین مقدار حاصل کی، نہ اپنے زمانہ کے لوگون کا احترام حاصل کر سکے اور نہ مابعد کی زندگی پر کوئی نقش چھوڑ گئے، انھون نے زندگی کا عیش تو ضرور حاصل کیا، لیکن عظمت و بزرگی اور بقاے دوام کی نعمتون مین سے کوئی ایک نعمت بھی انھیں نہ مل سکی، دنیا نے انھیں بہت جلد بھلا دیا، اور انسانون نے ان کی یاد مین اپنے لئے کوئی فائدہ نہ پایا، اس کے برخلاف جن لوگون نے اعلیٰ تر مقاصد کے لئے زندگی کی راحت اور دنیا کے عیش سے منہ موڑا، جنھون نے تکلیفین اٹھائین، مصیبتین سہین، اور قربانیان کین، دنیا نے آجتک انھین فراموش نہین کیا، اور تاریخ نے ان کا نام بقاے دوام کے حروف سے اپنے صفحات پر ثبت کر لیا، آج بھی جب کوئی قوم اپنے افراد مین عمل کا جوش، حرکت کا ولولہ اور ترقی کا حوصلہ پیدا کرنا چاہتی ہے، تو وہ انھی لوگون کو مثال پیش کرتی ہے، جنھون نے اپنی زندگی مسرت طلبی سے اعلیٰ تر مقاصد کے لئے گذاری ہے، دنیا نیرو کی عیش پرستیون، لوئی چہاردہم کی رنگ رلیون اور شاہجہان کی جمال آرائیون پر صرف ایک نگاہ ڈال کر گذر جاتی ہے لیکن سقرا

اوپر کیا جا چکا ہے، اور جو افادیت کے اس نظریہ سے پیدا ہوتا ہے، کہ بہترین اصول عمل زیادہ سے زیادہ انسانوں کیلئے زیادہ سے زیادہ مسرت کا حصول ہے، کیونکہ ہر فرد کے لئے زیادہ سے زیادہ مسرت کی جستجو اور جماعت کیلئے زیادہ سے زیادہ مسرت کا حصول دونوں ایک جگہ نہیں جمع ہو سکتے ہین، جماعت کی زیادہ سے زیادہ مسرت کے حصول کے لئے افراد کی طلب مسرت پر قیود و شرائط عائد کرنا پڑتے ہین، لیکن زیادہ سے زیادہ نیکی اور فضیلت کا حصول افراد کے لئے بھی ممکن ہے، اور جماعت کیلئے بھی، افراد اپنے اندر جس قدر فضائل اور نیکیان پیدا کرین گے اسیقدر جماعت کا عام اخلاقی معیار اور نیکی و فضیلت کی سطح بلند ہوتی جائے گی،

اس بحث کی نسبت ایک سوال اور باقی رہ جاتا ہے، اور وہ یہ کہ اس امر کا تصفیہ کس طرح کیا جائے، کہ اعلیٰ تر مسرتین کونسی ہین اور ادنیٰ تر کونسی ہین، اگر اس کا فیصلہ افراد کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے تو ہر ایک شخص کے نزدیک اس کے مذاق طبیعت کے موافق نیکی اور فضیلت کا ایک جدا معیار ہوگا، اور تمدنی زندگی مین کوئی ایک اخلاقی معیار رائج نہ ہو سکیگا، جس کی وجہ سے عملی انتشار کا پیدا ہو جانا ضروری ہے، اگر جماعت کے چند عقلا اس امر کے مجاز بنا دئے جائین کہ وہ نیکی اور فضیلت کا مفہوم متعین کرین، اور یہ بتائین کہ ایک خاص قسم کی مسرت دوسری مسرتون سے اعلیٰ ہے یا ادنیٰ اور اگر اعلیٰ ہے تو کس درجہ مین، تو وہ بھی اس امر کا تصفیہ اپنے قومی مزاج اور ماحول کے عطا کئے ہوئے تصورات کی بنا پر کرین گے، جو نہ عقل کے مطابق ہوگا، اور نہ انسانی فطرت کی صحیح ترجمانی کرے گا، پھر یہ بھی سوال ہے، کہ اگر اس معاملہ مین ایک جماعت کے عقلاء، با لاتفاق کسی ایک فیصلہ پر پہونچ جائین، جس کا احتمال بہت کم ہے، تو کیا ان کا وضع کردہ اخلاقی معیار اقدار ساری جماعت کے لئے قابل قبول ہوگا، اس قبولیت عام کا امکان اسی وقت ہو سکتا ہے، جب جماعت مین ایسے افراد کافی

کشش پاتے ہین، جب کبھی ان کو ایسی شخصیت سے وابستہ پاتے ہین، جو اخلاق وفضائل کی حامل ہو، کیا یہ اس امر کی قطعی شہادت نہین ہے، کہ نیکی اور فضیلت کے لئے انسان مین ایک قدرتی وجدان ودیعت کیا گیا ہے، جو اون کو اول نظر مین برائی سے پہچان لیتا ہے، اور اسے بے اختیار نیکی کی طرف کھینچ لاتا ہے۔

افادیین اسکا یہ جواب دیتے ہین، کہ جس چیز کو نیکی اور فضیلت کہا جاتا ہے، وہ درحقیقت ایک اعلیٰ تر مسرت اور عمیق تر لذت کا نام ہے، یہ اس بات کا اقرار ہے کہ مسرت کی کئی قسمین ہین جن مین اعلیٰ اور ادنیٰ کا امتیاز بھی کیا جا سکتا ہے، اور اس اقرار میں اس حقیقت کا اثبات بھی مضمر ہے، کہ انسانی زندگی مین ادنیٰ تر مسرتون سے اعلیٰ تر مسرتون کی طرف ایک قدرتی میلان پایا جاتا ہے، اور انسان کی فلاح کے لئے ضروری ہے، کہ اس مین ادنیٰ تر مسرتون سے گریز اور اعلیٰ تر مسرتون کی طلب گاری کا جذبہ پیدا ہو جائے، یہان پر افادیت مذہب کے آگے سپر ڈال دیتی ہے، کیونکہ مذہب جس چیز کو نیکی اور فضیلت سے تعبیر کرتا ہے، وہ بھی اعلیٰ تر مسرتون کی ادنیٰ تر مسرتون پر ترجیح ہے۔

یہ سوال بھی یہان پیدا ہوتا ہے، کہ افادیین کے اس نظریہ سے کیا مراد ہے، کہ تمدنی زندگی کا صحیح ترین اصول عمل زیادہ سے زیادہ تعداد کی زیادہ سے زیادہ مسرت ہے، آیا یہ وہ مسرت ہے جس کا مطالبہ انسان کی حیوانی فطرت کرتی ہے، یا اس کا مطلب وہ اعلیٰ تر مسرتین ہین جنھین مذہب نیکی اور اخلاق سے موسوم کرتا ہے، اگر موخر الذکر مسرتین مراد ہین، تو پھر یہ اس بات کا تسلیم کرنا ہوا کہ تمدنی زندگی کا صحیح ترین اصول عمل زیادہ سے زیادہ انسانون کے لئے زیادہ سے زیادہ فضیلتون اور نیکیون کا حصول ہے، پھر مذہب کو کس لئے مطعون کیا جاتا ہے، جب کہ وہ بھی تمدنی زندگی کا مقصد اسی چیز کو قرار دیتا ہے، یہ اصول عمل عقل کی رو سے بھی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اس سے فرد و جماعت کے اغراض وعمل کا وہ اختلاف بھی مٹ جاتا ہے، جس کا تذکرہ

لوگ عقل کی ہمہ بینی کے دعویدار ہین، وہ اسکی بابت کیا کہتے ہین؟

مذکورۂ بالا بحث سے مسئلہ کے ایک اور گوشہ پر بھی روشنی پڑتی ہے، اور یہ سوال ابھرآتا ہے کہ انسانی اعمال پر فکر و استدلال کی گرفت کن حدود تک محدود ہے، کیا ہمارے اعمال تمام تر منطقی استدلال اور عقلی جستجو کا نتیجہ ہوتے ہین؟ عقل پرستون کا یہ دعویٰ کہ انسانی زندگی اور تمدن کے تمام مسائل صرف عقل ہی کے ذریعہ تصفیہ پا سکتے ہین، اس امر کے ثبوت کا محتاج ہے، کہ انسان کے اعمال پر صرف عقل و منطق کی حکمرانی ہے، یہان بھی ایک بات بداہتہً نظر آتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسانی غایات و مقاصد عقل سے زیادہ مزاج و طبیعت اور ذوق و رجحانات کے غیر عقلی عوامل سے متعین ہوتے ہین، عقل کا کام صرف یہ ہے، کہ ان غایات و مقاصد کے حصول کے لئے وسائل و ذرائع کی جستجو کرے، انفرادی زندگی مین ہر شخص اپنے مخصوص مزاج اور میلانِ طبع کے مقتضیات سے مجبور رہتا ہے، ایک نڈر، بے خوف اور غیر مآل اندیش آدمی کو آپ لاکھ سمجھائیے کہ اپنے معاملات مین احتیاط سوچ بچار اور دوراندیشی سے کام لے، ورنہ نتائج خراب ہون گے لیکن اس کی روش مین مشکل سے کوئی فرق آئے گا، آپ اس کو خطراتِ راہ سے آگاہ کرین گے، اور وہ اُن کی توجیہ کچھ اس طرح کرے گا کہ اس کو خطرہ خطرہ ہی نہ معلوم ہوگا، آپ اسکے سامنے دوسرون کی ناعاقبت اندیشی کے نتائج پیش کیجئے، لیکن وہ ان نتائج کو مخصوص حالات کا معلول قرار دے گا، اور خواہ زبان سے کچھ کہے دل مین یہی یقین کرے گا، کہ اس کے عمل سے یہ مخصوص نتائج نہ پیدا ہونگے، روزمرہ کی زندگی مین ہمین بارہا مزاج و عادت کے ان قوی اثرات کا تجربہ ہوتا ہے، ایک تنہائی پسند شخص کے سامنے آپ میل جول اور معاشرتی روابط کے قیام کی ضرورت پر کتنی ہی دل پذیر تقریر کیجئے، کتنا ہی سمجھائیے کہ تنہائی پسندی اور عزلت گزینی زندگی کی دوڑ مین اسے ناکام کردیگی لیکن ان باتون کا اسکی طبیعت پر کوئی اثر نہ ہوگا ہر شخص اپنی زندگی کے مقاصد اپنے مزاج و طبیعت کی مناسبت

تعداد میں پیدا ہو جائیں، جو ان فضائل کو اپنے عمل سے مجسم بنا کر دکھا دیں، لیکن کسب فضیلت کی جد و جہد صرف عقلی استدلال سے نہیں پیدا کیجا سکتی ہے، عقلاء کی یہ جماعت جو اخلاق کے اقدار اور فضیلت کے معیار وضع کریگی، ضروری نہیں کہ ان کو مجسم کرکے عملی زندگی میں برت بھی سکے، عقل اور ارادہ میں کوئی ضروری تعلق نہیں ہے، یہ ممکن ہے کہ ہم عقل و استدلال سے صداقت کے تصوّر تک پہونچ جائیں لیکن اس تصوّر کو عمل کا جامہ پہنانے کے لئے صرف عقل ہی کی مدد کافی نہیں ہے، جب تک ارادہ کی طاقت اور تاثر کی قوت ہمیں راہِ صداقت پر نہ بڑھائے عقل کے پیدا کئے ہوئے تصورات کی عملی قدر و قیمت صفر رہے گی، ذہن و فکر کی جودت اور افکار و تصوّرات کی ثروت کے ساتھ ارادہ کی صلاحیت، وجدانِ صحیح کی رہبری اور تاثرات کی شدّت بہت کم جمع ہوتے دیکھی گئی ہے، افلاطون نے ریاست کا ایک مثالی نظام تو پیش کر دیا، لیکن اپنی مثالی ریاست کے قیام کی طرف ایک قدم تک نہ بڑھا سکا، تصوّرات کی دنیا میں عقل کے لئے صداقت کا پالینا اگر ممکن بھی ہو تو اس کو برت کر ایک زندہ حقیقت بنا دینا ممکن نہیں، یہ کام اسی شخصیت کا ہو سکتا ہے، جس میں عقل و جذبات کا صحیح توازن، ارادہ و تاثر کی متناسب آمیزش اور فکر و عمل کی مساوی قوت جمع ہو گئی ہو، انسانی تاریخ کے طویل دور میں ایسی کتنی شخصیتوں کا سُراغ ملتا ہے؟ تعصب اور جذبات سے الگ ہو کر تاریخ کے صفحات پر نظر ڈالیجائے تو معلوم ہوگا، کہ وہ تمام شخصیتیں جن کا قول ان کے عمل سے شرمندہ نہ تھا، اور جن میں ارادہ، تاثر اور عقل و فکر کی صحیح اور متناسب ترکیب پائی جاتی تھی، وہی شخصیتیں تھیں جنھوں نے عقل کے بجائے وجدان پر بھروسہ کیا، فکر و استدلال کے بجائے وحی و الہام کی روشنی ڈھونڈھی اور انسان کی جگہ انسان سے بالاتر ہستی کو منتہائے نظر بنایا، یہی وہ لوگ تھے جنھیں پیغمبر کہا جاتا ہے، لیکن انھوں نے زندگی کا جو نظام پیش کیا، اس کی بنیاد عقل و منطق نہ تھی، بلکہ وحی کی روشنی اور الہام کی ہدایت تھی، جو

پیچیدہ نظام کبھی نظر تک نہ آتا، محض عقل انسان کو غذا کی فراہمی پر نہ ابھار سکتی، ہماری زراعت، ہمارا کاروبار، ہمارے بازار اور منڈیاں عقل سے زیادہ انسان کی اس لابدی اور ابتدائی اشتہا کی مرہون منت ہیں، بھوک نے غذا کا مطالبہ کیا تب حضرت انسان نے عقل دوڑانا شروع کی، اور اس تقاضے کی تکمیل کے لئے اپنی عقل و سمجھ سے کام لیا، زیب و زینت کا ذوق اور حسن و جمال کی طلب اگر انسان میں ودیعت نہ کی گئی ہوتی، تو ہماری دنیا حسن و زیبایش سے عاری اور زینت و جمال سے محروم رہتی، فنون لطیفہ کی ساری باریکیاں جن کی دریافت کا سہرا عقل کے سر باندھا جاتا ہے، حقیقۃً انسان کے اسی فطری ذوق نے پیدا کی ہیں، معاشرتی زندگی کا پورا ڈھانچہ انسانی میلانات کا قدرتی نتیجہ ہے، اگر ہمدردی محبت اور جنسی خواہشات کے فطری عوامل کام نہ کرتے، تو معاشرت کی بنیاد نہ پڑتی، اور سیاسی زندگی وجود میں نہ آتی، غرضکہ انسانی زندگی کے جس گوشہ پر نظر ڈالئے ناممکن ہے، کہ فطری میلانات کی تحریک اور مزاج و طبیعت کے اثرات کی کارفرمائی سے آنکھیں دوچار نہ ہوں، آپ اس حقیقت کو نظرانداز کر دیں، کہ عقل جذبات کی تابع اور میلانات کی محکوم ہے، فطرت نے اپنے تقاضے کے ساتھ انسان کو عقل ایک مددگار کے طور پر عطا کی ہے، لیکن جب اس مددگار کو اسکی اصلی حیثیت سے بلند کرکے حکمرانی کے تخت اور فرمانروائی کی مسند پر بٹھا دیا جاتا ہے، تو یہی مددگار بے شمار و لاتعداد فتنوں کا موجب ہو جاتا ہے، اور زندگی کی گتھی سلجھنے کے بجائے اور الجھ جاتی ہے، مغربی تمدن نے عقل کو اپنے اوپر حکمران بنا لیا، اور اسکی اصلی حیثیت سے ہٹا کر اس سے دوسرا کام لینا چاہا، نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی انسان تو عقل کا محکوم ہو گیا، اور اسکی نسانیت جس کو عقل، جذبات اور فکر و خیال کی تمام قوتوں پر غالب و مقتدر رہنا چاہئے تھا اس غلط حکمرانی کے بوجھ سے بالکل دب گئی، اور اب ابھرنا چاہتی ہے، تو نہیں ابھر سکتی ہے،

سے متعین کرتا ہے، نہ کہ عقلی استدلال اور منطقی بحث آرائی کے بعد، ہاں جب ایک مرتبہ یہ مقصد ذہن میں متشکل ہو جاتا ہے تو پھر اس کے حصول کے لئے وہ عقل سے مدد لیتا ہے، قومی اور جماعتی زندگی کے مقاصد بھی بالکل اسی طرح متعین ہوتے ہیں، قومیں بھی افراد کی طرح اپنا مخصوص اخلاقی اور عقلی مزاج رکھتی ہیں، اور اسی مذاق وطبیعت کے مطابق اپنا نصب العین بناتی ہیں، جو چیز کسی قوم کے مخصوص عقلی مزاج سے میل نہیں کھاتی ہے، وہ اُس قوم کے ذہنی سانچہ میں کبھی نہیں سماتی ہے، اور یہ چیز جس طرح عمل کے دائرہ میں صحیح ہے، اسی طرح فکری زندگی پر بھی منطبق ہوتی ہے جرمن قوم ہمیشہ سے مرکزیت پسند رہی ہے، اور اس کے مفکرین میں سے جس کسی کو لیجئے، یہی پائیے گا، کہ وہ فرد سے زیادہ جماعت کے حقوق کا حامی ہے، اور انفرادی آزادی سے زیادہ قومی مرکزیت کا دلدادہ ہے، کانٹ ہیگل نٹشے وغیرہ سب کے فلسفہ میں اسی ذہنیت کا عکس موجود ہے، فرانس کے لوگ فطرۃً رومانیت پسند واقع ہوئے ہیں، تخیل کی دلکشی ان کی زندگی کی روح رواں ہے، روسو اور نپولین جنھوں نے فرانسیسی قوم کے دل پر قبضہ جمایا، اور اپنے اثر سے اُن کو جرات و ہمت کے بڑے بڑے کارناموں پر اُبھارا ان کی شخصیت کے اعجاز اور ان کے غیر معمولی اثر و نفوذ کا اصل راز یہ تھا کہ انھوں نے اپنی قوم کے سامنے اونچے اونچے تخیلات پیش کئے، اور اپنے مقاصد وافکار کو ایسی دل آویزی عطا کی، کہ ان کی پوری قوم ان کے ساتھ ہو گئی، انگریزی قوم اپنی عملی صلاحیتوں کے لئے ممتاز ہے، اس کی پوری فکری تاریخ دیکھ جائیے، آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ انگلستان کی سرزمین نے جتنے مفکرین پیدا کئے، ان کی فکر و نظر کا موضوع اکثر و بیشتر حقیقی زندگی کا کوئی مسئلہ یا اُس سے قریبی تعلق رکھنے والا کوئی خیال تھا،

تمدن کے جملہ مظاہر اور معاشرتی زندگی کی ساری دل آویزیاں، انسانی خواہشات جذبات اور طبائع کی تحریکی قوتوں کی محتاج ہیں، اگر بھوک کی تڑپ نہ ہوتی تو معاشی زندگی کا یہ

یہ تو ذہن ونظر کی دنیا کا حال ہوا، عملی دنیا مین یہ غیر عقلی قوتین اور زیادہ نمایان طور سے کارفرما نظر آتی ہین، تاریخ کی بڑی بڑی لڑائیان، بادشاہون کی عظیم الشان فتوحات سب کی سب زندگی کے غیر عقلی عناصر کی قوتون کا ظہور تھین، کیا سکندر کے جنگی اقدامات کا محرک مادی منفعت کا خیال تھا یا اسکی فتوحات کے پس پشت کسی خاص فلسفۂ زندگی اور نظام تمدن کی برتری کا تصور تھا، جس کو وہ اپنی مفتوحہ دنیا مین پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا تھا، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اسکے تمام فوجی کارنامے ایک کورانہ قوت کا نتیجہ تھے، جسے چاہے اولوالعزمی کہ لیجئے، چاہے حوصلہ مندی کے نام سے پکارئے اور چاہے حکومت پسندی کے لقب سے یاد کیجئے، سکندر نے اپنے مقاصد اور ارادے عقل کے مشورے سے نہین متعین کئے تھے، بلکہ فطری میلانات، افتاد طبع، قومی اور خاندانی مزاج اس کے فیصلون کے ذمہ دار تھے، البتہ جب یہ ارادے ایک مرتبہ شعور کی سطح پر آگئے، اس وقت عقل نے ان کی تکمیل مین ضرور مدد دی،

یورپ میں اس وقت جو جنگ برپا ہے، اس کے پوشیدہ اسباب کا علم بھی اس نقطۂ نظر کی تصدیق کرتا ہے، اگر قومین اور جماعتین صرف عقل واستدلال سے کام لیا کرتین، اگر افراد کی عملی روش صرف منطق کی پابند ہوتی، تو یہ جنگ کبھی نہ ہوتی، علاوہ اور محرکات کے جو اس جنگ کا باعث ہوئے، ہٹلر اور جرمن قوم کا جذبۂ انتقام بھی اس کا بڑا سبب ہے، معاہدۂ وارسائی جرمنون کی نظرون مین ہمیشہ کھٹکتا رہا، اور وہ شروع سے اس دن کے منتظر تھے، جب وہ اپنی پیشانی سے اس کے داغ کو مٹا دین، ظاہر ہے کہ یہ انتقامی جذبہ عقل وفہم کے صلاح ومشورہ کا پابند نہ تھا اور یون بھی دیکھئے تو ہٹلر نے معاہدۂ میونخ تک جو کچھ علاقہ حاصل کیا تھا، وہ جرمن قوم کی ضروریات کے لئے اتنا کافی تھا، کہ اگر اس کے فطری وسائلِ دولت کو ترقی دی جاتی، تو جرمن قوم ایک خوشحال قوم ہوتی، جنگ کی غارت گریون اور تباہ کاریون کے بعد اگر

انسانی تاریخ کے بڑے بڑے کارنامون پر نظر ڈالئے، یا علم و حکمت کی اعلیٰ ترین فتوحات پر غور کیجئے، ہر جگہ جذبات و میلانات کی قوت کو عقلی قوتون پر غالب پائیے گا، نیوٹن گلیلیو، مارکس اور روسو اور اسی طرح کے صدہا اکابر جنھون نے اپنے وقت کے علمی نظریون کو توڑ پھوڑ کر بالکل جدید نظریات ترتیب دیئے، انہی فطری میلانات کی پیداوار تھے، ان کی فکری قوتین کس طرح بروے کار آئین، کونسا محرک تھا جس نے ان کی عنانِ فکر ایک خاص جانب موڑ دی، اور ان کے ذہن و نظر اور عقل و فکر کو آلۂ کار بنا کر اہم مقاصد کی تکمیل مین اُن سے کام لیا، نیوٹن اور گلیلیو کے ذہن نے علمی دنیا مین جو انقلابات برپا کئے، وہ ممکن نہ ہوتے، اگر منزلِ حقیقت تک وہ مجنونون اور بے خودون کی طرح نہ بڑھتے، یا صداقت کی سچی طلب انکے قوی ذہن کو حرکت نہ دیتی، انکو حقیقت کی جستجو کا سودا تھا، منزلِ صداقت پر پہونچنے کی تمنا تھی، اور رموزِ فطرت کی پردہ کشائی کا پیدائشی ذوق تھا، اگر ذوق و طلب کی یہ چنگاری انکی فطرت کو اسطرح بیتاب نہ رکھتی تو محض انکے ذہن کی قوتین منزلِ حقیقت کی سراغرسانی نہ کر سکتین، اور دنیا کے وہ بڑے بڑے انکشافات جنھون نے زندگی کا نقشہ بدل دیا، فطرت کی گہرائیون مین مستور رہتے، پھر کیا اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ یہ ذوق و طلب اور یہ فلک پیما حوصلے جنھون نے ان کی عقل کو ایک خاص جانب کھینچا، اور ان مین کامیابی کی راہ دکھائی، عقل و فہم اور منطق و استدلال سے بالاتر ان کی ذہنی زندگی کی تشکیل کر رہے تھے، اگر عقل ہی ان کی زندگی کا واحد جوہر ہوتی، تو یہ کامیابیان ہرگز عمل مین نہ آتین، روسو کے ذہنی ارتقا مین کونسے مؤثرات کارفرما تھے، اسکی فطرتِ بے تاب، اسکی رومان پسندی اور تخیل پرستی اس کی زندگی کے تلخ تجربات کیا یہ غیر عقلی عناصر اس کے عقلی کارنامون کے لئے فیصلہ کن اثرات نہیں رکھتے تھے، اگر مارکس ایک حساس طبیعت نہ رکھتا ہوتا، اگر مزدورون اور غریبون کے لئے وہ ہمدردی اور محبت کے داعیات سے خالی ہوتا، تو کیا تاریخ کی مادی تعبیر کا کہین وجود ہوتا،

کیا گیا ہے، مگر مشکل یہ آن پڑتی ہے، کہ انسان جذبات کا صحیح استعمال نہیں کرسکتا ہے، اس کی عقل اس معاملہ مین بالکل بے دست و پا ہے، کیونکہ اسکی حیثیت جیسا کہ کہا جا چکا ہے، ایک مددگار کی ہے، جہان جذبات اور عقل مین کشاکش شروع ہوتی ہے عقل کو شکست کھانی پڑتی ہے، کیونکہ وہ بہرحال جذبات کی ماتحت ہے، جذبات کا مقابلہ جذبات ہی سے ہوسکتا ہے عقل سے نہیں، اور یہی اس مسئلہ کا صحیح حل ہے، اس کا ثبوت بھی ہمین روزانہ زندگی مین ملتا ہے، انسان فطرۃً راحت پسند ہے، اگر اس کو اسی حال مین چھوڑ دیا جائے، تو وہ سعی و کوشش سے صرف اپنے لئے وسائل زندگی مہیا کرنے پر اکتفا کرے گا، لیکن فطرت نے اسکی راحت پسندی کو قابو مین رکھنے کے لئے اس مین بعض اور جذبات بھی پیدا کر دئے ہین، اولاد کی محبت عزیزون رشتہ دارون اور خاندان سے وابستگی یہ اور ایسے ہی جذبات اوس کو محنت و مشقت پر آمادہ کرتے ہیں، اور اسکی فطری راحت پسندی کو دبا دیتے ہین، جہان موخر الذکر جذبات کمزور ہو جاتے ہین، وہان انسان خود غرض نفس پرست، بلکہ خود پرست ہو جاتا ہے، اسی طرح سے دشمنی اور حسد ایسے جذبات ہین، کہ جب یہ طاری ہوتے ہین، وہ اپنے مخالف کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے پر آمادہ رہتا ہے، فطرت نے اس جذبہ کی تصحیح کی غرض سے انسان مین خوف کا جذبہ پیدا کر دیا ہے، تاکہ اول الذکر جذبات اسکو بالکل بے قابو نہ کر دین، اگر سوسائٹی کا خوف حکومت کا خوف یا انتقام کا خوف دشمنی اور حسد کے جذبات کو دبا نہ دے، تو انسان معلوم نہین کیا سے کیا کر گذرے لیکن متعدد اور مخالف جذبات کا باہمی عمل اور ردعمل کسی وقت جذباتی زندگی مین نظم و ترتیب پیدا کرسکتا ہے، اور جذبات کو اعلیٰ مقاصد کا خادم بنا سکتا ہے، جب انسانی نفس پر ایک قوی تر جذبہ کا قبضہ ہو جائے، جو دوسرے تمام جذبات کو اپنا آلۂ کار بنالے، جذباتی نظام مین ایک مرکزی فرمانروا کی ضرورت ہے جو احساسات و جذبات کے کارخانہ پر اقتدار کلی رکھتا ہو اور اس کارخانہ کے مختلف المزاج کارپردازون پر نظم قائم کرے اور انکے حدود عمل اور حقوق و فرائض اسطرح متعین کر دے کہ انہیں باہم تصادم کے بجائے اشتراک عمل اور ہم آہنگی پیدا

جرمنوں کو کچھ حاصل بھی ہو گیا، تو اس کا وزن یقیناً اُس فارغ البالی اور خوش حالی کے مقابلہ مین بہت کم ہو گا، جو اس مال و دولت محنت و توجہ اور ایثار و قربانی سے حاصل ہو سکتا ہے، جو اس وقت جنگ میں لگائی جا رہی ہے، اگر یہ خیال غلط بھی ہو، ہٹلر کی کامیابی جرمنوں کو اس سے زیادہ وسائل دولت پر قابو عطا کرے، جس کا کہ امن کی حالت میں خیال کیا جا سکتا ہے، تب بھی جنگ کے نامعلوم خطرات اس کا غیر یقینی نتیجہ، اور شکست کی حالت مین جرمنی کو جس تباہی اور بربادی سے دوچار ہونا پڑے گا، یہ چیزین ایسی نہ تھین، جو ہٹلر کا ہاتھ روک نہ لیتین، اگر جذبات کی کشش، مزاج وطبیعت کی تحریک اور فطری ذوق و رجحانات کی قوت اسکو جنگ کی طرف کھینچ نہ لیجاتی، ہٹلر کے اقدامات مین جہان مادی منفعت کا خیال کام کر رہا ہے، وہان اس کے شخصی حوصلے اس کا اور اسکی قوم کا احساس تفوق فتح مندی کی طلب اور جرمنو کی فطری جنگ جوئی بھی فیصلہ کن عناصر کی حیثیت رکھتے ہین، غرضکہ زندگی کے جس گوشہ مین دیکھئے اس نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا، کہ افراد اور جماعتیں جتنے بڑے بڑے کام انجام دیتی ہین، ان کے پس پشت جذبات کی قوت اور فطری میلانات کا تقاضا کام کرتا رہتا ہے، جو چیز انسان کو کسی خاص عمل پر ابھارتی ہے، وہ اسکی سرد مزاج عقل نہین، بلکہ اسکے گرم رو جذبات ہوتے ہین پھر جب ایک مرتبہ اُس کا ارادہ صورت پذیر ہو جاتا ہے اس وقت وہ عقل کی امداد و اعانت طلب کرتا ہے، مقاصد کی تکمیل کے لئے وسائل مہیا کرنا، مختلف راستے بنانا اور ذرائع فراہم کرنا یہ ہے عقل کا اصلی مقام، مقاصد اور اصول عمل کا تعین عقل کے بس کی بات نہین ہے، اس کا تعلق جذبات سے ہے، مزاج سے ہے اور میلان طبع سے ہے،

تمدنی زندگی کا ایک بڑا بنیادی سوال یہ بھی ہے کہ انسانی جذبات کو کس طرح قابو مین لایا جائے، تاکہ وہ متعین مقاصد کا ساتھ دے سکین، اور ان کا غلط استعمال نہ کیا جا سکے، جذبات فطری ہین اور انھیں مٹایا نہیں جا سکتا ہے، کیونکہ ہر جذبہ خاص خاص اغراض کی تکمیل کے لئے انسان مین ودیعت

امام رازی اور انکی تصنیفات

از

مولانا عبدالسلام ندوی

امام رازی کی تصنیفات مین اگرچہ عام طور پر چند کتابین زیادہ تر مشہور ہین لیکن انھون نے اپنی عمر کا تمام تر حصہ تصنیف و تالیف مین صرف کیا اور ہر علم اور ہر فن مین کتابین لکھین، تاریخون اور تذکرون مین صرف ان کی تصنیفات کے نام گنا دیئے ہین، اور ان کی خصوصیات کی طرف اجمالی اشارات کردیئے ہین لیکن آج تک کسی نے انکی تصنیفات کی تمام خصوصیات پر تفصیلی تبصرہ نہین کیا، بالخصوص اردو زبان مین اس موضوع پر اب تک کچھ نہین لکھا گیا، اسلئے مین انکی تصنیفات پر ایک مفصل تبصرہ لکھتا ہون، جس سے ظاہر ہوگا، کہ امام صاحب کے زمانہ تک علوم و فنون کا جو سرمایہ جمع ہوگیا تھا، امام صاحب نے اپنی تصنیفات میں ان کا عطر کھینچ لیا ہے اور اپنی ذہانت طباعی، بالخصوص اپنے صاف اور واضح طرز تحریر سے ان کو نہایت عام فہم اور دلپذیر بنادیا ہے،

مسلمانون مین اور بھی بہت سے علمار کثیر التصنیف گذرے ہین لیکن اس قدر گوناگون علوم پر کسی نے کتابین نہین لکھین، تصنیفات کی کثرت اور ان کے موضوع کے تنوع کے ساتھ امام صاحب کی متعدد تصنیفات کئی کئی جلدون مین ہین، مثلاً تفسیر کبیر کی نسبت قفطی نے اخبار الحکما مین لکھا ہے کہ وہ باریک خط مین ۱۲ جلدون مین ہے، امام غزالی کی وجیز کی شرح اگرچہ

ہو جائے، یہ مرکزی فرمانروا ایک ایسا جذبہ ہی ہو سکتا ہے، جو سب سے بالاتر سب سے قوی اور سب پر حاوی لیکن ساتھ ہی دوسرے جذبات کی طرح بینائی اور بصیرت سے محروم نہ ہو، بلکہ عقل اور علم کے صفات کا بھی ہو، زندگی کا کوئی نظام جو محض فکر و تعقل کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہو اس ہمہ صفت جذبہ کی تخلیق نہیں کر سکتا ہے، عقل اسے پیدا کرنے سے قاصر ہے، اسکا تعلق انسان کے وجدان سے ہے، جو فہم و فکر کی رسائی سے ماوری ہے، اسی جذبہ کا نام ہے، جو اسوقت بیدار ہوتی ہے، جب انسانی ذہن مین خدا کا صحیح تصور قائم ہو جائے، اور انسان اس کا صرف ادراک ہی نہ کرے، بلکہ یہ تصور اُسکے ذہن و خیال کے ہر گوشہ اور ہر دریچہ پر ایسا ہمہ گیر تسلط حاصل کرلے، کہ اس کے ہر ارادہ اور ہر فعل کو متاثر کرنے لگے،

مذہبیت کا جذبہ اور مذہبی احساس ہی وہ حاکم علی الاطلاق ہے، جو جذباتی زندگی مین نظم پیدا کرتا ہے، اور اسے انتشار سے محفوظ رکھتا ہے، پھر جس طرح ہر انسانی جذبہ کا ایک معروض ہوتا ہے، اس جذبہ کا بھی ایک معروض ہے، جو خود اس جذبہ کی طرح سب سے قوی، سب سے بالاتر اور سب سے ہمہ گیر ہے، یہ معروض ذات باری ہے جس میں علم ارادہ اور تاثر تینون صفات بیک وقت اپنی پوری پہنائی اور عمق لیے ہوئے جمع ہین، جذبہ مذہبیت کی صحت بھی اس کے معروض کے صحیح تصور پر موقوف ہے، اور جس طرح اس جذبہ کا معروض علم، ارادہ اور تاثر کے صفات سے متصف ہے، اسی طرح اس جذبہ مین بھی یہ تینون کیفیات موجود ہوتی ہین، جو اسے دوسرے جذبات سے ممتاز کرتی ہین، اگر کسی وجہ سے جذبہ مذہبیت کے معروض کا صحیح تصور قائم نہ ہو، تو یہ خود یہ جذبہ بھی غلط راستہ اختیار کر لیتا ہے، اور انسانی زندگی کے لئے سرچشمہ فساد ہو جاتا ہے، مذہب کی جتنی گمراہیان ہین، وہ اسی معروض کے غلط تصور کا نتیجہ ہین، انسانی زندگی کی فلاح و صلاح کلیتہً اس امر پر منحصر ہے، کہ انسان کے ذہن مین خدا کا صحیح تصور قائم ہو جائے،

کہ مین نے اس کتاب کو جسکا نام مین نے اساس التقدیس رکھا ہے اسکی خدمت مین ہدیۃً بھیجا، الاحکام العلائیہ فی الاعلام السمائیہ کو انھون نے سلطان علاؤالدین محمد بن خوارزمشاہ کیلئے لکھا اور مباحث مشرقیہ لکھی تو اسکو وزیر قوام الدین ابو المعالی سہیل بن العزیز المستوفی کی کتبخانہ مین ہدیۃً بھیجا چنانچہ اس کتاب کے دیباچہ مین خود اسکا ذکر کیا ہے اور اس وزیر کی بڑی مدح و ستایش کی ہے، لطائف الغیاثیہ کے متعلق اگرچہ تذکرون مین کوئی تصریح نہین ہے تاہم اوس کے نام سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ وہ سلطان غیاث الدین کے لئے لکھی گئی ہے لیکن ان کی تصنیفات کا مقصد محض تقرب سلطانی وحصول جاہ و مال نہ تھا، بلکہ صرف دینی اور علمی خدمت مقصود تھی، اس لئے متعدد کتابین اُنھون نے اہل علم کے لئے بھی لکھین، مثلاً، سالتہ الکمالیہ کو کمال الدین محمد بن میکائیل کے لئے لکھا، کلیات قانون کی شرح حکیم ثقۃ الدین عبدالرحمن بن عبدالکریم السرخسی کے لئے کی، اور اربعین فی اصول الدین کو اپنے فرزند اکبر محمد کے لئے لکھا، اور اسکی وجہ دیباچہ مین یہ بیان کی، کہ "جب مین بہ توفیق ایزدی اکثر علوم دینیہ اور مباحث یقینیہ مین بہت سی ایسی کتابین، جو دلائل و براہین کے اثبات اور شکوک و شبہات کے جوابات پر مشتمل تھیں لکھ چکا، تو مین نے اس کتاب کو اپنے فرزند اکبر محمد کے لئے اس غرض سے لکھا کہ اوس مین مسائل الٰہیہ کی شرح کرون تاکہ یہ کتاب اس کے لئے ایک دستورالعمل ہو جس کی طرف وہ مشکلات مین رجوع کرے، اور اس پر اعتماد کرے،

امام صاحب کی تصنیفات کے ذکر مین ان تصنیفات کے ماخذ کا پتہ چلانا نہایت اہم اور دلچسپ کام ہے، امام صاحب کے زمانہ سے پہلے اگرچہ متاخرین کا دور شروع ہو چکا تھا، اور اون کی تصنیفات دنیاے اسلام مین پھیل چکی تھیں، تاہم قدما کی تصنیفات کا تمام ذخیرہ مفقود نہین ہو چکا تھا، اسلئے امام صاحب نے قدما و متاخرین دونوں کی کتابون سے فائدہ اٹھایا، اور دونون کے خیالات مین آمیزش پیدا کی، چنانچہ قفطی نے اخبار الحکما مین ان کی نسبت لکھا ہے،

وکان علمہ محتفظا من تصانیف ان کا علم قدما و متاخرین کی تصنیفات

صرف عبادات اور نکاح تک لکھی ہے تاہم وہ تین جلدون مین ہے، اسی طرح کتاب الطریقۃ العلائیہ ۴ جلدون مین، نہایۃ العقول ۲ جلدون مین، مطالب عالیہ ۳ جلدون مین، مباحث مشرقیہ ۲ جلدون مین ہے، اسکی وجہ یہ ہے، کہ امام صاحب جس موضوع پر لکھتے ہین، اس مین نہایت شرح و بسط سے کام لیتے ہین، اور ان سے پہلے اوس موضوع پر جو کچھ لکھا جا چکا ہے، ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہین، اس لئے لازمی طور پر ان کی تصنیفات اور ان تصنیفات کے طریقۂ بیان مین طوالت پیدا ہو جاتی ہے، اسی بنا پر لوگون نے ان کی کتابون کے نہایت کثرت سے خلاصے لکھے ہین،

افسوس ہو کہ امام صاحب کی بہت سی کتابین ناکمل رہین، تفسیر کبیر، شرح وجیز، شرح مفصل زمخشری، شرح سقط الزند، شرح نہج البلاغۃ، مطالب عالیہ، جامع کبیر، شرح کلیات قانون، کتاب التشریح، کتاب ابطال القیاس کے متعلق طبقات الاطباء وغیرہ مین لکھا ہو کہ امام صاحب نے ان کتابون کو ناکمل چھوڑ دیا، لیکن ان کتابون کے ناکمل چھوڑنے کے وجوہ و اسباب نہین معلوم ہوتے،

امام صاحب کے تعلقات چونکہ ہمیشہ امرار و سلاطین کے ساتھ رہے، اسلئے انھون نے متعدد کتابین امرار و سلاطین کے لئے لکھین، یا ان کی خدمت مین بھیجین، اور ان سے صلے حاصل کئے، چنانچہ اساس التقدیس، سلطان ابو بکر بن ایوب کے لئے لکھی، اور اوس نے اسکے صلہ مین امام صاحب کی خدمت مین ہزار دینار بھیجے، خود اس کتاب کے دیباچہ مین لکھتے ہین، کہ مین اگرچہ اقصائے بلاد مشرق مین رہتا ہون، لیکن مین نے سنا ہے، کہ اہل مشرق اور اہل مغرب کا اس پر اتفاق ہے، کہ سلطان ابو بکر بن ایوب حمایت دین مین تمام بادشاہون سے افضل و اکمل ہے، اسلئے مین نے چاہا کہ ایک پسندیدہ ہدیہ اسکی خدمت مین بھیجون، اور اس غرض سے باوجود دُوری مسافت

قفال کی نسبت ایک موقع پر لکھتے ہیں،

واعلم ان القفال رحمه الله	جاننا چاہئے کہ قفال رحمہ اللہ کا کلام
کان حسن الکلام فی التفسیر	تفسیر میں نہایت اچھا ہوتا ہے، اور
دقیق النظر فی تاویلات الالفاظ	وہ الفاظ کی تاویلات میں نہایت
الا انه کان عظیم المبالغة فی	دقیق النظر تھے، البتہ وہ معتزلہ کے مذہب
تقریر مذهب المعتزلة [۵۱]	اثبات میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے تھے،

ان کی تفسیر کا عقلی حصہ جو تطبیق معقول ومنقول سے تعلق رکھتا ہے، وہ حکماے اسلام کی تصنیفات سے ماخوذ ہے، چنانچہ اس تفسیر میں جابجا ان کے اقوال نقل کرتے ہیں، مثلاً:۔

وللحکماء فی تفسیر هذه الآیة	اس آیت کی تفسیر میں حکما نے ایک عجیب
کلام عجیب مفرع علی اصولهم [۵۲]	بات کہی ہے، جو ان کے اصول پر متفرع ہے
والقول الثانی فی تفسیر هذه	اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول
الآیة قول اصحاب النظر	اصحاب النظر اور ارباب المعقولات
ارباب المعقولات [۵۳]	کا ہے،
احتج حکماء الاسلام بهذه	حکماے اسلام نے اس آیت سے اس
الآیة علی ان العذاب الروحانی	بات پر استدلال کیا ہے، کہ عذاب روحانی
اشد واقوی من العذاب	عذاب جسمانی سے زیادہ قوی اور
الجسمانی [۵۴]	سخت ہے،

---

۵۱ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۹۹۔ ۴ ۵۲ تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۸۰۔ ۵۳ تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۴۰۰ ۵۴ تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۱۶۹،

المتقدمین والمتاخرین[1] سے ماخوذ تھا،

امام صاحب کی تصنیفات مختلف علوم و فنون مین ہین، اور ہر علم کی کتابون مین انھون نے ان لوگون کے خیالات و مسائل سے فائدہ اٹھایا جو ان کے دور سے پہلے اوس علم مین خاص طور پر امتیاز شہرت رکھتے تھے، مثلاً فلسفہ و حکمت مین انھون نے بو علی سینا اور فارابی کی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا چنانچہ قفطی نے ان کے حالات میں لکھا ہے، کہ انھون نے خراسان مین جا کر بو علی سینا اور فارابی کی تصنیفات سے واقفیت حاصل کی، اور ان سے ان کے علم مین بہت زیادہ اضافہ ہوا،[2] ابو البرکات بغدادی کی کتاب المعتبر سے بھی انھون نے خاص طور پر فائدہ اٹھایا ہے، اور جا بجا اپنی فلسفیانہ تصنیفات مین اس کا حوالہ دیا ہے، بلکہ شہرزوری کی تصریح کے مطابق امام صاحب نے حکما پر جو اعتراضات کئے ہین اکثر ابو البرکات بغدادی ہی سے ماخوذ ہین[3]، فن تفسیر مین عام مفسرین کی تفسیرون کے ساتھ خاص خاص عقلی مسائل مین انھون نے ابو مسلم اصفہانی المتوفی ۳۲۲ھ، ابو القاسم بلخی المتوفی ۳۰۹ھ، ابو بکر اصم اور قفال المتوفی ۳۶۵ھ کی تفسیرون سے فائدہ اٹھایا ہے اور یہ سب اگرچہ معتزلی ہین جنکو امام صاحب نے خاص طور پر معرکہ آرائی کیلئے منتخب کیا ہے تاہم بعض موقعون پر نہایت بے تعصبی کے ساتھ ان کی تعریف کی ہے مثلاً ایک آیت کی تفسیر کے متعلق ابو مسلم کا قول نقل کر کے لکھتے ہین،

وَهٰذَا الْقَوْلُ عِنْدِیْ حَسَنٌ	میرے نزدیک یہ قول عمدہ اور معقول ہے
معقول وابو مسلم حسن الکلام	اور ابو مسلم کا کلام تفسیر مین عمدہ ہوتا ہے
فی التفسیر کثیر الغوص علی الدقائق	اور وہ تہ مین ڈوب کر خوب لطائف
واللطائف[4]	ودقائق نکالتا ہے،

---

[1] اخبار الحکما قفطی صفحہ ۱۹۱ [2] اخبار الحکما قفطی ص ۱۹۰ [3] تاریخ الحکما شہرزوری قلمی ص ۱۱۰،

[4] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۶۶،

اسی طرح کامل شخص بھی اگر بذاتِ خود کامل ہے لیکن دوسروں کی تکمیل نہیں کر سکتا، تو بھی لوگ اولیا ہیں، اور اگر بذاتِ خود کامل ہونے کے ساتھ ناقصون کی تکمیل بھی کر سکتا ہے تو یہی لوگ انبیا ہیں، .... اور چونکہ نقصان وکمال اور کامل کرنے اور گمراہ کرنے کے مراتب کمیت وکیفیت کے لحاظ سے غیر متناہی ہیں، اس لئے ولایت اور نبوت کے مراتب بھی لازمی طور پر کمال ونقصان کے لحاظ سے غیر متناہی ہیں، اور ولی وہ انسان کامل ہے جو تکمیل کی قدرت نہیں رکھتا، اور نبی وہ انسان ہے، جو کامل بھی ہے، اور کامل بنا بھی سکتا ہے، پھر اوس کی روحانی طاقت کبھی صرف دو ناقص انسانون کی تکمیل کر سکتی ہے، اور کبھی اس سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے، اور دس اور سو آدمیوں کی تکمیل کر سکتی ہے، اور کبھی اوس کی یہ قوت اس قدر قوی ہوتی ہے، کہ وہ اثر کر سکتی ہے، جو سورج دنیا پر کرتا ہے، اس لئے وہ اکثر اہلِ عالم کی روحون کو مقامِ جہل سے مقامِ معرفت تک اور دنیا کی جستجو سے آخرت کی جستجو کی طرف لے جاتا ہے؛ اور یہ مثال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی ہے" اس خلاصہ کے نقل کرنے کے بعد امام صاحب لکھتے ہین، کہ "یہ اسرار عالیہ قرآن مجید کے الفاظ میں چھپے ہوئے ہیں، تو جو شخص قرآن مجید کے علم پر نظر ڈالتا ہے، اور ان سے غافل رہتا ہے، وہ علوم قرآن کے اسرار سے محروم رہتا ہے[۱]"

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم کی تفسیر میں حسد پر مختلف حیثیتون سے بحث کی ہے، اور اس بحث میں امام غزالی کی احیاء العلوم سے مباحث نقل کئے ہین، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہین، کہ امام غزالی کا قول ہے کہ حسد کے چار درجے ہین، دوسرے موقع پر لکھتے ہین، کہ شیخ غزالی نے حسد کے

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۳۳۳،

متاعِ خوش زہر دوکاں کہ باشد

اس بنا پر اگر تفسیر کبیر مین انھون نے رسائل اخوان الصفا سے مضامین اخذ کئے ہین، اور عوام کی بدگمانی کے خیال سے ان کا اخفا کیا ہے، تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہین، البتہ حکماے اسلام مین امام صاحب نے تفسیر کبیر کے مختلف مباحث مین امام غزالی کی تصنیفات سے خاص طور پر فائدہ اوٹھایا ہے، اور جا بجا ان کے نام کی تصریح کی ہے، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ مین جہان ستارے، چاند اور سورج کے ڈوبنے کا ذکر آیا ہے، اسکی تفسیر مین لکھتے ہین، کہ امام غزالی نے اپنی بعض کتابون مین فلسفیانہ روش اختیار کی ہے، اور کوکب کے لفظ کو ہر ستارے کی نفس ناطقہ حیوانیہ پر اور چاند کو ہر آسمان کی نفس ناطقہ پر، اور سورج کو ان سب کی عقل مجرد پر محمول کیا ہے، اور ابو علی بن سینا افول کے لفظ کی تفسیر امکان سے کرتا تھا، اسلئے امام غزالی کے خیال مین ان سب کے افول سے اون کا امکانِ ذاتی مراد ہے، اور ان کا خیال ہے کہ خداوند تعالی کے قول لا احب الآفلین سے مراد یہ ہے کہ یہ تمام چیزین بذات خود ممکن ہین، اور ہر ممکن کے لئے ایک موثر کی ضرورت ہے، جسکی انتہا، واجب الوجود کی طرف ہونی چاہئے، اگرچہ اس کلام مین کوئی مضائقہ نہین لیکن آیت کے لفظ کا اس پر محمول کرنا بعید ہے،[۵]

ایک موقع پر نبوت کی بحث میں لکھتے ہین، کہ "مین نے شیخ ابو حامد غزالی کے کلام مین ایک عمدہ بحث دیکھی، جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ انسان یا ناقص ہوگا یا کامل، یا نقصان و کمال دونون سے خالی ہوگا، پھر ناقص بذاتِ خود اگر ناقص ہے، اور دوسرے کے حالات کے ناقص بنانے کی کوشش نہیں کرتا، یا یہ کہ وہ بذات خود ناقص ہونے کے ساتھ دوسرون کے ناقص بنانے کی کوشش کرتا ہے، تو پہلا شخص گمراہ ہے، اور دوسرا گمراہ، اور گمراہ ساز،

---

[۵] تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۱۱۶،

وہ تفسیر کے مختلف مباحث میں ابن حزم ظاہری کی کتاب الملل والنحل سے بھی فائدہ اٹھا سکتے تھے، لیکن انھوں نے کسی موقع پر اس کتاب کا نام نہیں لیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب اون کے پیش نظر نہ تھی،

اصول فقہ میں ان کا ماخذ امام غزالی کی کتاب مستصفی اور ابو الحسین بصری کی کتاب معتمد ہے، چنانچہ اصول فقہ میں انھوں نے محصول انہی دونوں کتابوں کی مدد سے لکھی ہے، اور صفحے کے صفحے ان کی عبارتیں بلفظہ نقل کر دی ہیں[۵] لیکن اسی کے ساتھ امام صاحب کسی کی کورانہ تقلید نہیں کرتے بلکہ ہر مصنف اور کتاب کے متعلق اپنی ناقدانہ رائے رکھتے ہیں، اور مناسب موقعوں پر اپنی تنقیدی رائے کا اظہار کر دیتے ہیں، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہیں، کہ ایک دن مسعودی رحمہ اللہ میرے پاس نہایت فرحان وشادان آئے، تو میں نے ان کی اس مسرت کا سبب پوچھا، انھوں نے کہا کہ میں نے چند عمدہ کتابیں خریدی ہیں، اور اسی وجہ سے مجھ کو یہ مسرت حاصل ہوئی ہے میں نے ان کتابوں کا نام پوچھا تو انھوں نے بہت سی کتابوں کے نام بتائے، یہاں تک کہ جب شہرستانی کی کتاب الملل والنحل کا نام لیا تو میں نے کہا کہ اس کتاب میں انھوں نے اپنے خیال میں اہل عالم کے مذاہب کا حال بیان کیا ہے لیکن یہ کتاب معتبر نہیں ہے کیونکہ انھوں نے اسلامی مذاہب کا حال استاد ابو منصور بغدادی کی کتاب الفرق بین الفرق سے نقل کیا ہے، لیکن وہ مخالفین کے ساتھ سخت تعصب رکھتے تھے، اور ان کے مذاہب صحیح طور پر نقل نہیں کرتے تھے، اور شہرستانی نے اسلامی فرقوں کے حالات اسی کتاب سے نقل کئے ہیں، اس لئے ان مذاہب کے نقل کرنے میں خلل واقع ہوا ہے، رہے فلاسفہ کے حالات تو ان کے متعلق جامع کتاب صوان الحکمۃ ہے لیکن شہرستانی نے اس کتاب سے بہت کم نقل کیا ہے، مذاہب عرب کا حال انھوں نے

---

[۵] کشف الظنون جلد دوم ص ۳۹۲،

سات سبب بیان کئے ہین،[۱]

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ کی تفسیر مین لکھتے ہین، کہ شیخ غزالی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر مین ایک کتاب مشکوٰۃ الانوار کے نام سے تصنیف کی ہے، جس مین بیان کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ درحقیقت نور ہے، بلکہ نور صرف وہی ہے، اور ہم ان کے بیان کا خلاصہ بہت سے اضافون کے ساتھ جن سے ان کے بیان کی تائید ہوتی ہے نقل کرتے ہین، اس کے بعد بہ طریق انصاف ان کے بیان کی صحت اور فساد پر بحث کرین گے[۲]

امام غزالی کے متعلق مشہور ہے کہ انھون نے فن تفسیر مین یاقوت التاویل کے نام سے ایک ضخیم کتاب ۴۰ جلدون مین لکھی تھی، لیکن مولانا شبلی مرحوم نے الغزالی میں لکھا ہے، کہ "ہمارے تحقیقات کی رو سے یہ ایک فرضی نام ہے، اور امام صاحب نے بھی تفسیر کبیر مین کہین اس کے مضامین نہین نقل کئے ہین، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نام سے امام غزالی کی کوئی تفسیر موجود نہ تھی، ورنہ امام صاحب اس سے ضرور فائدہ اٹھاتے، ادبی حیثیت سے انھون نے زمخشری کی تفسیر کشاف کو پیش نظر رکھا ہے، بعض موقعون پر عبد القاہر جرجانی کا نام بھی لیا ہے لیکن اونکی اعجاز القرآن کا کہین نام نہیں لیتے، اسی طرح جاحظ نے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر جو کتاب لکھی تھی اوس کا کہین حوالہ نہین دیتے،

احکام القرآن یعنی قرآن مجید کے فقہی احکام کی تفسیر مین جو کتابین لکھی گئی تھین اون مین ابوبکر رازی کی کتاب کا اکثر ذکر کرتے ہین، اور چونکہ وہ حنفی ہین، اور شافعی فقہ کے خلاف آیاتِ احکام کی تفسیر کرتے ہین، اس لئے اکثر بڑے زور و شور سے ان کا رد کرتے ہین،

---

[۱] تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۶۶۹، ۶۷۰، [۲] رر جلد ۶ ص ۳۹۵،

غزالی نے بیان کی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے، اوس پر مسعودی برہم ہوئے، اور ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا[1]
ایک اور موقع پر لکھتے ہیں، کہ شرف مسعودی نے امام غزالی کی کتاب شفاء العلیل کا تذکرہ کیا،
اور اسکی بڑی تعریف کی، میں نے ان سے کہا کہ تم نے اخیر تک اسکا مطالعہ کیا ہے، اس پر انھوں نے توقف کیا، میں
نے کہا کہ اس کتاب میں بہت سی چیزیں قابل بحث ہیں جنمیں میں صرف دو باتوں کو بیان کرتا ہوں[2]
مسعودی نے اس کو سن کر کہا کہ میں مانتا ہوں کہ شفاء العلیل میں یہ فروگذاشتیں ہیں، لیکن مستصفیٰ
ان عیوب سے پاک ہے، میں نے کہا کہ میں ایک بار طوس میں گیا، تو لوگوں نے مجھکو امام غزالی کے حجرہ
میں ٹھہرایا، اور میرے پاس جمع ہوئے، میں نے کہا کہ تم لوگوں نے مستصفیٰ کے پڑھنے میں اپنی عمریں ختم
کر دی ہیں، تو تم میں اگر کوئی شخص اس پر قادر ہو کہ مستصفیٰ کے اوّل سے آخر تک کوئی دلیل بیان کرے
اور اس کو میرے سامنے خود امام غزالی کے بیان کے مطابق ثابت کرے، اور اس میں کوئی ایسی بات
نہ ملائے جو اوس سے الگ ہو، تو میں اس کو سو دینار دونگا، اس پر دوسرے روز ان میں کا ایک ذہین
آدمی جس کا نام امیر شرف شاہ تھا آیا، اور دار مغصوبہ میں نماز پڑھنے کے متعلق گفتگو کی، کیونکہ اس کے
خیال میں اس مسئلہ کے متعلق امام غزالی کا بیان نہایت پُر زور تھا، لیکن میں نے اوس سے کہا کہ اس مسئلہ
میں امام غزالی کا بیان نہایت ضعیف ہے[3]، اور جب میں نے اس کو ثابت کیا تو امیر شرف شاہ بالکل بند
ہوگیا، اور کہا کہ میرا خیال تھا، کہ جب میں آپ کے سامنے اس مسئلہ کو ثابت کردونگا، تو موعودہ سو دینار
لے لونگا، لیکن اب معلوم ہوا کہ ان سو دیناروں کا حاصل کرنا ناممکن ہے، میں نے مسعودی سے اس واقعہ
کو بیان کیا، تو وہ اور پریشان ہوئے، پھر میں نے ان سے کہا کہ میں تمھارے سامنے مستصفیٰ کا ایک اور
تحفہ پیش کرتا ہوں[4]، یہ تحفہ چند اعتراضات کا ہے، جو امام غزالی پر کئے ہیں، اور ان اعتراضات کے بعد
لکھتے ہیں، کہ جب مسعودی نے یہ اعتراضات سُنے تو بہت لال پیلے ہوئے، اور اُن سے کوئی جواب بن نہ آیا[5]

---

[1] مناظرات امام رازی ص ۲۵، ۲۶ [2] ص ۲۶، [3] ص ۲۸، [4] ص ۲۹، [5] ص ۳۰،

جاحظ کی کتاب ادیان العرب سے نقل کیا ہے، البتہ جو چیز شہرستانی کی ملل ونحل کی خصوصیات مین ہے، وہ وہ چار فصلیں ہین، جن کو حسن بن محمد الصباح نے فارسی زبان مین لکھا ہے، اور ان کو شہرستانی نے عربی میں نقل کیا ہے، مسعودی نے یہ بات سُنی تو کہا کہ ان چارون فصلون کی تردید امام غزالی نے واضح دلائل سے کردی ہے، آپ نے اس کے متعلق امام غزالی کی بحث دیکھی ہے، مین اس بحث کو دیکھ چکا تھا اور اس کو پسند کرچکا تھا، اس لئے مین نے کہا کہ مین نے اس کو دیکھا ہے انھون نے کہا کہ وہ کتاب میرے پاس ہے، مین لاتا ہون تاکہ آپ اُس کا مطالعہ کرین، اور امام غزالی کی بحث کی قوت کو دیکھین، مین نے کہا کہ اس کتاب کی ضرورت نہیں لیکن انھون نے اس کے لانے اور مطالعہ کرنے پر اصرار کیا اور اپنے کتب خانہ سے وہ کتاب نکال لائے، اور سب سے پہلے حسن صباح کی یہ فارسی عبارت نقل کی :-

"عقل پسندیدہ است در معرفتِ حق یا پسندیدہ نیست، اگر پسندیدہ است، پس کسے را بعقلِ خویش باز باید گذاشت، واگر پسندیدہ نیست پس ہر آئینہ از معرفتِ حق معلمے باید"

امام غزالی نے اپنی کتاب مین اس عبارت کو نقل کرکے اوس کا معارضہ اس طرح کیا ہے :-

"دعویٰ پسندیدہ است پس قبولِ یک دعویٰ اولیٰ ترنیست از قبول ضد آن واگر دعویٰ پسندیدہ نیست، پس ہر آئینہ عقل باید"

اور جب مسعودی نے اس عبارت کو دیکھا، تو ان کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا اور کہا کہ یہ کلام کس قدر عمدہ اور کس قدر دقیق ہے، مین اس پر خاموش رہا، تو انھون نے پوچھا کہ آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہین، ؟ مین نے کہا کہ حسن صباح کا قول اگرچہ باطل ہے، لیکن جو وجہ امام

توڑا اور فلسفہ وحکمت کے دقیق سے دقیق مسائل کو ایسے آسان الفاظ مین بیان کیا، کہ معمولی استعداد کا آدمی بھی ان کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، یہی طرز تھا جس کو امام غزالی کے بعد امام رازی نے اور زیادہ ترقی دی اور فلسفہ وحکمت کو بازیچۂ اطفال بنا دیا[1]

امام صاحب کی تصنیفات کی روزانہ مقدار جو تفسیر کبیر کی بعض سورتون کی تفسیر سے معلوم ہوتی ہے، نہایت حیرت انگیز ہے، مثلاً سورۂ انفال کی تفسیر کے خاتمہ مین لکھتے ہین، کہ اس سورہ کی تفسیر رمضان سنہ ۶۰۱ھ میں اتوار کے دن تمام ہوئی[2] اس کے بعد سورہ توبہ کی تفسیر شروع کی ہے، اور اس کے خاتمہ مین لکھا ہے، کہ "اس سورہ کی تفسیر سے ۱۴ ر رمضان سنہ ۶۰۱ھ میں جمعہ کے دن فراغت حاصل ہوئی[3]" اور اس سورہ کی تفسیر مصری چھاپے میں ۱۹۲ صفحون مین تمام ہوئی ہے، اور ہر صفحہ میں ۳۱ سطرین ہین جن کا خط نہایت باریک ہے، اس لحاظ سے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ رمضان کی پہلی تاریخ اتوار کے دن پڑی تھی، تو سورہ توبہ کی تفسیر مین ۱۴ دن یعنی صرف دو ہفتے صرف ہوئے، اور اس حساب سے اگر ۱۹۲ صفحوں کو ۱۴ دن پر تقسیم کیا جائے، تو تصنیف کی روزانہ مقدار تقریباً ۱۴ صفحے ہوتی ہے، اور یہ ایک ایسی مقدار ہے، کہ عام طور پر لوگ روزانہ ۱۴ صفحے کی کتابت بھی بہ مشکل کر سکتے ہین

سورہ مومن کی تفسیر ۲ ر ذیحجہ سنہ ۶۰۳ھ مین شہر ہرات مین تمام کی ہے[4] اس کے بعد سورہ حم السجدہ کی تفسیر شروع کی ہے، جو ۴ ر ذیحجہ سنہ ۶۰۳ھ کو ظہر کے وقت تمام ہوئی ہے[5] اس سورہ کی تفسیر ۴۰ صفحون میں تمام ہوئی ہے، جو صرف ۲ روز میں لکھی گئی ہے، اور اس حساب سے تصنیف کی روزانہ مقدار ۲۰ صفحے ہوتی ہے، جو پہلے سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے، اگرچہ بعض اوقات اس مقدار مین غیر معمولی کمی بھی واقع ہوئی ہے، مثلاً سورۂ یوسف کی تفسیر ۷ ر شعبان سنہ ۶۰۱ھ مین تمام کی ہے[6] اور اس کے بعد سورہ رعد کی تفسیر شروع کی ہے، جو ۱۰ ر شعبان سنہ ۶۰۱ھ میں تمام ہوئی جو

[1] الغزالی ص ۱۲۰۔ [2] تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۵۹۵۔ [3] ،، ص ۶۴۴۔ [4] ،، جلد ۷ ص ۳۲۵۔ [5] ،، ص ۳۸۲۔ [6] ،، جلد ۵ ص ۲۵۸۔ [7] ،، ص ۳۱۳۔

امام صاحب کی تصنیفات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ ان کی وجہ سے مسلمانون کی علمی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، کیونکہ امام صاحب نے تصنیف و تالیف مین ایک خاص جدت پیدا کی، اور تصنیفات کے مرتب کرنے کا ایک نیا انداز قائم کیا، چنانچہ ابن خلکان نے امام صاحب کے حالات مین لکھا ہے، کہ

وَهُوَ اَوَّلُ مَنِ اخْتَرَعَ هٰذَا التَّرْتِيْبَ	وہ پہلے شخص ہین، جس نے اپنی کتابون
فِيْ كُتُبِهٖ وَاَتٰى فِيْهَا بِمَا لَمْ	میں یہ ترتیب ایجاد کی، اور ان مین ایسی
يُسْبَقْ اِلَيْهِ،[1]	باتین بیان کین، جن کو اس سے پہلے کسی
	نے بیان نہیں کیا تھا،

اس بنا پر قدما، کے بعد تصنیف و تالیف کا جو نیا انداز قائم ہوا، اس کا پہلا خاکہ امام صاحب ہی نے قائم کیا، اور امام صاحب کے بعد لوگون نے اس کی تقلید کی، امام صاحب کی تصنیفات کی بدولت دوسرا علمی انقلاب یہ پیدا ہوا کہ امام صاحب کے زمانہ تک قدما، کی کتابیں دنیاے اسلام مین متداول تھین، لیکن امام صاحب کی تصنیفات نے جو حسن قبول حاصل کیا اوسکی وجہ سے لوگوں نے قدما، کی کتابیں بالکل چھوڑ دین[2]، اس بنا پر امام صاحب کے بعد علوم اسلامیہ کا جو نیا دور شروع ہوا، وہ امام صاحب ہی کا پیدا کیا ہوا ہے، اور علم کلام اور فلسفہ میں متاخرین کا ماخذ درحقیقت امام صاحب ہی کی تصنیفات ہین،

امام صاحب کی تصنیفات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ وہ مشکل سے مشکل مسائل کو اس قدر سہل اور آسان طریقے سے بیان کرتے ہین، کہ ایک بچہ کو بھی ان کے سمجھنے مین دقت پیش نہیں آتی، امام صاحب کی تصنیفات زیادہ تر فلسفہ اور علم کلام مین ہین، اور امام صاحب سے پہلے فلسفہ اور حکمت کے مسائل نہایت پیچیدہ اور دقیق الفاظ مین بیان کئے جاتے تھے، سب سے پہلے امام غزالی نے اس طلسم کو

---

[1] ابن خلکان جلد اول ص ۴۷۴ [2] طبقات الشافعیہ جلد ۵ صفحہ ۳۵ و ابن خلکان جلد اول ص ۴۷۴،

اوقات میں یہ مشغلہ جاری رہتا تھا، چنانچہ سورۂ نحل کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ اس سورہ کی تفسیر منگل کی رات کو عشاء کے بعد متدل زمانہ میں ختم ہوئی[۱] سورۂ بنو اسرائیل کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ اس سورہ کی تفسیر منگل کے دن ظہر اور عصر کے درمیان تمام ہوئی[۲] سورۂ صافات کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہیں، کہ اس سورہ کی تفسیر جمعہ کے دن چاشت کے وقت ختم ہوئی[۳] سورۂ حم کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہیں، کہ اس سورہ کی تفسیر ظہر کے وقت ختم ہوئی[۴]۔

امام صاحب کی تصنیفات کی سب سے بڑی خصوصیت استقصار و جامعیت ہے، وہ ہر مسئلہ پر نہایت سیر حاصل بحث کرتے ہیں، اور اس مسئلہ پر جس قدر دلائل و براہین اور اعتراضات و جوابات ہوتے ہیں، سب کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں، اور اس میں رطب و یابس کی کوئی تمیز نہیں کرتے، مولانا شبلی مرحوم خاص طور پر ان کی تفسیر کبیر کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اگرچہ جیسا کہ ان کا عام انداز ہے وہ وسعت بیان اور تبحر علمی کی رو میں رطب و یابس کی تمیز نہیں کرتے، اور سینکڑوں ایسی اوچھی اور سرسری باتیں لکھ جاتے ہیں، جو ان کے رتبہ کے بالکل شایان نہیں ہوتیں، تاہم ان حشو و زوائد کے ساتھ سیکڑوں ایسے دقیق اور معرکۃ الآرا مسائل حل کئے ہیں، جن کا کسی اور کتاب میں نام و نشان بھی نہیں ملتا[۵] لیکن یہ تفسیر کبیر ہی کی خصوصیت نہیں، بلکہ ان کا یہ عام انداز بیان ہے اور اسی انداز بیان نے فقہاء اور محدثین کو ان سے بہت زیادہ بدگمان کر دیا، چنانچہ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان کی نسبت لکھتے ہیں، کہ وہ ذہانت اور عقلیات کے سردار ہیں، لیکن وہ حدیث سے بالکل بے بہرہ ہیں، اور ان مسائل پر جو دین کے ستون ہیں، انھوں نے ایسے شبہات وارد کئے ہیں، جن سے حیرت پیدا ہوتی ہے[۶]

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا ہے، کہ علم کلام اور اصول فقہ میں ان کی کتابیں مشہور

۱؎ تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۵۴۰ ۲؎ ″ ص ۶۰۲ ۳؎ ″ جلد ۷ ص ۱۰۲ ۴؎ ″ ص ۳۰۴ ۵؎ الکلام ص ۷۰ ۶؎ میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۲۴

یعنی اس سورۃ کی تفسیر مین گیارہ دن صرف ہوئے ہین اور اسکے صفحات کی تعداد ۵۵ ہے، اس حساب سے اس سورۃ کی تصنیف کی روزانہ مقدار صرف ۵ صفحہ ہے تاہم اگر انکی تصنیفات کے صفحات کی مجموعی تعداد کو انکی زندگی کے دنوں پر تقسیم کیا جائے، تو انکی تصنیفات کی روزانہ مقدار غیر معمولی ہو گی،

امام صاحب کی تصنیف و تالیف کا زمانہ نہایت بے اطمینانی اور پریشانی کی حالت میں گذرا ہے، اور تفسیر کبیر مین انھون نے جابجا اپنی پریشانیون اور بے اطمینانیون کا اظہار کیا ہے، مثلاً سورۃ یونس کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہین کہ مین نے رجب ۶۰۱ھ میں اس سورہ کی تفسیر ختم کی، اور فرزند صالح محمد کی وفات سے تنگدل اور غمزدہ تھا[۱]، سورہ یوسف کے خاتمہ مین بھی یہی رونا روئے ہین[۲]، طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کی وجہ سے بھی بے اطمینانی اور پریشانی رہتی تھی، لیکن ان پریشانیون کے باوجود بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اور اس کے لئے سفر و حضر کی کوئی تخصیص نہ تھی، چنانچہ تفسیر کبیر میں بہت سی سورتون کی تفسیریں سفر ہی کی حالت مین لکھی ہیں، اوران سورتون کے خاتمہ میں اسکی تصریح کر دی ہے اور اپنی پریشانی اور بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے، سورہ انفال کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہین کہ مین نے اس سورہ کی تفسیر ایک گاؤں مین ختم کی جو بغدان کے نام سے مشہور تھا، اور مین خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خوف و ہراس، زمانہ کی سختی اور ظالموں کے داؤں گھات سے نجات دے[۳]، سورہ ابراہیم کی تفسیر کے خاتمہ مین لکھتے ہین کہ اس سورہ کی تفسیر صحرائے بغداد میں تمام ہوئی، اور مین خدا سے دعا کرتا ہون کہ رنج وغم سے نجات دے[۴]، سورہ بنو اسرائیل کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھا ہے، کہ اس سورہ کی تفسیر شہر غزنین مین تمام ہوئی[۵]، سورۂ کہف کی تفسیر بھی غزنین ہی مین لکھی[۶]، تصنیف و تالیف کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا، بلکہ رات دن کے مختلف

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۵۰ [۲] رر ص ۲۵۰ [۳] رر جلد ۴ ص ۵۸۱، [۴] رر جلد ۵ ص ۳۶۲،
[۵] رر ص ۶۶۲، [۶] رر ص ۶۹۲،

قرار دیتے ہین، لکھتے ہین، کہ مین ایک علم دوست آدمی تھا، اور ہر چیز کے متعلق خواہ وہ حق ہو یا باطل، نیک ہو یا بد، کچھ نہ کچھ لکھا کرتا تھا، مین نے جو علمی کتابین تصنیف کین، اور ان مین قدماء پر کثرت سے جو اعتراضات کئے، ان کو جو شخص دیکھے، اور وہ اس کو پسند آئین، تو وہ مجھکو اپنی دعاؤن سے احسان کے طور پر یاد کرے، ورنہ برے قول کو حذف کردے، کیونکہ میرا مقصد صرف تکثیر بحث اور تشحیذ خاطر تھا"۔ اس بنا پر اونھون نے اپنی تصنیفات مین جو کچھ لکھا ہے، اوس کو مذہبی حیثیت دینا، اور اُن کو ان کے عقائد مین شمار کرنا سخت غلطی ہے، ان کے مذہب اور عقیدہ کی بنیاد علم کلام اور فلسفہ پر قائم نہ تھی، بلکہ خود حافظ ابن حجر نے لکھا ہے، کہ "علم کلام میں ماہر ہونے کے باوجود وہ کہا کرتے تھے، کہ جو شخص بوڑھی عورتون کے مذہب کا پابند ہو وہی کامیاب ہے[1] یعنی انکے نزدیک مذہب کو دلیل کے بغیر ماننا چاہئے،

---

[1] لسان المیزان جلد ۴ ص ۴۲۷،

دارالاشاعت سیاسیہ کا قیام

"دارالاشاعت سیاسیہ" دکن کے مایۂ ناز مدبرین کے زیر سرپرستی قائم کیا گیا ہے، علاوہ دیگر مقاصد کے اسوقت کارکنان ادارہ کے پیش نظر سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ایسا اسلامی سیاسی لٹریچر پیش کریں جس کا تعلق ملکی سیاست سے ہو، جس سے نوجوانوں کے جذبات کی صحیح تربیت ہو، اور ساتھ ہی ساتھ وہ ملکی سیاست کو سمجھ کر اپنی بھلائی اور برائی مین تمیز کر سکین، اس مقصد کی تکمیل کیلئے ادارہ کو دیگر ملکی مدبرین کے اشتراک اور تعاون کی سخت ضرورت ہے، لہذا ہم آپ سے متمنی ہین، کہ آپ ہمین اپنے مفید مشورون سے مستفید فرمائین، اور ساتھ ہی ساتھ اس سے بھی مطلع فرمائین کہ حالات حاضرہ کے تحت کس قسم کی کتاب کی اشاعت کی ضرورت ہے، کارکنان دارالاشاعت آپ سے متوقع ہین کہ جلد از جلد اپنی صائب رائے سے مطلع فرمائینگے آپ کی رای بالکل آزادانہ اور مدلل ہونی چاہئے جملہ خط و کتابت مندرجۂ ذیل پتہ پر فرمائی جائے؛

مینیجنگ ڈائرکٹر دارالاشاعت سیاسیہ حیدرآباد دکن

اور متداول ہین، اور ان کی بعض باتین قابلِ قبول اور بعض باتین قابلِ تردید ہین، ان پر یہ الزام لگایا جاتا تھا، کہ وہ اعتراضات تو نہایت قوی کرتے ہین، لیکن ان کے جوابات مین کوتاہی کرتے ہین، یہان تک کہ بعض مغربیون نے کہا ہے کہ ان کے اعتراضات تو نقد ہوتے ہین اور جوابات ادھار، ابن دحیہ نے ان کا تذکرہ مدح و ذم دونون کے ساتھ کیا ہے، اور ابن شامہ نے ان کی بہت سی بری چیزین نقل کی ہین، نجم طوفی نے اکسیر فی علم التفسیر مین لکھا ہے، کہ مین نے قرطبی اور امام فخرالدین کی تفسیر سے علمِ تفسیر کی جامع تر اور کوئی تفسیر نہین دیکھی، لیکن امام فخرالدین کی تفسیر مین عیوب بہت زیادہ ہین، چنانچہ سراج الدین مغربی نے دو جلدون مین ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ماخذ ہے، اور اس مین تفسیر کبیر کی غلطیان اور کمزوریان دکھائی ہین، وہ امام رازی پر سخت اعتراضات کرتے تھے، اور کہتے تھے، کہ وہ مخالفین مذہب کے اعتراضات تو نہایت تحقیق کے ساتھ بیان کرتے ہین، پھر اہلسنت کے مذہب کو نہایت کمزور طریقہ پر پیش کرتے ہین، طوفی کا قول ہے کہ فلسفہ اور علم کلام کی کتابون مین ان کی عام روش یہی ہے، اس لئے بعض لوگون نے ان پر اتہام لگایا ہے لیکن یہ بات ان کے ظاہری حالات کے مخالف ہے، کیونکہ اگر وہ کسی خاص قول اور مذہب کو اختیار کرتے، تو ان کو اس کے اظہار مین کس کا ڈر تھا، غالباً اس کی وجہ یہ تھی، کہ وہ فریق مخالف کی دلیل کے اثبات مین تمام اقوال ختم کر دیتے ہین، پھر جب اپنی دلیل کے اثبات پر آتے ہین، تو ان کی قوت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ روحانی طاقتین جسمانی طاقتون کی تابع ہوتی ہین، خود امام رازی سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ حدوثِ عالم پر مجھے سو اعتراضات ہین۔[1]

لیکن واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنی تصنیفات مین جو کچھ لکھا ہے، محض علمی حیثیت سے لکھا ہے، چنانچہ اپنے وصیت نامہ مین جس کو خود حافظ ابن حجر اون کے حسنِ اعتقاد کی دلیل

---

[1] ملخص از لسان المیزان جلد ۴ ص ۴۲۷، ۴۲۸،

"عورت مرد کا لباس نہ پہنے، اور مرد عورت کی پوشاک نہ پہنے، کیونکہ تیرا خدا اُن سب سے جو ایسا کرتے ہین، نفرت رکھتا ہے،" (استثنار۔ ۲۲)

۲۵۔ مَنْ بَدَّلَ دِینَہٗ فَاقْتُلُوہُ جو اپنے دین کو بدل دے اسکو قتل کرو

(بخاری) (حدیث)

"اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے گا، جان سے مارا جائے گا،" (احبار۔ ۲۴)

۲۶۔ فیما سَقَت السَّمَاء والعیُون آسمان کے پانی اور چشموں سے جو پیدا وار

او کانَ عثریًا العشر، ہو اوس میں دسوان حصّہ!

(بخاری) (حدیث)

"تو اپنے غلّہ مین سے جو سال بہ سال تیرے کھیتون مین حاصل ہوتا ہے، دسوان حصّہ وفاداری سے جدا کیجیو،" (استثنار ۱۴)

۲۷۔ "ابو داؤد کی روایت ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتین چالیس دن ورات نفاس کی وجہ سے بیٹھتی تھین،" (حدیث)

"بنی اسرائیل کو کہہ جو عورت کہ حاملہ ہو اور لڑکا جنے تو وہ سات دن جیسے حیض کے دنون مین وہ رہتی ہے، ناپاک ہوگی، اور آٹھوین دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے، اور بعد اس کے وہ لہو سے اپنے پاک کرنے مین تینتیس دن ٹھہری رہے، اور کسی مقدس چیز کو نہ چھوئے" (احبار۔ ۱۲)

۲۸۔ "جو آزاد مرد یا عورت نکاح سے فائدہ اٹھا چکے ہون یعنی مجامعت کی نوبت آچکی ہو، اور پھر وہ زنا کرین، تو حسب تصریح احادیث ان کو سنگسار کیا جائیگا،"

(حدیث)



بائبل قرآن اور حدیث میں

از

جناب مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین

(۲)

۲۲- سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن القزع (بخاری)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع کیا کرتے تھے، کہ بچہ کے سر کا بعض حصہ مونڈا جائے، اور بعض چھوڑ دیا جائے (حدیث)
"تم اپنے سروں کے گوشے مت مونڈو"	(احبار ۔ ۱۹)
۲۳- لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ، (بخاری)	خدا نے لعن کیا مصنوعی بال بنانے والی اور بنوانے والی پر، گودنے والی، اور گدوانے والی پر! (حدیث)
"اور اپنے اوپر گودنے سے نشان نہ دو"	(احبار ۱۹)
۲۴- لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال، (بخاری)	خدا نے لعنت کیا، اُن مردوں پر، جو عورتوں سے مشابہت کرتے ہیں، اور ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت کرتی ہیں، (حدیث)

سے بھری ہیں اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو، پر باطن میں ریاکاری اور شرارت سے بھرے ہو!

(متی - ۲۳)

۳۱- وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ
يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ
بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے، اور پھر اس شخص کی زندگی کے دشمن بن جاتے ہیں، جو ان کو عدل اور نیکی کی بات سکھائے! تو ان کو دردناک سزا کی خوشخبری سنا دے!

(آل عمران ۳) (قرآن)

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس، کیونکہ نبیوں کی قبریں بناتے، اور راستبازوں کی گوریں سنوارتے ہو اور کہتے ہو، کہ اگر ہم اپنے باپ دادوں کے دنوں میں ہوتے، تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے، اس طرح تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو، پس اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھر دو، اے سانپو، اور اے سانپوں کے بچو، تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے۔!

(متی - ۲۳)

۳۲- يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ
الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا
بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ

اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کئے، اور تم پورا کرو میرا قرار، تو میں پورا کروں تمہارا قرار،

(بقرہ - ۵) (قرآن)

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ

اور خدا نے کہا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز قائم کیا، اور زکوٰۃ دیا، اور

"اگر کوئی مرد شوہر والی عورت سے زنا کرتے پایا جائے، تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں"

(استثنار ۲۲)

۲۹- جو آدمی کسی عراف کے پاس آئے، اس کی چالیس راتوں کی عبادت نہ قبول ہو گی، (مسلم) (حدیث)

"تم میں سے کوئی پایا نہ جائے جو اپنے بیٹے یا بیٹی کو آگ میں گذر کروائے، یا غیب گو، یا نجومی یا فال کھولنے والا، یا ڈائن یا منتر پڑھنے والا ہو، .... نہ رمّال اور نہ ساحر،

(استثناء ۱۸)

تاریخ

۳۰- لُعِنَ الذین کفروا مِن بنی اسرائیل علیٰ لسان داؤد وعیسیٰ ابن مریم، — بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے کفر کیا اُن پر داؤد اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبان سے لعنت کی گئی،

(قرآن)

"اے میرے لوگو سنو کہ میں تجھ پر گواہی دون گا، اے اسرائیل اگر تو میری سُنے گا، تو تیرے درمیان کوئی دوسرا معبود نہ ہو، تو کسی اجنبی کو سجدہ نہ کرنا، خداوند تیرا خدا میں ہوں جو تجھے مصر کی سرزمین سے باہر لایا، اپنا منہ کھول کہ اُسے بھر دون گا، پر مرے لوگوں نے میری آواز پر کان نہ دھرا، اور اسرائیل نے مجھے نہ چاہا، تب میں نے اُن کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا،" (زبور ۸۱)

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس کہ تم سفید کی پھیری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، پر بھیتر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی ناپاکی

اس شریر پشت کے لوگوں میں سے ایک بھی اس اچھی زمین کو جس کو دینے کا وعدہ میں نے اُن کے باپ دادوں سے قسم کھا کے کیا تھا، نہ دیکھے گا۔ (استثنا، ۱)

"اور تمھارے لڑکے اس دشت میں چالیس برس تک بیابان میں بھٹکتے پھرینگے (گنتی ۱۴)

۳۵- وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ، اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا،
(بقرہ) (قرآن)

اور تیری بدلی اُن پر رہتی ہے،" (گنتی ۱۴)

۳۶ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ، (بقرہ) سو اب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف، اور مار ڈالو اپنی اپنی جان
(قرآن)

"اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو، اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے" (خروج ۳۲)

۳۷- فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ، (بقرہ) تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر، سو بہ نکلے اس سے بارہ چشمے، پہچان لیا، ہر قوم نے اپنا گھاٹ،
(قرآن)

"تب موسیٰ نے اپنا ہاتھ اٹھایا، اور اس چٹان کو دو بار اپنی لاٹھی سے مارا تو بہت پانی نکلا، اور جماعت نے اور ان کے چارپایوں نے پیا" (گنتی ۲۰)

۳۸- إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ وہ ایک گائے ہے محنت کرنے والی نہیں کہ جوتتی ہو زمین کو، یا پانی دیتی ہو کھیتی کو

آمَنتُم بِرُسُلِی، میرے نبیوں پر ایمان لائے،

(مائدہ) (قرآن)

"اگر تم میری شریعتوں پر چلوگے، اور میرے حکموں کو حفظ کروگے، اور اُن پر عمل کروگے ...... میں تمھاری طرف توجہ کرونگا، اور تمھیں برومند کرونگا، اور میں تم کو بڑھاؤنگا اور اپنا عہد تم سے قائم کرونگا،

(احبار۔ ۲۶)

۳۳۔ قَالُوا یَا مُوسیٰ اِنَّ فِیھَا قَوماً جَبَّارِینَ وَاِنَّا لَن نَّدخُلَھَا حَتّیٰ یَخرُجُوا مِنھَا (مَائدہ)

بولے اے موسیٰ وہاں ایک قوم ہے زبردست اور ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، یہاں تک کہ وہ نکل جائیں اس میں سے!

(قرآن)

"اور بولے کہ یہ زمین جس کی جاسوسی میں ہم گئے تھے، ایک زمین ہے جو اپنے بسنے والوں کو نگلتی ہے، اور سب لوگ جنھیں ہم نے وہاں دیکھا بڑے قدآور ہیں، اور ہم نے وہاں جبّاروں کو یعنی بنی عناق کو جو جبّاروں کی نسل سے ہیں دیکھا،"

(گنتی ۱۳)

ہم کہاں چڑھیں ہمارے بھائیوں نے تو یوں کہہ کے بیدل کر دیا، کہ وہ لوگ تو ہم سے بڑے اور لمبے ہیں،

(استثنار ۱)

۳۴۔ قَالَ فَاِنَّھَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیھِم اَربَعِینَ سَنَۃً یَتِیھُونَ فِی الاَرضِ (مائدہ)

فرمایا تحقیق وہ زمین حرام کی گئی اُن پر چالیس برس سر مارتے پھریں گے ملک میں،

(قرآن)

"تب خداوند نے تمھاری باتیں سنیں، اور غصہ ہوا، اور قسم کھاکے یوں بولا، کہ یقیناً

۴۲۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ — تمام کھانے بنی اسرائیل کے لئے حلال
اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ — تھے، مگر وہ جن کو اسرائیل نے تورات
عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ — نازل ہونے سے قبل اپنے اوپر خود حرام
التَّوْرٰىةُ، (آل عمران) — کر لیا تھا، (قرآن)

"تم بنی اسرائیل سے کہو، سب چارپایوں میں سے جو زمین پر ہیں، اور تمھیں ان کا کھانا روا ہے، یہ ہیں،" (احبار ۱۱-۲)

اس کے بعد جانوروں کی تفصیل ہے، اس سے معلوم ہوا، کہ تورات نازل ہونے سے پیشتر وہ جانور حلال تھے،

۴۳۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا — اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور
كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ (انعام) — حرام کیا، (قرآن)

"مگر اُن میں سے جو جگالی کرتے ہیں، یا کھر اُن کے چرے ہوئے ہیں، اُن کو نہ کھاؤ" (احبار ۱۱)

۴۴۔ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ، (هود) — لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا، (قرآن)

"اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دیا" (پیدائش ۱۸)

۴۵۔ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ — اور ان کی مثال انجیل میں مثل اُس
اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ — کھیتی کے ہے جس نے اپنا ڈنٹھل نکالا،
فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ — پھر اوس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹا
الزُّرَّاعَ، (فتح) — ہوا پھر اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر کاشتکاروں

لَاشِيَةَ فِيهَا، بے عیب ہے، کوئی داغ اس میں نہیں!

(بقرہ) (قرآن)

"ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو، اور جس پر کبھی جُوا نہ رکھا گیا ہو،

(گنتی ۱۹)

۳۹۔ وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً،

اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا، ان کو اور دس سے پوری ہو گئی مدت تیرے رب کی چالیس راتیں

(اعراف) (قرآن)

"اور وہاں چالیس دن رات خداوند کے پاس تھا" (خروج ۳۴)

۴۰۔ فَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ، اور ڈال دیں وہ تختیاں،

(اعراف) (قرآن)

"تب موسیٰ کا غضب بھڑکا، اور اوس نے تختے اپنے ہاتھوں سے پھینک دیے!

(خروج ۳۲)

۴۱۔ نُودِيَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى، (طٰہٰ)

آواز آئی اے موسیٰ میں ہوں تیرا رب اتار ڈال، اپنی جوتیاں، تو ہے پاک میدان میں طُویٰ میں، (قرآن)

"تو خدا نے اُسے بُوٹے کے اندر سے پکارا اور کہا کہ اے موسیٰ، وہ بولا میں یہاں ہوں تب اُس نے کہا، یہاں نزدیک مت آ، اپنے پاؤں سے جوتا اتار، کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے، مقدس زمین ہے،! (خروج ۳)

تلخیص و تبصرہ

مسجد کورا اور آمدی کے کھنڈرات

پندرہوین صدی عیسوی کے اوائل مین جب بنگال پر خود مختار پٹھانون کی حکومت تھی، پٹھان خاندان کے کچھ جانباز امراء نے ایک مختصر جماعت کیساتھ بنگال کے جنوبی حصہ کو فتح کرنے اور وہان مسجدین بنانے کی ٹھانی، یہ پورا خطہ قریب قریب سندربن سے گھرا ہوا تھا، ان جانبازون مین بارہ فقراء اور درویش بہت نمایان تھے، جنھون نے موجودہ جسور سے دس میل کے فاصلہ پر شمال کی سمت بارہ بزار مین غالباً سب سے پہلے بود و باش اختیار کی، ان بارہ درویشون مین سب سے زیادہ با اقتدار سردار خان جہان علی عرف خانجہ علی تھا، جس نے ضلع کھلنا اور جسور خصوصاً ضلع کھلنا کی تحصیل بگرہٹ مین اپنے مذہبی جذبات اور ہمدردی کی یادگارین مسجدون، عمارتون اور حوضون کی شکل مین جابجا چھوڑی ہین، بگرہٹ کے مقبرہ پر اس کا نام الغ خان تحریر ہے، وہ اپنے کو ناصرالدین محمود شاہ بنگال کا نائب سمجھتا تھا، اسی لئے اس جگہ کا نام اوس نے خلیفۃ آباد رکھا تھا، وہ عابد شب زندہ دار، مسلمانون کا مددگار، مذہب کا جان نثار اور بڑا جنگ آزمودہ سپاہی بھی تھا، اس نے ناصرالدین محمود شاہ بنگال (۱۴۴۲-۵۹) کے زمانہ مین سندربن کو صاف کیا جس کا آخر مین صوبہ دار مقرر کیا گیا، ڈھاکہ مین جہان پروفیسر بلوک مین (Blochmann) کے خیال کے مطابق اوس نے مسجد کا دروازہ بنوایا تھا، اس دروازہ پر اسکی وفات کی تاریخ ۱۴۵۹ء

کو متعجب کرنے لگا، (قرآن)

"آسمان کی بادشاہت خردل کے دانہ کے مانند ہے، جسے ایک شخص نے لیکے اپنے کھیت میں بویا وہ سب بیجوں میں چھوٹا ہے، پر جب اُگتا ہے، تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے،" (متی ۱۳)

۴۶- وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ، (انبیاء-۷)

اور البتہ ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے، (قرآن)

"صادق زمین کے وارث ہوں گے اور ابد تک اس پر بسیں گے" (زبور ۹)

مینار اب تک موجود ہیں،

خان جہان نے دریاے کبدک کے کنارے بوڑھا خان کے مکان کے پاس نوگنبد کی ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی، دونوں خانوں کے انتقال کے بعد پھر جنگل نے بڑھتے بڑھتے چاروں طرف سے آمدی کو گھیر لیا، اب جنگلات کی صفائی کے سلسلہ میں یہ پرانی مسجد نکلی ہے، اور اس جگہ کا نام مسجد کور رکھا گیا ہے،

یہ مسجد غالباً انھی معماروں نے بنائی ہوگی جنھوں نے ساٹھ گمبا مسجد بنائی تھی، اس کا طرز تعمیر، گنبدوں کی ترتیب اور پتھر کے ستون بگرہٹ کی مسجد سے بالکل ملتے جلتے ہیں، ان تمام عمارتوں سے پٹھان طرز تعمیر کا پتہ چلتا ہے، جن میں اونچی اونچی نکلی ہوئی محرابیں، چھ فٹ چوڑے آثار کی دیواریں اور خاص طرز کی اینٹوں کے گنبد ہوتے ہیں،

مسجد کور بنگال کی مسجدوں کا بہترین نمونہ ہے، اس کے مقابلہ کی صرف دو مسجدیں اور ہیں، بکرم پور میں بابا آدم کی مسجد اور سیتا گاؤں میں جلال الدین کی، مسجد کور کا اندرونی رقبہ ۴۰ × ۴۰ ہے، دیوار کے آثار تقریباً سات فٹ ہیں، اس کے ہر طرف تین تین دروازے ہیں، صرف پچھم طرف پوری دیوار ہے اور مسجد کے فرش پر نماز کی صفوں کے لئے تین نشانات ہیں، درمیانی در کنارے کے دروں سے بڑا ہے، ۹ گنبد اندر کے چار پتھر کے ستونوں پر قائم ہیں، ساٹھ گمبا کی طرح اس میں بھی چاروں کونوں پر چار مینارے ہیں لیکن سامنے کے دو میناروں پر چڑھنے کے لئے زینہ نہیں ہے، اندر کی دیواریں منقش ہیں، اینٹوں پر خوبصورت چھوٹے چھوٹے دائرے ہیں، مسٹر سنڈر کا خیال ہے، کہ یہ بنگال کے حکمران کی بادشاہت کا نشان ہے، کیونکہ اس کے سکوں پر بھی اسی طرح کے دائرے ہوتے تھے، اس کی تعمیر کے وقت مسجد کے تین طرف خندق اور ایک طرف ندی تھی، جنوب کی طرف کی خندق کا نشان اب بھی موجود ہے،

لکھی ہے، اور بگرہٹ کے کتبہ کے مطابق وفات کی تاریخ ۲۶ ذی الحجہ ۸۶۳ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۴۵۹ء ہے، یہ قصہ بھی مشہور ہے، کہ شہنشاہ دہلی نے اسے اس خطہ کو زیر نگین کرنے کے لئے بھیجا تھا، اس سلسلہ میں اُس نے عجیب و غریب کارہائے نمایاں انجام دئے،

اس کے علاوہ باقی گیارہ فقرا مختلف حصّوں میں پیر کی حیثیت سے بس گئے، وہاں کی روایت کے مطابق غریب شاہ اور بہرام شاہ دو درویش آگے بھیجد یے گئے تھے، تاکہ وہ ایک مقام پر پہنچکر جسکو اب جسور کہتے ہیں، خان جہان کے لئے کھانا تیار رکھیں، چنانچہ وہ وہیں مقیم ہو گئے، ان دونوں کے مقبرے کے متعلق ایک حجرہ ہے، جس پر ہندو اور مسلمان دونوں نذر و نیاز چڑھاتے ہیں، پیر بہاء الدین کبدک ندی کے کنارے ایک مقام پر ٹھہرے، جس کا نام بعد میں ان کے نام پر بہر اور یہ کہلایا، دو درویش باپ بیٹے بوڑھان خان اور فاتح خان جنوب کی طرف بڑھکر آمدی میں مقیم ہوئے، یہ بھی اسی ندی کے کنارے ایک گاؤں ہے، جو کھلنا کی تحصیل میں چند کھالی سے سات میل کے فاصلہ پر واقع ہے،

خان علی نے سندربن کا کافی حصہ اپنے قبضہ میں کر لیا، اور بگرہٹ کے قریب اپنی حویلی بنائی جہاں اس نے سٹھ گنبا (ستر گنبد کی خرابی ہے) مسجد تعمیر کرائی جس میں پتھر کے ساٹھ ستونوں پر، ۷۷ گنبد قائم تھے، اس کے علاوہ اپنے تمام ساتھیوں (اختیار خان بختیار خان، عالم خان، سعادت خان، احمد خان، دریا خان، شیر خان وغیرہ) کے لئے مسجدیں بنوائی تھیں، جن میں ان کی حیثیت کے مطابق تین سے لیکر نو گنبد تک تھے، ہر مسجد کے متعلق ایک حوض تھا، جس کی شکستہ یادگاریں اب تک بگرہٹ میں موجود ہیں، اس سلسلہ میں وہ اپنے یار غار بوڑھا خان کو بھی نہیں بھولا، اس کا صحیح نام معلوم نہیں ہے، اس کے لڑکے فتح خان سے ممتاز کرنے کے لئے اسکو ضعیف کے معنی میں بوڑھا خان کہتے تھے، اس کا مستقل ہیڈ کوارٹر آمدی تھا، لیکن اسکی جاگیر بھی ... ہے، بگرہٹ اور ... کے پاس تھا، جس کے

سمجھ مین نہیں آتی، مگر غور کرنے سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے، کہ یہ مالیخولیا ہمارے بزرگوں کے سلوک سے پیدا ہوتا ہے، اور بچپن سے اسکی نشوونما ہوتی رہتی ہے،

یہ خیال اسی وقت سے شروع ہوجاتا ہے، جب ہم اپنی چھوٹی سی ذات کو بڑے بوڑھون سے گھرا پاتے ہین، اور جن کی عقل، طاقت اور قوتِ عمل کے متعلق ہمارے خیالات مبالغہ آمیز ہوتے ہین ہر بچہ اپنے کو چھوٹا اور کم سمجھتا ہے، اور اپنے بڑوں کو حیرت سے دیکھتا ہے، اس حد تک اس کا یہ خیال فطری ہے لیکن اگر اس کے ساتھ بڑون کا سلوک اس قسم کا ہے، کہ اس سے اس کے دل مین یہ شبہہ پیدا ہو جائے، کہ اس کی یہ کمی فطری نہین، بلکہ ذاتی نقص کی وجہ سے ہے، تو وہ حد سے زیادہ خود احساس ہوجاتا ہے، اس کی نظر ہمیشہ اپنے اوپر رہنے لگتی ہے، اور وہ اپنے نقص و کمی کے خیال مین غلطان و پیچان رہتا ہے،

بچپن مین سوچنے کی صلاحیت تو ہوتی نہین ہے، اسلئے بار بار وہ اپنے دل سے یہ سوال کرتا ہے، کہ لوگ میرے متعلق کیا رائے رکھتے ہین، اگر کسی نے کبھی، بدمعاش، کاہل، سُست، کمزور جیسے الفاظ کہہ دیئے، تو اس کو یقین ہو جاتا ہے، کہ وہ سچ کہہ رہے ہین، اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بزرگ کچھ نہین کہتے لیکن وہ ان کے رویہ سے ان کی رائے کا پتہ چلاتا ہے، وہ ہر بے رُخی کو بُری طرح محسوس اور اسکو اپنے ذاتی نقص پر محمول کرتا ہے، اگر کبھی اس پر کوئی ہنس دے، تو اس کے دماغ مین یہ بات سما جاتی ہے، کہ واقعی اسکی صورت مضحکہ انگیز ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک سے جو بزرگون کی فطرت ہے، لڑکے اپنے کو نا اہل اور ناکارہ سمجھنے لگتے ہین، اس اعصابی پریشانی کو سمجھنے کے لئے بچپن کے قائم شدہ اس نقش پر گہری نفسیاتی نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے، یہ دو طرح کے ہوتے ہین،

اگر کسی لڑکے کے ساتھ بچپن مین گردوپیش کا سلوک ایسا ہو، کہ اس کے دماغ پر یہ خیال مسلط ہو جائے، کہ وہ گھر کے تمام افراد سے کمتر اور بزرگون کے لئے وبال ہے، تو یہ ابتدائی نقش برابر

عید اور دوسرے تہواروں کے موقعوں پر آس پاس کے مسلمان اب بھی اس مسجد مین نماز کے لئے جمع ہوتے ہین، یہ دیکھکر بڑا صدمہ ہوتا ہے، کہ اس کا بالائی شمالی اور مغربی حصہ گھنے جنگلون سے ڈھک گیا ہے جس کی وجہ سے ندی کے خوبصورت پیچوں کے سامنے سے عمارت کا دلکش منظر غارت ہو گیا ہے، دروازون کے محرابون کی اینٹین ٹوٹ گئی ہین، یا لوگون نے اکھاڑ دی ہین، گنبد بھی مجروح ہو گئے ہین،

مسجد سے ڈیڑھ میل جنوب مین موجودہ آمدی کا گاؤن ہے یہین بوڑھا خان اور فتح خان نے سکونت اختیار اور کچہری قائم کی تھی، ان درویشون کے گھرون کی یادگارین اینٹون کے ڈھیر کی زبان سے اب بھی یہی کہانی سنا رہی ہین،

ن خندقون کے درمیان تین تالاب ہین جنوب کی سمت کچھ اور آگے بڑھکر ایک بہت بڑا تالاب ہے، جس کو کالیکا ڈیگی کہتے ہین جس کا طول ہندؤن کے طرز پر شمال وجنوب کی جانب ہے، کہا جاتا ہے، کہ یہ تالاب اندر نرائن چودھری نے کھدوایا تھا جس کے مکان کے کھنڈر بابو کیلاش چندر گھوش کے مکان کے احاطہ مین اب بھی موجود ہین، فتح خان اور بوڑھا خان کے مقبرے پچیس سال پہلے سالم تھے، اب ندی مین گر پڑے ہین، لیکن یہ جگہ آس پاس کے مسلمانون کے لئے اب بھی زیارت گاہ ہے،

(اسلامک کلچر) ا۔ع

کمتری یا برتری کا خبط

بچے، جوان، بوڑھے سب اپنے متعلق کچھ نہ کچھ رائے رکھتے ہین، کوئی اپنے کو ہر جگہ اور ہر موقع پر بلند و برتر سمجھتا ہے، اور کوئی اپنے کو کہین بھی کسی قابل نہین سمجھتا، ایک شخص ہر مجلس مین پیش پیش رہتا ہے، دوسرا آدمی کی صورت سے بھاگتا ہے، یہ روزانہ کے مشاہدات ہین، لیکن ان کی علت بظاہر

وہ بائلر کے اندر بھاپ کو دبائے رکھے، جس سے انسان انتشار تردد اور پریشانی میں پڑجاتا ہے؛ کیونکہ اس وقت ڈرائیور کو راستہ صاف نہیں دکھائی دیتا، اور وہ راہ کی تعیین کی سوچ میں پڑجاتا ہے؛ دوسرا عمل یہ ہو سکتا ہے کہ وہ سامنے کے خطرات سے بچنے کے لئے انجن کو مخالف سمت موڑ دیتا ہے، یہ انتہائی خوف کی حالت ہوتی ہے، اور اس سے اس وقت رہائی حاصل نہیں ہوتی، جب تک اسے کوئی کنج عافیت نہ مل جائے،

گویا ساری باتوں کا انحصار انجن ڈرائیور کے خیال پر ہے، اگر وہ محفوظ مقاموں کو خطرناک سمجھتا ہے، یا خطرناک مقاموں کو محفوظ تصور کرتا ہے، تو وہ اسی خیال کے تحت میں کام کرتا ہے، اس کی آنکھیں حقیقت کو نہیں دیکھتیں، بلکہ اس کے خیالات اس کے اعمال کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اس تمثیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے، کہ انسان بچپن کی ناسمجھی میں کس طرح اپنے متعلق غلط رائے قائم کر لیتا ہے، اور پھر ہمیشہ یہ سوچا رہتا ہے، کہ زمانہ مجھے کیا کہتا ہے، اور گرد و پیش سے قطع نظر کرکے اس کی ساری توجہ اپنی ذات پر مرکوز ہوجاتی ہے، وہ اپنے ہر عیب کو اتنا بڑا سمجھتا ہے، کہ اسکی موجودگی میں اسے اپنی زندگی میں کامیابی کی کوئی امید نہیں رہجاتی حالانکہ اُسے یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنی ذات کو تو کسی طرح بدل نہیں سکتا، انجن جیسا بھی ہے اسی سے کام لینا ہے، ایسی حالت میں ایک سیدھی راہ پکڑلے، اور زمانہ کے کہنے سننے کا مطلق کوئی خیال نہ کرے، بلکہ اسکی نظر زمانہ کی رفتار پر ہونی چاہئے، کہ وہ زمانہ کو کیسا سمجھتا ہے، اور اس سے کتنا فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور یہ طے کرلے کہ زمانہ کچھ بھی سمجھے یا کہے ہمیں اپنا مستقبل روشن بنانا ہے، اور ان مقاصد کے لئے ہمارے پاس یہی ایک انجن ہے، اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں، کہ زندگی کو کامیاب بنانے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دنیا کو ایک تجربہ گاہ تصور کریں، جہاں ہمارا کام رازہائے سربستہ کو کھولنا ہے، قیمت اس بات سے نہیں بڑھتی

گہرا ہوتا جاتا ہے، اور جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی ہے، وہ خیالی کمزوری اور کمی کو چھپانے کی کوشش
ہے، اس کے مقابلہ مین دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لڑکا ایسے ماحول مین پلتا ہے، جہان وہ
طرح اپنے کو تمام ساتھیون سے برتر سمجھنے لگتا ہے، اور جیسے جیسے سن شعور کو پہنچتا ہے، اسی د
مین رہتا ہے، کہ کسی طرح اس حیثیت کو قائم رکھے، حتی الامکان اسی بات کی کوشش کر
جس سے وہ دوسرون پر غالب رہے، اور اس کام سے ہمیشہ پرہیز کرتا ہے، جس سے ا
جذبہ کو نقصان پہونچنے کا خطرہ ہو،

کمتری اور برتری دونون کے احساس مین کوئی خاص فرق نہین ہوتا، دونون حا
مین اپنی ذات کا احساس اتنا چھایا رہتا ہے، کہ اس کے مبتلا کی حالت کو غیر مطمئن اور خط
بنا دیتا ہے، اگر کمتری کا احساس ہے، تو اس وقت تک چین نصیب نہین ہوتا، جب تک خا
کمزوریون پر پردہ ڈالنے کا سامان مہیا نہ ہو جائے، اور برتری کا احساس اسکی جگہ نہ لے لے
اگر برتری کا خبط سوار ہوا، تو اس وقت تک سکون نصیب نہین ہوتا، جب تک اس
یقین و اطمینان نہ ہو جائے، کہ زندگی میں اس کا کوئی حریف و مقابل نہین ہے،

ان تمام باتون پر غور کرنے سے یہ سوال ہوتا ہے، کہ اس کا علاج کیا ہے،؟ ا
جواب اس تمثیل سے مل سکتا ہی، کہ انسان ایک مشین یا انجن ہے، جسے زندگی کے شاہراہ
دیا گیا ہے، جسم بائیلر، دماغ ڈرائیور اور قوت حیات اسٹیم یا بھاپ ہے، بھاپ کا
دباؤ ہوتا ہے، جسے زندگی کو خوش گوار بنانیکی خواہش سے تعبیر کر سکتے ہین، اب یہ انجن
کا کام ہے کہ وہ انجن کو خوشنما وادیون مین لیجائے، یا لق و دق صحراؤن مین، اگر ڈرا
یعنی دماغ زندگی کی راہ کو خوش آیند سمجھتا ہے تو وہ اسکی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے، اور
خوشگوار معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر راہ مین خطرات نظر آئے تو اوس کے دو عمل ہوتے ہین

اخبار علمیہ

کلام اللہ کا ایک عتیق نسخہ

کولمبیا یونیورسٹی نے حال ہی مین ایک روسی کتب فروش سے سمرقند کے ایک مشہور کوفی قرآن کے عکسی فوٹو کی ایک کاپی خریدی ہے، یہ ان پچاس کاپیون مین سے ایک ہے، جو ۱۹۰۵ء مین سینٹ پٹرسبرگ لائبریری میں ڈاکٹر لیپارت نے تیار کرائی تھین، اسکی اصل انقلاب روس کے زمانہ مین ہندوستانی مسلمانون کی درخواست پر سمرقندیون کو واپس کردی گئی تھی، اسکے بعد پھر اس کا کوئی پتہ نہ چلا، روسیون کے پاس یہ نسخہ کیسے آیا تھا، اسکی تاریخ دلچسپ ہے،

اے شیبونن (A. Shebunin) کی روایت کے مطابق اس کو ترکستان کے گورنر جنرل دن کافین (Von Kaufman .) نے پیٹرسبرگ کی پبلک لائبریری میں تحفۃً پیش کیا تھا، اور اسی کیساتھ اسکی یہ مختصر تاریخ لکھی تھی، کہ

ضلع زاریہ شانسکی (Zaria Shansxi) کے سالار نے مجھے کوفی رسم الخط کا ایک قرآن جو چرمی کاغذ پر لکھا ہوا، اور اعراب اور دوسری علامتون سے معرّا تھا، دیا، اس سے پہلے وہ سمرقند کی ایک مسجد کی ملکیت مین تھا، مسلمانون کی نگاہ میں اس قرآن کی اہمیت کا اندازہ کرکے میجر جنرل ابراموو (Majgn Abramov) نے ضلع سمرقند کے لفٹنٹ کو مقرر کیا کہ وہ اس بات کا پتہ چلائے کہ اس قرآن کو لینے سے مسلمانون کے مذہبی جذبات کو ٹھیس تو نہیں لگے گی، علما اور

کہ زندگی میں ہمیں کتنی خوشی اور مسرت ملنی چاہئے، بلکہ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ زندگی کو ہم کتنا دلچسپ اور خوشگوار بنا سکتے ہیں، اور اسی کے اندر اپنے کو بڑھانے کے کون کون سے وسیلے دریافت کرسکتے ہیں، اس اصول کے مطابق دنیا کا سب سے بدیا غریب یا بہت معمولی آدمی بڑی خوشی ومسرت کی زندگی بسر کرسکتا ہے، اس کے مقابلہ میں ایک بڑے عاقل اور دولت مند انسان کا مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا رہنا ممکن ہے، خوشی اور کامیابی کا راز صرف خیال میں مضمر ہے، تجربات کی دنیا میں مسرت کی تلاش ہونی چاہئے،

انسان کو اپنی حالت کا موازنہ دوسروں سے نہ کرنا چاہئے، کہ کون کون سی خوبیاں اور عیوب دوسروں میں ہیں، اور مجھ میں نہیں ہیں، اس سے زندگی خوش وخرم نہیں رہ سکتی، بلکہ اپنی حالت کا اندازہ ان صلاحیتوں سے لگانا چاہئے، جو ہماری ذات میں موجود ہیں، ارادہ میں قوت، دماغی صلاحیتوں پر بھروسہ، صحیح نظر، اپنی ذات پر اعتماد اور زمانہ کو پہچاننے کی اہلیت، زندگی کی کامیابی کے ارکان واصول ہیں، اور زندگی کے تجربات میں بھی ایک مزہ ہے، ہر تجربہ آیندہ زندگی کے لئے دلیل راہ بنتا ہے، دنیا کو سمجھنا اور اس کے اندر اپنے لئے اچھی جگہ بنا لینا خوشی اور کامیابی کی اولین شرط ہے، صحیح نظریہ یہ ہے کہ ہم زمانہ کو کیسا سمجھتے ہیں، یہ نہیں ہے کہ زمانہ ہمیں کیا کہتا ہے،

(ا - ع)

نقوش کی تعداد ایک سو پچاس ہے، مختلف سورتون کو خاص قسم کے نشانات کے ذریعہ ایک دوسرے سے ممتاز کیا گیا ہے،

کتابت کا املا عموناً کوفی رسم الخط کے مطابق ہے، لیکن بعض بعض جگہ اس سے مختلف بھی ہے، آخر مین شیبون نے لکھا ہے کہ اسکی کتابت دوسری صدی ہجری کے اوائل مین عراق مین ہوئی تھی، رسم خط املا اور دوسری خصوصیات کے اعتبار سے اس قسم کا دوسرا نسخہ پیرس مین بھی ہے،

جاپان مین عالم اسلامی کی نمایش

کچھ عرصہ ہوا دو ہفتہ تک ٹوکیو اور اوساکا مین اسلامی دنیا کے مذہبی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی امور کی نمایش کی گئی، یہ نمایش بہت پسند کی گئی، اس کے دیکھنے والون کی تعداد روزانہ لاکھ سے زیادہ ہوتی تھی، اس نمایش کے موقع پر اسلامی ممالک کے نمایندہ بھی شریک ہوئے تھے،

نمایش مین جامع مسجد دہلی مین عید کی نماز، یمن، بغداد، ایران، قاہرہ، انگورہ، کاروانِ حج، افغانستان، مکہ معظمہ، ترکستان اور مصر کے مختلف مناظر کی بڑی بڑی تصویرین بھی تھین،

مسلمان نمایندوں مین عبدالرشید ابراہیم، موسیٰ جار اللہ، سید مجتبی، محمد علی جاہبی، سید اسمٰعیل جیسے ممتاز اکابر بھی شریک تھے، اس سلسلہ مین ایک جلسہ بھی ہوا جس مین ان لوگوں نے اسلامی مسائل پر تقریرین کین،

جاپان کی تعلیمی حالت

جاپان مین ابتدائی تعلیم جبری ہے، ۹۹،۶ فی صدی جاپانی بچے پرائمری اسکولون مین تعلیم پاتے ہین، یہ اسکول ہر جگہ قائم ہین، سارے جاپان مین ناخواندون کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، یہ ابتدائی تعلیم کا حال ہے، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم بھی بہت ترقی پذیر ہے، پورے جاپان مین ۵۰ یونیورسٹیان

دوسرے معززین نے اس سے کہا کہ قرآن اگرچہ ہمیشہ سے مسجد میں رکھا تھا، لیکن اسکی ملکیت میں تھا بلکہ امیر بخارا کی ملکیت سمجھا جاتا تھا، اب یہ قرآن نہ تو مسلمانون کے مصرف کا ہے، اور نہ مسجد کے اس کے قدیم رسم الخط کی وجہ سے اسکو کوئی پڑھ بھی نہین سکتا، اور صدیون سے بیکار پڑا ہے، اس بیان کے بعد میجر نے اسکو خرید لیا،

اس قرآن کی تاریخی اہمیت کے لحاظ سے مین اس کو مسجد کے دو ملاؤن کے فتوے کے ساتھ آپ کے پاس بھیجتا ہون، اس خط مین مین نے اس قرآن کی مختصر تاریخ لکھدی ہے، اسے آپ مع فتوے کے شاہی پبلک لائبریری مین میری طرف سے ہدیۃً داخل کر دین،

اس قرآن کے متعلق جو دنیا کے قدیم ترین نسخون مین کا ایک ہے، پوری تفصیل شیبون نے ۱۸۹۱ء مین شائع کرائی تھی، لیکن جو کچھ روس کے ایک رسالہ مین نکلا، وہ یورپین علماء تک نہین پہونچ سکا، اسکی تقطیع ۵۳ × ۴۸ سنٹی میٹر اور صفحات کی تعداد ۳۵۳ ہے،

کاغذ دبیز مضبوط چرمی ہے، ۶۹ صفحے یا گم شدہ اوراق کی جگہ اسی سائز کے دوسرے کاغذ لگے ہوئے ہین، ۳۵۳ اوراق مین اب صرف ۱۵ سالم ہین، باقی مین کچھ نہ کچھ نقصانات ہین،

خط:- جلی کوفی ہے، اور حد سے زیادہ متناسب، کوئی حرف توازن سے نکلنے نہیں پایا ہے، بعض امتیازی نشانات کو چھوڑ کر سارے قرآن مین کوئی نشان یا علامتین نہین ہین،

البتہ مختلف سورتون اور آیتون کو ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ کرنے کے لئے نشان کے خطوط بنا دیے گئے ہین، تقریباً ہر دس آیتون کے بعد رنگین نشانات بنے ہوئے ہین، جنکی شکل عموماً ڈھائی سنٹی میٹر مربع ہے،

اس مربع میں ایک ستارہ بنا ہوا ہے، جس کا قطر ایک سنٹی میٹر ہے، جس کے اندر آیتون کے شمار کا عدد ہے، یہ پھول نما نقوش زیادہ تر چار رنگ کے ہین، ارغوانی، سبز، نیلے اور نارنجی اُن

مطبوعاتِ جدیدہ

نظمِ اردو ۔ از جناب حکیم سید ابو العلاء صاحب ناطق لکھنوی تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ، پتہ معلوم نہیں،

نثر مین اردو زبان کی اچھی سے اچھی تاریخین موجود ہین لیکن اسکی منظوم تاریخ کی جدت ہماری زبان کے کہنہ مشق ادیب و شاعر حکیم سید ابو العلاء صاحب ناطق کے حصہ مین آئی، نظم کے گوناگون قیود اور محدود پیرایہ بیان مین مختلف النوع تاریخی واقعات کا اس طرح نظم کرنا کہ تاریخی حقائق کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، اور لطفِ شاعری مین بھی فرق نہ آئے، بڑا دشوار کام ہے، ناطق صاحب کی قادر الکلامی نے اس دشوار کام کو آسان کر دکھایا، اور کل ستاون بندون مین اسلامی ہندوستان کے زمانہ سے صدیون پیشتر، عرب، وسط ایشیا اور ہندوستان کے قدیم علمی و تجارتی تعلقات کے عہد سے لے کر لکھنو کے آخری دور تک اردو زبان کی پیدائش، مختلف صوبون مین اسکی نشو و نما، عہد بعہد کی ترقیون، ہر دور کے شعراء و مصنفین اور نظم و نثر کی ترقیون کی پوری تاریخ بیان کر دی ہے، اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اردو زبان کی ضخیم تاریخون مین جو کچھ لکھا جا چکا ہے، اس کا نچوڑ اس مختصر نظم مین موجود ہے، اور لطفِ بیان مین کہین فرق نہیں آنے پایا ہے، کتاب کے شروع مین مولنا عبد الماجد صاحب دریابادی، مرزا جعفر علی خان اثر، مولوی محمد حسین صاحب محوی، خواجہ حسن نظامی اور دوسرے متعدد اہلِ قلم کے دیباچے، تبصرے، تعارف اور پیش لفظ وغیرہ ہین، خود مصنف کے قلم سے اردو زبان اور شاعری کے رموز و نکات پر ایک عالمانہ مقدمہ ہے، ہر شاعر اور ناظم کے نام کے بالمقابل حاشیہ پر اس کے کلام کا نمونہ دیدیا

تقریباً دوسو کالج، دو ہزار مڈل اسکول، اور ایک ہزار زنانہ مڈل اسکول قائم ہین، ہر تعلیم گاہ جدید ترین اصول پر ہے، اس کے بعد اخبارات اور پبلشنگ کا نمبر ہے، اس میں بھی وہ کسی ملک سے پیچھے نہین ہے، اور تعلیم کیساتھ طباعت کے کام مین بھی حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے، ایک سال مین تقریباً بیس ہزار موضوعون پر کتابین شائع ہوئی ہین، مختلف اخبارات کی تعداد بیس ہزار ہے، جن مین ایک ہزار پانچ سو روزانہ ہین، بعض اخبارون کی اشاعت میں لاکھ سے زیادہ ہے، رسالے بھی ایک لاکھ سے زیادہ نکلتے ہین، اکثر ماہانہ رسالون کی اشاعت پانچ لاکھ تک ہے،

مقناطیس سے خون کی جانچ

کیلی فورنیا یونیورسٹی لوس انجلز کے ڈاکٹر سی، ڈی، کوریل (Dr. C. D. Coryell) نے مقناطیس اور خون کے سلسلہ میں یہ حیرت انگیز انکشاف کیا ہے، کہ خون مقناطیس کا جزو ہے، چنانچہ خون سے بھری ہوئی ایک نلکی دو تیز برقی مقناطیس کے درمیان رکھی گئی، اسکے اثر سے قریب کے کھڑے ہوئے ڈاکٹر کی رگون کا خون تیزی سے اسکی طرف کھنچنے لگا، مزید تجربہ کیلئے دوسرے اجزا بھی رکھے گئے، لیکن اتنی کشش کسی سے نہیں ہوئی، ڈاکٹر کوریل نے میں گیلن گاے کے اور خود اپنے خون پر اس عمل کا تجربہ کیا جس کا نتیجہ بہت اچھا نکلا، امید ہے کہ اس انکشاف سے خون سے زہر کو روکنے مین بڑی مدد ملے گی۔

بولنے والی مچھلی

نیویارک کے ریڈیو اسٹیشن سے ایک مچھلی کی بولی نشر کی گئی، جس نے لوگون کو حیرت مین ڈالدیا، یہ مچھلی جنوبی امریکہ کے ایک علاقہ امیزن مین پائی گئی تھی، اور جزیرہ اسٹیٹن کے عجائب خانہ مین رکھی گئی، وہان سے نیویارک کے ریڈیو اسٹیشن لائی گئی، اور فطری تاریخی پروگرام مین اسکی عجیب و غریب آوازین سُنی گئین،

(ع ۔ ا)

پہچان سکتے ہیں دیدہ ور نقاد کا کام ہے، کہ وہ پہچان لے، اور ان کے چہرہ سے نقاب ہٹا کر اصلی صورت نمایاں کردے، چنانچہ ان مضامین میں ان خود فراموشیوں اور موجودہ دور کی پیداوار، تہذیب، تعلیم سیاست، آئین، قوانین، لیڈری، اڈیٹری، پبلک، کونسل، الکشن، کانفرنس کمیٹیاں، عدالتیں، تجارت اور دوسری گرانمایہ اجناس کے چہرہ سے جس طرح نقاب اٹھائی گئی ہے، وہ عوام کے لئے سامان تفریح اور خواص کے لئے مقام عبرت ہے، بعض بعض فقرے جو پورے مضمون کی جان ہیں، معنی کی وسعت کے لحاظ سے نیز سبق آموزی کے اعتبار سے، نیز حکمت اور تاثیر کے اعتبار سے نشتر و تضاد کا حکم رکھتے ہیں، اور ایسی کثرت سے ہیں، کہ ممکن نہیں، آپ کے آس پاس ہی ان کا نشانہ نظر نہ آجائے، بعض اوقات خود اپنا جائزہ لینے کی ضرورت پیش آجاتی ہے، اگر ان فقروں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے، تو ایک نصیحت آموز نشترکدہ تیار ہو سکتا ہے، ان کا وار ایسا دل دوز ہوتا ہے، کہ اس کا مارا ہوا نہ فریاد کر سکتا ہے، نہ تڑپ سکتا ہے، اپنی خصوصیات کے اعتبار سے، رشید صاحب کے دوسرے مضامین کی طرح یہ مجموعہ بھی پڑھنے کے لائق ہے،

باقیاتِ بجنوری

مرتبہ جناب محمد فاتح فرخ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۴۲ صفحے، ٹائپ ستھرا، قیمت مجلد عہ، پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، اور اس کی شاخیں،

ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری مرحوم ان ہونہار اور جوانمرگ ادیبوں میں تھے، جن کی صلاحیتوں کو بہت کم ظہور کا موقع ملا، اگر دیوان غالب پر ان کا مشہور مقدمہ نہ ہوتا، تو نئی نسلوں کو ان کے ادبی پایہ کا علم بھی نہ ہوتا، عام طور پر ان کی یہی ایک علمی یادگار سمجھی جاتی تھی، لیکن اس کے علاوہ ان کے بعض مضامین اور تحریریں بھی تھیں، جنھیں ان کے فرزند رشید محمد فاتح فرخ نے کتابی شکل میں مرتب کر دیا ہے، گو ان کی تعداد بہت کم ہے، لیکن بیش قدر بھی ہے، وہ ان کے ادبی درجہ اور ان کی دوسری صلاحیتوں کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے، اس مجموعہ میں بجنوری کی مشہور تصنیف

ہے، اور ایک مستقل حاشیہ مین نظم کے تاریخی اشارات کی تشریح اور اشخاص کے مختصر حالات ہین، اس طرح یہ مختصر نظم اردو کی پوری تاریخ بن گئی ہے، اردو زبان کے جنم بھوم کے مختلف دعوؤن کو مصنف نے بڑی خوبی سے فیصل کیا ہے، لیکن اس نظم کی زبان حال سے ثابت ہے، کہ اردو زبان کی خدمت مین ان کے وطن کا پلہ سب پر بھاری ہے، امید ہے کہ اہل علم کے حلقہ مین نظم کے شایان شان اسکی قدردانی ہوگی،

خندان اور دوسرے مضامین

از پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۸۱ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ پتہ: مکتبہ جامعہ دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی،

یہ پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کی چالیس ریڈیائی (برقی) تقریرون کا مجموعہ ہے، رشید صاحب کا خاص رنگ طنز و ظرافت حدود و قیود کا پابند نہین ہے، اس کا میدان جتنا تنگ ہوگا، اتنا ہی اسکا وار کمزور ہوگا، اسلئے خیال تھا، کہ ریڈیو کی گوناگون پابندیون مین تیغ زبان کی وہ کاٹ اور چمک باقی نہ رہی ہوگی، لیکن ان تقریرون کے پڑھنے سے معلوم ہوا، کہ کمال کا اصل ظہور وسعت و آزادی مین نہین، بلکہ قیود اور پابندیون ہی مین ہوتا ہے، ان تقریرون مین زندگی کے مختلف النوع واقعات و حالات اور روزانہ کے مشاہدات و تجربات کی نہایت سچی اور دلچسپ تصویرین ہین، نوعیت کے اعتبار سے ان مین انسانی فطرت کے مختلف رخون کی مصوری اور افراد اور جماعتون کی خصوصیات ہین، ان مین دلکش مرقعے بھی ہین اور سبق آموز خاکے بھی، حقائق و صداقتین بھی ہین، اور بذلہ سنجی کے پھول بھی، ادب و انشار کا طلسم بھی ہے، اور الفاظ کا کھیل بھی، لیکن اس کتاب کی جان وہ مضامین ہین جن میں انسانی کمزوریون کی رگ پر نشتر زنی ہے، انسانی کمزوریان اور اسکی خود فراموشیان ایسے ایسے خوشنما غلافون مین چھپی ہوتی ہین، کہ بعض اوقات ان کے مبتلا بھی انھین نہین

اور غیر مسلمون پر شاید اس کا اچھا اثر نہ پڑے، کہین کہین کتاب مین غلطیان بھی رہ گئی ہین، ایک مقام پر حضرت علیؓ کی زبان سے "مین حضرت ابوبکرؓ کے فضائل کا منکر نہ تھا" کے بجائے "منکر تھا" چھپ گیا ہے، ص ۹۴۔

پیامِ کیف جناب مرزا احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڈھ تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ:۔ مصنف سے ملے گی،

پیامِ کیف ہمارے شہر کے مشہور خوش مذاق شاعر مرزا احسان احمد صاحب کے کلام کا مجموعہ ہے، دیباچہ مین مصنف کے قلم سے اس کے حالات اور کلام پر مختصر تبصرہ ہے، یہ دیباچہ اپنی سادگی اور واقعیت کے اعتبار سے عام دیباچہ اور مقدمہ نگارون خصوصاً اپنے قلم سے اپنے متعلق لکھنے والون کے لئے نمونہ ہے، دیوان کے شروع مین دو افتتاحیہ نظمین ہین، اسکے بعد غزلین اور متفرق اشعار آخر مین مختلف نظمین ہین،

شعر و سخن کا مذاق رکھنے والے طبقہ مین مرزا صاحب کے کلام کے تعارف کی ضرورت نہین، جدید دور کے غزل گو شعراء کے دوسرے دور مین جو حسرت، فانی اور اصغر مرحوم کے بعد شروع ہوتا ہے، مرزا صاحب کا ممتاز درجہ ہے، ان کا کلام پرانے تغزل کے ابتذال اور رکاکتون سے بالکل پاک اور جدید پاکیزہ تغزل کا نہایت ستھرا نمونہ ہے، اس مین حسن کی عظمت و بلندی، عشق کی لطافت و پاکیزگی، خیالات کی رفعت، قلب کی حرارت، روح کی گرمی، جوش و سرمستی، اور خودداری و بلند نظری، جدید تغزل کے تمام عناصر اس کثرت کے ساتھ ہین، کہ ان کے کلام کی خصوصیت کہے جاسکتے ہین، اور حسن و عشق کا مقام اتنا بلند، ان کا ربط اتنا لطیف و پاکیزہ، اور باطنی کیفیتون سے اتنا معمور نظر آتا ہے، کہ روحانی کیف و سرور بن گیا ہے، عشق کی زاری مین خودداری اور بلند نظری کو نباہنا بہت مشکل ہے، لیکن اسکا سر رشتہ کہین ہاتھ سے چھوٹنے نہین پایا ہے، اس لحاظ سے شروع کی دو نظمین "سرور خودی" اور "کیا ہون" خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہین،

گیتان جلی" پر تبصرہ ہے، "وضع اصطلاحات علمیہ" کے عنوان سے قومی زبان کی ضرورت کے مختلف پہلوؤن پر مبصرانہ بحث ہے، "سیر لکھنو" میں شاہان اودھ کے مشہور مرقعے سے ان کی تاریخ پر سرسری مگر سبق آموز روشنی ڈالی گئی ہے، "داشتہ آید بکار" مین وہ ہدایات و نصائح ہیں، جو مرحوم نے اپنی بھائی حبیب الرحمن کو علی گڈھ کے سفر کے موقع پر تعلیمی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق دئے تھے، آخرین یورپ کے سفر اور وہان کے قیام کے زمانہ کے چند خطوط ہین، "وضع اصطلاحات علمیہ" اور "داشتہ آید بکار" سے ان کی وسعت و دقت نظر، اور مکاتیب سے ان کے مذہبی اور قومی جذبات کا اندازہ ہوتا ہے، ان مضامین کی تحریر آج زمانہ کے مذاق کے اعتبار سے کہین کہین نامانوس نظر آئیگی، لیکن یہ اس دور کی تحریر ہے، جب موجودہ طرز تحریر بن رہا تھا، امید ہے کہ بجنوری مرحوم کے قدردانون مین ان کی یہ یادگار مقبول ہوگی،

اسلام زندہ باد مولفہ جناب عبد المجید صاحب قریشی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۔ عہ ر، پتہ :۔ مینجر سیرت بک ڈپو پٹی ضلع لاہور،

مولوی عبد المجید صاحب قریشی جو مفید مذہبی خدمت انجام دیرہے ہین، مذکورۂ بالا کتاب اسی کی ایک کڑی ہے، کتاب مین دو باب ہین، پہلے باب مین بارہ ہندو اور عیسائی نومسلمون کی زبان سے ان کے قبول اسلام کے موثر اسباب بیان کئے گئے ہین، دوسرے باب مین سیرت نبوی کے اخلاقی پہلوؤن اور مختلف طبقات اور اصناف کے اسلام کے پیدا کردہ نمونون، خلیفۂ برحق، سلطان عادل، وزیر کامل، مہمان حق شناس، مادر فیاض، مصلح باصفا، عالم باعمل، جوان غیور، مجاہد جانباز، واعظ بے طمع، سالار ذی شان، فرزند غیور، زاہد حق آگاہ اور شہید انور کے مذہبی اخلاقی، اور مجاہدانہ کارنامون کو اس طرح پیش کیا گیا ہے، جس سے اسلام کی حقانیت، صداقت اور اسکی تاثیر کا نمونہ سامنے آجاتا ہے، یہ کتاب مختلف حیثیتون سے مفید ہے، لیکن بعض نومسلمون کے قبول اسلام کے اسباب ایسے ہین، کہ ان سے خوش عقیدہ مسلمانون کے ایمان مین تو ضرور تقویت ہوتی ہے، لیکن آج کل کے تعلیم یافتہ طبقہ

ولی اللہ نمبر کے چند خاص مضامین نگار حضرات اور مضامین

اس نمبر کی پوری کیفیت تو صرف مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکے گی صرف چند خاص مضامین کا ذکر یہاں بھی کیا جاتا ہے

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدیر رسالہ ترجمان القرآن لاہور	تقریباً ساٹھ صفحہ کا نہایت فاضلانہ اور محققانہ مقالہ ہے جس کا عنوان ہے "منصب تجدید کی حقیقت اور تاریخ تجدید میں شاہ صاحب کا مقام" — اس میں پہلے اسلام اور جاہلیت کی اصولی کشمکش کی وضاحت کی گئی ہے پھر دکھلایا گیا ہے کہ جاہلیت کن کن راہوں سے "اسلام" پر حملہ آور ہوتی ہے اور مجددین ملت کا کام کیا ہوتا ہے اور تاریخ اسلام کے مشہور مجددین حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام غزالی، امام ابن تیمیہ، حضرت مجدد الف ثانی نے کس طرح اپنے زمانوں میں اسلام کو جاہلیت کے اثرات سے پاک کیا اور پھر شاہ ولی اللہ اور ان کے بعد شاہ اسمٰعیل شہید نے کیا کچھ کیا اور ان کی تاریخ ہم کو کیا سبق دیتی ہے یہ مقالہ صرف مقالہ نہیں ہے بلکہ ایک مستقل دعوت فکر اور پیغام عمل بھی ہے۔
حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ	زوال سلطنت اسلامی کے اسباب شاہ صاحب کی نظر میں نہایت بصیرت افروز مضمون ہے۔
حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ پروفیسر اعلیٰ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن	شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں پر ڈیڑھ سو صفحہ کا وجد آفریں اور ایمان افروز مقالہ ہے جو شاہ صاحب کے عہد کی پوری سیاسی تاریخ پر بھی حاوی ہے اور جس میں حکمت ولی اللہی کی روشنی میں عہد حاضر کی مذہبی و سیاسی گمراہیوں پر بھی بڑے عجیب انداز میں تنبیہات کی گئی ہیں۔
حکمت ولی اللہی کے ماہر خصوصی حضرت مولانا عبیداللہ سندھی	حکمت ولی اللہی کی مکمل تاریخ و تشریح شاہ صاحب کی مجددانہ خصوصیات اور قرآن، حدیث، فقہ اور سلوک و تصوف سے متعلق علوم میں حضرت ممدوح کے تجدیدی کارناموں پر مفصل و مبسوط بحث پورے نو صفحات پر آئی۔
مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم اے اڈیٹر برہان دہلی	مقالہ کا عنوان ہے "انقلابی یا مجدد؟" جس میں بتلایا گیا ہے کہ شاہ صاحب کا صحیح مقام ایک صاحب عزیمت مجدد کا ہے نہ کہ ایک "انقلابی" کا نہایت مفید اور ہدایت افروز مقالہ ہے۔
مولانا مسعود عالم صاحب ندوی	مقالہ کا عنوان ہے "شاہ صاحب سے پہلے ہندوستان میں اسلام کی حالت اور دینی ارتقاء" اپنے موضوع پر نہایت کامیاب پر مغز اور بیش بہا معلومات مقالہ ہے جو بڑی محنت اور قابلیت سے لکھا گیا ہے۔
مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی استاذ تفسیر ندوۃ العلماء و اڈیٹر "الندوہ" لکھنؤ	حضرت شاہ صاحب کے علمی و عرفانی مقام، آپ کے تصنیفی کمال اور آپ کی تصانیف کی مجددانہ امتیازی خصوصیات پر نہایت پر مغز اور بصیرت افروز مقالہ ہے۔
مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دارالمصنفین اعظم گڈھ	مقالہ کا عنوان ہے "شاہ صاحب کا ایک علمی ماخذ" جس میں دکھایا گیا ہے کہ شاہ صاحب کی ذہنی تربیت میں علامہ ابن تیمیہ کے علمی افادات کا خاص حصہ ہے۔
مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان بریلی	شاہ صاحب کے سوانح حیات اور ہر قسم کی گمراہیوں کے خلاف آپ کا جہاد

ان کے علاوہ بعض حضرات کے اور بھی مفید علمی اور اصلاحی مقالے ہیں نیز شاہ صاحب کی شان میں چند آبدار بلند پایہ نظمیں بھی ہیں جن کا اجمالی تذکرہ بھی عدم گنجائش کی وجہ سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس سب کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کے دست مبارک کی لکھی ہوئی بعض نہایت اہم تاریخی تحریرات نیز آپ کے مزار مبارک وغیرہ تاریخی یادگاروں کے فوٹو بھی اس میں ہوں گے۔

المعلن
ناظم دفتر الفرقان۔ بریلی یوپی

اکثر جدید شعراء کا یہ مشترک عجز ہے، کہ وہ اپنے خیالات کو دلنشین الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتے،
اس لئے ان کا کلام حسن بیان کے اعتبار سے بہت خام ہوتا ہے، لیکن مرزا صاحب کا کلام نہ صرف
اس عیب سے پاک ہے، بلکہ وہ حسن معنی کے ساتھ حسن ظاہر کا بھی نمونہ ہے، الفاظ مترنم ترکیبیں
خوشنما بیان میں ندرت معانی اور برجستگی، جملہ ظاہری اوصاف سے آراستہ ہے، امید ہے کہ خوش مذاق
طبقہ میں پیام کیف کی پوری قدردانی ہوگی،

خواتین دکن کی اردو خدمات | مؤلفہ جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۹۲ صفحے،
کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ:۔ نصیر الدین
ہاشمی، ممتاز منشن روڈ، خیرت آباد، حیدر آباد دکن،

نصیر الدین صاحب ہاشمی اس سے پہلے عہد عثمانی میں حیدر آباد کی خواتین کی علمی ترقی پر ایک
کتاب لکھ چکے ہیں، اب پورے دکن کے ہر دور کی خواتین کی اردو زبان کی خدمت پر یہ دوسری کتاب لکھی ہے، جس میں ان کی
اصناف ترقی کے اعتبار سے مختلف دور اور طبقے قائم کرکے علحدہ علحدہ عثمانی عہد سے قبل اور اس کے
بعد، جامعہ عثمانیہ کی پیداوار اور اس سے غیر متعلق شاعر، نثر نگار، مقرر، صحافی خواتین کے مختصر حالات
ان کی شاعری، نثر اور تقریروں کے نمونے اور حیدر آباد کی نسوانی انجمنوں کے حالات ہیں، پھر اسی
نہج پر برار، مدراس، بنگلور اور میسور کی چند خواتین کے حالات ہیں، کتاب اپنے موضوع پر اتنی حاوی
ہے کہ غالباً دکن کی کسی تعلیم یافتہ خاتون کا نام چھوٹنے نہیں پایا ہے، حتیٰ کہ زیر تعلیم لڑکیوں تک کے
حالات موجود ہیں، اس سے دکن کی خواتین کی خدمت اردو کا تو اندازہ ہوجاتا ہے، لیکن لائق مؤلف
نے غالباً حوصلہ افزائی کے لئے مدح و ستائش میں افراط سے کام لیا ہے،

(م)

مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا